وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعٰلمین

تاریخ اسلام

سنہ ۱۳۵۹ھ

یعنی

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری

(مرتبہ) حضرت مولانا مولوی محمد عاشق الٰہی صاحب مدظلہ

جسکو

بڑی کوشش اور محنت سے جناب حافظ محمد یوسف صاحب مالک
کتبخانہ رحیمیہ رائے پور نے بہت ہی عمدہ لکھوا کر اور چھپوا کر انتہائی
صحت کے ساتھ اپنے

کتبخانہ رحیمیہ رائے پور سے شائع کیا

قیمت چار روپیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخ اسلام

باب اوّل

چاہِ زمزم

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی منکوحہ بی بی حضرت سارہ بنت ہاران صرف لاولد ہی نہ تھیں بلکہ قدرتی طور پر بانجھ اور عالم اسباب میں بظاہر ہمیشہ کے لئے اولاد سے مایوس ہو چکی تھیں اور گو آخر میں حق اللہ جل شانہٗ کی قدرت سے حضرت اسحٰق علیہ السلام انہیں کے شکم سے آپ بطن سے پیدا ہوئے تاہم یہ معجزہ کے طور پر ولادت اس مایوسی کے ایک زمانہ کے بعد تھی جو حضرت سارہ کو اپنی عمر کے ڈھلتے وقت سے پیدا ہو گئی تھی اور اسی حالت سے یہ ہمارا اصلی قصہ بھی متفرع ہے۔ اس زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وطن شہر بابل دار السلطنت اور حاکم وقت اللہ کا نافرمان بندہ نمرود بن کوش تھا۔ نمرود نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنے دعوے ربوبیت کا مخالف پا کر ایک آگ کے ڈھیر میں ڈلوا دیا اور وہ آگ بحکم خدا گلزار بن گئی جس کا مشہور قصہ عام اہلِ ادیان کی وردِ زبان ہے تب نمرود ابراہیم علیہ السلام کو اپنا مطیع بنانے سے بالکل مایوس ہو گیا اور اندیشہ ہوا کہ ابراہیم کا عام طور پر توحید کا اعلان فرمان بردار رعایا کے خیالات کو بھی مبدّل کر دیگا تو اس نے ابراہیم علیہ السلام کو معہ اہل خانہ کے جلاوطن ہو جانے کا حکم دیا اور ابراہیم علیہ السلام نہایت خوشی کے ساتھ اللہ کے بھروسہ پر فوراً اٹھ کھڑے ہو گئے اور اپنے وطن مالوف دار الکفر سے مصر کی جانب ہجرت کر گئے۔

بی بی سارہ رشتہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چچازاد اور حضرت لوط علیہ السلام کی حقیقی بہن نہایت ہی خوبصورت اور حسین ہونے کے علاوہ خاوند کی ضرورت سے زیادہ مطیع و فرماں بردار تھیں۔

حاکم وقت فرعونِ مصر یعنی سنان بن علوان خوبصورت عورتوں کا گرویدہ اور نہایت فاسق فاجر زانی، شہوت پرست شخص تھا جب اس نے بی بی سارہ کے خداداد حُسن کا شہرہ سُنا تو طبیعت میں ولولہ پیدا ہوا اور ابراہیم علیہ السلام سے کہلا بھیجا کہ اگر زندگی چاہتے ہو تو سارہ کو بنا سنوار کر فوراً ہمارے حضور میں حاضر کرو۔

ابراہیم علیہ السلام کو گو تشویش زیادہ ہوئی لیکن حاکم و محکوم کا مقابلہ کیا۔ قہر درویش برجانِ درویش سارہ کو فرعونِ مصر کی جانب روانہ کر بارگاہِ لم یزلی میں دست بدعا ہوئے کہ بار الہٰا غریب بندوں کی عزت آبرو تیرے ہی ہاتھ ہے

بی بی سارہ فرعون کے پاس پہنچیں اور بدکار ظالم بادشاہ نے پاکدامن خاتون کی جانب ہاتھ بڑھانا چاہا کہ یک لخت اس کا ہاتھ شل ہوگیا اور تمام بدن بے حس ہوگیا گویا کسی سخت پکڑنے والے نے ہاتھ پاؤں جکڑ دیئے۔ فرعون اپنی یہ حالت دیکھکر گھبرا گیا اور بی بی سارہ سے بعجز و انکساری التجا کی کہ اللہ واسطے مجھ پر رحم کرو اور دعا کرو کہ میں اس پنجۂ غضب سے نجات پاؤں۔

بی بی سارہ نے دعا کی اور فرعون کے ہاتھ کھل گئے لیکن اس کے سر پر تو شیطان سوار تھا طبیعت میں ایک جوش تھا جس نے عقل و ہوش پر پردہ ڈال رکھا تھا پچھلی بیجا حرکت کی نخوت یاد اش سے بھی متنبہ نہ ہوا اور پھر دست درازی شروع کی۔ ہاتھ کا بڑھانا تھا کہ پھر وہی حالت طاری ہوئی جو پہلی مرتبہ ہوئی تھی قصہ مختصر تین مرتبہ یہی واقعہ پیش آیا اور فرعون مصر نے بی بی سارہ کی یہ حیرت انگیز کرامت دیکھکر اپنی ایک خاص اور خوبصورت لونڈی ہاجرہ نام انکو دیکر رخصت کیا۔ اور یہ ہنسی خوشی اپنے گھر آئیں۔ بی بی سارہ چونکہ اولاد سے مایوس ہوچکی تھیں اس لئے انھوں نے واپس آکر اپنی باعزت مملوکہ اپنے پیارے شوہر حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو ہبہ کردی جو درحقیقت قطعی النسل تھیں اور تھوڑے ہی دنوں بعد ہاجرہ کے بطن سے ابراہیم علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اس وقت ابراہیم کی عمر ایک کم سو برس کی تھی ابراہیم علیہ السلام کو اپنے اکلوتے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام سے نہ صرف اس وجہ سے زیادہ محبت تھی کہ یہ لخت جگر بی بی سارہ کی جانب سے مایوس ہونیکے بعد پیدا ہوا تھا۔ بلکہ اس وجہ سے بھی کہ اس ننھا بچے کی ملاحت آمیز آنکھوں خداداد حسن اور قدرتی نور پیشانی سے جلوہ گر ہو رہا تھا کہ خلیل اللہ کا یہ پیارا بیٹا بھی اپنے زمانہ میں خلعت پیغمبری زیب تن کرے گا۔

اسمٰعیلؑ نے اپنے پیدا ہوتے ہی باپ کی توجہ اپنی ہی جانب زیادہ مبذول نہیں کی بلکہ اپنی ماں بی بی ہاجرہ کو بھی ابراہیم علیہ السلام کی خاص محبت اور مخصوص عنایت کا مورد بنادیا۔ جو واقع میں حضرت سارہ کی عطا کی ہوئی لونڈی تھیں اور بظاہر یہی بی بی سارہ کے پورے ملال کا باعث ہوا۔

یہ سوال کہ حضرت سارہ جیسی ولیہ اور مقبول خدا کے بے کینہ سینہ میں رشک کا مادہ کیوں پیدا۔ ذرا پیچیدہ سوال ہے تاہم اتنا کہنا تسلی بخش ہوسکتا ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام بشریت سے خالی نہیں تو اولیا کرام کو جملہ خیالات بشری سے پاک کہدینا کسی صورت صحیح نہیں اور یہ ظاہر ہے کہ بی بی ہاجرہ کی طرف سے جو کچھ بھی کشیدگی حضرت سارہ کو ہوئی وہ محض تقاضائے بشریت تھی جو عام طور پر ایک عورت کو اپنی سوکن سے ہونی چاہیے اور اس میں قریب قریب بشری قوت عاجز ہے۔

چندروز بعد بی بی سارہ نے اپنے برگزیدہ شوہر کو اس پر مجبور کیا کہ ہاجرہ میری آنکھوں سے اوجھل کی جائے اور یہ دونوں ماں بیٹے کسی ایسے مقام پر پہنچادیئے جائیں جہاں میرا ان کا یکجا ہونا دشوار ہو۔

حضرت خلیل اللہ نے حکم باری تعالیٰ کا انتظار کیا اور آخر علم یزلی بارگاہ سے بھی یہی فرمان صادر ہوا کہ سارہ کی

رضا جوئی تم کو لازم اور ہاجرہ کا مع اسمٰعیلؑ کے کسی لق و دق میدان میں جلد پہنچا دینا مناسب ہے، کیونکہ اس علیحدگی کے سلسلہ میں ہماری بے پرواہ سرکار کو اسمٰعیلؑ کی نسل سے ایک مشہور ملک کا آباد کرنا اور ایسے عجائب امور لوگوں کو دکھانے منظور ہیں جن کا مقدس وجود قیامت تک قائم رہے گا۔

بی بی ہاجرہؑ کو کچھ خبر نہ تھی کہ ابراہیم علیہ السلام کس شش و پنج میں گرفتار اور کس حکم کا انتظار کر رہے ہیں یہانتک کہ خلیل اللہؑ نے ان کو مع شیر خوار بچہ کے ایک سنسان جنگل میں لا بٹھایا۔ جہاں کوسوں آدمی کیا معنی چٹیل میدان بے آب و گیاہ ہونے کے باعث کسی چرند یا پرند کا گذر بھی کبھی کبھی محض اتفاقیہ ہو جاتا تھا۔

وہ ہُو کا میدان یہی مقام ہے جہاں اب خانہ کعبہ زادہا اللہ شرفاً و تعظیماً موجود اور کُل سطح زمین کی فرمانبردار مخلوق کا مرجع اور معبد ہے جس کی موجودہ رونق نے اس پچھلی وحشتناک حالت کو قریب قریب بالکل نسیاً منسیاً بنا دیا ہے۔

یہ لمبا چوڑا جنگل جس میں بی بی ہاجرہ اپنے ہونہار بچے کو چھاتی سے لگائے ہوئے اُتری تھیں ایسا بھیانک اور خوفناک منظر تھا جس میں تنہا رہنا بڑے دل جگرے کا کام تھا۔ کوسوں آدمی کی آواز کا سُنائی نہ دینا میلوں سبز گھاس یا سایہ دار درخت کا نظر نہ آنا اور کسی جانب پانی یا چشمے کی سرسراہٹ کا محسوس نہ ہونا اس وحشت کو اور زیادہ کئے دیتا تھا جو اس تنہائی میں یہاں رہنے والے کو پیش آتی تھی۔

ابراہیم علیہ السلام نے اپنے غمزدہ دل کو سنبھالا اور نہایت صبر و استقلال سے ماں بیٹوں کو ریت پر بٹھا رخصتی نظر ڈالنی شروع کی اور آسمان کی جانب نظر اٹھا کر کہا کہ "بار الٰہا تیرا ناچیز بندہ ابراہیم تیرے ارشاد کی تعمیل میں آج اپنے نورِ نظر اور اسکی بیکس ماں کو اس بے آب و گیاہ سنسان میدان میں تنہا چھوڑے جاتا ہے ان بیکسوں کا تو ہی والی اور سنبھالنے والا ہے۔ تو میری ظاہری اور باطنی حالت سے خوب واقف ہے اور تو ہی خوب جانتا ہے کہ یہ کلیجہ شق کرنے والا جانکاہ حادثہ تیرے ارشاد سراپا رشاد کی بموجب محض سارہ کی رضا جوئی کیلئے ہے نہ اپنی کسی عداوت یا کشیدگی کے باعث بار الٰہا تو علام الغیوب اور روزی رساں ہے۔ ان کمزور بندوں کی حمایت اِن قابلِ رحم ضعیف جسموں کی پرورش اور اُن پریشان صورتوں کی حفاظت تیرے ذمہ ہے تو ہی انکا کفیل ہے اور تو ہی انکا کارساز" یہ کہکر ابراہیم علیہ السلام نے ایک تھیلی جس میں تھوڑے سے چھوارے تھے اور ایک چھوٹا سا مشکیزہ پانی کا ہاجرہ کے پاس رکھکر واپس ہونیکے ارادہ سے مُنہ پھیر لیا۔ بی بی ہاجرہ کو ابتک خبر نہ تھی کہ یہ کیا معاملہ ہے جب اپنے شوہر کو جاتے دیکھا تو دوڑ کر دامن پکڑ لیا اور نہایت حیرت و استعجاب اور درد انگیز ملایم آواز سے کہا کہ پیارے شوہر ہم بیکسوں کو تنہا کس پر چھوڑتے ہو اور تم ہم سے خفا ہو کر کہاں جاتے ہو۔؟

حضرت خلیل اللہ کے دل پر اس کلام کے سُننے سے جو کچھ چوٹ لگی ہو گی اس کا اندازہ وہی طبیعتیں کر سکتی ہیں جو درد آشنا ہوں۔ لیکن ابراہیم علیہ السلام کا دل وہ دل نہ تھا جو اللہ کے مقابلہ میں اپنے یا اپنے لڑکے کی جان کو

عزیز سمجھے یا امتحان کے وقت کچھ ہراس اور ملال کا اظہار کرے اس لئے نہایت استقلال کے ساتھ جواب دیا کہ ہاجرہ میں تم کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں اور تمہارا تسلی بخش جواب صرف اس قدر ہے کہ میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں اس قادر مطلق کے حکم سے کر رہا ہوں جس کے قبضۂ قدرت میں ابراہیم کی جان ہے۔

بی بی ہاجرہ نے فوراً دامن چھوڑ دیا اور ابراہیم علیہ السلام وہاں سے روانہ ہوئے تاہم جبتک ابراہیمؑ نظر آتے رہے بی بی ہاجرہ کی ٹکٹکی اسی جانب بندھی رہی لیکن جب بُعد مسافت نے ہاجرہ کی نظر کو تھکا دیا اور خلیل اللہ نگاہ سے اوجھل ہو گئے تو اب وہ نظر شیر خوار بچّہ پر پڑی جسکی بے بسی و بے کسی کھُلی ہوئی حیرت زدہ آنکھوں سے ظاہر ہو رہی تھی اب بی بی ہاجرہ کے چہرہ پر اطمینان وسکون کے وہ آثار نمودار ہو چکے تھے جو اپنے مہربان پروردگار پر جان فدا کرنیوالے بندے کے چہرے پر شہید ہوتے وقت نمودار ہونے چاہئیں غرض ہاجرہ نے تھیلی کھولی اور چند چھوارے کھاکر مشکیزہ میں رکھے ہوئے پانی سے سوکھے لب تر کرلئے اور بچے کو دودھ پلانے کے لئے چھاتی سے لگا لیا۔

چند روز گذرے تھے کہ تھیلی چھواروں سے خالی اور مشکیزہ کا پانی ختم ہوگیا اور وہ وقت بہت جلد آ گیا کہ ہاجرہ کے کمر سے لگے ہوئے پیٹ اور پپڑی جمے ہوئے ہونٹوں نے تمام اعضا کو کمزور اور بصارت تک کو ضعیف بنا دیا ایسی حالت میں چھاتی میں دودھ کہاں کہ بھوکے پیاسے بیتاب بچّے کو ایک دو قطرے ہی سے بہلا دیا جائے۔

آہ۔ اس وقت ماں نے حسرت بھری نظر سے تڑپتے ہوئے بچّہ کو دیکھا اور فوراً ہی گھبرا کر اس خیال سے مُنھ پھیر لیا کہ کاش مصیبت زدہ بھوکے پیاسے بچّے کی یہ تنگ حالت رنجوں کی ماری ماں اپنی آنکھوں سے نہ دیکھے لیکن یہ بے چینی ایسی نہ تھی کہ بچّوں کی آنکھوں سے اوجھل ہونے میں کم ہو جاتی۔ غمزدہ کلیجہ میں ایک آگ سی اُٹھی جس سے مجبوراً وہ نظر بیتابانہ دوبارہ بچّہ پر پڑی اور ہاجرہ مایوسی اور گھبراہٹ کے حال میں تڑپ کر بیتاب ہو گئیں۔

شیر خوار بچّہ کے گورے گورے چہرے کا رنگ آناً فاناً متغیر ہو جاتا تھا اور بھوک کی بیتابی سے رونے روتے آواز بھی پڑ گئی تھی۔ ہاجرہ کا بس نہ تھا کہ اپنے جسم و خون کا پانی بنا کر ان خشک ہونٹوں کو تر کر دیں۔

ہاجرہ کا کلیجہ مُنھ کو آتا تھا اور یہ بھی خبر نہ رہی تھی کہ میں خود بھوکی پیاسی آب ودانہ کی محتاج ہوں اپنے لخت جگر کا سسکنا تڑپنا ایڑیاں رگڑنی اور جان دینے کیلئے ذرا ذرا سے نازک پاؤں ریتلی زمین پر دے دے مارنے بے چین نظروں سے دیکھتیں اور گھبرا کر آنکھوں میں آنسو بھر لاتی تھیں۔ آخر اس جاں کنی کی دیکھنے کی تاب نہ لا کر ہاجرہ وہاں سے اُٹھ کھڑی ہوئیں اور اس موہوم امید پر کہ شاید کہیں قطرے دو قطرے پانی دیکھ سکوں یا کوئی رستہ چلتا مسافر نظر پڑ جائے کہ اس کے زادِ راہ سے اِس آخری وقت میں کچھ مدد پہنچے۔ کوہ صفا پر جا چڑھیں جو وہاں سے چند قدم کے فاصلہ پر ریت کا ٹیلہ نظر آ رہا تھا۔ لیکن ہائے افسوس نہ کہیں پانی کا پتہ ملا اور نہ کسی آدمی یا جانور کا نشان نظر آیا۔ بے قرار ماں کو اتنا بھی صبر نہ تھا کہ تڑپتے ہوئے بچّہ کو اتنی دیر تنہا چھوڑے رکھے کہ اپنی عدم

موجودگی میں وہ روح اللہ کے حوالے کرے اس لئے آخری صورت دیکھنے کے خیال سے بیتابانہ نیچے اُتر آئیں اور بچہ کو اسی تڑپتی ہوئی حالت میں دیکھکر پھر گھبرا اُٹھیں اور پہلے ہی خیال میں اس دوسری مرتبہ کوہ مروہ پر جا چڑھیں جو کوہِ صفا کے سامنے دوسری جانب واقع تھا لیکن وہاں بھی میدان صاف تھا۔

ہاجرہ کی کوشش تھی کہ میں ناز پروردہ نورِ نظر کی روح نکلتے ہوئے اپنی غمزدہ آنکھوں سے نہ دیکھوں لیکن وہ ماں کی مادرانہ محبت جس نے نو مہینے پیٹ میں رکھوایا اور جبتک چھاتی میں خون کا دودھ بن کر آتا رہا دودھ پلوایا کب یہ خیال پورا ہونے دیتی تھی۔ اِک آگ تھی کہ سینہ میں شعلہ زن تھی اور ایک دھواں تھا کہ بار بار کلیجہ سے اُٹھتا تھا نہ بچہ کی یہ دگرگوں نزع کی حالت دیکھے صبر تھا اور نہ آنکھیں پھیرے یا دور چلے جائے بن پڑتا تھا۔

اس فرطِ محبت کے جوش اور ناگفتہ بہ بے چینی نے ہاجرہ کو سات بار صفا پر چڑھایا اور سات ہی بار صفا سے اُتار کر بیٹے کی ایک جھلک دکھانے کے بعد کوہ مروہ پر جا کھڑا کیا گویا سات مرتبہ ہر دو پہاڑی کا طواف کرادیا جو آجتک عمرہ کے نام سے مشہور اور قیامت کے دن تک کامل حج کا جزو بنکر رائج رہیگا جیسکا اللہ کے مسلمان بندوں کو حکم ہے۔ اس طواف کی ساتویں دفعہ تھی اور بی بی ہاجرہ کی روح فرسا مصیبت کا آخری وقت تھا کہ اللہ جل شانہٗ کی بے پایاں رحمت کے بحر ذخار نے اُبلنا شروع کیا۔ اسمٰعیل علیہ السلام زمین پر پڑے بے چینی سے ایڑیاں رگڑ رہے اور جان توڑ رہے تھے کہ مقدس فرشتے جبرئیلؑ کی وساطت سے ایڑی رگڑتے رگڑتے ایک قدرتی چشمہ نمودار ہوا اور پانی اس طرح اُبلنے لگا جیسے بی بی ہاجرہ کا کلیجہ اپنے بچہ کی بیتابی سے کوہِ مروہ پر اُمنڈ رہا تھا۔ ماں نے اپنی عادت کے موافق اس ساتویں مرتبہ پیارے بچہ پر اس گمان سے نظر ڈالی کہ غالباً اب اسکی روح نکل چکی ہوگی اور اس مرتبہ میری نظرِ اسمٰعیل کی نعش پر پڑے گی جسے بے کفن مجھی کو اپنے ہاتھوں سے اس چٹیل میدان کے کسی حصہ میں مٹی کے نیچے دبانا پڑیگا کہ یکایک وہ مایوس نظر حیرت و تعجب سے بدل گئی اور اسمٰعیل علیہ السلام کے پیروں کے نیچے اُبلتا ہوا صاف اور شیریں پانی نظر آیا جو درحقیقت اسمٰعیل علیہ السلام کی حالتِ طفولیت کا ایک زندہ اور برقرار معجزہ تھا۔

بی بی ہاجرہ کی اس مسرت اور فرحت کا اندازہ نہیں ہوسکتا جو مایوس ہوئے پیچھے خلاف اُمید مادۂ حیات ہاتھ لگنے پر ان کو حاصل ہوئی نہایت بیتابی اور شوق کے ساتھ غٹ غٹ پلیا اور دونوں ہاتھوں سے اس کو اس خیال سے روکنا اور جلدی جلدی اس کی مینڈ کا بنانا شروع کردیا کہ کہیں بہہ نہ جائے اور ختم ہوجانے والی مصیبت دوبارہ اپنی ہولناک صورت نہ دکھائے۔ یہی پانی آبِ زمزم کہلاتا ہے۔

زمزم کا پانی کوئی معمولی پانی نہ تھا جو صرف تشنگی رفع کرنے کا کام دیتا بلکہ اس میں غذائیت بھی تھی کہ وہ بطورِ خود غذا اور پانی دونوں کا کام دیکر جسم کو پروان چڑھاتا تھا اور قوت ہاضمہ کو مدد دیتا تھا۔ اب ہاجرہ کی طبیعت کو معاش کی طرف سے بھی اطمینان ہوگیا اور یہ ہُو کا میدان ایک سرسبز باغ نظر آنے لگا جسمیں قسم

کے میوے اور عیش و آرام کے تمام سامان مہیا تھے۔

حضرت خلیل اللہ کی دعائیں بھی ضرور تھیں اور رافت ربانی کے ظہور کے لئے عالم اسباب میں کوئی سبب قائم ہونا لازمی امر تھا۔ اس لئے چند ہی روز گذرے تھے کہ قبیلہ جرہم کے چند تجارت پیشہ یمن سے آتے ہوئے مسافرو کا اس راستے گذر ہوا اور اتفاقاً ریگستان کی کٹھن منزل کے طے کرنے کا وقت ختم ہو جانے کے باعث ان کا غیر معمولی قیام بھی اس موقع پر ہوا جس سے کچھ ہی فاصلہ پر بی بی ہاجرہ اپنے بیٹے کو چھاتی سے لگائے چاہ زمزم کے کنارے اپنے عزیز اوقات کو اللہ کی یاد میں صرف کیا کرتی تھیں۔

آب زمزم پر اللہ کی ہوائی مخلوق یعنی طیور کے اڑنے اور چہچہا چہچہا کر ادھر سے ادھر اور ادھر سے آنے جانے کا ایک نیا عالم ان سوداگروں کی نظر پڑا تو متحیر ہو گئے ایک نے دوسرے سے کہا کہ ہم تجارت پیشہ لوگ ملک یمن سے شام اور ملک شام سے یمن آتے جاتے عموماً اسی راستہ سے گذرتے ہیں لیکن اس لق و دق میدان میں کہیں پانی کا نشان نہیں دیکھا پھر یہ پرندکیوں اڑتے نظر آتے ہیں۔

ایک شخص اس کی ٹوہ میں ریگستان کے گرم ریت اور پتھریلی زمین کے سخت پتھروں کو قطع کرتا ہوا اس مقام پر جا پہنچا جہاں پرند اڑ رہے تھے اور ایک نو پیدا چشمے کے کنارے ایک خوبصورت عورت کو مجسم نور گلاب جیسا نازک اور حسین بچہ گود میں لئے ہوئے بیٹھا دیکھکر حیران ہو گیا۔ اور واپس آ کر ہمراہیوں سے ماجرا بیان کیا حیرت انگیز معاملہ اس قسم کا تھا کہ اہل قافلہ اپنے ساتھی کی اطلاعی خبر کے محض سننے پر اکتفا کرتے اسلئے ہر ایک نے بطور خود چاہ زمزم کے دیکھنے کی خواہش کی اور اب بی بی ہاجرہ کو عالم تنہائی میں ایک عرصہ کے بعد چند بنی آدم کی صورت نظر پڑی جن کا دیکھنا اس جنگل میں عنقا ہو گیا تھا۔

قافلے والے گو متحیر ضرور تھے لیکن یہ بھی سمجھ چکے تھے کہ یہ عفت مآب عورت کوئی معمولی عورت نہیں ہے بلکہ اللہ کی پیاری اور کوئی مقبول بندی ہے جس کی خاطر اس خشک ریتلی زمین سے چشمہ ابل آیا ہے۔ یہ لوگ جرأت کر کے آگے بڑھے اور ایک شخص نے بی بی ہاجرہ کو مخاطب بنا کر کہا "کیا آپ اجازت دے سکتی ہیں کہ ہم آپ کی خدمت میں اس متبرک چشمے کے کنارے رہنا اختیار کریں تاکہ آپ کو بھی چند ہمجنس شکلوں کے پاس رہنے سے انسیت حاصل ہو اور ہم اس ہونہار لڑکے کو جوان ہونے پر اپنا سردار بنا کر حلقۂ اطاعت کانوں میں ڈالنے کی عزت حاصل کریں

ہاجرہ نے جواب دیا کہ تمھارے یہاں ٹھیرنے میں تو کچھ حرج نہیں۔ البتہ اس کا اندیشہ ہے کہ تم اس چشمہ پر اپنا مالکانہ تصرف اور قبضہ کا استحقاق نہ قائم کرنے لگو۔ اہل قافلہ نے عہد کیا اور کہا آپ اطمینان رکھیں ایسا ہرگز نہ ہوگا بلکہ ہم اس نونہال کے تابعدار بنکر رہیں گے جس وقت یہ بالغ ہو کر ہم کو یہاں سے نکالنا چاہیں گے ہم فوراً نکل جائینگے

غرض اس قافلہ نے اپنے قبیلہ کو تمام معاملہ کی خبر دی اور وہ لوگ معہ اپنی قوم اور بال بچوں کے اپنے

وطن سے منتقل ہوکر اس جگہ آرہے اور مکانات تعمیر کر لئے۔
اسمٰعیل علیہ السّلام اپنی ماں کی تربیت میں نشوونما پاتے رہے اور جب جوانی کی عمر اور حدِ بلوغ کو پہنچے تو جرہم کی خاص مادری عربی زبان کے نہایت فصیح و بلیغ ماہر ہوئے۔ یہی وہ عربی لغت ہے جس میں کلام مجید نازل ہوا۔ قبیلہ جرہم نے اپنے کثیر المقدار مال میں ان کا حصہ لگا دیا۔ اور اس تقریب سے اسمٰعیل علیہ السّلام اس قوم کے سردار اور سب سے زیادہ متموّل شخص بن گئے جرہم کی ایک خوبصورت صاحب شرف و نسب عورت سے نکاح کیا۔ اور تیر اندازی میں شہرۂ آفاق ہوئے۔ بابرکت اوقات کا اکثر حصہ اللہ کی عبادت سے فارغ ہونے کے بعد ماں کی اجازت سے شکارگاہ میں صرف ہوتا تھا۔

باب دوم

ذبیح اللہ کا خطاب۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مذکورہ جانکاہ سانحہ کے متعلق جو کچھ بھی کیا تھا چونکہ وہ محض اللہ پاک کے حکم کی تعمیل اور بی بی سارہؓ کی رضا جوئی کے لئے تھا اس لئے پدری شفقت نے خلیل اللہ کو اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ اور بی بی ہاجرہ سے غافل نہیں ہونے دیا۔ بسا اوقات سال میں کئی کئی مرتبہ دونوں کو یہاں آکر دیکھ جاتے تھے تاہم وہ آنا جنتی مرکب یعنی براق پر کچھ ایسا رَوا روی ہوتا تھا جو بس خلیل اللہ ہی کی تسکین کے لئے کافی تھا۔ اسمٰعیل علیہ السلام سن بلوغ کو پہنچے تو خداداد حُسنِ صورت کو حسنِ سیرت سے وہ مناسبت ظاہر ہونے لگی جو گل کو بُو سے اور جسم کو روح سے ہونی چاہیئے۔ یہ کون کہہ سکتا تھا کہ یہی ہونہار مصیبت کا پلا ہوا ماں کا لاڈلا وہ بچہ ہے جو اپنے بڑے جیتے والی اولاد یعنی اہل عرب کو بنو ماء السماء کے خطاب کا مستحق بنائیگا اور یہ کسے خبر تھی کہ اس نونہال گلشن نبوت کی شرف نسل میں وہ گوہر یکتا مُہر نبوت پیدا ہوگا جس کی مرحومہ اُمت میں داخل ہونے کی آرزو تمام انبیاء علیہم السلام کرینگے۔ ناظرین کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ابراہیمؑ کے بعد جس قدر نبی ہوئے وہ سب آپ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت اسحٰقؑ بن ابراہیمؑ کی اولاد میں تھے۔ حضرت اسمٰعیلؑ بن ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں نبوت کا لباس پہننے والا صرف سید عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود و شاید اسی لئے تھا کہ ایک مبارک اور متبرک صدف میں صرف ایک ہی بے بہا گوہر کی گنجائش ہو سکتی ہے اور اس دُرِ فرید کا ہم پلہ کئی انبیاء علیہم السلام کا مجموعہ بھی نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ اس کو سید ولد آدم کا بزرگ خطاب اور خاتم النبیین کا محترم لقب بارگاہِ لم یزلی سے آدم ابوالبشر کے ذی روح ہونے سے پیشتر ہی عطا ہو چکا تھا۔

ابراہیم علیہ السلام کو خواب نظر آئی کہ کوئی غیبی کہنے والا صاف آواز میں کہہ رہا ہے کہ "اے ابراہیم اللہ کے نام پر اپنے بیٹے اسمٰعیل کو ذبح کر دو۔" جب آنکھ کھلی تو طبیعت میں باقتضائے بشریت کچھ نہ پریشانی اور فکر کا اثر موجود پایا

صبح آٹھویں ذی الحجہ کی صبح تھی اور شام تک قلب کا یہ حال رہا کہ ایک خیال جاتا اور دوسرا آتا تھا کبھی وسوسہ ہوتا تھا کہ یہ خواب کوئی شیطانی خیال ہے اور کبھی خیال گذرتا تھا کہ نہیں نہیں یہ جانب اللہ رویائے صادقہ ہے جسکی تعمیل مجھے کرنی ضرور ہے شام تک کسی ایک خیال کو غلبہ نہ ہوا اور تمام دن اسی شک کی حالت میں گذر گیا۔ اس لئے اس تاریخ کا نام اہل اسلام میں یوم الترویہ (شک کا دن) ہے۔

نویں ذی الحجہ کی شب تھی کہ پھر وہی خواب نظر آیا جس نے گذشتہ شب اضطراب میں ڈالا تھا جب صبح ہوئی تو ابراہیم علیہ السلام کا وہ شک بالکل رفع ہو چکا تھا اور اس دوسری خواب نے بتلا دیا تھا کہ وحی ربانی کو وسوسہ شیطانی سمجھنا اللہ کے تابعدار بندے کی شان سے بعید ہے اسی وجہ سے اس دن کو مسلمان یوم عرفہ (علم و عرفان کا روز) کہتے ہیں یہ تمام دن واجب التعمیل فرمان کے اہتمام میں خرچ ہوا اور شب کو تیسری بار پھر وہی خواب نظر آئی اور اگلا روز جسکا نام یوم النحر (قربانی کا دن) ہے اس کیلئے تجویز ہو گیا کہ آج پیارا بیٹا اسمٰعیلؑ باپ کے ہاتھ سے اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے۔ عالم کو منور کرنے والا آفتاب افق مشرق سے برآمد ہوا اور سورج کی لمبی لمبی کرنیں عرب کے اونچے پہاڑ اور ٹیلوں سے ٹکرانے لگیں حجازی ریگستان کے ذرے اپنی چمک اور جھلک دکھلا چکے تھے کہ حضرت خلیل اللہ اس میدان میں آموجود ہوئے جہاں بارہ برس ہوئے اپنے شیرخوار بچہ کو بیکس ماں کی گود کے گہوارے میں لیٹا ہوا چھوڑ گئے تھے۔

اسمٰعیل علیہ السلام نے باپ کو دیکھا اور مراسم تعظیم ادا کئے ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اے اسمٰعیلؑ چھری اور رسی لے آؤ اور چلو جنگل سے لکڑیاں کاٹ لاویں تاکہ ایندھن کا کام چلے۔ اسمٰعیلؑ فوراً گھر میں گئے اور ایک تیز چھری اور لمبی سی رسی لیکر باپ کے ساتھ ساتھ اس جنگل کی جانب ہو لئے جو کوہ ثبیر کے نشیب میں واقع ہے۔

وہاں پہنچکر ابراہیم علیہ السلام نے اپنی سچی خواب کا ماجرا کہہ سنایا اور فرمایا کہ اے اسمٰعیل اب بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے اور تم اپنی جان اللہ کے نام پر قربان کرنے کے لئے کہاں تک تیار ہو؟ اسمٰعیلؑ نے گردن جھکا لی اور عرض کیا کہ "در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست" مجھکو آپ متحمل اور صابر پائیں گے اور درحقیقت مجھ سے زیادہ خوش قسمت کون کہ اپنے رب مجازی حضرت خلیل اللہ کی معرفت اپنے رب حقیقی کو وہ روح حوالہ کرتا ہوں جو اس نے چند روز کیلئے مجھکو ودیعۃً مرحمت فرمائی تھی۔ اباجان! آپ دیر نہ کیجئے اور بسم اللہ کرکے میرے گلے پر چھری رکھ دیجئے مبادا انسان کا کھلا دشمن شیطان ہماری بے لوث اور خالص نیتوں کو بگاڑ نہ دے۔ البتہ چند درخواستیں منظوری کی امید پر پیش کرتا ہوں۔ اوّل یہ کہ آپ چھری خوب تیز کرلیں اور مجھکو رسی سے جکڑ کر باندھ دیں تاکہ میرے تڑپنے سے خون کی چھینٹیں آپ کے کپڑوں کو نجس نہ کریں۔ دوم یہ کہ مجھکو منہ کے بل زمین پر گرائیں تاکہ ذبح ہوتے وقت میری صورت آپ کو نظر نہ آئے۔ تیسرے یہ کہ میرا خون آلود کرتہ میری والدہ کو دیدیجئے تاکہ ان کو اکلوتے بیٹے کی ابدی مفارقت میں گونہ تسلی کا سامان ہاتھ آجائے اور بس۔

حضرت خلیل اللہ اپنے فرمانبردار بیٹے کی زبان سے یہ کلمات سنکر نہایت خوش ہوئے اور اپنے لخت جگر کو اس پتھر کے قریب

لائے جو منیٰ میں واقع ہے اور ایام حج میں حجاج کی قربانی کے جانور عام طور پر ابتک اسی منیٰ میں ذبح ہوتے ہیں۔

عالمتاب آفتاب ایک نیزہ چڑھ چکا تھا اور ابراہیم علیہ السلام خوشی خوشی چھری کو پتھر پر رگڑ رگڑ کر تیز کر رہے تھے فرشتوں میں ایک کھلبلی پڑی ہوئی تھی اور ملاء اعلیٰ میں تحیر کا عالم یہ ایسا عجیب منظر تھا جس کی کوئی مثال عالم میں ابتک نہ گذری تھی۔ نہ خلیل اللہ کے چہرہ پر کوئی پریشانی یا رنج کا اثر تھا نہ اسمٰعیلؑ کی صورت پر مایوسی یا فکر و غم کا کوئی نشان نظر آتا تھا چھری تیز ہو چکی اور حضرت ابراہیمؑ نے جوان بیٹے کو ذبح ہونے والی بکری کی طرح ماتھے کے بل زمین پر لاڈالا علوی مخلوق میں ایک کہرام مچ گیا لیکن کسی کی یہ طاقت تھی کہ جبروتی بارگاہ میں سوال کر سکے کہ یہ جگر دوز سانحہ کس مصلحت سے ہو رہا ہے؟

خدا جانے حضرت خلیل اللہ کے قلب میں کیسا جوش سمایا ہوا تھا کہ نور نظر کے ہر دو شانے کے مابین کمر پر بیٹھ گئے اور ایک بلند آواز سے بسم اللہ کہکر تلوار جیسی تیز اور آبدار چھری اسمٰعیلؑ کے نازک حلق پر چلا دی۔ ادھر گلستان نبوت کے باغبان نے باغ رسالت کے نازک پھول پر چھری چلائی اور ادھر عالم قدسی میں ایک شور برپا ہوا جبرئیل امین بے اختیار پکار اٹھے اللہ اکبر اللہ اکبر فوراً ہی ذبح ہونیوالے اسمٰعیلؑ نے بڑے بڑے جوش مسرت سے جواب دیا کہ لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر اور معاً ابراہیم خلیل اللہ نے کہا اللہ اکبر و للہ الحمد یہی مقدس اور پرجوش کلمات کا مجموعہ سنت ابراہیمی ہو کر ابتک عید الاضحیٰ میں بار بار پکارا جاتا ہے اور تا یوم القیام پکارا جائے گا۔

دیکھئے قربان ہر دار لاڈے لیکن بہادر بیٹے کی نازک طبیعت کو کس قدر قدرتی صبر نے ایسا سکون بخش رکھا ہے کہ عجیب استقلال کے ساتھ سجدہ میں پڑا ہوا گردن کٹوا رہا ہے گویا ذبیح اللہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اس فنا ہونیوالی جان کا خالق کے نام پر قربان کرنا میری سعادت مندی اور اس فخر کا باعث ہے جو دنیا میں حاصل ہونا خوش قسمتی پر دلالت کر رہا ہے اس لئے کوشش ہے کہ کہیں تیز چھری جلد اپنا کام پورا کرے اور خون بہنے کی سرسراہٹ جلد وہ نئی خوشی پیدا کرے جس کا گھنٹہ بھر سے انتظار ہے۔ لیکن خدا جانے اس چھری کو کیا ہو گیا کہ خلیل اللہ کو دلی کوشش میں کامیاب نہیں ہونے دیتی کچھ ایسی کند اور بیکار ہو گئی ہے کہ ریشمی کھال بھی قطع نہیں کر سکتی۔

ابراہیم علیہ السلام نے جب دیکھا کہ حلق پر چھری اپنا کام نہیں دیتی تو اٹھا کر گدی پر رکھا اور بسم اللہ اللہ اکبر کہکر زور سے چلائی غیب سے آواز آئی کہ "بس بس ہے ابراہیم تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا اطاعت کا یہی منشا ہے جو تجھ سے ظاہر ہوا اور فرمانبرداری اسی کا نام ہے جو تو نے کر دکھائی"

ابراہیم علیہ السلام اپنا کام پورا کر چکے تھے لیکن اللہ پاک کو جو صرف خلوص نیت کا دیکھنے والا اور محض قلبی حالت کا آزمائش کرنیوالا ہے مقصود نہ تھا کہ ابراہیمؑ کی تیز کی ہوئی چھری سے اسمٰعیل کا حلق کٹے اس لئے آسمانی مخلوق کی وساطت سے ایک آن میں اسمٰعیلؑ کی جگہ ایک مینڈھا لا ڈالا گیا جو ذبیح اللہ کا فدیہ ہو کر خلیل اللہ کے ہاتھ سے ذبح ہوا۔ یہ مینڈھا وہ قربانی

کا مینڈھا تھا جو آدم ابو البشر کے بیٹے ہابیل نے اپنے چھوٹے بھائی قابیل کی مخاصمت پر تصفیہ ہونے کی علامت میں اللہ کے نام کی نذر بنا کر پہاڑ پر چڑھایا تھا اور وہ مقبول ہو کر جنت میں اٹھا منگایا گیا تھا اور ابتک وہ جنت کا آب و دانہ کھا کر فربہ ہوتا رہا خوشا قسمت اس مینڈھے کی جو اسمٰعیل ذبیح اللہ کا فدیہ بنا اور زہے نصیب اس دنبہ کے جو ابراہیم جیسے خلیل پیغمبر کے ہاتھوں ذبح ہوا
ابراہیم علیہ السلام اٹھے اور فرحان و شادان بیٹے کا ہاتھ پکڑے واپس آئے۔

باب سوم (۳)

خانہ کعبہ کی دوسری بار تعمیر بیت اللہ الحرام جو روئے زمین کے تمام مسلمانوں کا مسجد ہے دنیا کا پہلا گھر ہے جس کو ابتدائے ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام نے یاقوت سرخ کا تعمیر کیا تھا۔

جب نوح علیہ السلام کے زمانہ نبوت میں ان کی بد دعا سے عام طوفان آیا تو اس وقت اللہ پاک نے فرشتوں کو حکم دیا کہ خانہ کعبہ آسمان پر اٹھا لیا جائے۔

جوں جوں زمانہ گذرتا گیا بیت اللہ کی بنیادوں پر مٹی نے جمتے جمتے سطح زمین کو اتنا اونچا کر دیا کہ کوئی صورت اصل بنیاد کے بھی معلوم ہونے کی نہ رہی۔

جب اسمٰعیل علیہ السلام کی عمر بیس سال کی ہوئی تو ان کی والدہ ماجدہ بی بی ہاجرہ نے نوے برس کی عمر میں انتقال کیا اور سنگ اسود کے پاس بیٹے نے اپنی پیاری ماں کو آنکھوں سے آنسو بہا بہا کے مدفون کیا۔

حضرت خلیل اللہ کو اللہ کا حکم ہوا کہ جس بے آب و گیاہ میدان میں تم اسمٰعیل اور ہاجرہ کو چھوڑ آئے تھے وہاں جاؤ اور بیت اللہ کو اس کی اصل بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کرو۔

ابراہیم علیہ السلام فوراً اس مقام پر آ پہنچے اور حضرت ذبیح اللہ کو دیکھا کہ چاہ زمزم کے کنارے بیٹھے تیر سیدھے کر رہے ہیں فرمایا کہ اے اسمٰعیل! اللہ کا مجھ کو حکم ہوا ہے کہ خانہ کعبہ کو اس کی اصل بنیادوں پر قائم کروں اور تم کو میری اعانت کرنی پڑے گی۔ اسمٰعیل علیہ السلام فوراً کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہو گئے۔

بڑی دقت یہ تھی کہ امتداد زمانہ کے باعث خانہ کعبہ کی بنیادیں زمین میں دب گئی تھیں ان کا ظاہر ہونا اور ان پر چنائی کے رد्दے کا رکھنا بشری قوت سے خارج تھا اس لئے حضرت خلیل اللہ نے دعا کی کہ بار الٰہا تیرے مقدس گھر کی بنیادیں نظر آ دیں تو تیرے حکم کی تعمیل ہو اسی وقت ایک آندھیا چلا جس نے ریت کے تودے ادھر سے ادھر اٹھا پھینکے اور آنکھوں دیکھتے جو کچھ مٹی بنیادوں پر جمی تھی سب دوسری جانب جا پڑی۔

اس وقت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی عمر تیس ۳۰ سال کی تھی ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کا کام شروع کیا اور اسمٰعیل علیہ السلام نے نواحی مکہ معظمہ کے پہاڑوں سے پتھر ڈھونے شروع کئے۔

بڑے بڑے پتھروں کے روے چندہی رکھے گئے تھے کہ دیواریں قدآدم آلگیں اوراب ابراہیم علیہ السلام کو روے رکھنے کیلیئے ایک سڈول پتھر پر کھڑے ہونے کی ضرورت ہوئی جس پتھر پر کھڑے ہو کر بیت اللہ تعمیر کیا گیا اس پر خلیل اللہ کے متبرک قدموں کے ہوبہو نشان ابتک موجود ہیں اس کو مقام ابراہیم کہتے ہیں اور اسی کے قریب دو رکعت پڑھنی وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى سے ثابت ہیں۔ حضرت خلیل اللہ کا یہ پائدار معجزہ تاقیامت باقی رہے گا۔

اسمٰعیل علیہ السلام جن پہاڑوں کے پتھر ڈھو رہے تھے وہ پانچ ہیں یعنی کوہ حرا۔ کوہ لبنان۔ کوہ ثبیر۔ کوہ جودی۔ کوہ طور اور بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ پتھر کوہ حرا۔ کوہ ابو قبیس۔ قدس۔ ورقان۔ رضوی کے تھے غرض دونوں باپ بیٹوں نے نہایت خلوص کے ساتھ تعمیر کو اختتام پر پہنچایا اور بارگاہ رب العزت میں دست بدعا رہوے کہ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ یعنی بارالہا ہماری اس خدمت کو قبول فرما بیشک تو بندوں کی دعا سننے والا اور خلوص قلب کا جاننے والا ہے۔

پھر حضرت خلیل اللہ جبل ابو قبیس پر چڑھے اور بہ آواز بلند پکارا کہ اے بندگان خدا یہ اللہ کا مقدس گھر تمہاری زیارت گاہ ہے چلو اور یہاں آکر اس کا طواف کرو۔ خدا جانے یہ کس قسم کی قدرتی آواز تھی کہ موجودہ بنی آدم اور قیامت تک آنیوالی روحوں میں جس جس کی تقدیر میں حج کرنا روز ازل میں لکھا جاچکا تھا اپنے آباء کی اصلاب اور ماؤں کے پیٹوں میں پکار اٹھے کہ لبیک لبیک اللھم لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد والنعمة لک والملک لاشریک لک

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے وطن واپس ہوئے اور اسمٰعیل علیہ السلام نے خانہ کعبہ کے متولی بنکر اس کو صاف رکھنا جھاڑ دینا عبادت کرنا دوسروں کو عبادت کی ترغیب دینا طواف کرنا اور طواف کرانا موجب نجات و برکت دارین سمجھا۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اپنی پہلی بیوی کو حضرت خلیل اللہ کے مرضی کے موافق نہ ہونے کے باعث طلاق دیکر دعلہ بنت مضاضہ سے شادی کرلی تھی جن کے بطن سے بارہ لڑکے ثابت۔ قیدار۔ اذبل۔ میشا۔ مسمع۔ دما۔ ماش۔ آزر۔ قطورا۔ قافلس۔ طمیا۔ قیدمان اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔

حضرت ذبیح اللہ کی عمر ایک سو سینتیس برس کی تھی کہ وقت اخیر قریب آلگا اور اللہ کے پیغمبر نے خانہ کعبہ کی تولیت اپنے بڑے صاحبزادے ثابت بن اسمٰعیل کے حوالہ کی اور اپنے چھوٹے سوتیلے بھائی حضرت اسحٰق علیہ السلام کو اس بات کی وصیت فرماکر کہ بیری لڑکی کا نکاح اپنے صاحبزادے عیص بن اسحٰق سے کردینا دار فانی سے رحلت فرمائی اور میزاب و حجر کے مابین اپنی والدہ بی بی ہاجرہ کے پاس مدفون ہوئے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

باب چہارم (۴)

ہاشم کی مکہ پر حکومت خانہ کعبہ کی تولیت اولاد اسمٰعیل میں نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی رہی اور قبیلہ جرہم جو حضرت

ذبیح اللہ کی طفولیت ہی میں اس جگہ آ آباد ہوئے تھے اولاد اسمٰعیلؑ سے عداوت و مخالفت کرنے لگے اولاد اسمٰعیلؑ بھی زیادہ ہو گئی تھی لیکن چونکہ جرہم کے ساتھ ننھیال کا رشتہ قائم تھا اس لیے جب کبھی کوئی جھگڑا کھڑا ہوتا تھا وہ فوراً ہی باہمی صلح سے طے ہو جاتا تھا اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد کا جتھہ جب زیادہ ہو گیا اور وہ لوگ مکہ میں باطمینان نہ رہ سکے تو خود متفرق ہو کر گردونواح کے جنگلوں میں جا بسے اور اس طرح پر حوالی مکہ میں کئی قصبے آباد ہو گئے۔ اس طرح جتھہ کے متفرق ہو جانے سے مکہ کی حکومت اولاد اسمٰعیلؑ کے ہاتھوں سے نکلکر جرہم کے قبضہ میں آ گئی اور سلسلہ بسلسلہ اولاد جرہم میں منتقل ہوتی رہی یہانتک کہ عمر بن حارث کی حکومت کا زمانہ آیا اور یہ ظالم سفاک خائن بدچلن شخص مکہ کا بادشاہ ہوا اول تو عام طور پر جرہم کی طبیعتوں میں حاکم وقت ہونے کے غرہ پر ظلم و زیادتی کا مادہ بڑھتا چلا تھا اور اب تو خود رعایا کے پاسبان بادشاہ وقت کی نیت بگڑی ہوئی تھی اس لئے عمر کے زمانہ سلطنت میں جور و جفا کا وہ بازار گرم ہوا کہ خدا کی پناہ۔

جو بیش قیمت ہدیے اور جواہرات کے بے بہا تحفے خانہ کعبہ کی نیاز چڑھانے کیلئے عام عقیدتمند بنی آدم دور دراز سے بھیجا کرتے تھے وہ جرہمی خاص اپنی ذات کے لئے سمجھتے اور اپنی شان و شوکت ان سے دوبالا کیا کرتے تھے بیرونی رعایا اور تجارت پیشہ بندگان خدا کا کوئی پرسان حال نہ تھا کہ ان پر کیا زیادتیاں ہو رہی ہیں اور انکو کیا کیا نقصان کا صدمہ پہنچایا جا رہا ہے

جب اللہ کی نذر و نیاز میں علی الاعلان اس قسم کے بیجا تصرف ہونے لگے تو عام طور پر نواحی عرب کے قبائل میں لڑائی کا جوش پیدا ہوا اور چند ہی دنوں میں جرہم کے بچہ بچہ کو قتل کر ڈالنے اور تمام قبیلے کو نیست و نابود کر دینے کا منصوبہ پختہ ہوتا چلا قبیلہ جرہم کو بھی اس کی خبر لگی کہ ہر چہار طرف بغاوت کی آگ بھڑکی ہوئی ہے اور تمام عرب میں یہ جنگی جوش طوفان کی طرح امنڈ رہا ہے اس سیلاب کا روکنا کوئی آسان بات نہیں اور نہ تمام خطہ حجاز سے مقابلہ کرنا سہل کام ہے۔

سب کا مشورہ ہوا کہ اب اپنی جان کا بچانا غنیمت اور سلطنت و ملک و مال پر خاک ڈالکر جس طرح بن پڑے ملک یمن کی جانب بھاگ چلنا بہتر ہے۔ اس خیال کے مصمم ہونے پر عمر بن حارث نے حجر اسود اکھیڑ پھینکا اور ایک مجسم طلائی ہرنی کی صورت جو بیش قیمت جواہرات سے مزین اسفندیار فارسی نے خانہ کعبہ کو ہدیۃً بھیجی تھی اور جس کا نام غزال الکعبہ مشہور تھا مع ان چند اور ہتیاروں کے جو اسی طرح بیرونی ممالک سے تحفۃً آئے ہوئے اور بیت اللہ میں رکھے ہوئے تھے وہاں سے نکالکر چاہ زمزم میں ڈالدیئے اور اوپر سے اس میں مٹی ڈالوا کر زمین کی سطح کو ہموار بنا دیا گویا کثیر المقدار مال اور بے بہا جواہرات کے ساتھ مقدس چشمہ چاہ زمزم کا نشان ہی مٹا دیا دیکھنے والے کو امتیاز ہی باقی نہیں رہا کہ وہ شیریں پانی کس جگہ تھا جو حضرت ذبیح اللہ کی ایڑیاں رگڑنے سے پیدا ہوا تھا۔

حاکم کی اس گستاخانہ حرکت اور عام خاندان جرہم کی بداعمالیوں پر اللہ کی طرف سے ایک وبا ان میں پھیلی جس نے سیکڑوں کو ہلاک کر دیا اور بہتیرے جرہمی بطور خود یہ حیرت زدہ عالم دیکھکر حرم مکہ چھوڑ بھاگ گئے غرض یوں بغیر مقابلہ کئے مکہ کی حکومت بسہولت پھر اولاد اسمٰعیلؑ کے ہاتھ میں آ گئی۔

اس کے بعد اولاد اسمٰعیلؑ ہی میں سلسلہ حکومت قائم رہا البتہ قصی بن کلاب بن مرہ نے اپنے زمانہ حکومت میں دیکھا کہ عبدمناف اور عبدمنات کے دونوں بھائی اپنے اپنے قابل ہوگئے اور امور ریاست کو سنبھال بیٹھے لیکن انکا بڑا بھائی عبدالدار کبر سنی کے باعث ضعیف اور ان کا دست نگر اور محتاج ہے اس لئے سبکے مشورے اور رضامندی سے دارالندوہ اور حجابہ کعبہ اور حجاج کو پانی پلانے اور کھانا کھلانے کی خدمت کا شرف اور لواء جنگ عبدالدار کو بالمقطع دیدیا۔ لیکن عبدمنات کی اولاد یعنی عبدشمس ہاشم ومطلب ونوفل نے متفق ہوکر عبدالدار کی اولاد سے اس تمام میراث کو جبراً چھین لینا چاہا۔

تمام عرب میں اسکا شور مچگیا اور مختلف قبائل نے جس کو برسرحق اپنے خیال میں سمجھا اس کو مدد دینے کا وعدہ کیا اور ہر دو مخالف فریق کے اعوان وانصار میں قسما عہدی ہوگئی اور سخت جنگ کیلئے درپے ہوگئے لیکن چند دوراندیش تجربہ کاروں کی کوشش سے صلح کی گفتگو ہونے لگی اور اولاد عبدالدار نے برضا حجاج کی مہمانداری کی قابل عزت ونام آوری خدمت اولاد عبدمناف کے حوالہ کردی اور قرعہ ڈالنے سے اس کا بھی تصفیہ ہوگیا کہ اس جدی میراث پر ہاشم بن عبدمناف کا قبضہ رہیگا

باب پنجم (۵)

عبدالمطلب کی مکہ پر حکومت

ہاشم بن عبدمناف اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے اور مطلب سب سے چھوٹے تھے۔ ہاشم نہایت مہمان نواز اور وجیہ وخوبصورت جوان تھے ایک مرتبہ کچھ مال تجارت لیکر ملک شام کی جانب روانہ ہوئے راستہ میں مدینہ قیام کرنیکا اتفاق ہوا اور قبیلہ بنی نجار میں عمر بن لبید خزرجی کے مکان پر ٹھیرے۔

عمر کی بیٹی سلمٰی نہایت خوبصورت کنواری لڑکی تھی ہاشم نے اس کا حسن وجمال دیکھکر عمر کو نکاح کا پیغام دیا اور عمر بن لبید نے ہاشم کو اس شرط پر اپنا داماد بنانا منظور کیا کہ سلمٰی کے بال بچہ یہاں مدینہ میں پیدا ہو یعنی ہر حمل کی حالت میں میری پیاری اکلوتی بیٹی میرے پاس پہنچادی جائے تاکہ اسکی اور اس کے لخت جگر کی غور وپرداخت اچھی طرح ہوسکے۔

ہاشم نے شرط کو منظور کیا اور نکاح سے فارغ ہوتے ہی ملک شام روانہ ہوگئے۔ چند مہینے بعد واپسی میں مدینہ قیام کیا اور بیوی کو لیکر مکہ روانہ ہوئے

سلمٰی بنت عمر کو حمل رہا اور ہاشم شرط کے بموجب ان کو مدینہ پہنچا خود ملک شام کی جانب راہی ہوئے لیکن افسوس ہاشم کی سلمٰی سے یہ آخری ملاقات تھی کیونکہ اس سفر میں ہاشم کا بیس یا پچیس برس کی عمر میں جوانی کے زمانہ میں انتقال ہوگیا اور ہاشم کی ریاست مطلب کے ہاتھ میں آئی۔

سلمٰی کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا جس کا نام شیبہ رکھا گیا اور اس ہونہار بچہ نے اپنے نانا کے یہاں پرورش پائی۔ شیبہ بن ہاشم کی عمر سات سال کی تھی کہ بنی حارث میں سے ایک شخص کا مکہ سے ادھر آنیکا اتفاق ہوا اور اس نے دیکھا کہ شیبہ چند لڑکوں کے ساتھ تیراندازی میں مشغول ہے اور جب اس خوبصورت نونہال کا تیر نشانہ

پڑتا ہے تو یہ خوش ہو کر فخریہ بآواز بلند کہتا ہے کہ میں ہاشم کا لڑکا ہوں میں سردار مکہ کا بیٹا ہوں۔
حارثی شیبہ کی زبان سے یہ کلمات رجز سنکر سمجھ گیا کہ یہ سردار مکہ مطلب بن عبد مناف کا بھتیجا ہے اس نے فوراً مکہ میں آکر مطلب سے جو اس وقت حجر میں کھڑے ہوئے تھے کہا کہ اے ہمارے سردار میں نے یثرب میں چند لڑکوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے تمہارے بھتیجے کو دیکھا بڑے تعجب کی بات ہے کہ ایسے خوبصورت وحسین اور ایسے جری القلب بہادر بھتیجے کی تم نے سات برس تک کچھ خبر نہ لی۔ مطلب نے وہیں قسم کھائی کہ جبتک اسکو میں نہ لاؤں گا اپنے گھر واپس نہ جاؤں گا یہ کہا اور اسی حارثی کی اونٹنی پر سوار ہو مدینہ کی جانب رُخ کیا مطلب جب مدینہ میں پہنچے ہیں شام کا ٹھنڈا وقت تھا باد نسیم کے جھونکے ماندہ طبیعتوں اور کسلمند حالتوں کو بھی آرام دے رہے تھے طیور اپنے آشیانوں میں پہنچنے کی خوشی میں چہچہا رہے تھے بر سر راہ ایک پُر فضا میدان میں چند لڑکے دلیرانہ کھیل میں مشغول تھے مطلب نے گویا باپ کی صورت شباہت میں ملتی جلتی اپنے بھائی ہاشم کی نشانی دور سے دیکھتے ہی پہچان لی تھی تاہم مزید احتیاط کی وجہ سے لڑکوں سے پوچھا کہ ہاشم کا بیٹا تم میں کون ہے؟ شیبہ نے خود آگے بڑھکر جواب دیا اور اپنا سردار مکہ کا لخت جگر ہونا ظاہر کیا مطلب نے فوراً گود میں اُٹھا کر اونٹنی پر بٹھا لیا اور مکہ کی جانب روانہ ہوئے راتوں رات چلے اور صبح سویرے جبکہ باد صبا کے خوشگوار فراٹوں سے دل کی کلیاں کھلی جاتی تھیں مکہ کے قریب آپہنچے۔ لوگ اپنے اپنے کاروبار میں مصروف تھے آفتاب اُفق مشرق سے نکل چکا تھا کہ مطلب اپنے پیچھے ایک لڑکے کو سوار لیے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے جس کسی نے بھی سوال کیا کہ آپکے پیچھے کون سوار ہے اسکو مطلب نے یہی جواب دیا کہ میرا غلام ہے اس وجہ سے شیبہ کا لقب عبد المطلب مشہور ہو گیا جس کے معنی ہیں مطلب کا غلام
غرض مطلب اپنے بھتیجے کو لیے ہوئے گھر آئے اور اپنی بی بی خدیجہ بنت سعید سے بھی اس لڑکے کو اپنا غلام ہی بیان کیا اور خود جا کر نہایت بیش قیمت حلہ خریدا اور شام کے وقت عبد المطلب کو اس قیمتی لباس سے بنا سنوار کر بنی عبد مناف کی مجلس میں لائے اور ظاہر کیا کہ یہ نو نظر میرا بھتیجا اور تمہارے سردار یعنی بھائی ہاشم کی نشانی ہے یہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور مجھے بھائی سے زیادہ عزیز ہے۔ چند روز بعد مطلب نے ہاشم کی تمام ریاست اس کے وارث عبد المطلب کے حوالہ کر دی اور عبد المطلب نے اپنی میراث پر پورا قبضہ کر لیا۔
عبد المطلب کے ہاتھ میں مکہ کی حکومت نہایت سہولت سے آگئی لیکن مطلب کے انتقال پانے پر عبد المطلب کے دوسرے چچا نوفل بن عبد مناف نے مطلب کے ایک قطعہ زمین پر غاصبانہ قبضہ کر لیا اور ہر چند کہ عبد المطلب نے اس ظالمانہ کارروائی کا التماس قریش سے کیا اور درخواست کی کہ مجھ مظلوم کی اعانت کی جائے اور میرا حق انصاف کے ساتھ مجھکو واپس دلایا جائے لیکن کسی نے حامی نہ بھری اور سب نے جواب دیدیا کہ ہم چچا بھتیجوں کے معاملہ میں نہ بولیں گے دوسرے کے پھٹے میں اپنا پیر ڈالدینا کون انسانیت ہے۔ مجبور ہو کر عبد المطلب نے اپنی

ننھیال بنی نجار کو مدینہ میں تمام واقعہ لکھ بھیجا فوراً ہی ابوسعید بن عدس نجاری اپنے ہمراہ اسی سوار لیکر مکہ میں آ موجود ہوئے برسر راہ عبدالمطلب کھڑے انتظار ہی کر رہے تھے کہ اپنے ماموں کو دیکھکر گلے سے چپٹ گئے اور درخواست کی کہ پہلے گھر چل کر راستہ کا تکان رفع کر لیجئے مگر ابوسعید نے انکار کیا اور سیدھے نوفل کے پاس پہنچے۔ نوفل کو کچھ خبر نہ تھی کہ مظلوم بھتیجے کے ماموں پھوپھا بھی بڑے جتھے اور دل جگرے کے لوگ ہیں اور عبدالمطلب اپنی اعانت کے لئے اُن کو بلا رہا ہے مگر جب ابوسعید نے تلوار سونت کر نوفل سے ایک سخت آواز اور ترش لہجہ میں خطاب کیا کہ "او ظالم جفا کیش میرے یتیم بھانجے کا قطعۂ زمین جلد اس کے حوالہ کر ورنہ ابھی سر تن سے جُدا کئے دیتا ہوں"۔ تو نوفل کے ہوش پرّاں ہو گئے۔

نوفل نے اسی وقت رب کعبہ کی قسم کھائی کہ میں مغصوبہ قطعہ عبدالمطلب کو دے چکا اور جبتک اقرار نامہ تحریر ہو کر حاضرین کے دستخط اور شرفاء و سرداران قوم کی شہادت سے مکمل نہ ہو چکا اسوقت تک ابوسعید نے نوفل کو ہلنے دیا اور نہ اپنی چمکدار تلوار کو میان میں کیا۔ جب معاملہ طے ہو گیا تو ابوسعید عبدالمطلب کے گھر گئے اور تین روز وہاں ٹھیر کر مدینہ واپس آئے۔

باب ششم (۶)

خواجہ عبداللہ کا ذبح ہونا جب عبدالمطلب مکہ کی حکومت پر باطمینان قابض ہو چکے تو ایک رات ان کو خواب میں نظر آیا کہ ہاتف غیبی کہہ رہا ہے "اے عبدالمطلب اپنے جد امجد حضرت اسمٰعیل کا چاہ زمزم جو عمر بن حارث طیا میٹ کر گیا ہے ظاہر کرو"۔ عبدالمطلب کی آنکھ کھلی اور اسی وقت سے اس خواب کو رویائے صادقہ سمجھکر چاہ زمزم کے دوبارہ آشکارا کرنے کے درپے ہوئے لیکن چونکہ ہموار زمین پر بے نام ونشان کنوے کا پتہ لگنا اور بغیر پتہ معلوم کئے ہوئے کنوے کے خیال میں تمام زمین کو کھودنا ایک ناممکن امر تھا اس لئے خیالی قوت کو دوڑاتے اور مکہ کی تمام زمین میں سے کسی خاص حصہ کے معین ہونیکا خیال طبیعت میں جمانا چاہتے تھے کہ یکایک غالب گمان اس جانب ہوا کہ چاہ زمزم ہو نہ ہو قریش کے ان دو بتوں کے مابین ہے جن کا نام اوصاف اور نائلہ ہے۔

اوصاف ایک مردانہ دیوتا کی شکل پتھر کا بنا ہوا بت تھا جس کی قریش تعظیم کرتے اور اپنا معبود سمجھا کرتے تھے۔ اور نائلہ عورت کی شکل پر بنی ہوئی مورت تھی جو اوصاف سے کچھ فاصلہ پر قریش کی دیوی بنی کھڑی تھی۔

عبدالمطلب اپنے اکلوتے بیٹے حارث کو اپنا ہمراز اور قوت بازو بنا کر ان دونوں بتوں کے مابین زمین کھودنیکو آمادہ ہوئے اور گو تمام قریش مانع آئے لیکن عبدالمطلب کی ثابت قدمی اور غیبی نصرت سے یہ نتیجہ نکلا کہ تھوڑی سی زمین کھودنے پر وہ ہتھیار اور ہرنی کی مورت نکل آئی جو عمر بن حارث نے چاہ زمزم میں ڈالدی تھی اور کچھ ہی فاصلہ پر آب زمزم نمودار ہو گیا عبدالمطلب خوشی کے مارے جامہ میں پھولے نہ سمائے اور عام باشندگان عرب میں عبدالمطلب کی نام آوری کا نقارہ بجگیا درحقیقت اس واقعہ نے عبدالمطلب کی عزت کو دوچند کر دیا اور عبدالمطلب کو ہر بنی آدم پر فخر کرنیکا موقعہ ہاتھ

آگ۔ اس خوشی میں عبدالمطلب نے نذر مانی کہ اگر میرے دس بیٹے پیدا ہوئے اور وہ سن بلوغ تک پہنچکر میرے قوت بازو بنے تو ان میں سے ایک کو میں اللہ کے نام پر قربان کروں گا چنانچہ عبدالمطلب کے یکے بعد دیگرے دس لڑکے ہوئے اور وہ بالغ بھی ہوگئے مگر عبدالمطلب کو اپنی مانی ہوئی منت یاد نہیں رہی اور حیران تھے ان لڑکوں کا باپ ہونے پر کیا کرنا چاہیے۔

ایک رات کعبۃ اللہ کے قریب عبدالمطلب سوئے ہوئے تھے تو خواب میں کسی کہنے والے نے کہا "عبدالمطلب اس مقدس گھر کے پروردگار کے لئے اپنی نذر پوری کرو" عبدالمطلب کی جب آنکھ کھل گئی اور صبح ہوتے ہی ایک مینڈھا اللہ کے نام پر قربان کیا اور سمجھے ہیں کہ نذر پوری ہوگئی۔ دوسری شب پھر یہی خواب نظر آیا کہ کوئی شخص نذر کا ایفا چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ اس سے بہتر چیز اللہ کو قربان کرو۔ جب بیدار ہوئے تو صبح کو گائے قربانی کی اور محتاجوں کے پیٹ بھرے۔ تیسری شب پھر اسی مضمون کا خواب دیکھا اور صبح کو اونٹ ذبح کیا۔

چوتھی رات ہوئی اور عبدالمطلب کو پھر خواب نظر آیا تو اسوقت عبدالمطلب نے نہایت بھولے پن سے سوال کیا کہ "آپ ہی فرمائیے مجھکو کیا چیز قربانی کرنی چاہئے" جواب ملا کہ عبدالمطلب اپنے اس بیٹے کو قربانی کرو جس کے قربانی کرنے کی دس بیٹے ہونے پر تم نے منت مانی تھی۔

یہ چوتھا خواب دیکھ کر جس وقت عبدالمطلب کی آنکھ کھلی تو سخت پریشانی اور رنج و غم کا سامنا نظر آیا۔ اپنی تمام اولاد کو پاس بلا کر جستہ جستہ خواب ظاہر کیا اور جواب کے انتظار میں بچوں کی صورت تکنے لگے۔ اسوقت سب سے زیادہ تشویش تو آپ عبدالمطلب کو اس بات کی تھی کہ دیکھئے کونسا نور نظر خوش کن جواب زبان سے نکالتا ہے۔ بیٹوں نے باپ کا کلام سنکر اپنے سر تسلیم کے خم کئے اور متحد ہو کر عرض کیا کہ ابا جان ہم سب ذبح ہونے پر راضی ہیں۔ آپ کو اختیار ہے جس کو چاہیں اللہ کے نام پر قربانی کریں۔

چونکہ عبدالمطلب کو اپنی زبان سے مانی ہوئی منت کا پورا کرنا ضرور تھا اس لیے بیٹوں کی اس اطاعت پر خوش ہو کر صدائے آفریں بلند کی اور کہا کہ تم دسوں کے نام پر قرعہ ڈالتا ہوں جس کا نام نکل آئے گا میں نہایت خوشی کے ساتھ اپنے پروردگار کے نام پر اس کو قربان کروں گا۔

قرعہ ڈالا گیا تو سب سے زیادہ پیارے بیٹے عبداللہ کا نام نکلا جن کے صلب میں نور محمدی جلوہ گر تھا۔ عبداللہ کچھ ابتدا ہی سے نہایت شجاع اور خوبصورت اور شکیل اور ہمہ صفت موصوف تھے قرعہ میں اپنا نام نکلنے پر بجائے اس کے کہ متفکر یا رنجیدہ ہوں خوش ہوئے اور باپ کے ہاتھوں ذبح ہونے کے لئے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔

ابراہیم کی اولاد میں سے یہ دوسرے نوجوان ہیں کہ جو اپنے جد امجد حضرت اسمٰعیل کے بعد اللہ کے نام پر باپ کے ہاتھوں ذبح ہونے کعبہ کے قریب اوصاف ونائلہ کے پاس پہنچے۔ قریش یہ دیکھکر کہ ہمارا سردار آج اپنے بیٹے کو قربانی کرنا چاہتا ہے مانع آئے اور خصوصاً عبداللہ کی ننھیال بنی مخزوم نے عبدالمطلب کو عبداللہ کے نازک

گلے پر چھری نہ رکھنے دی اور مشورہ دیا کہ اس کاہنہ عورت سے چلکر تمام قصہ بیان کرو جس کی فہم و فراست کا ڈنکا تمام حجاز میں بج رہا ہے جو کچھ وہ رائے دے اس پر عمل کرنا چاہیئے۔

عبدالمطلب اپنی سسرال کے رشتہ داروں سے بگاڑ نہ سکتے تھے اسی وقت کاہنہ کے پاس آئے اور مفصل اپنی منت اور چاروں خوابوں کا قصہ اوّل سے آخر تک بیان کیا۔ کاہنہ عورت نے دریافت کیا کہ اگر تم میں کوئی شخص کسی کو قتل کر دے تو تم اس مقتول کی دیت قاتل سے کس قدر لیتے ہو؟

انھوں نے جواب دیا کہ میرے زمانہ حکومت میں ایک شخص کی دیت دس اونٹ مقرر ہیں۔ کاہنہ نے کہا کہ چونکہ دیت ایک نفس کا عوض اور فدیہ ہے اس لئے جاؤ اور اس ہونہار لڑکے کے سامنے دس اونٹ کھڑے کرکے دونوں میں قرعہ ڈالو اگر قرعہ اونٹوں کے نام پر نکل آئے تو اس کے عوض وہ اونٹ ذبح کر دو۔ اور اگر لڑکے کے نام نکلے تو ان دس اونٹوں کے ساتھ دس اونٹ اور بڑھاؤ اور پھر بیس اونٹوں میں اور لڑکے میں قرعہ ڈالو اسی طرح جبتک اونٹوں کے نام پر قرعہ نہ نکل آئے اس وقت تک ہر مرتبہ ایک نفس کی دیت یعنی دس اونٹ بڑھاتے رہو۔

کاہنہ کی یہ رائے سنکر تمام لوگ مکہ واپس آئے اور کاہنہ کے حکم کی تعمیل شروع کی جس وقت ہر مرتبہ دس اونٹ بڑھاتے بڑھاتے دسویں مرتبہ سو اونٹوں اور ایک عبداللہ کے درمیان قرعہ ڈالا گیا تو قرعہ اونٹوں کے نام نکلا۔

عبدالمطلب نے کہا کہ میں اس اتفاقی امر کا اعتبار نہیں کرتا۔ دوسری مرتبہ پھر قرعہ ڈالو۔ اور جب دوسری مرتبہ قرعہ ڈالنے پر بھی اونٹوں کے نام نکلا تو تیسری مرتبہ پھر قرعہ ڈلوایا۔ اور آخرکار تین مرتبہ اونٹوں ہی کے نام قرعہ نکلنے پر عبدالمطلب نے وہیں کھڑے کھڑے تمام اونٹوں کو اللہ کے نام پر قربانی کرکے مساکین اور وحوش و طیور کو کھلا دیا اور پیارے بیٹے عبداللہ کا ہاتھ پکڑ کر شاداں و فرحاں گھر واپس آئے۔ اسی وقت سے ایک نفس کی دیت بجائے دس اونٹ کے سو اونٹ مقرر ہوئے اور اسلام میں بھی اسی پر عملدرآمد قائم رہا۔

اس قصہ کی وجہ سے احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن الذبیحین یعنی دو ذبیح کا بیٹا کہا جاتا ہے کیونکہ ایک ذبیح اللہ آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب ہیں اور دوسرے آپ کے جد امجد حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ بن حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہما و علی نبینا السلام۔

حدیث میں بھی وارد ہے کہ ایک مرتبہ آپ کو کسی یہودی نے یا ابن الذبیحین کہکر پکارا تو آپ نے تبسم فرما کر صحابہ کو اپنے دو ذبیح کے بیٹے ہونے کا قصہ سنایا۔

باب ہفتم (۷)

عبداللہ کا آمنہ سے نکاح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد عبداللہ بن عبدالمطلب نہایت حسین اور خوبصورت جوان تھے۔ اور اس پر طرہ یہ کہ سرور کائنات کا نور ان کی پیشانی

میں جلوہ گر تھا کچھ طبعی طور پر زنان قریش کی طبیعتوں کا میلان عبداللہ کی جانب بڑھتا تھا۔ اور سیکڑوں حسین سے حسین اور مالدار سے مالدار عورتیں عبداللہ سے ہم صحبت ہونے کی خواہشمند تھیں لیکن یہ ناممکن تھا کہ عبداللہ کی ذاتی شرافت فعل زنا کی اجازت دے سکتی تھی اور پھر وہ گوہر یکتا جو عبداللہ کے صلب سے رحم آمنہ میں منتقل ہونے والا تھا اس کی حفاظت اللہ کی طرف سے بھی تھی اس لئے عبداللہ کے دامن عفت پر کوئی دھبہ نہ آیا۔

عبداللہ کی شہرت اس فریضہ عفت سے اور بھی زیادہ ہو گئی جو گویا شہرہ آفاق ہو چکا ہے۔ عبداللہ چونکہ بچپن سے عالی ہمت دلیر اور شکار کے شوقین بھی اس لئے وقت کا اکثر حصہ جنگل کی جھاڑیوں اور ریگستانی لق و دق میدانوں میں تنہا گذر جاتا تھا۔

اہل کتاب یعنی قوم یہود جو اس وقت عرب میں کثرت سے آباد ہو گئے تھے اپنی آسمانی کتاب یعنی توریت شریف میں خاتم النبیین کے وجود کا عنقریب ظاہر ہونا معلوم کر چکے تھے اور اب ان کو علمی فراست اور ظاہری آثار سے اس کا یقین ہو جاتا تھا کہ وہ نور عبداللہ سے ظہور کرنے والا ہے اور چند ہی دنوں بعد نبوت کا سلسلہ خاندان بنی اسرائیل سے منتقل ہو کر قریش میں پہنچا چاہتا ہے اس بنا پر یہود عبداللہ سے قلبی بغض رکھنے لگے تھے۔ کئی یہودی یہ بھی دیکھ چکے تھے کہ عبداللہ کا اگر کسی بت کی جانب گذر ہوتا تھا تو اس سے یہ آواز آتی تھی کہ "اے عبداللہ ہمارے پاس نہ آؤ کیونکہ تمہارے صلب میں وہ نور موجود ہے جو ہماری ہلاکت اور بربادی کا باعث ہوگا"

چنانچہ کئی حسد کرنے والے یہودیوں نے باہم مشورہ کیا کہ جس طرح بن پڑے عبداللہ کو قتل کر ڈالو اور بہتر ہو کہ عبداللہ کا خون کسی ریگستان میں اس وقت بہایا جائے جبکہ وہ شکار کھیلتے تنہا کسی جنگل کو قطع کر رہے ہوں تاکہ قاتل کا پتہ نہ لگے اور قصاص کا کوئی دعویٰ ہی نہ کر سکے۔ انہیں دنوں ایک مرتبہ عبداللہ شکار کھیلتے ہوئے تنہا کسی جنگل میں پہنچے کہ دفعۃً چند یہودی تلواریں اٹھائے ہوئے شکارگاہ میں آ پہنچے وہب بن مناف یعنی آمنہ خاتون کے باپ بھی اتفاق سے اس جنگل میں آئے ہوئے تھے اور عبداللہ سے کچھ فاصلہ پر کھڑے ہوئے دشمن یہودیوں کے بیجا حملے دیکھ رہے تھے

وہب بن مناف نے دیکھا کہ یہودی عبداللہ پر ننگی تلواروں کے وار کرتے ہیں اور عبداللہ کے مددگار چند سوار کھڑے ہوئے [illegible] ظالم یہودیوں کے وار روک رہے ہیں مگر ان سواروں کی پوشاک کچھ اس قسم کی انوکھی ہے جس کو دنیا کے لباس سے کوئی مناسبت نہیں معلوم ہوتی۔

ان غیبی سواروں کا یہ عالم تھا کہ دشمن قتل کا منصوبہ سوچ کر جس طرف آتے ہیں اسی جانب ان سواروں کے رخ ہو جاتے ہیں اور ان بے باک ستمگاروں کو عبداللہ کے قتل کر ڈالنے کا کوئی پہلو ہاتھ نہیں آتا۔ تھوڑی دیر میں وہ یہودی پسپا ہو کر خائب و خاسر واپس ہوئے اور غیبی سواروں نے بھی اپنے آپ کو غائب کر لیا عبداللہ صحیح سلامت شکارگاہ سے لوٹ چلے

وہب بن مناف یہ حیرت انگیز معاملہ دیکھ کر گھر آئے اور اپنی بی بی سے سارا قصہ بیان کیا اور یہ بھی کہہ دیا کہ میرے خیال میں پیاری بیٹی آمنہ کو عبداللہ سے بہتر شوہر نہیں مل سکتا اگر عبدالمطلب راضی ہو جائیں تو میں بیشک عبداللہ

کے ساتھ آمنہ کا نکاح کردوں گا۔ آمنہ بنت وہب شرف حسب ونسب میں ممتاز اور حسن وجمال میں شہرۂ آفاق تھیں فوراً ہی ایک عورت کی وساطت سے عبدالمطلب کو آمنہ کے پیغام دینے کی بابت رائے دی گئی۔

عبدالمطلب بھی آمنہ کے محمودہ خصائل اور شرافت و حسن ظاہری اور معنوی کا شہرہ سن چکے تھے اور خوب جانتے تھے کہ مجھکو آمنہ سے بہتر عبداللہ کیلئے دوسری جگہ نہیں مل سکتی اسلئے بلا تاخیر عبداللہ کے نکاح کا پیغام وہب بن مناف کو دیدیا اور جانبین سے بات پختہ ہونے پر ساعت سعید میں عبداللہ بن عبدالمطلب کا آمنہ بنت وہب سے نکاح ہو گیا

اب اس کا بیان کرنا چنداں ضروری نہیں کہ ان عورتوں کا کیا حال ہوا جو عبداللہ کے وصال کی عرصہ سے خواہشمند تھیں اور جب نور محمدی صلب عبداللہ سے منتقل ہو کر رحم آمنہ میں پہنچ گیا تو ان پر کیا گذری۔

عام ناظرین کے کانوں میں پڑ چکا ہوگا کہ دو سو عورتیں اس رشک و افسوس میں دنیا سے انتقال کر گئیں جو ان کو بی بی آمنہ کے اس ازدواج کی سعادت و اقبال پر حسد سے ہوا تھا۔

باب ششم

اصحاب فیل جس زمانہ کا ہم حال بیان کرتے ہیں اس وقت حبشہ کے بادشاہ کا لقب نجاشی ہوتا تھا۔ حبشہ کی سلطنت وسعت پکڑ گئی تھی ملک یمن بھی اسی کا ایک صوبہ بن گیا تھا اس پر نجاشی کی طرف سے ایک نصرانی ابرہہ نام حاکم تھا۔ بیت اللہ صرف اہل مکہ ہی کے نزدیک باعزت نہ تھا بلکہ تمام عرب اور بیرونی ممالک کے لوگ بھی اس کو محترم اور متبرک سمجھتے تھے اور دور دور سے لوگ اس کی زیارت کو آتے اور ہر سال حج کے موقع پر بڑا بھاری مجمع ہوا کرتا تھا۔ عام خلقت کا بیت اللہ کے ساتھ اس محبت کے برتاؤ اور احترام کو ابرہہ نے دیکھا تو ابرہہ کے دل میں حسد پیدا ہوا اور اس نے خانہ کعبہ کے مقابلہ میں ایک گرجا اپنے دار الحکومت شہر صنعا میں بڑا عالیشان تعمیر کرایا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اس کی تعظیم و طواف اور بیت اللہ کی بجائے حرمت بجا لائیں اور نجاشی کو لکھ بھیجا کہ میں نے آپ کے لئے ایک قابل دید ایک مشہور گرجا تعمیر کرایا ہے اور اس کی آبادی میں انتہا درجہ کی کوشش کروں گا جب تک اہل عرب بیت اللہ کو چھوڑ کر اس کو اپنا معبد نہ سمجھ لیں گے اس وقت تک کوشش سے ہاتھ نہ روکوں گا۔

ابرہہ کی یہ نازیبا حرکت تمام باشندگان عرب اور خصوصاً اہل مکہ کو سخت ناگوار گذری۔ قبیلہ بنی فقیم میں سے ایک شخص غصہ میں آ کر صنعا میں پہنچا اور تھوڑا سا موقع ملنے کے بعد اپنا غصہ اس طرح نکالا کہ شب کے وقت اس جڑاؤ مرصع گرجا میں جا کر بول و براز سے اس کے باعزت موقعوں کو نجس کر دیا۔

اتفاق سے اسی شب میں اہل مکہ کا ایک قافلہ رات گذارنے کے خیال سے اسی گرجا کے نیچے مقیم تھا جس نے درندوں وغیرہ سے حفاظت کیلئے جنگل کے بڑے بڑے درختوں کے تنے جمع کر کے ایک بڑا الاؤ لگایا اور اس میں آگ سلگا رکھی تھی۔ شب کو ہوا تیز چل رہی تھی ایک اندھیاؤ سا چلا جس نے گرجا میں جا آگ لگا دی۔ گرجا میں آگ کا لگنا تھا کہ تھوڑی دیر

میں سب بھسم ہوگیا اور وہ عالیشان جگمگاتا ہوا مکان ایک جھلسا ہوا منارہ معلوم ہونے لگا۔

ابرہہ کو اس کی خبر پہنچی تو غصّہ کے مارے سُرخ و سپید ہوگیا اور قسم کھائی کہ جبتک مکّہ کے متبرک گھر یعنی خانۂ کعبہ کی اینٹ سے اینٹ نہ بجالوں گا اسوقت تک آرام نہ کروں گا۔

حبشی لشکر میں شاہی حکم کی تیاری کے لیے منادی ہوگئی اور ایک مشہور جنگی ہاتھی جس کا نام محمود مشہور تھا خانہ کعبہ کے گرانے کے لیے ساتھ لیا گیا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ اس کے علاوہ تیرہ ہاتھی جنگی اور بھی ہمراہ تھے۔

اہل عرب کو بھی اس ہولناک جنگ کی خبر ہوئی اور عام طور پر مذہبی جوش نے ترقی کی ہر شخص کا خیال تھا کہ بیت اللہ کے بچانے کو اپنی جان کا دینا ہم پر واجب اور ابرہہ سے جنگ کرنا ہر عربی النسل پر فرض ہے۔ شرفا یمن میں سے ایک شخص جس کا نام ذو نفر تھا مذہبی جوش میں اس لشکر جرار کے سامنے مقابلہ کیلئے کھڑا ہوا لیکن فوراً ہی قید کرلیا گیا۔

ابرہہ کا لشکر مکّہ کی جانب بڑھتا چلا جا رہا تھا کہ راہ میں دوسرا شخص نفیل بن حبیب خثعمی نے آسامنا کیا لیکن یہ لشکر ایسا نہ تھا کہ ایک یا دو آدمی کے بس میں آئے نفیل بھی گرفتار ہوکر حراست میں لے لیا گیا۔

قید ہونے پر نفیل کو رہبری کا ذمّہ لینا پڑا اور نفیل راستہ بتاتا ہوا سیدھے راستہ پر ابرہہ کے لشکر کو لیے چلا آیا جس وقت طائف پر گذر ہوا تو قبیلہ طائف نے ایک شخص ابورغال نامی کو رہبری کے لیے بطور خود بھیجا مگر ابورغال کا عمر نے وفا نہ کی اور جس وقت لشکر مغمس میں پہنچا ابورغال کا دم نکل گیا۔ مرنے کے بعد اس کی قبر پر پتھر مارے اور اب تک عرب کے ہاتھوں اس کی قبر سنگسار کی جاتی ہے۔

اس فوری لشکر نے مکّہ کے قریب وادی محرمین میں آ خیمے نصب کئے۔ اس وقت مکّہ والوں کے خوف و ہراس کی جو کچھ حالت ہوگی اس کا اندازہ ناظرین خود کرسکتے ہیں۔

ابرہہ نے اسود بن مقصود کو مکّہ پر بھیجا جس نے مکّہ پر حملہ کر کے لوٹ کھسوٹ شروع کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا جی عبد المطلب کے دو سو اونٹ بھی اسی لوٹ میں شامل تھے جو اسود بن مقصود مکّہ سے اپنے ساتھ ابرہہ کی نذر کرنے کے لیے بطور تحفہ خوشی خوشی لے گیا تھا۔

ابرہہ نے اس کے بعد حناط حمیری کو مکّہ بھیجا حناط حمیری نے بیت المقدس کی طرف سے اہل مکّہ کو باواز بلند پیغام سنایا کہ "اے اہل مکّہ شاہ یمن کا یہ لشکر تم کو تباہ و ہلاک کرنے کے ارادہ سے نہیں آیا ہے بلکہ اس کا مقصود صرف اس اونچے گھر کا منہدم کرنا ہے جس کو تم بیت اللہ کہتے ہو اور تعظیم کرتے ہو اگر تم اس کے گرادینے میں مانع نہ آوگے تو تمہارا بال بھی بیکا نہ ہوگا ورنہ تم خود سمجھ سکتے ہو کہ تم میں اس کے مقابلہ کرنے کی کس قدر ہمت ہے"۔ عبد المطلب چونکہ مکّہ کے سردار تھے اس لئے جواب دینے کیلئے اُٹھے اور بولے کہ لشکر کو اطمینان رکھنا چاہیے ہمیں لڑنے سے کیا واسطہ یہ گھر جس کے گرانے کا تمہارا خیال ہے اللہ کا گھر اور اس کے خلیل حضرت ابراہیمؑ کا بنایا ہوا محترم مکان ہے۔

اگر مالک مکان کو اپنا گھر بچانا ہے تو وہ خود بچا لیگا اور اگر اس کو گرانا ہی مقصود ہے تو ہمارے روکے رُک نہیں سکتا۔" حناط نے یہ کلام سُنکر عبد المطّلب سے کہا کہ اے عقلمند قریشی کیا اچھا ہو کہ یہ کلمہ تم خود ہمارے سردار ابرہہ سے کہکر سب کو مطمئن بنا دو۔ عبد المطلب تن تنہا اس جگہ آئے جہاں لشکر پڑا ہوا تھا اور سپاہیوں سے ذونفر کو پوچھا جو عبد المطلب کا پرانا دوست تھا اور اب ابرہہ کی قید میں مقید تھا معلوم ہوا کہ وہ باغی مقابلہ کرنے کے جرم میں شاہی حراست میں ہے۔ عبد المطّلب جیلخانہ میں گئے اور کہنے لگے کہ دوست اگر کچھ میری مدد کر سکتے ہو تو کرو۔" ذونفر نے جواب دیا کہ بھائی تم دیکھتے ہو کہ میں ایک ظالم بادشاہ کے ہاتھ میں گرفتار خود ہی مدد کا محتاج ہوں تمھاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔ البتہ ایک فیلبان جس کا نام انیس ہے میرا دوست ہے ہو سکتا ہے کہ میں اس سے سفارش کر کے ابرہہ تک تم کو پہنچا دوں تم خود اپنے لیے جو مناسب سمجھو بالمواجہ کہہ لو۔ عبد المطلب نے اسی کو غنیمت سمجھا اور ذونفر کی سفارش اور انیس کی وساطت سے عبد المطلب ابرہہ کے سامنے پہنچے۔

عبد المطلب چونکہ نہایت باوجاہت جسیم اور شکیل سردار جوان تھے۔ ابرہہ کے قلب میں خود بخود ایک ہیبت پیدا ہوئی اور ابرہہ اپنے تخت سے اُتر کر نیچے ہو بیٹھا اور عبد المطلب کو پاس بٹھا کر ترجمان کے ذریعہ سے گفتگو شروع کی سب سے پہلے عبد المطلب نے مطلب کی بات زبان سے نکالی کہ "میرے دو سو اونٹ جو اسود بن مقصود لُوٹ لایا ہے واپس کر دیجیے۔" ابرہہ یہ سُنکر مسکرایا اور ترجمان سے کہلوایا کہ اے عبد المطلب میں تو صورت دیکھ کر تمھیں نہایت فہیم سردار سمجھتا تھا لیکن افسوس میرے خیال نے کس قدر غلطی کی تم کو اپنے معبد اور محترم بیت اللہ کا خیال نہ آیا تم کو اپنے آبائی مذہب کا پاس نہ ہوا حالانکہ میں بیت اللہ کو منہدم کرنے آیا ہوں لیکن تم نے اس کے بدلے اپنے اونٹ واپس کرنے پسند کیے۔ عبد المطلب نے جواب دیا کہ میں اس گھر کا مالک نہیں ہوں البتہ اونٹوں کا مالک ہوں اور اسی وجہ سے اپنی چیز واپس مانگتا ہوں اس گھر کا مالک اپنے گھر کو خود بچا لے گا۔

ابرہہ نے مسکرا کر اونٹوں کے واپس لینے کی اجازت دیدی اور کہا کہ اب میرے یہاں تک آنے پر اس گھر کو بچا کون سکتا ہے؟ عبد المطلب اُٹھے اور اونٹوں کو وہاں سے ہنکا کر حرم میں لا کھڑا کیا۔ تمام اونٹوں کو اللہ کی نذر کر کے ہدی بنا دیا اور کل باشندگان مکہ کو رائے دی کہ پہاڑ کے غاروں اور جنگل کی وادیوں میں پناہ گزیں ہو جاؤ اور اللہ پر نظر رکھو اور دیکھو پردۂ غیب سے کیا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔ بغرض تمام عورتیں بچے اور بہت سے مرد پہاڑوں میں جا چھپے۔ اور عبد المطلب نے چند قریشیوں کو ساتھ لے خانہ کعبہ کے دروازہ کا کنڈا جا پکڑا اور سب نے رو رو کر اللہ سے مدد مانگنی شروع کی۔ عبد المطلب نے حلقہ پکڑنے پکڑتے جو شعر پڑھے ان میں سے دو شعر یہ بھی ہیں ؎

یارب لا ارجو لهم سواکا یارب فامنع منهم حماکا	اے میرے پروردگار تیرے سوا اس لشکر کے مقابلہ کی مجھے کسی سے امید نہیں ہے بار الہا تو ان سے اپنے حما یعنی بیت اللہ کو بچالے

ان عدوا البيت من عاداکا	بجائے اس گھر کا دشمن تیری مخالفت پر آمادہ ہے۔ اگر یہ تیرے گھر کو
امنعهم ان یخربوا فناکا	ویران بنائیں تو ان کو اس سے باز رکھ۔

پھر عبد المطلب بھی مع ان ہمراہیوں کے پہاڑ پر جا چھپے بعض مورخین نے لکھا ہے کہ عبد المطلب کی مردانگی اور ہمت و دلیری نے خوف سے چھپنا گوارا نہ کیا تھا اور مکہ میں سوائے ان کے کوئی باقی نہ رہا بہرحال صبح ہوئی اور آفتاب افق مشرق پر نمودار ہوا۔ ابرہہ کے لشکر نے تیاری شروع کی اور محمود نامی ہاتھی آراستہ کیا گیا نفیل بن حبیب خثعمی نے جو ابتک مقید تھا یہ دیکھکر کہ اب بیت اللہ پر حملہ ہوا چاہتا ہے لپک کر محمود ہاتھی کا کان پکڑا اور یہ لفظ کہے کہ:۔

ارجع محمود ارجع راشدًا من حیث جئت	اے محمود لوٹ جا اے محمود سیدھا جہاں سے آیا ہے واپس
فانك فی بلد اللہ الحرام۔	ہو جا کیونکہ تو اللہ کے باعزت شہر میں ہے۔

یہ کہنا تھا کہ ہاتھی گھٹنے ٹیک کر وہیں بیٹھ گیا اور فیلبان نے ہرچند مار مار کر اٹھانا چاہا لیکن محمود نہ اٹھا فیلبان نے ہاتھی کا منھ ملک شام کی طرف پھیر دیا اور ہاتھی نے اٹھکر دوڑنا شروع کیا پھر فیلبان نے یمن کی طرف متوجہ کیا ہاتھی ادھر بھی ہو لیا پھر مشرق کی طرف رخ کیا تو اسی طرف چلنے لگا اور پھر جانب مغرب یعنی بیت اللہ کی طرف موڑا تو فورًا زمین پر گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گیا۔ نفیل تو ہاتھی کے گھٹنے ٹیکتے ہی بھاگ کر اک پہاڑ کی چوٹی پر جا چڑھا اور یہاں ہاتھی نے اس پریشانی میں مبتلا کر ہی رکھا تھا جدہ کی طرف سے چڑیاں جن کی چونچوں میں ایک ایک کنکری اور دونوں پنجوں میں دو دو کنکریاں تھیں چمگادڑوں کی طرح پرا باندھے نمودار ہوئیں اور کنکریاں لشکر پر مارنی شروع کیں۔

وہ کنکریاں تو عذاب کی کنکریاں تھیں جس سوار کے بھی سر پر پڑیں اسی کا بھیجا پھوڑ کر پیٹ سے نکلکر گھوڑے کی کمر سے گذرتی ہوئی پیٹ سے باہر ہو کر زمین پر گریں سیکڑوں یوں ہلاک ہوئے اور ہزاروں اس طرح مرے کہ دریا کی طرف سے ایک پُر جوش سیلاب آیا جس نے لشکری سپاہیوں کو خس و خاشاک کی طرح سمندر میں لیجا ڈالا۔ جو بچے وہ شتر بے مہار کی طرح جدھر منھ اٹھا بھاگ نکلے راہبر ساتھ نہ راستہ معلوم اب پوچھیں تو کس سے اور جائیں تو کدھر!

نفیل نے پہاڑ کی چوٹی سے ہزیمت خوردہ فوج کی یہ بے سروسامانی دیکھکر یہ شعر پڑھا ؎

این المفر والاله الطالب	جب اللہ طلب کے درپے ہے تو اب جائے فرار کہاں؟
والاشرم المغلوب غیر الغالب	اور متکبر مغلوب ہوا غالب نہ آیا۔

اس نفسا نفسی کے عالم اور بھگدڑ کی حالت میں ابرہہ کے جسم پر سخت چوٹ آئی اور عضو عضو کا چورا ہو گیا۔ فوجی سپاہی اپنے محسن سردار کو یوں بے دست و پا جنگل میں چھوڑنا نمک حرامی سمجھے اور چڑیا کے بے بال و پر بچّہ کی طرح لوتھ کو کاندھوں پر لاد کر بدقت ریگستان قطع کرتے دار الخلافت صنعاء میں پہنچے۔

چند دنوں بعد ابرہہ کا قلب بھی سینہ سے الگ ہو گیا اور اس نے تڑپ کر جان ملک الموت کے حوالہ کی اور اس کے بعد

اسکا بیٹا یکسوم بن ابرہہ تخت نشین ہوا۔ اس واقعہ کا نام واقعہ فیل ہے اس کے پچپن روز بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تھے اللہ پاک نے قرآن مجید کی سورہ الم ترکیف میں بھی باشندگان عرب کو یہی احسان یاد دلایا ہے

ابرہہ کی تباہی کے اگلے روز عبد المطلب ابو مسعود ثقفی کو اپنے ساتھ لیکر گذشتہ دن کے حالات کا نتیجہ دیکھنے پہاڑی سے نیچے اترے اور کسی کی آہٹ نہ پاکر نہایت تعجب اور حیرت کے عالم میں چھاونی کی طرف ہوئے وہاں جاکر سیکڑوں لاشوں کو ریت پر پڑا ہوا دیکھکر خوشی کے مارے جامہ میں نہ سماے اور بڑے بڑے دو گڑھے کھود کر لشکری سپاہیوں کے گرے پڑے ساز و سامان سے چاندی سونے اور جواہرات سے ان کو بھر دیا اور بآواز بلند اپنے ہموطنوں کو بلایا جو جرار لشکر کے خوف سے چھپے پہاڑوں میں بیٹھے تھے سب آموجود ہوئے اور حصہ رسد اس غیبی مدد کے مال غنیمت سے بہرہ یاب ہوئے۔ عبد المطلب کے حصہ میں جو مال آیا وہ بھی اس قدر تھا کہ ایک آدمی نہایت تونگری کے ساتھ اس میں مالدار بن کر زندگی بسر کرسکتا تھا۔

(۹)
باب نہم

قریش کی واقعہ فیل کے بعد لن ترانیاں اور بدعتیں

ابرہہ کے خائب و خاسر شکست کھاکر صنعاء جانے سے عام طور پر اہل عرب کے دل میں قریش کی عزت اور توقیر پیدا ہوگئی اور ہر شخص قائل ہوگیا کہ قریش کی خاطر اللہ پاک نے بیت اللہ پر حملہ کرنیوالے کو ذلیل و رسوا کیا۔

قریش نے اپنی یہ عزت افزائی دیکھکر نخوت و غرور میں قدم رکھنا شروع کیا اور ایک مرتبہ کمیٹی میں یہ تجویز پیش کی کہ ہم ابراہیم خلیل اللہ کی اولاد اور قریشی النسل ہیں عرب میں کسی کو ہم جیسا مرتبہ حاصل نہیں ہوسکتا اس لئے ہم میں اور عام باشندگان عرب میں کوئی فرق اور امتیاز ضرور ہونا چاہیئے۔ ہم اہل حرم ہیں ہم بیت اللہ کے متولی ہیں ہم اصل ساکن مکہ ہیں اس لئے ہم کو زیبا ہے کہ حرم کے علاوہ کسی دوسرے مقام کی عزت نہ کریں اور حج پورا کرتے وقت میدان عرفات میں ٹھیرنا بالکل چھوڑ دیں نہ ہم کو عرفات میں جانا چاہیئے۔ اور نہ اس میدان کی عزت کرنی چاہیئے اس رائے کے متفق علیہ ہونے پر تمام قریش نے عرفات کے میدان میں جانا چھوڑ دیا (اللہ پاک نے ثم افیضوا من حیث افاض الناس میں اسی مخترعہ بدعت کے ترک کرنیکا حکم قرآن میں فرماکر متنبہ کیا ہے کہ عرفات میں دوسرے حجاج کی طرح قریش کو بھی ٹھیرنا لازمی امر ہے۔

الغرض قریش نے اپنی برابر کسی کو نہ سمجھا البتہ اگر کسی عرب کے قریشیہ عورت سے لڑکا پیدا ہوجاتا تو وہ اس سسرال کے رشتہ سے قریش میں شامل ہوکر اہل حرم بنجاتا تھا چنانچہ کنانہ اور خزاعہ اور عامر اسی بنا پر قریش کے ہمرتبہ اور ہمخیال تھے۔ اس کے بعد دوسری تجویز طے ہوئی کہ حج کا احرام باندھکر سوائے چرمی خیموں کے اون یا پشم کے بنے ہوئے خیموں میں جانا ہرگز مناسب نہیں اور جبتک حج یا عمرہ کا احرام باندھے رہیں اس وقت

تک حرم کے اندر حرم کے باہر سے لائی ہوئی چیز کا کھانا حرام ہے اگر روٹی بھی کھائیں تو وہی جو حرم کے اندر پکی ہو نیز بیت اللہ کا طواف قدوم کرتے وقت ہر ہر شخص کو قریش کے کپڑے پہنکر طواف کرنا چاہیئے اور اگر قریش کے کپڑے دستیاب نہ ہوں تو اس کو اپنے تمام کپڑے اُتار کر اور ننگے ہو کر طواف کرنا چاہیئے اور اگر بالفرض کوئی شرمیلا شریف الطبع معزز شخص قریشی کپڑے دستیاب نہ ہونے پر ننگا ہونا گوارا نہ کرے اور اس عذر کے باعث اپنے پہنے ہوئے کپڑوں ہی میں بیت اللہ کا طواف کرلے تو اُس پر واجب ہے کہ طواف سے فارغ ہوتے ہی ان کپڑوں کو اتار پھینکے اور پھینکنے کے بعد وہ کپڑے کسی مصرف کے نہ رہیں گے کیونکہ نہ یہ خود ان کو پہن سکے گا اور نہ کوئی دوسرا ان کو ہاتھ لگا سکے گا البتہ عورتیں صرف اوڑھنی اوڑھے رہیں اور باقی تمام کپڑے اُتار کر مجبوراً برہنہ ہو کر طواف کریں۔ یہ جدید قوانین تمام اہل عرب کو ماننے پڑے اور گو شروع شروع میں کسی کو یہ باتیں ناپسند بھی ہوئی ہوں لیکن تھوڑے دنوں بعد ان رسوم کی ایسی عادت ہو گئی کہ آنے والی نسلیں ان بیہودہ اور لغو باتوں کو اصل شریعت اور دینی مسائل سمجھنے لگیں ہمیشہ بدعتوں کی ترویج اور ناجائز امور کے پسندیدہ ہونے کے ایسے ہی وسائل ہوتے ہیں۔

چالیس برس بعد جب کلام مجید نازل ہونے لگا تو ان کی اصلاح ہوئی اور شریعت محمدی نے اللہ کا سیدھا رستہ دکھا کر ان کج رفتاریوں سے لوگوں کو بچایا قرآن شریف کی آیتوں میں صراحتًا ان مخترعہ رسوم کی اصلاح مذکور ہے۔

باب دہم (۱۰)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور عبدالمطلب کی کفالت

فخر عالم سرور کائنات احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم عام الفیل میں نبوت آدم علیہ السلام سے چھ ہزار ایک سو تیرہ برس بعد بارھویں ربیع الاول سنہ ۴۰ کسروی مطابق ۲۹ اگست ۵۷۰ء کو دوشنبہ کے دن بوقت صبح پیدا ہوئے۔

آپ بطن مادر ہی میں تھے کہ آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کے والد خواجہ عبداللہ کو بغرض تجارت ملک شام کی جانب روانہ کیا لیکن افسوس خواجہ عبداللہ نے پچیس[۲۵] برس اور کئی مہینے کی عین شباب خیز عمر میں مدینہ پہنچکر انتقال کیا اور اُس احاطہ میں مدفون ہوئے جہاں آپ کی ننھیال کے لوگ مدفون تھے۔

آپ کی والدہ آمنہ خاتون کو آپ کے حمل کی تکلیف مطلق نہ ہوئی اور چھ مہینے تک یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ آمنہ حاملہ ہے انہوں کو حالت حمل میں وہ وہ عجائبات نظر آئے جس سے حیرت ہوتی تھی چلتی تھیں تو قدموں کے نیچے سخت پتھر نرم ہو جاتے تھے نورانی ابر دھوپ کے وقت سر پر سایہ کرتے اور کنوے سے پانی لیتے وقت پانی خود بخود اُبل کر منہ کے کنارے آلگتا تھا۔ آمنہ خاتون فرماتی ہیں کہ جب وضع حمل کا وقت قریب پہنچا اور مجھ کو خواب میں کسی کہنے والے نے اس کی اطلاع دی کہ "اے آمنہ تم کو مبارک ہو تم خیر الانبیا[ؐ] کے وجود باجود کی حاملہ ہو" اس وقت مجھکو معلوم ہوا کہ مرنے والے شوہر خواجہ عبداللہ کی نشانی وجود کا خلعت پہننے والی ہے غرض پورے نو مہینے

گذرنے پر دروزہ محسوس ہوا تو میں دیکھتی تھی کہ ستارے آسمان سے جھکے آتے ہیں اور اندیشہ ہے کہ مجھ پر لوٹ پڑیں گے چند ساعت کے بعد جب محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم تولد ہوئے تو مجھ کو اپنے بدن سے ایک نور جدا ہوتا نظر آیا جس نے تمام گھر روشن کردیا اور وہ نور آسمان کی طرف چڑھا اور مشرق و مغرب کے مابین پھیل گیا جس کے باعث بصرے اور روم کے محل مجھ کو نظر آگئے میں نے اپنے پیٹ سے جدا ہونیوالے نور پر نظر ڈالی تو سجدہ میں پڑا ہوا پایا آپ کی انگلی آسمان کی جانب اٹھی ہوئی تھی گویا کہ آپ کسی معاملہ میں انتہا درجہ کی عاجزی و انکساری کا اظہار کر رہے ہیں آپ کے چہرے سے نور کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں آپ کے بدن سے خوشبو کی لپٹیں آرہی تھیں اور آپ کی زبان پر تھا لا الٰہ الا اللّٰہ وانی رسول اللّٰہ

اس وقت ملک فارس میں نوشیرواں عادل کی سلطنت تھی جس کا لقب کسریٰ تھا یکایک اس کا وہ عالی شان اور مضبوط محل جو سو گز اونچا تھا ایک سخت زلزلہ سے لرز اٹھا اور اس کے چودہ کنگرے گر پڑے اسی رات کسریٰ نے خواب میں دیکھا کہ چند عربی گھوڑے وحشی زبردست اونٹوں کو کھینچے لئے چلے جاتے ہیں اور نہر دجلہ ٹوٹ کر تمام بلاد میں پھیل گئی ہے معاً آنکھ کھل گئی اور نوشیرواں کے قلب میں ایک قدرتی ہیبت سما گئی۔ کسریٰ صبح کو نہایت پریشان اٹھا لیکن شاہی ہمت و شجاعت کے خلاف سمجھکر اس قلبی ہیبت کو لوگوں پر ظاہر کرتا ہوا شرمایا جو رات سے اس کے دل میں پیدا تھی لیکن یہ سمجھکر کہ کہیں اس خواب کا اثر ظاہر نہ ہونے لگے اس نے دربار عام میں ارکین سلطنت کو اپنی خواب کہہ سنائی۔

دربار ہی میں خبر پہنچی کہ اہل فارس کے بڑے آتشکدہ کی وہ آگ جو ہزار برس سے جل رہی تھی اور جسکی پرستش تمام پارسی کرتے ہیں آج رات دفعۃً ٹھنڈی ہوگئی نہ معلوم کیا سبب ہے؟

اسی وقت حاکم ایلیا کی عرضداشت موصول ہوئی کہ آج کی شب دریائے ساوہ یک لخت بالکل خشک ہوگیا اور فوراً ہی دوسری اطلاع طبریہ کے عامل کی آئی کہ آج کی رات طبریہ کے دریا کی روانی بالکل بند ہوگئی اور یہ دریا سوکھ گیا۔

یکے بعد دیگرے ان دہشتناک خبروں نے نوشیرواں کو رہا سہا اور مضمحل بنا دیا اور فوراً فارس کے قاضی القضاۃ موبذان کو تعبیر خواب کے لئے بلایا گیا۔ موبذان نے عرض کیا حضور معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں کوئی بڑا ذیشان شخص پیدا ہوا ہے جس سے نواح عرب میں کسی بڑے حادثہ کے ظاہر ہونے کی یقیناً امید ہے۔

نوشیرواں شاہ ایران کی تسلی نہ ہوئی اور اس نے نعمان بن المنذر کے نام فرمان جاری کیا کہ کسی مشہور اور زبردست عالم کو فوراً ہمارے پاس بھیجدو چنانچہ ایک جہاں دیدہ ڈیڑھ سو برس کی عمر کا زبردست عالم عبدالمسیح نعمان کی طرف سے آیا اور اس نے بھی وہی تعبیر بیان کی۔ نوشیرواں کو عبدالمسیح سے بھی تشفی حاصل نہ ہوا تو عبدالمسیح نے دست بستہ عرض کیا کہ جہاں پناہ اگر اجازت ہو تو اس خواب کی تعبیر اپنے ماموں سطیح سے دریافت کروں جو آجکل ملک شام میں مقیم ہے یقین ہے کہ وہ اس کی تعبیر تسلی بخش دیگا کیونکہ اس سے بہتر عالم دارالسلطنت میں نہیں ہے غرض شاہی اجازت سے عبدالمسیح سطیح کے پاس پہنچا۔ لیکن اس وقت جبکہ وہ نزع کی حالت میں گرفتار اور آخرت کے لیے

سفر کی تیاری کر رہا تھا۔ غنیمت تھا کہ سطیح پر ابھی بیہوشی طاری نہیں ہوئی تھی۔ سطیح اپنے بھانجے عبد المسیح کا کلام سُنکر ہمت باندھ کر اُٹھ بیٹھا اور تمام ماجرا سُنکر کہنے لگا کہ اے عبد المسیح اس رات عرب میں ایک اللہ کا پیارا اولیشان بندہ پیدا ہوا ہے جس وقت شاہی محل کے کنگروں کی مقدار کے موافق یعنی چودہ بادشاہ اس تخت پر نہ بیٹھ لیں گے اس وقت تک تو یہ سلطنت بادشاہان فارس کی جانب منسوب ہوتی رہے گی۔ لیکن اس کے بعد ایسی کایا پلٹ جائیگی کہ گویا کبھی بابل پر کوئی آتش پرست پارسی قابض ہی نہ ہوا تھا۔

عبد المسیح ماموں کے یہ کلمات سُنکر واپس ہوا۔ اور نوشیرواں سے تمام ماجرا کہہ سُنایا۔ نوشیرواں یہ سمجھکر کہ چودہ نسل کی سلطنت ختم ہونے کے لئے مدت مدید اور زمانہ بعید کی ضرورت ہے مطمئن ہوگیا۔ لیکن یہ کسے خبر تھی کہ زمانہ گذرتے کیا دیر لگتی ہے اور یہ باقیماندہ سلطنتیں کیسی جلد جلد گذریں گی۔

نوشیرواں کی اولاد میں اس پایہ تخت کا چودھواں حاکم یزدجرد تھا جس نے اپنی وسیع سلطنت ۳۱ ہجری نبوی میں خلیفۂ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیکر اپنی جان ملک الموت کے حوالہ کی۔

عبد المطلب اس وقت کعبہ میں تھے یکایک دیکھا کہ خانہ کعبہ کی دیواریں دفعۃً جھک گئیں اور پھر خود بخود سیدھی ہوگئیں۔ یہ حیرت انگیز معاملہ دیکھکر گھر آئے تو ہونہار پوتے کے پیدا ہونے کی خوشخبری کانوں میں پڑی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناف بریدہ اور مختون پیدا ہوئے اور چونکہ آپ کے والد خواجہ عبد اللہ کا انتقال ہوچکا تھا لہٰذا آپ کی کفالت آپ کے دادا عبد المطلب نے اپنے ذمہ لی اور اس پر فخر کیا کہ یہ دُر یتیم اور سنرا وار احمد فرزند ارجمند میری آنکھوں کی ٹھنڈک بنکر میرے پاس رہیگا۔ ساتویں روز عبد المطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ذبیحہ قربانی کر کے عقیقہ کیا اور تمام قریش کی دعوت کی اسی روز آپ کا اسم مبارک محمدؐ تجویز ہوا۔ وصلی اللہ علیہ وآلہ بقدر حسنہ وجمالہ۔

باب یازدہم (۱۱)

حلیمہ سعدیہ کا دودھ پلانا اور شق الصدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف سات روز اپنی والدہ آمنہ خاتون کا دودھ پیا اور پھر ابو لہب کی آزاد شدہ کنیزک ثوبیہ نے آپ کو آٹھ دن دودھ پلایا یہ ثوبیہ وہی ہیں جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو لہب کو آپ کے پیدا ہونے کی خوشخبری سُنائی تھی۔ اور ابو لہب نے اسی خوشی میں ان کو فوراً آزاد کر دیا تھا۔ ثوبیہ ہی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے چچا حمزہؓ کو بھی دودھ پلایا تھا اس نسبت سے حضرت حمزہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی ہوئے۔ بعد ازاں خولہ بنت المنذر نے اور پھر حلیمہ کے علاوہ ایک دوسری عورت نے جو قبیلہ بنی سعد میں سے تھیں اور اس کے بعد تین اور عورتوں نے آپ کو دودھ پلایا جن سب کا نام عاتکہ تھا۔ غرض جب آپ کی عمر شریف کم و بیش ایک ماہ کی تھی تو آپ دائی حلیمہ کی تحویل میں گئے۔

عرب میں قحط کی عالمگیر وبا نے بڑے بڑے متمول سرداروں کے بھی چھکے چھڑا رکھے تھے بارش بند تھی صحرا میں سبزہ

کا نام و نشان نہ تھا تمام ریگستان آگ کا تودہ بنا ہوا تھا جس میں سوائے لُو اور تپش کے پھل یا ہریالی کا پتہ نہ تھا حسب دستورِ عرب قبیلہ بنی سعد کی عورتیں شیر خوار بچوں کی تلاش اور اُجرت پر دودھ پلانے کی غرض سے اہلِ تموّل کے بچوں کی جستجو میں آئی ہوئی تھیں انھیں عورتوں میں ذویب بن حارث کی بیٹی حلیمہ سعدیہ بھی اپنے شوہر کے ہمراہ بھوکی پیاسی دُبلی پتلی سواری پر سوار مکہ میں دوشنبہ کے روز داخل ہوئیں۔

قریب قریب سب عورتوں نے سرداران مکہ اور متموّلانِ قریش کے بچے لے لئے اور صرف حلیمہ باقی رہ گئیں جن کو کوئی بچہ دلخواہ اور منشا کے مطابق نہ ملا۔

حلیمہ کو خبر لگی کہ سردار مکہ مطلب بن عبد مناف کے پوتے محمدؐ بن عبد اللہ کو بھی دایہ کی ضرورت ہے لیکن بچہ یتیم ہے اور باپ کا سایہ سر سے اُٹھے ہوئے کئی مہینے ہو چکے ہیں۔ حلیمہ نے اپنے شوہر حارث سے مشورہ لیا اور آخر کار کچھ پس و پیش کے بعد آمنہ کے گھر روانہ ہوئیں۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم خواب استراحت میں تھے۔ جبین مبارک سے ایک نور جلوہ گر تھا بیمثل خداداد حُسن نے حلیمہ کو متحیر بنا دیا اور حلیمہ نے نہایت محبت کے ساتھ گدگدا کر اپنی آغوش میں لے لیا اور آمنہ خاتون کی اجازت لیکر وہاں سے رخصت ہوئیں۔ اسی وقت سے حلیمہ کی پستانیں شیر سے لبریز ہو گئیں اور خلاف معمول برکت کے وہ آثار ہویدا ہونے لگے جو حلیمہ کی حیرت اور مسرت ہر وقت بڑھاتے رہتے تھے۔

صبح ہوتے قافلہ نے کوچ کیا اور حلیمہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو چھاتی سے لگائے اپنے لاغر مرکب پر سوار ہوئیں یہی مرکب تھا جو آج سے دو دن پہلے چابک پر چابک کھاتا اور مار مار کر ہنکایا جاتا تھا اور آج اس کی صبا رفتاری کا یہ عالم ہے کہ لوگ پیچھے چیخ رہے ہیں کہ حلیمہ ذرا آہستہ چلو آہستہ چلو اور یہ ٹھیرنا نہیں جانتا۔ سب کو حیرت تھی کہ آج اس گھسٹنے اور مار کھانے والے گدھے کو کیا ہو گیا کہ ہوا سے باتیں کرتا اور پرند کی طرح اُڑتا چلا جا رہا ہے۔ قافلہ سے علیحدہ ہونا خطرناک ہونیکے علاوہ انسانی مروت کے بھی خلاف تھا۔ اس لئے ہر چند حلیمہ اور حلیمہ کے شوہر باگ کھینچتے اور سواری کو روکتے تھے لیکن اس وقت تو وہ نبیؐ کا مرکب بنا ہوا کسی دوسرے ہی سہارے پر جا رہا تھا انسان سے کب رُک سکتا اور اپنے ہم جنس سواریوں کے مساوی کیونکر رہ سکتا تھا۔ غرض حلیمہ اپنے قبیلہ کی تمام بدوی عورتوں سے پہلے اپنی جائے سکونت یعنی پہاڑی درے میں پہنچ گئیں جو سلسلہ طائف سے جنوب کی طرف چلا گیا ہے۔

انھیں دنوں میں وہ قحط بھی رفع ہو گیا جس نے عورتوں کو اپنے پیارے بچوں کے کھانے تک پر مجبور کر دیا تھا حلیمہ کے مال اور مویشی میں وہ برکت ہوئی کہ تمام قبیلہ حیران تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نشوونما دوسرے بچوں کی طرح نہ تھا بلکہ جو بالیدگی اطفال کو ایک برس میں ہوتی تھی اس قدر آپ کو ایک دن میں ہوتی تھی آپ دوسرے مہینے اشارہ کرنے اور تیسرے مہینے گھٹنیوں گھسٹنے

لگے چوتھے مہینے اُٹھکر اپنے پاؤں سے کھڑے ہوئے اور پانچویں مہینے ہاتھ دیوار پر ٹیک ایک دو قدم چلنے لگے۔ چھٹا مہینہ تھا کہ آپ میں طاقت خرام آگئی اور ساتویں مہینے تیز رفتاری بھی پیدا ہوگئی۔ آٹھویں مہینے دوڑنے لگے اور نویں مہینے استعداد گفتار پیدا ہوگئی۔ دسویں مہینے فصیح اور دل آواز گفتگو کرنے لگے اور گیارھویں مہینے باتوں کا دانشمندانہ جواب دینے لگے اور تیر و کمان لیکر جنگل میں بچوں کے ساتھ جانے لگے۔ بارھواں مہینہ تھا کہ آپ اپنی عمر سے کئی حصے بڑے لڑکوں کا بہادرانہ مقابلہ کرتے تھے اور طبعی جرأت و دلیرانہ قوت سے ہوشیار بچوں کو پسپا کر دیتے تھے۔

جس وقت سے آپ میں طاقت گفتار پیدا ہوئی کوئی چیز آپ نے بسم اللہ کہے بغیر ہاتھ میں نہ لی آپ کو کبھی بستر پر بول و براز کا اتفاق نہیں ہوا اور نہ کبھی بچوں کے ساتھ کھیل کود میں مشغول ہوئے۔

حلیمہ سعدیہ کو ہمیشہ اس بات پر فخر رہا کہ میرے ہونہار منصف مزاج بچہ نے کبھی بائیں پستان کا دودھ نہیں پیا کیونکہ پہلے روز آپ کو دائیں پستان سے لگایا گیا اور بائیں جانب کی پستان حلیمہ کے بیٹے مسرود کیلئے رہی۔

دوسرے برس کے اختتام پر آپ کا دودھ بڑھایا گیا اور تیسرے سال حلیمہ آپ کو لیکر مکہ میں آئیں تاکہ آمنہ خاتون کا دُرِّ فرید اُن کے حوالہ کریں۔

حلیمہ سمجھ چکی تھیں کہ میرے گھر کی تمام خیر و برکت محمدؐ ہی کی وجہ سے ہے اور قبیلہ بنی سعد کا تمام جنگل اسی بچہ کے فیضان سے آباد و فیض یافتہ ہے اس لئے آمنہ خاتون سے درخواست کی کہ بی بی اگر آپ اس لاڈلے نورِ نظر کو تا حینِ بلوغ میرے ہی پاس رہنے دیں تو میرے زہے نصیب۔

مکہ میں ان دنوں وبا کا چرچا تھا۔ اور یہ حالت تھی کہ بہت سے آدمی صبح کو تندرست اُٹھے اور شام کو راہی دار البقا ہوئے شام کو اچھے سوئے اور صبح ہوتے خبر سُنی گئی کہ فلاں شخص مرگیا۔

آمنہ خاتون نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھاتی سے لگایا اور حلیمہ کے اصرار و نیز وبا کے اندیشہ سے حلیمہ کی درخواست منظور فرماکر اجازت دیدی کہ چند روز اپنے پاس محمدؐ کو اور رکھ لو۔ حلیمہ سعدیہ خوشی خوشی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لیکر اپنے گھر واپس آئیں اور روز بروز برکت کے اثر زیادہ دیکھکر آپ کو دل سے پیار او آپ پر جان تک نثار کرنے لگیں۔

تیسرے برس آپ نے درخواست کی کہ اماں ہم کو بھی اجازت دیجئے کہ اپنے بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرانے جنگل جایا کریں اور گو حلیمہ سعدیہ نے گوارا نہ کیا لیکن آپ کی دلشکنی کے اندیشہ سے انکار بھی نہ کیا اور صبح کو آپ اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ جنگل روانہ ہوئے وہاں فرشتوں نے آپ کو زمین پر لٹا کر جبرئیل امین نے سینہ مبارک چاک کیا اور آپ کا دل نکال کر صاف کیا وہ سیاہ خون جو بنی آدم میں زمانہ آدم علیہ السّلام سے پشت در پشت چلا آتا ہے اور درحقیقت گناہ کی وہی اصل و بنیاد ہے نکال پھینکا پھر آپ کے دل عرش منزل کو معرفت و نبوت کا نور بھر کر اپنی جگہ رکھدیا سینہ برابر کردیا اور ٹانکے لگادیئے رسیونکی سیاہ دھاری آپ کی گردن سے ناف تک مدت العمر باقی رہی

یہ کیفیت دیکھکر حلیمہ کا لڑکا مسرور لرزتا کانپتا اور دوڑتا ہانپتا ماں کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اماں جلد دوڑو دیکھو ہمارے قریشی بھائی کو سنسان میدان میں دو سپید پوش آدمیوں نے پکڑ لیا اور جنگل میں لٹاکر پیٹ پھاڑ ڈالا۔ یہ وحشت اثر خبر سُنکر حلیمہ اپنے شوہر حارث کو ہمراہ لیکر روتی ہوئی اس جانب روانہ ہوئیں حلیمہ کا رنج و پریشانی کے مارے بُرا عالم تھا پیر رکھتی کہیں تھیں اور پڑتا کہیں تھا چہرہ پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں رنگ فق تھا اور زبان پر یہ الفاظ تھے کہ ہائے افسوس میں لُٹ گئی لوگو! میری چار برس کی کمائی برباد ہو گئی۔ اور میں مکہ جانیکے قابل بھی نہ رہی اب آمنہ کو کیا جواب دوں گی۔

حلیمہ پریشان و سراسیمہ جنگل میں پہنچیں اور دیکھا کہ ایک ہرے بھرے درخت کے نیچے محمد صلی اللہ علیہ وسلم صحیح و سالم بیٹھے ہیں حلیمہ نے دوڑ کر چھاتی سے لگایا اور نورانی رخساروں پر بوسے لیکر اپنی بیقراری بیان کی۔ آپ نے تمام قصہ عن و عن بیان فرما کر سب کی تسلّی کی۔

گو اس وقت حلیمہ کے بیچین دل کو تسکین ہو گئی لیکن یہ خیال پیدا ہو گیا کہ اس خطرناک حالت میں محمدؐ کو اپنے پاس رکھنا نیکی برباد گناہ لازم کا مصداق بنتا ہے حلیمہ کے شوہر حارث نے بھی اپنی بی بی سے کہا کہ تم جاؤ اور محمدؐ کو ان کی ماں کے حوالہ کر آؤ کیونکہ کسی آسیب کے خلل سے اور بھوت یا پری کے سایہ سے پہلے پہلے آمنہ کی امانت آمنہ کے پاس پہنچ جانی مناسب ہے۔

آپ کی عمر کچھ کم چار برس کی تھی کہ حلیمہ آپ کو لیکر مکہ آئیں اور آمنہ کو شق الصدر کا خوفناک ماجرا سُنا کر درخواست کی کہ محمدؐ کو لیجے اور مجھکو واپس ہونے کی اجازت مرحمت فرما دیجئے۔ آمنہ مسکرائیں اور یہ کہکر چپ ہو رہیں کہ اس ذیشان ہونہار بچہ پر آسیب یا جنون کا اثر نہیں ہو سکتا۔

آپ کے دادا عبد المطلب نے حلیمہ سعدیہ کو ایک ہزار اونٹنی اور پچاس رطل سونا حق خدمتگذاری میں بطور انعام دیکر نہایت عزّت کے ساتھ رخصت کیا اور آپ اپنی ماں بی بی آمنہ کے پاس اُم ایمن کی پرداخت میں رہے۔ جو درحقیقت خواجہ عبد اللہ کی لونڈی تھیں اور آپ کو ترکہ پدری میں ملی تھیں۔

باب دوازدہم (۱۲)

آمنہ و عبد المطلب کا انتقال اور آپ کا شام کی جانب پہلا سفر

آپ کو چھٹا سال تھا کہ آمنہ خاتون نے اپنے خسر عبد المطلب سے چند روز کے لئے اپنے میکہ قبیلہ بنی نجار میں جانے کی اجازت لی اور اُم ایمن کو مع محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ساتھ لیکر مدینہ پہنچیں۔

عبد المطّلب کو کیا معلوم تھا کہ پیاری بہو کا یہ سفر سفرِ آخرت کی تمہید ہے کیونکہ آمنہ خاتون مدینہ میں ایک ماہ ٹھیر کر مکہ واپس ہو تی تھیں کہ راستہ میں موضع دوان کے قریب ابواء مقام میں راہی ملک بقا ہو کر وہیں مدفون ہوئیں آپ کو والدین کے کنار عاطفت میں جو بچپن کیلئے ایک بڑی نعمت ہے تربیت پانیکا اتفاق نہ ہوا کیونکہ چھٹے سال کے

ختم ہونیسے پہلے آپ بے ماں کے بھی ہوگئے اور آپ کو ام ایمن۔ عبد المطلب کے پاس مکہ واپس لے آئیں۔

عبد المطلب کا زخمی دل اس عالم ضعیفی میں چند سال ہوئے ساری اولاد سے پیارے بیٹے عبد اللہ کا صدمہ اٹھا ہی چکا تھا اور اس اتفاقیہ لائق بہو کے انتقال نے رہا سہا اور کمر کو شکستہ کر دیا عبد المطلب آٹھ آٹھ آنسو روئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سینے سے لگا کر بیٹے کا جانشین سمجھا اور درحقیقت محبت وحفاظت میں کوئی دقیقہ باقی بھی نہیں چھوڑا لیکن مشیت ایزدی کچھ اسی طرح واقع ہوئی تھی کہ خواجہ عبد المطلب کا پیمانہ حیات بھی لبریز ہوتا جاتا تھا۔ ساتویں سال آپ کی آنکھیں کچھ جوش کر آئیں اور عبد المطلب دوائی علاج سے افاقہ نہ دیکھکر آپ کو ایک راہب کے پاس لائے جو اپنے گرجا میں دروازہ بند کئے بیٹھا تھا عبد المطلب نے دستک دیکر اسکو پکارا لیکن راہب نے جواب تک نہ دیا۔

چند منٹ ہی گذرے تھے کہ کلیسہ کو سخت زلزلہ آیا اور راہب گھبرا کر بدحواسی کے عالم میں جھٹ دروازہ کھول باہر آ کھڑا ہوا۔ عبد المطلب نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سامنے کیا اور آنکھوں کا علاج چاہا۔ راہب سمجھ چکا تھا کہ کلیسہ کا لرزا ٹھنا میرے ایک ذی رتبہ حاجتمند شخص کے بلانے پر بھی باہر نہ آنے کی وجہ سے تھا۔

اسی وقت راہب نے غسل کیا اور اندر سے ایک پاک صحیفہ نکالا اس کو کھول کر پڑھنا شروع کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قدیم پیشین گوئیاں آپ کے چہرہ مہرہ سے مطابق کرنے اور عبد المطلب سے کہنے لگا کہ اے عبد المطلب یہ لڑکا پیغمبر آخر الزمان ہونیوالا ہے اگر میں گرجا سے ذرا دیر اور نہ نکلتا تو یقیناً کلیسہ مجھ پر گر جاتا میں اللہ کے رسول کا کیا علاج کر سکتا ہوں جاؤ اور انھیں کا لعاب دہن آنکھوں کو لگا دو اور ہمیشہ اس ہونہار کی خبر گیری باعث عزت سمجھو عبد المطلب آئے اور لعاب دہن مبارک دکھتی آنکھوں کو لگایا معاً شفا ہوگئی۔

آمنہ خاتون سے دو سال دو ماہ اور دس یوم بعد جبکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف آٹھ سال کی ہوئی۔ عبد المطلب ایک سو بتیس ۱۳۲ برس کی عمر میں سخت بیمار ہوئے اور زندگی سے مایوس ہو کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مایوسانہ شفقت کی نظر سے دیکھکر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور اسی وقت علی کرم اللہ وجہہ کے والد ابو طالب کو بلا بھیجا۔

ابو طالب حاضر ہوئے اور عبد المطلب نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو طالب کے حوالہ کر کے اس طرح وصیت کرنی شروع کی کہ "اے ابو طالب یہ دُرّ یتیم نہیں جانتا کہ باپ کی آغوش کا کیا لطف اور ماں کی تربیت کا کیا مزہ ہوتا ہے اس گوہر یکتا کی خدمت درحقیقت خوش نصیبی ہے افسوس میں اس دولت عظمیٰ سے زیادہ مدت بہرہ یاب نہ ہو سکا تجھکو مناسب ہے اسے اپنی اولاد سے زیادہ سمجھکر اس برتاؤ سے کام لے جس کے باعث یہ مجھ کو بھی بھول جائے۔

عبد المطلب نے یہ کہکر آہ سرد کھینچی اور حسرت بھری نگاہوں سے ایک بار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھکر نظر نیچی کر لی اور اس کا جواب بھی نہ سنا تھا کہ ناک کا بانسا پھر گیا آنکھیں پتھرا گئیں جلد جلد سانس آنے لگا گویا وہ حالت طاری ہوگئی جو آخرت کا دشوار گذار راستہ طے کرنے والے پر ہویدا ہوتی ہے۔

اسی سال ایران کا مشہور بادشاہ نوشیرواں عادل مر گیا اور اسی برس شہرہ آفاق کریم و سخی حاتم طائی نے قضا کی گویا دونوں نامور شخص عبد المطلب سردار مکہ کے شریک سفر ہوئے۔

درحقیقت ابو طالب نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کا حق ادا کر دیا اور باپ کی آخری وصیت ہر وقت نظر کے سامنے رکھی آپ کو ہمیشہ کھانا اپنے ساتھ کھلاتے اپنے پاس سلاتے ہر جگہ اپنے ہمراہ لیجاتے اور ہر وقت میٹھی باتوں سے دل بہلاتے رہتے تھے

ابو طالب علاوہ اس بزرگی کے جو خانہ کعبہ کی تولیت کے باعث ان کو حاصل تھی قریش کے بڑے تاجر اور خصوصاً اس قافلہ کے معاون تھے جو ملک شام سے یمن کی طرف جاتا اور آپ کے جد امجد ہاشم کا جاری کیا ہوا تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سن مبارک نو برس کا تھا کہ ابو طالب نے ملک شام کے سفر کا قصد کیا اور مصائب سفر کے خیال سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لڑکوں کے ساتھ مکہ میں چھوڑ جانا چاہا۔ جب ابو طالب اونٹ پر سوار ہونے لگے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے زانو سے لپٹ کر رونے لگے اور کہا کہ چچا مجھے یہاں کس پر چھوڑے جاتے ہو۔ یہ سنکر ابو طالب کا دل بھر آیا اور آپ کو اس سفر تجارت میں اپنے ساتھ لے لیا اور دونوں نے ملک شام کی طرف باگ اٹھا دی۔

سرحد شام پر شہر بصرہ کے قریب قافلہ ٹھہرا اور اس جگہ بحیرا راہب سے ملاقات ہوئی جو ابو طالب کا دوست اور اپنے مذہب نصرانیت کا بڑا زبردست عالم تھا۔

بحیرا گرجا میں بیٹھا ہوا دیکھ رہا تھا کہ آپ پر ابر سایہ کئے ہوئے ہے اور درختوں کی ٹہنیاں آپ پر جھکی پڑتی ہیں۔ بحیرا نے تمام قافلہ کی دعوت کی اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گود میں بٹھا لیا آپ کی پشت پر مہر نبوت دیکھی اور ابو طالب سے آپ کا نام اور بچپن کے کل حالات بھی دریافت کئے۔ غرض انجیل شریف کی بشارتوں کے بالکل موافق پاکر آپ کی نبی آخر الزماں ہونے سے ابو طالب کو مطلع کیا اور بڑے زور سے نصیحت کی کہ خبردار ابو طالب ان کو ملک شام میں نہ لیجانا۔ یہودی دیکھ پائیں گے تو بری طرح پیش آئیں گے اور آئندہ ہر جگہ اور ہر وقت اس لڑکے کی حفاظت کرتے رہنا۔ کیونکہ یہ اپنے ملک کا آزاد کرنے والا اور اپنے زمانہ میں نبی ہوگا۔

ابو طالب نے بصرہ ہی میں اپنا تمام مال نفع سے بیچ دیا کیونکہ وہ بھی مشہور تجارت گاہ تھا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر بخیر و عافیت مکہ واپس ہوئے۔

باب سیزدہم (۱۳)

امین کا خطاب اور ملک شام کا دوسرا سفر

نخلہ اور طائف کے مابین شہر فتق کی طرف بڑے میدان میں ایک بازار لگتا اور میلہ ہوتا تھا اس مشہور بازار کا نام سوق عکاظ تھا اس میں دور و نزدیک کے قبیلے جمع ہوتے اور خرید و فروخت کرتے اور اپنے آبا و اجداد کی فضیلت کے فخریہ اشعار بآواز بلند پڑھ پڑھ کر ایک دوسرے پر تفاخر ظاہر کیا کرتے تھے یہانتک کہ اسی قسم کی جہالت آمیز باتوں میں اکثر کٹ مرتے تھے۔ برسوں لڑائیاں چھڑتی اور ہزاروں خون ہوجاتے تھے انکی لڑائیوں کو فجار کہتے ہیں

اسی قسم کی لڑائی کنانہ و قریش اور بنی ہوازن کے درمیان چھڑ گئی اور کامل نو برس تک ٹھنی رہی ان لڑائیوں میں اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سن مبارک چودہ پندرہ برس کا تھا لیکن اپنے چچا کے ساتھ ملکر شریک ہوئے اور آپ نے لوگوں پر ثابت کر دکھایا کہ محافظین کعبہ کے خاندان میں آپ بھی ایک نبرد آزما اور دلیر شخص ہیں کیونکہ آپ اپنے چچا زبیر کے تیروں کے دینے اور وقت پر ڈھال و تلوار حوالے کرنے میں بڑی پھرتی کے ساتھ اپنی جوانمردی کا اظہار کر رہے تھے۔

گو آپ نے اس زمانہ سے پچیس۲۵ برس کی عمر تک کوئی مشہور رفاہ عام کا کام نہیں کیا تاہم آپ کی رحمدلی اخلاق وفاداری سچائی دیانتداری نیک چلنی غربا نوازی قومی ہمدردی انصاف پسندی نے آپ کو ہر دل عزیز بنا دیا اور قوم سے امین کا خطاب دلا دیا۔

عبد المطلب کا تمام خاندان متمول اور شریف مکہ سمجھا جاتا تھا لیکن عزت و آبرو کے مصارف اور آمدنی سے زیادہ امیرانہ خرچ نے اس خاندان کی حالت عرصہ ہوا کمزور کر دی تھی اور خصوصاً ابو طالب کثرت عیال کے باعث اور بھی زیادہ فکر معاش میں پریشان و مغموم رہتے تھے۔

ایک بار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر کہنے لگے کہ بھتیجے اگر تم بھی خدیجہ سے مال تجارت لیکر ملک شام کی طرف جاؤ اور میرے بار فکر کو ہلکا کرو تو بہتر ہے کیونکہ میرا حال اس وقت یک انار و صد بیمار کا مصداق ہے اور میری نظر تمہاری ہی جانب جاتی ہے کیونکہ تم سچائی و صفائی معاملات میں مشہور اور برکت و خوارق عادات کے مظہر ہو اور ایسی حالت میں خدیجہ رض کا تم کو مال دیدینا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔

خدیجہ رض مکہ میں قوم قریش کی ایک مالدار بیوہ عورت نہایت حسینہ اور عاقلہ تھیں ان کے دو نکاح ہو چکے تھے اور ان کے آخری شوہر نے جو بڑے متمول مشہور تاجر تھے انتقال کیا اس لئے ان کو اپنی تجارت کی ترقی کے لئے تنخواہ اور حصہ منافع کی صورت پر مال تجارت دینے کو دیانتدار اور امین آدمیوں کی ہر وقت ضرورت رہتی تھی۔

خدیجہ رض آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امانت و تدین کے حالات خود بھی سن چکی تھیں اور اپنے بھتیجے قطیمہ کی زبانی آپ کے ذاتی اوصاف حمیدہ پورے طور پر ان کے ذہن نشین ہو گئے تھے اس لئے بطور خود خدیجہ رض محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہشمند تھیں اور اتفاقاً جبکہ ابو طالب کا یہ خیال بھی خدیجہ رض نے سن پایا تو اپنی طرف سے خدیجہ رض کو درخواست کرنے میں کچھ تامل نہ ہوا اور کہلا بھیجا کہ اگر محمد اس کام میں مشغول ہوں گے تو میں ان کو دوسروں کی بہ نسبت المضاعف اجرت دونگی

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدیجہ کے خاص غلام میسرہ اور ایک عزیز خزیمہ بن حکیم کی ہمراہی میں مال تجارت لیکر خدیجہ کی طرف سے ملک شام روانہ ہوئے اور اس مرتبہ بصرہ کے قریب بحیرا کے قائم مقام نسطورا راہب سے ملاقات ہوئی اور نسطورا نے آپ کا جمال باکمال دیکھکر جسم کی دیکھ بھال شروع کی اور آخر پکار اٹھا کہ ہو نہ ہو یہی نبی آخر الزمان ہے دیکھو یہ درخت جس کے نیچے محمد بیٹھے ہیں وہ مبارک درخت ہے جس کے نیچے نبی کے سوائے کوئی دوسرا آدمی کبھی نہیں بیٹھا

غرض آپ مال تجارت میں دہ چند نفع پیدا کرکے واپسی میں دوپہر کے وقت مکہ کے اندر داخل ہوئے اس وقت خدیجہؓ نے جو اپنے بالاخانہ پر بیٹھی ہوئی تھیں دور سے آپ کی جہان آرا صورت دیکھی اس وقت آپ کے سر پر نورانی غیبی پرند ٹکڑی باندھے سایہ کئے ہوئے تھے۔ خدیجہؓ نے میسرہ سے حالات سفر اور آپ کی عجیب کرامتیں اور نسطورا کا قول بھی سنا اسی وقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کرنے کا خیال دل میں پیدا ہوگیا۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چچا ابو طالب کے پاس آئے اور اپنی کمائی سامنے رکھدی۔

باب (۱۴) چہاردہم

خدیجۃ الکبریٰؓ سے نکاح خدیجہؓ نے اپنے خاوند ابو ہالہ کے انتقال پر ایک شب خواب میں دیکھا تھا کہ آسمان پر ایک روشنی پیدا ہوئی اور وہ روشن مہتاب میرے گھر میں اتر آیا اس کا نور تمام گھر میں پھیل گیا اور مکہ کا کوئی گھر ایسا باقی نہ رہا جس میں اس کی عالمتاب نور کی روشنی نہ گئی ہو جب آنکھ کھلی تو خواب کی تعبیر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل سے پوچھی جو توریت کے زبردست عالم تھے۔ ورقہ نے کہا کہ تم نبی آخرالزماں کے نکاح میں آنے والی ہو اس لئے باوجودیکہ اکثر متمولان قریش اور سرداران عرب نکاح کے خواہشمند تھے لیکن خدیجہؓ کوئی رشتہ منظور اور پسند نہیں کرتی تھیں اب میسرہ کی زبانی سفری حالات سنکر خدیجہؓ کے دل میں خیال گذرا کہ خواب کی سچائی کے واقع ہونے کا وقت آگیا اور ابو طالب کو نسبت کا پیغام ایک عورت نفیسہ نام کی معرفت پہنچایا گیا۔

ابو طالب کو خود بھی خیال تھا کہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادی ہو جانی مناسب ہے، اس لئے اس موقع کو غیبی نصرت سمجھکر فوراً راضی ہوگئے اور خدیجہ کے چچا عمر بن اسد کی تولیت سے چار سو درہم مہر پر خدیجہؓ کو پیغمبر آخرالزمان کی نکاح کا شرف حاصل ہوا۔ ابو طالب نے ایک اونٹ کا ولیمہ کیا اور تمام سرداران مکہ اور اشراف قریش کی دعوت کی۔

خدیجۃ الکبریٰؓ کی عمر گو اس وقت میں چالیس برس کی تھی لیکن تناسب اعضا اور قدرتی حسن و نزاکت کے باعث جوان معلوم ہوتی تھیں انھیں کے عفت مآب بطن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام اولاد یعنی چار صاحبزادیاں رقیہؓ، زینبؓ، ام کلثومؓ، فاطمہؓ، اور چار صاحبزادے، عبد اللہؓ اور طیبؓ اور طاہرؓ اور قاسمؓ۔ تولد ہوئے البتہ ایک صاحبزادے ابراہیمؓ ماریہ قبطیہ سے پیدا ہوئے جو شاہ اسکندریہ مقوقس نے آپ کو ہدیۃً بھیجی تھی۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ طیب اور طاہر قاسم ہی کا لقب ہے جن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت ابو القاسم ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

آپ کو بی بی خدیجہؓ سے انتہا درجہ کی محبت تھی اور جب تک بی بی خدیجہؓ زندہ رہیں آپ نے عرب کی اس عام رسم یعنی کئی عورتوں سے نکاح کرنے کو ہرگز اختیار نہیں کیا۔ اس عقد سے آپ کی عزت ہموطنوں میں اور زیادہ ہوگئی اور آپ نے سسرال کی تمام ریاست کو نہایت معقول انتظام اور طبعی لیاقت کے ساتھ تھام لیا۔

اس کے بعد آپ حوائج ضروری سے آزاد ہونے کے سبب ہمہ تن روحانی ترقی کی طرف متوجہ ہوئے ایک مرتبہ

آپ کی مرضعہ حلیمہ سعدیہ نے بھی آکر اپنی غربت کا حال بیان کیا اور حضرت خدیجہؓ نے ان کی چالیس بکریوں سے مدد کی۔

باب پانزدہم (۱۵)

کعبہ کی تیسری بار تعمیر عبد المطلب کے بعد مکہ کی حکومت چونکہ کم و بیش تقسیم ہو گئی تھی اس لئے کوئی عدالت یا محکمہ ایسا نہ رہا جس سے عام باشندوں کے مال او حقوق کی حفاظت رہتی۔ حرم مکہ میں وہ خلاف ضابطگی اور بدعنوانی پھیل گئی جس نے دن دہاڑے برملا ایسی حرکتیں سرزد کرانی شروع کر دیں جن کو سنکر ہر وہ انسان جس کے دل میں تھوڑی بھی انسانیت ہو کانپ اُٹھے۔

یہ ظلم کا عالم دیکھکر مکہ کے بڑے خاندانوں یعنی بنو ہاشم، بنو مطلب، بنو اسد، خاندان زہرہ بن کلاب میں حلف کے اس معاہدہ کی تجدید کا خیال پیدا ہو گیا جو فضیل بن حارث جرہمی اور فضیل بن وادعہ قطوری نے قائم کیا تھا یعنی یہ کہ کمزور اور مظلوم بندگان خدا کی سرپرستی اور اعانت کی جائے اور جس پر بھی حرم میں زیادتی دیکھی یا سُنی جائے اس کی دستگیری اپنا فرض منصبی سمجھا جائے۔

عہد نامہ مکمل ہوا اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف شریک ہی نہیں ہوئے بلکہ اس معاہدہ کا استحکام درحقیقت آپ ہی کی سعی و کوشش کا نتیجہ تھا۔

آپ کی عمر شریف پینتیس ۳۵ سال کی تھی کہ اہل مکہ میں خانہ کعبہ کو از سر نو تعمیر کرنے کا خیال پیدا ہوا کیونکہ موجودہ خانہ کعبہ بنا ابراہیم پر غیر مسقف قائم تھا اور اس کی دیواریں چھوٹی تھیں بارش کا پانی اندر آجاتا تھا اور اس مقدس مکان میں آنے جانے والوں کو تکلیف ہوتی تھی۔

انھیں دنوں جدے کے کنارے کسی بڑے تجارتی جہاز نے ٹوٹ کر تباہ ہو جانے کے باعث لکڑی اور لوہے کا سامان مفت ہاتھ لگ گیا تھا اس لئے اس خیال میں پختگی پیدا ہو گئی لیکن اس کنوے میں جس کے اندر خانہ کعبہ کی نیاز اور نذریں قبولیت کی امید پر ڈالدی جاتی تھیں ایک زہریلا خونخوار اژدہا رہتا تھا جس کا معمول تھا کہ ہر روز صبح کو کنوے سے نکلکر کعبہ کی دیوار پر آبیٹھا اور جو کوئی اس کے پاس جاتا وہ پھن اٹھاتا اور مُنہ پھاڑ کر اس پر حملہ آور ہوتا تھا اس لئے رہی سہی ہمتیں اور پست ہو گئیں اور کسی نے خانہ کعبہ کے پاس جانے کا نام نہ لیا۔

اللہ کی شان ایک روز صبح کے وقت وہ اژدہا حسب معمول دیوار پر بیٹھا اپنی خوفناک شعلہ زن نظروں سے اہل مکہ کو خوف زدہ بنا رہا تھا کہ ایک قوی الجثہ پرند آسمان سے اُترا اور اژدہے کو اپنے سخت پنجوں میں دابکر اُڑا لے گیا۔ اس وقت مکہ کے ہر فرد بشر کے خوف زدہ دل کو تسکین ہوئی اور تذکرے ہونے لگے کہ اللہ پاک کو خانہ کعبہ کا درحقیقت دوبارہ تعمیر کرانا پسند و منظور ہے اور اسی لئے اس بلائے بے درمان سے قدرتی طور پر نجات ملی تاہم یہ کسی کی ہمت گوارا نہ کرتی تھی کہ محترم گھر کی دیوار پر کھڑا ہو اور اس پر پھاوڑا چلائے۔

ولید بن مغیرہ نے جو ایک دل چلا بہادر نوجوان تھا اس کا بیڑا اٹھایا اور پھاوڑا لیکر کعبہ کی دیوار پر جا چڑھا اور اس کو شہید کرنا شروع کر دیا رات بھر باشندگان مکہ اس کے منتظر رہے کہ دیکھو ولید پر کوئی آسمانی آفت نازل ہوتی ہے یا نہیں اور صبح ہوتے جب دیکھا کہ ولید پھاوڑا لیے ہوئے ہنستا اور خوش ہوتا کعبہ کی طرف جا رہا ہے تو سب کی ہمتیں بڑھ گئیں اور سب نے ملکر بنیادوں تک خانہ کعبہ کو شہید کر دیا۔

یہ بات پہلے طے ہو چکی تھی کہ لوٹ کھسوٹ یا کسی کا ناجائز پیسہ کعبہ میں نہ لگایا جاوے اور صاف ستھری کمائی سے اسکی تعمیر اتمام تک پہنچائی جائے۔ غرض بیت اللہ کی تعمیر شروع ہوئی اور جب وقت آیا کہ حجر اسود اپنی جگہ رکھا جائے تو قبائل مکہ میں پھوٹ پڑ گئی کیونکہ ہر شخص کی یہی خواہش تھی کہ یہ پاک پتھر میرے ہاتھوں اپنے مقام تک پہنچے

عرب کی ضد اور جہالت کو سب جانتے ہیں کہ ان میں جھگڑا پڑے پیچھے بات کا سلجھنا اور متنازع فیہ امر کا صلح پذیر ہونا کوئی آسان بات نہ تھی خانہ کعبہ کی تعمیر تو یہیں رک گئی اور اب ہر قبیلے کو لڑ کر اپنی جان کا دیدینا آسان نظر آنے لگا۔

اللہ پاک کو چونکہ اپنے اس پیغمبر کے ہاتھوں اس بڑے جھگڑے کا طے کرنا منظور تھا جو اس تعمیر میں شریک اور پتھر اٹھا اٹھا کر لانے میں قریش کا معاون تھا اس لئے چند دوراندیش تجربہ کاروں کی طبیعت میں خیال پیدا ہوا کہ اچھا صبح ہوتے سب سے پہلے جو شخص بیت اللہ کی طرف ہو کر گذرے اس کو منصف قرار دے لو جس کو وہ شخص کہے وہی حجر اسود اسکی جگہ رکھدے اس رائے سے سبنے اتفاق کیا اور اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

صبح کو اس جانب سب سے پہلے گذرنے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے جو اپنی سچائی کا سکہ جما اور قوم میں ہمدردی و عزت کی شہرت حاصل کر چکے تھے اسلئے سبنے آپ کا حکم ہونا بطیب خاطر پسند کیا اور آپ نے سر پنچ بنکر اس طرح فیصلہ کیا کہ ایک بڑی چادر میں حجر اسود رکھ لیا جائے اور ہر قبیلہ کا صاحب عزت سردار اس چادر کو تھام لے تاکہ تمام قبائل مکہ کے ہاتھوں یہ پتھر اپنی جگہ پہنچے۔

اس عجیب خوش تدبیری پر چاروں طرف سے صدائے آفریں بلند ہوئی اور قبائل کے سرداروں نے اس طرح حجر اسود کو اس کی جگہ پہنچایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے آگے بڑھکر بہ نفس نفیس خود اس پتھر کو چادر سے باہر نکالکر اس جگہ رکھدیا جس جگہ پہلے رکھا ہوا تھا۔

بیت اللہ کی تعمیر قریش کے ہاتھوں پوری ہو گئی لیکن سامان کم ہو جانے کے باعث حطیم کا تھوڑا سا حصہ چھوڑنا پڑا جو موجودہ تعمیر بیت اللہ میں اب بھی چھوٹا ہوا ہے اور طواف کرتے وقت اس حصہ کو اندر لے لیا جاتا ہے

باب شانزدہم (۱۶)

آپ کی خوش تدبیری احسان کی برکات صبر و تحمل اور رحمدلی اس فراغت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک بہت بڑا کام اور بھی کیا جس کا احسان درحقیقت عرب کے بچہ بچہ پر ہے وہ یہ کہ حویرث کا بیٹا عثمان ایک عرب تھا جس نے قسطنطنیہ میں عیسائی دین قبول کر لیا اور حجاز میں آ کر اس فکر میں لگا ہوا تھا کہ مکہ کو رومیوں کے ہاتھ

میں دیدے اور اس مقدس خطہ پر نصرانیوں کا خاطر خواہ قبضہ ہوجائے۔ لیکن اس کی تمام کوششیں بیکار گئیں اور حضرت
سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فطرتی عقل اور ذاتی ہوشیاری کے باعث اسکی سب دغابازی و شرارت ظاہر ہوگئی
اس کے بھید کا کھل جانا غنیمت ہوا ورنہ اہل عرب کا عیسائیوں کے ہاتھ قتل ہوجانا کونسی بڑی بات تھی۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ اپنے ملک کی خدمت کی اور اس کی بھی کوشش کی کہ اپنے چچا
ابوطالب کے احسانات کا معاوضہ کریں۔

مکہ میں سخت قحط پڑا جس سے لوگ بلبلا اٹھے اور ابوطالب نہایت مغموم و پریشان ہوئے کیونکہ ابوطالب
کا کنبہ زیادہ تھا اور ان کی وسعت و مقدرت لڑکوں کی تربیت کیلئے کافی نہ تھی البتہ حضرت عباسؓ ابوطالب کے بھائی خوشحال تھے
سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا عباس سے کہا کہ ابوطالب کے ایک بیٹے کو آپ متبنّٰی بنا لیجیے اور ایک کی
تربیت میں اپنے ذمہ لیتا ہوں چنانچہ عباسؓ نے جعفر کو لیلیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علی کا ہاتھ پکڑ لائے عقیل اپنے باپ کے پاس رہے
سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کل لڑکے بچپن ہی میں انتقال کرچکے تھے صرف حضرت علیؓ کی محبت سے آپ کے محزون دل کو تسلی
رہتی تھی۔ آپ نے اپنی قوم پر ہمیشہ جان نثار کی لیکن افسوس احسان فراموش قوم ممنون نہ ہوئی اور احسانات کی تلافی کی تو بھی
اس طرح کہ آپ کے معصوم بچوں کے مرنے پر آپ کو ابتر کہا جس کے معنی دُم بریدہ یعنی بے اولاد اور مقطوع النسل کے ہیں۔

اول تو اس متواتر اولاد کے انتقال اور دوسرے قریشیوں کے ان نازیبا دل افسردہ کرنے والے کلمات سے آپ کے دل
پر رنج کا بڑا اثر پڑا لیکن پھر بھی آپ کے متحمل قلب نے ہٹ دھرم قریشیوں کی ان ناکارہ باتوں کا خیال نہیں کیا اور آپ سچے
معبود کی تلاش اور سیدھی راہ ہدایت کی جستجو میں بدستور ساعی رہے۔

آپ کی انسانیت و رحمدلی کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ حارث کے بیٹے زید کو (جو ظالم دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوکر غلاموں کے
زمرہ میں بیچدیئے گئے تھے اور ام المومنین خدیجہؓ کے چچازاد بھائی نے انھیں خرید کر حضرت خدیجہ کو تحفہ دیا تھا) آنحضرت صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم نے خدیجہ سے مانگ لیا اور آزاد کردیا ایک زمانہ کے بعد زید کا باپ حارث جو بیٹے کے فراق میں روتا اور نور نظر کی جستجو میں
ادھر ادھر مارا پھرتا تھا مکہ آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر کہنے لگے کہ یہ میرا نور نظر ہے آپ فدیہ
لیکر چھوڑ دیجیے میں عمر بھر احسان مند رہوں گا۔ تو آپ نے زید سے فرمایا کہ ہاں اگر تمھارا جی چاہے تو بلا فدیہ دیئے اپنے باپ
کے ساتھ چلے جاؤ کیونکہ تم آزاد ہوچکے ہو یا چاہو تو یہاں میرے پاس رہو۔

اگرچہ زید نے اپنے محسن ہی کے پاس رہنا پسند کیا اور ایسی دولت چھوڑ کر باپ کے ساتھ جانا ہرگز پسند نہ کیا تاہم
آپ کی رحمدلی جو کچھ اس سے ظاہر ہوئی اس کو ہر انصاف پسند طبیعت سمجھ سکتی ہے۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید کے ساتھ مدت العمر وہ برتاؤ رکھا جو باپ اپنے بیٹے کیساتھ رکھتا ہے
اور اسی بنا پر صحابہ کرام میں اس نازپروردہ شامی غریب الوطن لڑکے کا نام زید بن محمد ہوگیا۔ غرض ان نیک کاموں

میں گو آپ مصروف رہتے تھے لیکن آپ کا دل اپنی قوم کے لئے رویا ہی کرتا تھا آپ گھر میں رہتے یا باہر ہمیشہ اور ہر جگہ دریائے فکر میں غرق رہتے تھے۔ آپ کو تنہائی سے عشق تھا ہر سال ماہ رمضان میں آپ مکہ کے قریب کوہ حرا پر جا کر رہتے اور شب و روز دعا مانگتے اور غریب اور بھولے بھٹکے مسافروں کی مدد کرتے تھے۔ بسا اوقات دوسرے مہینوں میں مکہ سے باہر جانے اور کسی غار یا خالی میدان میں بھی آپ کو کچھ دن گذارنے کا شوق تھا۔ ایسی حالت میں خدیجۃ الکبریٰ چند روز کا کھانا پکا کر باندھ دیتیں اور مناسب مقدار توشہ ساتھ کر دیا کرتی تھیں۔ آپ کو چالیسواں سال شروع ہوا اور اب سچی خوابیں اور اللہ کے نورانی فرشتے نظر آنے لگے گویا اس وقت کے عنقریب آجانیکی خبر دی گئی جس کی طرف ایک عالم کی نظریں لگی ہوئی تھیں اور آپ کو بار رسالت کے متحمل بننے کے لئے مستعد اور تیار ہو جانا تھا۔

رات کی سنسان گھڑیوں میں صبح کے سہانے وقت میں تنہائی کے عالم میں باد صبا کی طرح ایک آواز سنائی دیتی کہ "تو بشر ہے لیکن خدا کا پیغمبر" جس جانب آپ جاتے اس طرف ہر شئے پر جبروتی جلال کے آثار ہویدا اور بتوں کو یہ کہتا پاتے کہ ہم سے علیحدہ رہئے کیونکہ آپ اللہ کے پیغمبر ہماری نگونساری و ہلاکت کا باعث ہوں گے۔ غرض ہر طرح آپ پر پردۂ حقائق منکشف ہونے لگے جس سے آپ نے جہان کو منور کیا۔

باب ہفدہم (۱۷)

خلعت نبوت جبروتی جلال اور ربانی رافت کے ظہور کا وقت قریب آ لگا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف چالیس برس کی ہوئی زمانہ کی کایا پلٹنے والی تھی اور کفر کی تاریکی کے کافور ہونے کا زمانہ آ گیا تھا۔ صحف سابقہ کی پیشین گوئیاں اور آسمانی کتابوں کی واقعی مسرت خیز خبریں پوری ہونی تھیں۔ مذاہب متفرقہ کے ذی ہوش موحد علما عبادت کیش صوفی راہب مفش جفاکش زاہد قوم کو بت پرستی کی غلامی سے آزاد کرنے والے پیغمبر کے منتظر تھے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قسمت کا ایک ایک ورق کھلنا شروع ہوا۔

آپ حسب عادت مکہ سے تین کوس کے فاصلہ پر کوہ حرا کے غار میں سوچ اور غم و افسوس کا کمل اوڑھے کسی گہرے فکر میں مستغرق بیٹھے تھے کہ اللہ کے بزرگ فرشتے جبریلؑ نے بصورت بشر سامنے آ کر ریشمین کپڑے پر لکھی ہوئی سب سے پہلی وحی اقرأ باسم ربك الذی خلق ۝ خلق الانسان من علق ۝ اقرأ و ربك الاكرم الذی علم بالقلم ۝ علم الانسان ما لم یعلم ۝ سامنے کی اور کہا کہ پڑھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ محض اُمّی یعنی اَن پڑھ تھے۔ نہ کسی معلم کے سامنے کتاب رکھی تھی نہ کسی سے ایک حرف پڑھنے کا اتفاق ہوا تھا اس لئے جواب دیا کہ میں تو پڑھنا جانتا نہیں۔

جبریلؑ امین نے خوب بھینچا اور پھر کہا کہ "پڑھو" آپ نے پھر وہی جواب دیا اور پے در پے تین بار ایسا ہونے پر آپ نے بسم اللہ کہکر وحی ربانی کو پڑھا اور جبریل امینؑ نے سمجھا دیا کہ آپ اللہ کے مقبول پیغمبر ہیں خلق کی ہدایت آپ کا فرض منصبی اور توحید کی تعلیم آپ کا اہم بالشان کام ہے اسی موقع پر جبریل امین نے آپ کو وضو کرایا اور نماز سکھائی اور غائب ہو گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر روح القدس کے دبانے اور بھینچنے کے باعث ایک کشف کی خاص حالت طاری ہو چکی تھی آپ کا سینہ علم لدنی کا گنجینہ بن گیا تھا آپ سب کچھ پڑھ اور سیکھ گئے تھے اور آپ کا قلب نزول اجلال الٰہی کا مورد بننے کے باعث لرز اٹھا تھا اور آپ کے ریاضت و مجاہدہ کیش جسم پر کپکپی پیدا ہو گئی تھی گویا آپ کو جاڑا چڑھ آیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر واپس آئے اور خدیجہؓ سے یہ کہکر کہ مجکو جلد کچھ اوڑھاؤ لیٹ رہے اور تھوڑی دیر کے بعد سارا قصہ خدیجہؓ سے حرف بحرف بیان کیا اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا اندیشہ ہے بی بی خدیجہؓ نے آپ کو تسلی دی اور عرض کیا کہ آپ یتیم بچوں پر ترس کھانے بیوہ اور رانڈ عورتوں پر رحم کرنے ہمیشہ سچ بولنے والے ہیں آپ کی منتخب نیک عادت آپ کے پاکیزہ خصائل آپ کی محمودہ صفات ہر شخص جانتا ہے آپ کی مہمانداری غربا نوازی برادر پروری ضرور بہتر نتیجہ دکھائے گی آپ خوف نہ کریں آپ کا محافظ خلاق عالم جوان ہر دلعزیز اوصاف کا قدر دان ہے آپ کا بال بھی بیکانہ ہونے دے گا۔

بی بی خدیجہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ السلام کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لیگئیں اور سارا قصہ من وعن بیان کیا۔

ورقہ بن نوفل مذہب یہودیت و نصرانیت کے بڑے زبردست عالم علامات نبوت کے ماہر اصول دین کے شناسا توریت وانجیل کا سریانی زبان سے عربی زبان میں ترجمہ کیا کرتے اور بوجہ ضعف بصارت سوائے نیک منش باخبر علماء کی صحبت میں وقت صرف کرنے کے کہیں آتے جاتے نہ تھے۔ یہ ماجرا سُن کر قدوس قدوس پکار کر کہا کہ یہ وہی ناموس یعنی جبریلؑ فرشتہ تھا جو حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے پاس آیا جایا کرتا تھا۔ اے محمد! گھبراؤ نہیں تم کو پیغمبری کا خلعت عطا ہوا ہے اور بیشک تم وہی نبی ہو جن کی بشارتوں سے آسمانی کتابیں عام اہلِ ادیان کو تمھاری منتظر بنا رہی تھیں تم کو مبارک ہو۔ یہ جاوید دولت تم کو عطا ہوئی تمھیں یاد رکھنا چاہئے وہ زمانہ بھی آنے والا ہے کہ تمھاری قوم تمھاری مخالف اور جانی دشمن ہو کر تمکو جلاوطن کرے گی تمھیں مکہ چھوڑنا پڑے گا اور اگر اس وقت میں زندہ رہا تو دل وجان سے تمھاری مدد کی عزت حاصل کروں گا۔

ورقہ کی حسرت دل کی دل ہی میں رہی اس لئے کہ چند روز بعد ان کو دنیا چھوڑنی پڑی اور راہی دار البقا ہوئے اس کے بعد آپ کو پھر جبل حرا پر جانے کا اتفاق ہوا تو غیب سے ندا آئی کہ "اے محمد تم اللہ کے رسول ہو اور میں جبریلؑ فرشتہ ہوں" اس موقع پر آپ نے جبریلؑ امین کو نظر بھر کر دیکھا اور کانپتے ہوئے مکان واپس تشریف لائے۔

بی بی خدیجہؓ آپ پر ایمان لا ہی چکی تھیں اور ہمیشہ اس خوش قسمتی پر ناز کرتی تھیں کہ اللہ کے سچے اور پیارے پیغمبر پر سب سے پہلے ایمان لانے اور حبیب خدا کی پہلی بی بی بننے کا اعزاز حاصل ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب و روز نماز وعبادت الٰہی میں مشغول اور ہفتوں خانہ کعبہ کے طواف میں مصروف رہنے لگے یہانتک کہ چند روز بعد سورۂ مدثر نازل ہوئی سورۂ فاتحہ اتری اور سورۂ مزمل کا نزول ہوا پھر متواتر قرآن شریف اترنا شروع ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغ رسالت کے مہتم بالشان امر میں پوری ہمت صرف کرنی شروع کر دی تھی۔ اور حضرت خدیجہؓ نے ترغیب اسلام میں سعی وکوشش ثمرۂ ایمان سمجھ رکھا تھا چند روز میں دس بارہ آدمیوں کا جتھہ گروہ اسلام

کہلانے لگا اور درحقیقت انھیں کو سابق الایمان کا لقب حاصل ہے۔

جس طرح عورتوں میں سب سے پہلے ام المومنین حضرت خدیجہؓ ایمان لائیں اسی طرح بالغ مردوں میں سب سے پیشتر حضرت ابوبکر صدیقؓ مشرف باسلام ہوئے جن کی عمر اس وقت کم و بیش اڑتیس برس کی تھی۔ لڑکوں میں حضرت علیؓ بن ابی طالب اور آزاد شدہ غلاموں میں زید بن حارثؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے۔

ابوبکر صدیقؓ قوم قریش میں نہایت مالدار تاجر اور متمول سوداگر ہونے کے علاوہ مدبر منتظم عقیل فہیم زکاوت و دوراندیشی میں شہرۂ آفاق تھے معزز محفلوں میں سیر مجلس بنائے جاتے اور عام باشندگان عرب میں قابل وسعت سمجھے جاتے تھے۔ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر معجزہ دیکھے بغیر صرف اصول دین اور حکم باری عز اسمہ سُن کر ایمان لے آئے تو تمام قوم میں اس کا شور مچ گیا اور عام طور پر جگہ جگہ برحق دین کا ذکر ہونے لگا۔

حضرت ابوبکرؓ کی ترغیب کا نتیجہ جلد ظہور پذیر ہوا کیونکہ ان کے سمجھدار احباب میں سے عثمانؓ بن عفانؓ۔ زبیرؓ بن عوامؓ طلحہؓ بن عبداللہ۔ سعدؓ بن ابی وقاص۔ عبدالرحمنؓ بن عوف۔ ایمان لائے اور اس کے دوسرے روز عثمانؓ بن مظعون ابوعبیدہؓ بن الجراح۔ ابوسلمہؓ بن عبدالاسد مخزومی۔ ارقمؓ بن ابی ارقم مشرف باسلام ہوئے اور پھر اسی سلسلہ میں جعفرؓ بن ابی طالب۔ عبیدہؓ بن حارث۔ ابوذرؓ عمارؓ بن یاسر۔ سعدؓ بن زید۔ عبداللہؓ بن مسعودؓ نے بھی مذہب حق قبول کیا رضی اللہ عنہم اجمعین۔

باب ہشت و دہم (۱۸)

سے نبوی تک کی حالت اور کفار کی برملا مخالفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ ابھی تک خفیہ اور خاص لوگوں میں محدود تھی جس کو آپ اپنے خیال میں سمجھدار پاتے اس کو نہایت سنجیدگی سے توحید کے اصول سمجھاتے اور ایمان کی رغبت دلاتے تھے تاہم آپ کے یہ نئے پاکیزہ خیالات ضدی قوموں میں قابل ملامت سمجھے جاتے تھے اور اسی بنا پر ان خیالات کے اتباع کرنے والوں یعنی مسلمانوں کو کمزور سمجھکر ایذائیں دی جاتی تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مؤمنین کی تعداد بڑھتی دیکھکر خوش ہوتے اور مغرور و سرکش باشندگان عرب کی طرف سے متفکر کیونکہ بنی امیہ اور قوم قریش کا سردار ابوسفیان بن حرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سخت دشمن اور اس امر پر تلا ہوا تھا کہ جو شخص مذہب اسلام اختیار کرے اُس کو بالو کے میدان میں گرم ریت پر لٹایا جائے اور کہدیا جائے کہ یا بُت پوجے یا مُلک عدم کی راہ لے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اغراض چونکہ نہایت پاک و منزہ تھے اس لئے تھوڑی بہت آپ کو کامیابی ہوتی رہی اور چند ہی سال میں اہل اسلام کی شمار انتالیس ۳۹ پر پہنچ گئی۔

پورے تین برس تک آپ اپنی قوم کو بُت پرستی سے بچانے کیلئے مخفی کوشش کرتے رہے مگر دو مسلمان آپ کی ہمراہی یا علیحدگی

میں اپنی قوم سے چھپکر پہاڑ کے غاروں یا کسی گھاٹی میں نماز پڑھ لیتے تھے۔

ابوطالب کو شروع میں یہ حال معلوم ہو چکا تھا کیونکہ ایک مرتبہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ساتھ لئے نماز کو جا رہے تھے کہ ابوطالب نے دیکھا اور پوچھا کہ بھتیجے یہ کون مذہب ہے جس پر تم چلتے ہو۔ آپ نے جواب دیا کہ یہ خدا کا اس کے فرشتوں کا اور پیغمبروں کا اور ہمارے دادا ابراہیم کا مذہب ہے۔ اللہ نے مجھے پیغمبر بنایا ہے کہ اسکے بندوں کے پاس جاؤں اور ان کو حق کی طرف بلاؤں۔ میرے چچا تم سب سے زیادہ مستحق ہو لیں چاہئے کہ تم سب سے پہلے حق کو قبول کرو اور اس کے پھیلانے میں میری مدد کرو۔ ابوطالب نے کہا کہ میں اپنے باپ دادا کے مذہب کو چھوڑ نہیں سکتا لیکن قسم ہے خدا کی جب تک میں زندہ ہوں کوئی تم کو ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ پھر ابوطالب نے اپنے بیٹے علی رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر دریافت کیا کہ تمہارا مذہب کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا ہوں اور اسی کے ہمراہ جاتا ہوں ابوطالب نے کہا جاؤ اس کے پیچھے رہو وہ بھلائی کے سوا برائی کی طرف نہیں لائیگا۔

تین برس بعد آیت کریمہ وانذر عشیرتک الاقربین کا نزول ہوا جس سے آپ کو حکم ہوا کہ اپنے قریب تر رشتہ داروں کو عذاب الٰہی سے ڈرائیں اور توحید کا سبق سکھائیں۔

چونکہ آپ اپنے ہم وطن مجرم قوم کی سرکشی و ناعاقبت اندیشی سے اچھی طرح واقف تھے اس لئے گو تعمیل حکم میں پس و پیش نہ ہوا تاہم بشریت سے آپ کی طبیعت گھبرائی اور خیال ہوا کہ دیکھئے اس اطلاع و تبلیغ کا کیا انجام ہو۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حالت ظاہر کی اور سامان ضیافت مہیا کر کے سرداران قریش کی دعوت کر دی۔

آپ کے قریبی رشتہ دار عباس، ابولہب، ابوجہل بنو عبدالمطلب وغیرہم تقریباً چالیس نفر شریک طعام ہوئے اور وہ کھانا جو صرف ایک آدمی سیر ہو کر کھا سکے اتنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے چالیس آدمی کو کافی ہو گیا۔ فراغت کے بعد آپ نے دعوت مطلب بیان فرمانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ ابولہب یہ کہہ کر کہ بھائیو! محمد نے کھانے پر جادو کر دیا کھڑا ہو گیا اور ابھی آپ باتوں کا سلسلہ شروع کرتا لوگوں کو اٹھا لے گیا اس طرح جلسے کے منتشر ہونے پر ع

دل کی دل ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی۔

آپ نے چند روز بعد دوسری مرتبہ سامان ضیافت فراہم کیا اور پھر سرداران قریش کو مدعو کیا اس مرتبہ بھی وہ لوگ کھانا کھانے آئے اور سیر ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح سلسلۂ سکوت کو توڑا کہ اے بنی عبدالمطلب اللہ کے اس وسیع ملک عرب میں اب تک مجھ سے بہتر دین اور دین اسلام سے بہتر آئین لیکر کوئی فرد بشر نہیں آیا میں اللہ رب العزت کا وہ فرمان لیکر آیا ہوں جو تمہاری دینی ضروریات کو ہادی اور تمہاری آخرت کی بہبودی کو کافی ہے مجھ کو اللہ کا حکم ہے کہ وہ بہتر طریقے تم کو سکھاؤں۔ دیکھئے تم میں کون اس سعادت کو حاصل کرتا اور میرا کہا مان کر اللہ کا پیارا اور اللہ کے رسول کا مددگار بنتا ہے۔

یہ نصیحت کے سیدھے سیدھے کلمات درحقیقت انصاف پسند طبیعت میں اثر کرنے والے تھے لیکن ازلی بدبخت ابولہب نے قہقہہ مارا اور یہ کہکر کہ لو ابوطالب تمہارا بھتیجا جو تم کو بیٹے سے زیادہ عزیز ہے تمہیں کہتا ہے کہ میری اطاعت کرو۔ میرے تابعدار بنجاؤ۔ مذاق اُڑانا شروع کیا۔ دوسرے لوگوں نے بھی اس کا ساتھ دیا اور یہ لوگ حق بات کا مخول بنانے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تعجب اور حیرت کی نظر سے ایک ایک کو تکتے تھے اور اُدھر فرمائشی قہقہہ اُڑ رہا تھا۔

غرض وہ لوگ کھڑے ہوگئے اور ابوطالب پر آوازے کستے وہاں سے روانہ ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر پر انقباض پیدا ہوا یہانتک کہ فاصدع بما تؤمر سے پھر آپ کو علی الاعلان تبلیغ اسلام کا حکم ہوا اور آپ کوہِ صفا پر جا چڑھے جس وقت کوئی خوفی یا کوئی مشکل کام پیش آتا تھا تو خیرخواہ قوم کسی اونچی جگہ چڑھکر چیختا اور لوگوں کو باآواز بلند پکار کر یکجا جمع کرتا اور جو کچھ کہنا ہوتا تھا کہدیا کرتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوہِ صفا پر چڑھنا بھی عرب کے اسی عام دستور کے مطابق تھا چنانچہ آپ نے اس کی چوٹی پر "اے جماعت قریش" "اے بنی فہر" "اے بنی غالب" "اے بنی لوی" "اے بنی عدی" کہکر عرب میں ہل چل ڈالدی اور آپ کی اس آواز پر سب چھوٹے بڑے کوہ صفا کے چار طرف آجمع ہوئے اور آپ نے اسطرح کہنا شروع کیا

اے باشندگان عرب اور اے سرداران قریش اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر اونچے اونچے پتھروں سے چھپا ہوا تمہارا مخالف لشکر اس تاک میں بیٹھا ہوا ہے کہ موقع پاکر حملہ آور ہو اور تم کو ہلاک و برباد کردے تو کیا تم میری بات سچ سمجھو گے؟

چار طرف سے آواز آئی کہ ہاں بیشک اے محمد ہم تمہاری بات کا یقین کریں گے اس لئے کہ بارہا تجربہ کے بعد یہ بات علم الیقین ہو چکی کہ تم جھوٹ بولنا ہی نہیں جانتے یہ سنکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا سنو تمہارے پیچھے سخت عذاب آنیوالا ہے میں تم کو جلد آنیوالی تباہی سے ڈراتا ہوں اور وہ آنیوالی مصیبت اللہ پر ایمان لائے بغیر ٹل نہیں سکتی اس عذاب سے تمہارے ہاتھوں کے گھڑے ہوئے بت تم کو کسی طرح نہیں بچا سکتے۔ ان پتھر کی مورتوں میں ہرگز قابلیت نہیں کہ انسان جیسا اشرف المخلوقات اپنے باعزت حصہ یعنی پیشانی کو ان کے سامنے جھکائے ناک رگڑے اُن کو دعاؤں کا سننے والا مرادوں کا پورا کرنیوالا سمجھنا محض کوتاہ بینی اور حماقت ہے اللہ جل جلالہ کو ایک سمجھو میں اللہ کا رسول ہوں مجھ کو برحق مانو شرک بت پرستی سے توبہ کرو تاکہ آخرت کی کٹھن منزل بسہولت طے ہو اور قادر مطلق کے ناقابل برداشت عذاب سے چھٹکارا ملے۔

حاضرین یہ سنکر ہنس پڑے کوئی ترش رو ہوا اور کسی نے قہقہہ مارا ابولہب گستاخ نے غصہ میں جواب دیا کہ تبا لک الہذا دعوتنا۔ یعنی اے محمد تم ہلاک ہو کیا اسی لئے ہم کو بلایا تھا اسی گستاخانہ کلمہ کے جواب میں سورہ ابولہب نازل ہوئی۔

ابولہب تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رشتہ کا چچا لیکن اس مذہبی مخالفت کے باعث آپ کا جانی دشمن ہوگیا تھا اس کو اس کی تونگری و سرداری نے انتہا درجہ کا مغرور اور بدمزاج بنادیا تھا اس کی سختی روز بروز بڑھتی جاتی تھی اس کی عداوت یوماً فیوماً زیادہ ہونیکا باعث ایک یہ بھی تھا کہ اس کی بی بی ام جمیل ابوسفیان کی بہن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خون کی پیاسی تھی اس کی ہمیشہ کوشش تھی کہ زن مرید شوہر کی آتش عداوت کو شعلہ زن کرتی رہے اور محمد

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کا علی الاعلان جھنڈا نصب کر کے جس طرح بن پڑے اس نئے دین کا گلا گھونٹ دے یہی وہ کمبخت ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستہ میں کانٹے بچھائے تاکہ آپ شب کے وقت آتے جاتے ان سے ایذا اُٹھائیں۔

ایک وقت یہ بھی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں یعنی ام کلثوم اور رقیہ کی شادی ابولہب کے دونوں بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے ساتھ زمانہ رسالت کے پیشتر کم سنی ہی میں ہو گئی تھیں اور ان بے زبان بچیوں پر اس نحس گھر میں جو سختیاں ہوتی تھیں وہ پیارے باپ کو زیادہ صدمہ پہنچانے والی تھیں۔

علی الاعلان وعظ کے سننے سے عام مخالفت کی آگ بھڑک اُٹھی اور ام جمیل نے ابولہب کو مشورہ دیا کہ اپنی دونوں بہوؤں کو گھر میں رکھنا نہیں چاہتی مناسب ہے کہ عتبہ اور عتیبہ اپنی بیویوں کو طلاق دیکر محمد کو صدمہ پہنچائیں چنانچہ عتبہ اور عتیبہ نے والدین کی اطاعت کی اور اس طرح حضرت ام کلثوم رضہ اور حضرت رقیہ رضہ مطلقہ ہو کر اپنی والدہ ام المومنین حضرت خدیجہ کے پاس آ گئیں۔

درحقیقت اس میں اللہ کی بڑی مصلحت تھی کیونکہ اس صورت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان تکالیف و آلام سے آرام مل گیا جو آپ کو معصوم بچیوں کی طرف سے اُٹھانے پڑتے تھے یہ دونوں صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رضہ بن عفان کے نکاح میں آئیں اور اسی امر نے خلیفہ سوم کو ذوالنورین کا خطاب دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برملا بُتوں کا ضعف و عجز اور بُت پرستوں کی کوتاہ نظری و حماقت بیان کرنی شروع کی تو آپ کی قوم بھی علانیہ آپ کی مخالفت کرنے لگی آپ کو کعبہ میں وعظ کہنے سے روکدیا اور آپ کو ہر طرح پر ایذا پہنچانے کے درپے ہوئے لیکن ابوطالب آڑے آتے اور آپ کو شریر کافروں کی دست درازی سے ہمیشہ بچاتے رہے۔

ایک مرتبہ ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ ابوالبختری بن ہشام اسود بن مطلب۔ ولید بن مغیرہ ابوجہل بن ہشام۔ عاص بن وایل اور حجاج کے دونوں بیٹے نبیہ اور منبہ مع ان عوام الناس کے جو ان کے ہمخیال وہم زبان تھے۔ ابوطالب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اے ابوطالب ہم لوگ تمھاری عمر اور تمھارے درجہ کی تعظیم کرتے ہیں لیکن آخر ہماری تعظیم کی کوئی حد بھی ہے۔ ہم سے نہیں ہو سکتا کہ تمھارا بھتیجا ہم کو اور ہمارے معبودوں کو بُرا کہے اور ہمارے باپ دادوں کو گالیاں دے گمراہ بتلائے اور ہم خاموش بیٹھے سُنے جائیں تم اس کو ان باتوں سے روکو۔ نہیں تو اس کو ہمارے حوالے کر دو اور تم کچھ نہ بولو۔ تاکہ ہم اپنا بدلہ لیکر دل کی سوزش رفع کر لیں۔ ابوطالب نے ملائم الفاظ اور اخلاق کے لفظوں سے کام لیکر ان کو ٹالا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی تن دہی سے اپنا فرض منصبی ادا کرتے رہے۔

ازلی بدبخت اسلام کے دشمن ہر وقت مختلف تدبیریں سوچتے رہتے جگہ جگہ کمیٹیاں ہونے لگیں زبان زبان پر یہی ذکر پھیل گیا اور اب کوئی گھر یا کوئی جگہ ایسی باقی نہیں رہی جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کا تذکرہ نہ ہو یہ لوگ جھنڈ کے جھنڈ دوبارہ ابوطالب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اے ابوطالب اب محمد کی زبان درازی

حد سے گذر گئی تم باوجود اس کے مخترعہ مذہب اسلام کے مخالف ہو۔ اور اپنے آبائی دین یعنی لات و عزیٰ کی تعظیم اور بت پرستی کے عقیدے پر مستحکم ہونے کے ہمارے ہمخیال نہیں ہوتے ہم پھر کہتے ہیں کہ تم اپنے بھتیجے کو روکو۔ نہیں تو اس کے شریک ہو جاؤ تاکہ اس کا تصفیہ جنگ سے ہو جائے اور معاملہ یکسو ہو۔

یہ کہکر وہ لوگ تو چلے گئے اور ابوطالب کو عجیب تشویش پیدا ہو گئی نہ تو یہ اپنی قوم سے جدا ہو سکتے تھے نہ اپنے پیارے بھتیجے کو کفار کی بے رحمیوں کے حوالے کر سکتے تھے نہ اتنی طاقت تھی کہ بھتیجے کے موافق بنکر باشندگان عرب کا مقابلہ کریں آخر انھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلا بھیجا اور نہایت فکر و یاس کے الفاظ میں قوم کی ساری تقریر کہہ سنائی اور کہا کہ اے محمد تم اپنے مقصد سے باز آجاؤ۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھے کہ آج چچا کی نظر بدلی ہوئی اور ارادہ میری حفاظت سے ہاتھ اٹھا لینے کا ہے لیکن اس سے آپ کے مضبوط ارادہ میں ذرا بھی جنبش نہیں آئی اور آپ نے نہایت استقلال سے جواب دیا کہ اے میرے چچا اگر کفار مکہ میرے داہنے ہاتھ میں آفتاب اور بائیں ہاتھ میں ماہتاب دیں اور مجھ سے اس کام کے چھوڑ دینے کو کہیں تب بھی میں اپنے ارادہ سے باز نہ آؤں گا میں اپنا کام نہیں چھوڑ سکتا میں اپنے مقصد سے ہٹنے والا نہیں ہوں یہانتک کہ اللہ جل جلالہ اپنے مقصد کو پورا کر دکھائے یا میں اسی کوشش میں شہید ہو جاؤں۔ آپ اگر میری حفاظت سے گھبرا گئے ہیں تو میرا معاملہ میری تقدیر کے حوالے کیجئے اور آپ اپنے آرام میں خلل نہ آنے دیجئے۔

تاہم آپ کو اپنے اس مہربان محافظ سے چھوٹنے کا افسوس ہوا جس کے کنار عاطفت میں آپ تیس برس سے کچھ اوپر گزار چکے تھے اس لئے آپ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور چچا کے پاس سے اس طرح اٹھ چلے گویا یہ محبت بھری نظریں پلٹ گئیں اور یہ دینی خیالات اس سرسری ملاقات کو آخری ملاقات بنا چکے۔

ابوطالب کے قلب پر ایک چوٹ لگی اور آپ کو زور سے پکارا جب آپ واپس آئے تو کہا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے "جو کچھ تمہارا جی چاہے سو کہو اور کرو قسم ہے خدا کی میں تم کو نہیں چھوڑوں گا ہاں ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔

قریش نے تیسری مرتبہ ابوطالب سے پھر استدعا کی کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عوض میں مخزومی خوبصورت جوان عمارہ بن ولید کو متبنیٰ بنانا قبول کریں لیکن ان کی کوشش نے نتیجہ کچھ نہ دکھایا اور ابوطالب نے یہ جواب دیکر کہ "واہ میں اپنے پلے ہوئے بیٹے کو تمھارے حوالے کروں تاکہ تم اس کا خون بہاؤ اور تمھارے لڑکے کی پرورش کا بار میں اٹھاؤں تاکہ موٹا تازہ میرے روپیہ سے ہو اور جوان تمھارا کہلائے" قریش کو اپنا بھی دشمن بنا دیا اور اب مخالفت کھلم کھلا ہونے لگی۔

ابوطالب قبیلہ بنی ہاشم کو ان کی خاص عظمت ان کا خیال و عزت ہمیشہ یاد دلاتے رہے تاکہ قریش ان کے خاندان کے ایک معزز ممبر اور ان کی برادری کے ایک بہادر اور منتخب شخص کو نہ قتل کرنے پائیں چنانچہ ایک ابولہب کے سوا کل بنو ہاشم ابوطالب کے شریک حال رہے۔

ہر روز قریش کا غصہ بڑھتا جاتا تھا اور گو شروع شروع میں ابو طالب کی وجہ سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان پر کوئی حملہ نہ ہوا پھر بھی جو جو آفتیں صحابہ پہ پڑیں نہایت خوفناک تھیں۔ جہاں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبادت میں مشغول ہوتے قریش ان پر پتھر پھینکتے نجاست ڈالتے اور جب آپ کھانا کھاتے کھانے میں گرد ڈالدیتے تھے۔ کعبہ کے پاس آپ کو نماز پڑھنے سے روکدیا غرض ستانے میں ان لوگوں نے کوئی دقیقہ باقی نہیں اٹھا رکھا آپ کو سجدہ کی حالت میں ایذا زیادہ دی جاتی تھی جسم مبارک پر نجاست ڈالی جاتی تھی۔ آپ کو شاعر۔ ساحر، کاہن مجنون پکارا جاتا تھا اور جو آپ کا رفیق بنکر اعانت کرتا تھا اس کے سر اور داڑھی کے بال پکڑ کر کھینچے جاتے اور اتنا مارا جاتا تھا کہ وہ بیہوش ہوجاتا تھا۔

باب (۱۹) ۵ھ نبوی

مسلمانوں پر ایذا رسانی اور حبشہ کی جانب ہجرت اسلام کی شروع تاریخ میں ایسے دردانگیز حالات بہت ملیں گے جن کو سنکر یا پڑھکر رونگٹا کھڑا ہوتا اور آٹھ آٹھ آنسو رونا آتا ہے قریشی جس عورت یا مرد کو تارک بُت پرستی پاتے اُسکو بالو کے میدان میں نکالدیتے اور ہر طرح سے بھوک پیاس کی تکلیف دیتے اور ان سے کہتے تھے کہ یا بُت پوجو یا ملک عدم کی راہ لو۔" ہم چند نو مسلم صحابہ کے حالات لکھنا چاہتے ہیں جس سے مختصراً اندازہ ہوسکتا ہے کہ یہ مقدس مذہب کس کس مصیبت سے پھیلا ہے اور اس کے پیشوا کیسے متحمل مصیبت برداشت اور اللہ کے نام پر جان نثار کرنے والے تھے۔

مکہ کے متموّل تو انگر کافروں میں امیہ بن خلف جمحی بھی ایک تجارت پیشہ مالدار شخص تھا جس کو اللہ پاک نے ہر طرح فارغ البالی اور نقدی و مواشی اور غلام باندیوں سے بہرہ یاب کر رکھا تھا اس کے پاس ایک حبشی غلام تھا بلال بن رباح۔

بلال کی سلیم طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ مذہب اسلام کے پاک اصول سُننے کے بعد ہاتھوں کی بنائی ہوئی مورتوں کی پرستش کریں اس لئے سچے دل سے ایمان لاکر کلمہ پڑھ لیا۔ چونکہ اس زمانۂ جہالت میں یہ کلمہ گو مسلمان صابی (دین سے پھر جانیوالا) کہا جاتا تھا اس لئے امیہ کو خبر لگی کہ آج بلال حبشی بھی صابی ہوگیا۔

امیہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور اس نے نہایت غصہ میں بلال کو بلاکر کہدیا کہ "او کمبخت یا تو اس نئے مذہب سے توبہ کرو ورنہ اپنے آپ کو تکلیفوں کا تختۂ مشق بنانا قبول کر۔" ھبلال کا ایمان ایسا نہ تھا کہ دھمکیوں میں اڑجاتا اس لئے صاف انکار کردیا اور کہدیا کہ میں سیدنا محمد صلعم کا اتباع نہیں چھوڑ سکتا۔ امیہ نے اپنے غلاموں کو حکم دیدیا کہ دوپہر کے وقت جب دھوپ تیز ہوجایا کرے تو بلال کو بالو کے میدان میں بدن پر ببول کے کانٹے چبھو کر کبھی مُنہ کے بل اور کبھی پیٹ کے بل لٹاؤ اور سینہ پر ایک بھاری جھلستا ہوا پتھر رکھدو چاروں طرف آگ سلگادو اور اس سے کہدو کہ پتھر اپنی جگہ سے ہلنے نہ پائے یہاں تک کہ وہ مرجائے یا محمد کا کفر کرے دن کی اس ایذا ہی پر اکتفا نہ کی جائے بلکہ شب کو زنجیروں میں جکڑ کر تنگ و تاریک حجرے میں بند کرو۔ اور باری باری کر پیدرّے لگاؤ تاکہ زخمی ہوجائے اور یہ زخم اگلے دن دھوپ کی تپش میں زیادہ تکلیف پہنچائیں۔

امیہ ظالم کا حکم ایسا نہ تھا جس کی تعمیل نہ کی جاتی۔ اگلے ہی دن سے بلال حبشی پر اس ظالمانہ کارروائی کا عمل شروع

ہوگیا اور متواتر کئی دن اس حالت سے گذر گئے۔

بلالؓ کی زبان سے احد احد نکلتا تھا اور کوئی صورت نہ تھی کہ کفر کا کلمہ بولنے کی جرأت ہو ورقہ بن نوفل کا ایک بار اسی حالت میں بلال پر گذر ہوا اور وہ یہ حالت دیکھکر تھرا اٹھے کہنے لگے کہ بخدا سچ ہے اے بلال احد احد کے سوا کوئی نہیں۔

ابوبکر صدیقؓ بھی چونکہ متمول قریش اور مشہور تاجر تھے اس لیے ہم پیشہ تجار سے گو دینی حیثیت میں مخالفت تھی تاہم آبرو اور وقعت وہی قائم تھی جو اسلام لانے سے پہلے تھی حضرت صدیقؓ کو خبر لگی کہ بلالؓ حبشی محض اسلام کے باعث سخت تکلیف میں مبتلا ہے اس لئے امیہ کے پاس آئے اور اول اسلام کی خوبیاں بیان کیں اس کے بعد سلسلۂ گفتگو میں بلالؓ کا ذکر چھیڑا اور کہدیا کہ اگر تم اسکو مجھے دینا پسند کرو تو میرے غلاموں میں سے جس غلام کو پسند کرو اس کے عوض میں دیسکتا ہوں۔ امیہ دل سے چاہتا تھا کہ بلالؓ علیحدہ ہو اور ابوبکرؓ کا کوئی سمجھدار ذی ہوش غلام ہاتھ لگے اس لئے فوراً منظور کرلیا اور ابوبکر صدیقؓ نے قسطاس رومی غلام کو معہ چالیس اوقیہ امیہ کے حوالہ کیا اور بلالؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لاکر لوجہ اللہ آزاد کردیا۔

جن دنوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دامن کوہ صفا میں ارقم بن ابی ارقم کے گھر تشریف فرما تھے اور کچھ اوپر تیس آدمی ایمان لاچکے تھے حضرت عمار مع اپنے والدین یعنی یاسر اور سمیہ کے اسلام سے مشرف ہوئے عمار قوم بنی مخزوم کے حلیف تھے ایمان لائے پیچھے ان کے ساتھ اس کارروائی کا معمول ہوگیا کہ چاشت کے وقت ان کو ریگستان میں نکالا جاتا اور دھوپ پہاڑی کی لو اور گرم ہواؤں کی تپش سے ان کو جھلسا جاتا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادھر گذر ہوتا تو آپ کے قلب پر ایک صدمہ گذرتا تھا لیکن کیا کرسکتے تھے یہ فرماکر کہ اے آل یاسر صبر صبر" چلے جاتے تھے یہانتک کہ حضرت یاسر اس تکلیف کے متحمل نہ ہوسکے اور چند دن بعد اسی حالت میں انتقال کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

عمار کی والدہ حضرت سمیہ اپنے خاوند کے انتقال کے بعد اس سخت مصیبت کی شریک رہیں یہانتک کہ ایک مرتبہ ابوجہل کا اس طرف گذر ہوا اور اس کی نازیبا گفتگو پر حضرت سمیہ نے سخت کلامی سے کام لیا ابوجہل نے جھلا کر اس مظلومہ بیکس کی پیشاب گاہ میں برچھی ماری اور حضرت سمیہ نے روح اپنے مولیٰ کے حوالہ کی۔

اب ایک عمار کا دم صدمہ اٹھانے کو باقی رہ گیا اور ان کے ساتھ روزانہ نئی تکلیف کو سامان پیدا ہونے شروع ہوئے کبھی بالو کے میدان میں ان کو لٹایا جاتا تھا کبھی سخت گرم پتھر آگ جیسا سرخ ان کی چھاتی پر رکھا جاتا اور کبھی ان کو ندی یا نالے میں ڈبویا جاتا اور گہرے پانی میں اچھالا جاتا تھا اور کہا جاتا تھا کہ "یا محمد کا انکار کرو یا ملک عدم کی راہ لو"

عرصہ تک ان تکالیف کو برداشت کرتے رہے لیکن کہاں تک آخر تقیہ کرنے کی نوبت آئی اور یہ ظاہری اجرائے کلمۂ کفر پر کافروں کے ہاتھ سے نجات پاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زار زار رونے لگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنسو پونچھے اور تسلی دیکر فرمایا کہ ڈر کیا ہوا ایسے موقعہ پر زبان سے اجرائے کلمۂ کفر جائز ہے اسی وقت اللہ نے

نے اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانِ نازل فرماکر اطمینان دلایا کہ جو شخص کسی جبر کے باعث زبان سے کفر کا کلمہ کہدے اور قلب اس کا ایمان سے مطمئن ہو تو اس میں کچھ قباحت نہیں۔

خباب بن ارت جن کو قوم ربیعہ کے چند ظالم ظلماً پکڑ لائے اور غلام بنا کر مکہ میں سباع بن عبد العزیٰ خزاعی کے ہاتھ بیچ گئے تھے اور یہ خفیہ مسلمان ہو گئے تھے۔

کافران کو رمضا پہاڑ پر لیجاتے اور ننگا کر کے اس پر لٹاتے اور آگ میں خوب گرم کئے ہوئے پتھر سے دماغ اور تمام بدن کو داغتے تھے یہ ان مصیبتوں کو جھیلتے اور خاموش پڑے اللہ اللہ کئے جاتے تھے یہانتک کہ ہجرت کا وقت آیا اور یہ ضعیف مسلمانوں کے ساتھ مکہ کو چھوڑ کر حبشہ چلے گئے۔

صہیب رضی اللہ عنہ بن سنان رومی بھی اسی مصیبت میں گرفتار تھے جس وقت ہجرت کرنے لگے تو قریش نے روک لیا اور کہا کہ ہمارا غلام ہماری بلا اجازت کیونکر جا سکتا ہے اس پر انھوں نے اپنا سارا مال فدیہ میں دیکر پیچھا چھڑایا اور ان مصیبتوں سے نجات پائی جو ان کو مکہ میں کافروں کے ہاتھوں پیش آتی تھیں۔

عامر رضی اللہ عنہ بن فہیرہ کو اسی حالت میں پاکر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خرید لیا اور لوجہ اللہ آزاد کر دیا۔ ابو فکیہہ رضی اللہ عنہ امیہ بن خلف کے بیٹے صفوان کے غلام حضرت بلال حبشی کے ساتھ خفیہ ایمان لائے تھے۔ امیہ نے مطلع ہونے پر حکم دیا کہ اسکے پاؤں میں رسی باندھو اور گھسیٹتے ہوئے رمضا پر لیجاؤ۔ پتھروں کنکروں سے ان کا سر ٹکراتا تھا اور ظلم پسند جابر سخت دل ان کو مردہ جانور کی طرح گھسیٹتے لئے جاتے تھے۔ رمضا پہاڑ پر لٹا کر سینہ پر گرم پتھر رکھدیا گیا۔ زبان منھ سے باہر نکل پڑی اور ہر چند لوگوں نے کہا کہ لات و عزیٰ پر ایمان لاؤ مگر یہی کہتے رہے کہ میرا اور تمھارا اور ساری مخلوق کا پروردگار تو اللہ ہے۔

ایک مرتبہ امیہ اپنے بھائی ابی بن خلف کی ہمراہی میں ان کے پاس گیا اور کفر کرانا چاہا لیکن انھوں نے زبان سے کلمہ توحید ہی نکالا جس پر ان کا دل مستحکم ہو چکا تھا۔ ابی نے کہا کہ بھائی صاحب یہ کمبخت باز آنیوالا نہیں ہے رسی کا پھندا اس کے گلے ڈال کر جھٹکا دلوائیے اور تکلیف بڑھاتے رہا کیجئے یہانتک کہ اس کا آقا محمد اپنے جادو کے زور سے اس کو چھڑا لیجائے چنانچہ اسکے حکم کی تعمیل ہوئی اور ان کا گلا یہانتک گھونٹا گیا کہ لوگوں کو ان کے مرجانے کا یقین ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ادھر گذر ہوا اور امیہ کو خاطر خواہ قیمت دیکر انھیں خرید لیا اور اللہ واسطے آزاد کر دیا۔

بہتیری بیکس عورتیں اور بے زبان باندیاں بھی انھیں مصیبتوں میں گرفتار تھیں زنیرہ بنی مخزوم کے قبضہ میں دولت اسلام سے مشرف ہوئیں اور ابوجہل نے ایذا رسانی شروع کی یہانتک کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں اور ابوجہل نے طعنہ دیا کہ لات وعزیٰ نے تیری آنکھیں چھین لی زنیرہ یہ کہکر کہ "لات و عزیٰ کو تو یہ بھی نہیں معلوم کہ ان کی کون پرستش کرتا ہے میرا سچا معبود بینائی دوبارہ دینے پر بھی قادر ہے" چپ ہو رہیں۔ اللہ کی شان صبح ہوتے ہی آنکھوں کا نور آنکھوں میں آگیا۔ اور زنیرہ بھلی چنگی جیسی بینا تھیں ویسی ہو گئیں۔ ابوجہل بولا کہ محمد کا جادو چل گیا۔ غرض لبینہ ام عبیس نہدیہ اور بہتیری عورتیں

کا قدر ایک ہاتھوں میں پڑی ہوئی مصیبتوں کا نشانہ اور تکالیف کی تختۂ مشق بنی ہوئی تھیں۔

یوں تو عداوت و مخالفت کی آگ تمام طور پر بھڑکی ہوئی تھی لیکن جس قدر ایذا رساں ابو لہب[1]، اسود بن عبد یغوث[2]، الحارث بن قیس[3]، ولید بن مغیرہ[4]، امیہ بن خلف[5]، اُبی بن خلف[6]، ابو قیس[7]، عاص بن وائل[8]، نضر بن حارث[9]، ابوجہل بن ہشام[10]۔ حجاج کے دونوں بیٹے نبیہ[11] و منبہ[12]، زہیر بن ابی امیہ[13]، عقبہ بن ابی معیط[14]، اسود بن مطلب[15] تھے۔ دوسرے اس قدر نہ تھے ان کو بغیر مسلمانوں پر ستم یا رنج پہنچائے کھانا ہضم نہ ہوتا تھا اُن کے خیالات اُن کے ارادے اُن کے منصوبے رات دن یہی تھے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل یا جلا وطن کر دیا جائے اور ان کے ساتھیوں کو ایذائیں پہنچا کر یا تو محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمن اور اپنا ہمخیال بنا لیا جائے یا ملک عدم پہنچا دیا جائے۔

جب سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ کافروں کی ایذا رسانی ضعیف مسلمانوں پر دن بدن زیادہ ہی ہوتی جاتی ہے تو آپ نے اہل ایمان کو ہدایت کی کہ جب تک قریش کا دل بہتری اور بھلائی کی طرف مائل نہ ہو تب تک ملک حبش میں جا کر رہو وہاں کا حاکم گو نصرانی ہے لیکن نہایت رحم دل حق شناس علم دوست سنا گیا ہے چنانچہ حضرت عثمانؓ مع بیوی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کے اور ابوحذیفہ بن عتبہ مع بیوی یعنی سہیلہ بنت سہل کے اور زبیر بن عوام وغیرہ قریب پندرہ آدمیوں کے ماہ رجب ۵ نبوی مطابق ۶۱۵ عیسوی میں ملک حبشہ کی طرف چلے گئے یہی اسلام کی پہلی ہجرت کہلاتی ہے۔

ان لوگوں کو حبشہ گئے ہوئے تیسرا مہینہ تھا کہ افواہاً ان کو خبر لگی کہ اہل مکہ مشرف باسلام ہو گئے اور اب شہر مکہ دار الکفر نہیں رہا اس خبر کے سنتے ہی یہ لوگ وہاں سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے لیکن ان کو اپنے خیال کی غلطی اور اس بازاری خبر کی تکذیب اس وقت ہوئی جب کہ وہ مکہ کے قریب پہنچ چکے تھے اور اب اُلٹے پاؤں پھرنا آسان نہ تھا۔

یہ وقت عجیب پریشانی کا تھا نہ واپس ہوئے بن پڑتا تھا نہ مکہ میں داخل ہوئے آرام کا خیال تھا تاہم مکہ میں آنا ہی سہل سمجھا گیا لیکن اتنا ضرور ہوا کہ جو کوئی بھی مکہ میں گھسا وہ کسی دوست یا عزیز رشتہ دار کی پناہ میں امن کا طالب ہو کر تاکہ اس کے جوار اور ذمہ کا لحاظ کیا جائے اور بیچارے بھوکے پیاسے مصیبت زدہ بندگان خدا کو ایذا نہ پہنچائی جائے۔

کفار کی ایذا رسانی کا معیار اسی حالت پر قایم تھا اسلام لانے والوں کو پکڑوں کی جگہ لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ میں کھڑا کیا جانے اور گردنوں میں رسیاں ڈالوا کر بچوں کے ہاتھ دیکر گلی کوچوں میں گھسیٹا جانے لگا نماز کا پڑھنا، کلام مجید کی تلاوت کرنی خفیہ طور پر بھی مشکل اور دشوار ہو گئی اس لیے دوبارہ پھر مسلمانوں نے حبش کا راستہ لیا اور اس مرتبہ یکے بعد دیگرے اکثر مسلمان مکہ چھوڑ گئے یہاں تک کہ بیاسی[82] یا تیراسی[83] مرد اور اٹھارہ[18] عورتوں نے حبشہ کو جائے پناہ بنایا۔

باب (۲۰)

نجاشی شاہ حبشہ کا اسلام جب سنگدل کافروں نے دیکھا کہ ان مسلمانوں کو اچھی پناہ ملگئی جو مسلمان ہوتا ہے وہ حبشہ جا آباد ہوتا ہے۔ اگر یہی حال رہا تو اسلام ترقی پکڑ جائے گا اور ہمارے شکار مفت ہمارے پنجہ سے نکلتے رہیں گے اسلئے اس تدبیر میں مصروف ہوئے کہ کسی طرح حبشہ دارالامن نہ رہے اور مسلمان بذلّت و خواری حاکم ہی کے حکم سے وہاں سے نکالے جائیں تاکہ ہم کو آوازے کسنے اور دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع ملے کفار نے کمیٹی میں اس خیال کو پیش کیا اور سب کی رائے سے یہ منصوبہ پختہ ہوا

عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی امیہ قریش کی طرف سے حاکم وقت شاہ حبشہ اور ارکین دولت کیلئے بہت کچھ تحفے تحائف ساتھ لیکر حبشہ آئے اور وہ بیش قیمت ہدیئے ان ارکین سلطنت کی نذر گذارنے جن کی وساطت سے بارگاہ سلطانی میں کامیابی کی امید وابستہ تھی اور نہایت ادب سے عرض کیا کہ یہ بددین بیوقوف لوگ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں گو رشتہ میں ہمارے بھائی بند ہیں لیکن ایک بیہودہ مذہب کے موجد اور محض لغو باتوں کے قائل ہو کر چاہتے تھے کہ ہم شرفاء قوم ان کے تابعدار رہوں اور جب ہماری طرف سے مایوس ہو گئے تو مقدس مذہب عیسویت پر حملہ کرنا چاہتے ہیں ان کا مخترعہ دین نہ ہمارے اصل دین کے موافق ہے نہ آپ لوگوں کے پاک اصول سے ملتا اور نصرانیت کی تائید کرتا ہے۔ آپ ہمارے ان فراری مجرموں کو یہاں سے جلاوطن کرا دیں اس لئے کہ شاہی حکم سے ان کا ہمارے قبضہ میں آجانا شاید ان کی حالت سنوار دے۔ ارکین سلطنت نے ان کی موافقت کی اور کامیابی کی امید دلا کر مطمئن بنا دیا۔ صبح کو حبشہ کا بادشاہ جس کا نام اصحمہ اور لقب نجاشی تھا جس وقت دربار میں بیٹھا تو قریش کے تحفوں کے ساتھ سفیران قریش کی درخواست بھی پیش ہوئی اور منصف مزاج نجاشی یہ کہکر کہ "جو لوگ میرے انصاف و رحم دلی کی امید پر اپنا الوف وطن چھوڑ کر میرے ملک میں آباد ہوئے میں ان کو ہرگز نہیں نکال سکتا" امور سلطنت میں مشغول ہو گیا۔ البتہ اتنی امید دلائی کہ ہر دو فریق کی گفتگو جس وقت بالمواجہ ہو گی تو معلوم ہو جائے گا کہ کون حق پر ہے۔

غرض مہاجرین مسلمین کے پاس شاہی حکم پہنچا اور تمام مسلمان یہ خیال پختہ کر کے کہ جو کچھ بھی ہو سچ بہتر ہے دربار میں آموجود ہوئے۔ اس وقت مسلمانوں کا دربار میں آنا نرالی ادا اور سیدھے سادے طریقہ پر اہل دربار کے بالکل ناپسند تھا۔ کیونکہ نہ ان لوگوں نے شاہی آداب کو ملحوظ رکھا نہ بادشاہ کو سجدہ کیا نہ تخت کو بوسہ دیکر عاجزی و تذلّل کا اظہار بلکہ محض اسلامی قاعدے پر سلام کر کے جہاں جگہ پائی بیٹھ گئے۔

شاہی مصاحبوں میں سے ایک ندیم آگے بڑھا اور مسلمانوں کو مخاطب بنا کر پوچھا کہ تم بے ادب گنواروں نے جہاں پناہ کو سجدہ کرنے کی تعظیمی رسم کو کیوں نہیں ادا کیا؟ مسلمانوں میں سے حضرت جعفرؓ طیار آگے بڑھے اور دلیرانہ اسلامی قوت سے جواب دیا کہ ہم اللہ کے مسلمان بندے اس کی مخلوق کو سجدہ نہیں کرتے اس لئے کہ ہمارے پیغمبر کی ہم کو سب سے پہلی نصیحت یہی ہے کہ اللہ کے سوائے کوئی قابل پرستش نہیں۔

اس صاف جواب نے حاضرین جلسہ کی طبیعتوں پر گو کیسا ہی اثر کیا ہو لیکن نجاشی کے دل پر وہ پاک اثر کیا جو حقیقت انصاف پسند پاک دل پر ہونا چاہیے۔ نجاشی نے ایک وقعت کی نظر سے مسلمانوں کے گروہ کو دیکھا اور ترجمان کی معرفت محض امتحان کی غرض سے سوال کیا کہ وہ کونسا مذہب ہے جس کے لئے تم نے اپنے آبائی دین کو ترک کر دیا اور نہ میرے مذہب کو قبول کیا نہ دوسروں کے۔؟

حضرت جعفرؓ بن ابی طالب حضرت علیؓ کے بھائی سب کی طرف سے وکیل بنکر آگے بڑھے اور جواب دیا کہ اے منصف بادشاہ! ہم لوگ جہالت کے دریا میں ڈوبے ہوئے تھے ہم لوگ بتوں کو پوجتے تھے مردار کھاتے تھے جھوٹ بولتے اور زنا و فسق و فجور کو اچھا سمجھتے تھے انسانیت سے ناواقف تھے مسافر و مہمان نوازی کی رسم سے آگاہ نہ تھے ہم لوگ ظلم کے سوائے دوسرا قانون ہی نہ جانتے تھے کہ یکایک ہمارے مہربان پرور دگار نے ہم پر رحم فرمایا اور ہماری شریف تر قوم میں ایک ہر دلعزیز شخص کو کھڑا کیا جس کی نجابت سچائی ایمانداری نیک چلنی سے ہم سب لوگ اچھی طرح واقف ہیں۔ اس پر اللہ کا پاک کلام نازل ہوا اس نے ہم کو اللہ کی وحدانیت بتلائی شرک سے روکا بتوں کے پوجنے امانت میں خیانت کرنے اور بیڑ و سیوں پر ظلم کرنے سے منع کیا اور کہا کسی پر جھوٹی تہمت نہ دھرو یتیموں کا مال ظلماً نہ کھاؤ۔ اس نے یہ حکم کیا کہ گناہوں سے بچو نماز پڑھا کرو خیرات دو روزہ رکھو جھوٹ نہ بولو کسی کی غیبت نہ کرو انصاف کرو اور ہمیشہ ایک اللہ لاشریک کے قائل رہو۔

چونکہ ہم لوگ اس پر ایمان لے آئے ہم نے اس کو سچا پیغمبر سمجھا اس کی تمام ہدایتوں کو مان لیا اور شرک سے کنارہ کش ہو گئے اس لئے ہمارے ہموطن ہم لوگوں کے دشمن بن گئے ہم کو وہ لوگ صرف اس غرض سے تکلیف اور ایذا دیتے ہیں کہ ہم لوگ اللہ وحدہٗ لاشریک کو چھوڑ کر ان کی ہاتھ کی مورتوں کو پوجنے لگیں ان لوگوں نے ہم کو یہاں تک ستایا اس قدر ایذا پہنچائی کہ آخر ہم لوگ مجبور ہو کر آپ کے ملک میں آئے ہم کو اپنا وہ وطن مالوف چھوڑنا پڑا جس میں ہم پیدا ہوئے بڑھے پھولے پھلے۔ ہم نے اپنے مال کی پروا نہ کی ہم نے اپنی جان کا خیال نہ کیا البتہ یہ بات کہ دین کا بھی خیال نہ کریں ہم سے نہیں ہو سکتا ہمیں گوارا نہیں کہ جس آگ سے اللہ نے ہم کو نکال لیا ہم پھر اس میں آنکھوں دیکھتے کود پڑیں ہم یہاں صرف اس امید پر آئے تھے کہ منصف رحم دل بادشاہ کی رعایا بنکر ظالم بت پرستوں کے شر سے محفوظ رہیں گے اور کافروں کے پنجۂ ظلم سے نجات ملے گی۔

نجاشی نے کہا کہ وہ کلام الٰہی جو تمہارے پیغمبر پر اللہ کی طرف سے نازل ہوا میں سننا چاہتا ہوں حضرت جعفرؓ اسی وقت دو زانو ہو بیٹھے اور درد انگیز لہجہ میں سورۂ مریم کی شروع آیتیں سنائیں۔ نجاشی کا دل بھر آیا اور آنکھوں میں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ اراکین سلطنت پر بھی حالت طاری ہوئی اور سلطانِ حبش نے کہا کہ سبحان اللہ سبحان اللہ درحقیقت اس کلام کو انجیل شریف سے بہت مشابہت ہے میں ان لوگوں کو قریش کے حوالہ ہرگز نہیں کر سکتا۔

جب سفیرانِ مکہ بے نیل و مرام دربار سے لوٹے تو عمرو بن عاص بولا کہ میں کل یہاں پھر آؤں گا اور دوسری چال چلوں گا اور گو اس کے رفیق عبداللہ بن امیہ نے منع بھی کیا لیکن اس نے ایک نہ سُنی اور اگلے روز شاہی مراسمِ تعظیم ادا اور سجدہ

کرنے کے بعد مؤدبانہ عرض کیا کہ جہاں پناہ یہ ہمارے فراری مجرم حضرت عیسٰی علیہ السلام کی شان میں بھی گستاخی کرتے ہیں اس پر نجاشی نے مسلمانوں کو پھر بلایا اور دریافت کیا کہ عیسٰی بن مریم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے حضرت جعفرؓ نے جواب دیا کہ ہم وہی کہتے ہیں جو ہمارے پیغمبر نے ہم سے کہا ہے یعنی ھو عبد اللّٰہ و رسولہ و کلمۃ القاھا الی مریم و روح منہ یعنی وہ اللہ کا بندہ اور اس کا پیغمبر ہے اور اس کا حکم ہے جو مریم کی طرف کہلا بھیجا تھا اور اسکی جانب سے خاص روح ہے۔

نجاشی نے کہا سچ ہے انجیل شریف کا بھی یہی مفہوم ہے اور گو علمائے نصاریٰ اس کے مخالف ہوں لیکن میرا جہاں تک خیال ہے حق یہی ہے جو ان کی زبان سے نکلا مسلمانو! تم پر اور تمہارے رسول پر صد مرحبا بیشک وہ سچے نبی ہیں حقیقت محمد وہی رسول ہیں جن کی تعریف میں نے انجیل شریف میں دیکھی اور پڑھی ہے عیسٰی بن مریمؑ کی بشارت پوری ہوئی بخدا اگر انتظام سلطنت میرے سپرد نہ ہوتا تو میں تم لوگوں کے ہمراہ ضرور چلتا اور اس پیغمبر آخر الزماں کی جوتیاں سر پر رکھتا آفتابہ لیکر وضو کراتا اور ان کی قدم بوسی اپنی نجات و بہبودی کا ذریعہ سمجھتا اس پر ارکین سلطنت میں ایک مخالفانہ جوش پیدا ہوا اور نجاشی نے بات ٹال کر سلسلۂ گفتگو بدلدیا تاہم نجاشی کا اسلام مذکورہ بالا کلمات سے ثابت ہوگیا اور ان کے انتقال پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے غائبانہ ان کے جنازہ کی نماز بھی پڑھی۔

نجاشی نے قریش کے تحفے واپس کر دیئے اور کہدیا کہ جاؤ مجھ سے یہ امید ہرگز نہ رکھو کہ میں دینی معاملہ میں رشوت قبول کرونگا یا مال کے لالچ میں اللہ کے ان نیک مسلمان بندوں کو جو میرے رحم کی امید پر میری مملکت میں آئے ہیں ظالموں کے حوالہ کر دوں گا۔

سلطان حبش کی اس صاف نامنظوری پر سفیرانِ مکہ بےنیل و مرام واپس ہوئے اور چند روز بعد نجاشی کو ایک اتفاقیہ غنیم سے مقابلہ کرنا پڑا جس کو چند ناعاقبت اندیش نصرانی نو وارد مسلمانوں کی نحوست سمجھتے تھے۔

مسلمانوں کو بھی اپنے رحم دل آقا کی اس تشویش سے ملال اور فکر تھا وہ راتوں رو رو کر اللہ سے دعائیں مانگنے لگے بلکہ حضرت زبیر بن عوام کو لشکر کے ساتھ اس غرض سے بھیجدیا کہ انکی وساطت سے جنگ کی خبریں باقی ماندہ مسلمانوں کو موصول ہوتی رہیں۔

سلطان حبش کا پلہ غیبی نصرت کے سبب بھاری تھا اس لئے چند ہی روز میں خواطر خواہ کامیابی و فتحمندی کے ساتھ لشکر کی حبش میں واپسی ہوئی اور چاروں طرف خوشی کے نعرے اور شادی و خورمی کے شادیانے بجنے لگے۔ اس موقع پر نجاشی کی فتح سے جو خوشی خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کو ہوئی ہوگی اسکا اندازہ ہر شخص کر سکتا ہے۔

درحقیقت حضرت جعفرؓ نے اپنے مذہب کے لوگوں کے لئے ایسی جرأت اور جوش سے بحث کی تھی جو بہت کم کسی نے کی ہوگی اب مسلمان حبش میں نہایت عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے اور کامل اطمینان کے ساتھ اپنی معاش کے حصول میں جو سبب قائم کرنا چاہتے کر سکتے تھے۔

باب (۲۱)

اسلام کی حقانیت جس وقت مسلمان اپنے دشمنوں کی ایذا رسانی کے سبب غیر ملک میں جا بسے تھے اس وقت بھی

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت دلیری سے اپنی جگہ قائم اور اسی مستعدی سے اپنی رسالت کے کام پر مستحکم تھے۔ ایسی نازک حالت میں جبکہ چاروں طرف سے مخالفت کے بادل اُمڈے چلے آتے ہوں بچہ بچہ جان کا دشمن اور خون کا پیاسا ہو بغض وعداوت کے شعلے بھڑک رہے ہوں متمول سردار قتل کے بار بار بیڑے اٹھاتے ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے ارادوں پر مستقل رہنا اپنی تنہائی کا خیال نہ کرنا اپنے معتقدین متوسلین کی آسائش کو مقدم رکھنا آپ معرض ہلاکت میں رہنا اور ساتھیوں کو دارالامن میں روانہ کر دینا انصاف پسند طبیعت کو بتلا سکتا ہے کہ اسلام کیا چیز ہے اور کس استقلال کے ساتھ اس کے سچے اصول قائم اور پاک مسائل مروّج ہوئے ہیں اس مقدس مذہب کا محافظ وحامی کون زبردست ذات تھی اور اس چمنستان توحید کا مالی کیسا باہمت متحمل بردبار عالی حوصلہ شخص تھا جس نے اس کے نیولانے سینچنے اور بارور ہونے کی سعی میں باوجود قومی اعزاز مالی فراغت اور ذاتی نجابت وسیادت کے کمتر اور ذلیل غلاموں کی بھی نازیبا گفتگو اور گالیاں سنیں عوام الناس کے طعنے تشنے کلیجہ میں برچھیاں لگاتے تھے اور یہ خیرخواہ قوم جان نثار اسلام اُلٹا اُنکا بھلا چاہتا اور رحم دلی کا برتاؤ کرتا تھا۔ ایک دن کا ذکر ہے آپ حجرے میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص عتبہ بن ربیعہ نامی آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے میرے بھائی کے لڑکے بیشک تم شرافت ولیاقت میں مشہور ہو لیکن افسوس تم نے ہم لوگوں میں تفرقہ ڈالدیا ہمارے گھروں میں جھگڑا پھیلادیا تم ہمارے دیوتاؤں اور دیبیوں کو بُرا کہتے اور ہمارے باپ دادا کو گنہگار اور بددینا مشرک ٹھیراتے ہو۔ اس لئے ہم لوگ تم سے کچھ کہنا چاہتے ہیں تم اس پر غور کرو اور اس کو منظور کرلو۔ آپ نے فرمایا کہ اے ولید کے باپ کہو میں سُنتا ہوں ابوولید نے کہا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے اگر تم اپنی ان باتوں سے دولت پیدا کرنی چاہتے ہو تو ہم لوگ چندہ کر کے تمھارے لئے اتنی دولت جمع کرسکتے ہیں کہ اس قدر ہم میں سے کسی امیر سے امیر قریشی کے پاس بھی نہ ہوگی اور اگر اس سے تم اپنی عزت اور نام چاہتے ہو تو ہم لوگ تمھیں اپنا سردار بنالیں کوئی کام تمھاری رائے کے ہرگز خلاف نہ کریں۔ اور اگر تم ملک چاہتے ہو تو ہم تمھیں اپنا بادشاہ بنالیں اور اگر تم کو آسیب کا خلل ہے اور وہ بھوت جو تم پر سوار ہے اس سے نہ اترے تو ہم لوگ روپیہ خرچ کر کے حکیم لائیں گے اور حاذق طبیب سے تمھارا علاج کرائیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہ مجھ کو تمھارا روپیہ چاہئے نہ تمھاری سلطنت درکار ہے نہ تمھارا جاہ وحشم میری نظر میں کوئی چیز ہے میں تم کو اللہ کا پیغام پہنچاتا ہوں یہ کتاب رحمٰن الرحیم کی اُتاری ہوئی ہے اس کے دلائل صاف صاف ہیں یہ ایک قرآن ہے جس کی زبان عربی ہے یہ سمجھ والوں کے لئے ہدایت ہے یہ خوشخبری دینے والی اور ڈرانے والی ہے لیکن بہتیرے اس سے مُنہ پھیر لیتے ہیں اور اس کو سُنتے نہیں اور کہتے ہیں ہم تمھاری باتوں کو نہ سمجھ سکتے ہیں نہ سُن سکتے ہیں اور ہمارے تمھارے درمیان ایک پردہ ہے اس لئے کرو تم جیسا کہ تم مناسب سمجھو اور کریں گے ہم جیسا کہ مناسب سمجھیں گے کہدے کہ میں تمھاری ہی طرح پر ایک آدمی ہوں یہ بات مجھ پر کھولدی گئی ہے کہ تمھارا خدا ایک خدا ہے اس لئے سیدھے اسی کی طرف جاؤ اور گذشتہ کے لئے معافی مانگو اور افسوس ہے ان بت پرستوں پر جو صدقہ نہیں دیتے اور آنے والی زندگی کا یقین نہیں کرتے لیکن وہ لوگ جو

ایمان لائے اور نیک کام کرتے ہیں وہ ابدالآباد کے لئے انعام پائیں گے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن شریف کا مضمون پڑھکر سنا چکے تو فرمایا کہ اب تم نے سن لیا پھر جو مناسب سمجھو وہ کرو۔

کفار ایک مرتبہ اور بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور دولت وعزت کے لالچ دلائے لیکن پھر آپ نے یہی جواب دیا کہ میں نہ دولت کا بھوکا ہوں نہ مجھے نام کی خواہش ہے نہ مملکت کی ہوس ہے میں تو خدا کا بھیجا ہوا ہوں کہ تمھیں خوشخبریاں سناؤں میں تم کو خدا کا کلام سناتا اور نصیحت کرتا ہوں اگر تم نے میرا کہا مانا تو اس دنیا میں بھی چین سے رہو گے اور آئندہ بھی۔ اور اگر تم نے نصیحتوں پر کان نہ دھرا تو میں صبر کروں گا اور اپنے معاملہ کو خدا پر چھوڑ دوں گا وہ تمھارے اور ہمارے درمیان تصفیہ کرے گا۔

سبحان اللہ ان جلالت مآب باتوں سے کیسی عظمت اور عالی حوصلگی ظاہر ہوتی ہے لیکن افسوس ہٹ دھرم قوم نے جواب بھی دیا تو ایسا نامعقول جس سے سخت دشمنی اور قلبی عناد ٹپکتا تھا۔ ان لوگوں نے کہا کہ اے محمدؐ تم خوب سمجھ لو ہم لوگ تم کو کبھی وعظ نہ کہنے دینگے۔ یہاں تک کہ تم غارت ہو جاؤ یا ہم۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باوجودیکہ ہر طرح کی سختیاں اور مزاحمتیں ہوتی تھیں لیکن آپ اللہ کی مدد پر بھروسہ کئے ہوئے وعظ و نصیحت کے کام پر اسی تندہی سے مستعد اور مصروف رہے آپ کو ذرا لغزش نہیں ہوئی آپ کے خیال نے ذرا پلٹا نہیں کھایا آپ کو کبھی ہراس نہیں ہوئی اگر آپ نے اپنی رسالت کی حقانیت پر دلیل پیش کی تو یہی کہ میری پسندیدہ نصیحتیں عقل سلیم کے موافق اور میرے پاکیزہ شرعی اقوال انسانی سمجھ کے مطابق ہیں۔ کلام جو مجھ پر نازل ہوتا ہی اللہ کا کلام ہے اس جیسا فصیح کلام بنانا بشری قوت سے باہر ہے اگر کسی کو دعویٰ ہے تو اس جیسی ایک سورت بنا کر لائے ایک آیت ہی بنائے اپنے حمائیتوں کو بلائے اور اس وقت ملک عرب حالانکہ فصحا کا معدن اور بلاغت کا گنجینہ تھا لیکن کسی سے نہ ہو سکا کہ باوجود اس سخت مخالفت اور بار بار تحدّی و مقابلہ کے کوئی اپنا قصیدہ یا مسجع مضمون پیش کرتا اور کہتا کہ یہ قرآن جیسا فصیح کلام محمدؐ کو بند کرنے کے لئے ہے۔

باب (۲۲) ۶ نبوی

حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کا اسلام اور اسلام کی قوت جب کافروں کو مال وعزت کے لالچ دلانے میں بھی کامیابی نہ ہوئی تو انھوں نے معمول سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مضحکہ اڑانا شروع کیا۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ آپ کوہ صفا کے دامن میں ارقم بن ابی ارقم کے مکان پر تشریف رکھتے تھے کہ ابوجہل بن ھشام کا اس جانب گذر ہوا اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوہ صفا کے پاس کھڑا دیکھکر بہت کچھ سخت سخت کہا مغلظات گالیاں دیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طبعی صبر و تحمل سے کام لیا اور جواب میں زبان سے ایک کلمہ بھی نہ نکالا۔ عبد اللہ بن جدعان کی باندی ابوجہل کے یہ ناشائستہ کلمات سن رہی تھی اور آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صبر دیکھ رہی تھی۔

آنحضرت کے چچا حمزہؓ جو ابتک کافر تھے نہایت بہادر نبرد آزما شکار کے زیادہ شوقین تھے اتفاقاً کمان کندھے پر ڈالے شکار گاہ سے واپس آرہے تھے کہ راستہ میں اس باندی نے دیکھ پایا اور کہنے لگی کہ اے حمزہ! نہایت ہی افسوس ہے کہ تمھارا بھتیجا تمھارے بھائی عبداللہ کا بیٹا بے وقعت لوگوں کی نظروں میں بھی ذلیل سمجھا جائے اور تم کو کچھ شرم وحیا نہ آئے اگر آج تم دیکھتے کہ ابوجہل نے اس شریف زادے کو کیسی فحش گالیاں دیں اور اس نے کس قدر صبر کیا اور چپکا گھر چلا گیا تو تم کو حیرت ہوتی کہ کیا دنیا کے خون سپید ہو گئے یا قومی حمیت کوئی چیز نہیں رہی کیا محمدؐ عبداللہ بن عبدالمطلب کا بیٹا نہیں ہے یا قریش کی نظروں میں تمھارا کنبہ یعنی ھاشم کی اولاد بالکل ہی ذلیل اور بے وقعت ہو گئی۔

حمزہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا اور ثوبیہ کی وساطت سے رضاعی بھائی نہایت غصیارے اور حیادار طبیعت کے بہادر تھے یہ کلمات سنکر غصہ کے مارے سُرخ ہو گئے آنکھوں میں خون اُتر آیا اور سیدھے مسجد حرام میں ابوجہل کے سر پر جا کھڑے ہوئے اور یہ کہکر کہ "او خبیث تو محمدؐ کو گالیاں دیتا ہے کیا نہیں جانتا کہ میں اس کے دین پر ہوں" کمان سے دماغ پر کاری زخم لگایا۔

حمزہؓ کا معمول تھا کہ شکار گاہ سے واپس ہو کر سب سے پہلے خانہ کعبہ کا طواف کرتے اور راستہ میں قومی مجلسوں میں ٹھیرتے سلام علیک کرتے بیٹھتے کچھ دیر باتیں کرتے اور پھر گھر واپس آتے تھے لیکن اس غصہ کی حالت میں یہ عادت ترک ہو گئی اور سب سے پہلا کام ابوجہل سے اپنے بھتیجے کا انتقام لینا ہوا اور گو حاضرین جلسہ حمزہ رضؓ کی یہ حرکت دیکھکر اپنے سردار ابوجہل کی طرفداری میں بھڑکے اور حمزہ رضؓ پر حملہ کرنا چاہا لیکن اول تو حمزہ رضؓ بھی آبرو دار صاحب وقعت سردار تھے۔ دوسرے خود ابوجہل نے یہ کہکر ٹھنڈا کر دیا کہ درحقیقت حمزہ رضؓ معذور ہیں میں نے ان کے بھتیجے کو سخت ایذا پہنچائی اگر یہ اس کا بدلہ مجھ سے نہ لیتے تو فی الواقع قابل ملامت ہوتے اور بیحیائی کا دھبہ ان کی بے عیب ذات پر لگایا جاتا۔

حمزہؓ اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ یارسول اللہ میں ایمان لایا اللہ پر اور اللہ کے سچے رسول محمد پر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے نہایت مسرت حاصل ہوئی اور اب قریش کا بھی زور ٹوٹ گیا کیونکہ حمزہ رضؓ کا مقابلہ کرنا کوئی آسان امر نہ تھا۔

قریش کی ہمتیں پست ہو چلیں اور کمریں ٹوٹنے لگیں لیکن چند لوگوں نے پھر آخری کوشش پر کمر ہمت کو چست کیا اور ایک بڑی کمیٹی کی جس میں بڑے بڑے تاجر مالدار متمول سردار بہادر اولوالعزم دلیر سفاک لوگ جمع ہوئے ابوجہل نے میر مجلس بنکر کہا "اے برادران قریش سخت افسوس اور شرم کی بات ہے کہ تم جیسے بہادر سرداران جنگ جو مالداروں کی جماعت میں سے ایک ضعیف لڑکا نکل کر تمھاری مخالفت کا جھنڈا کھڑا کرے اور تم اس کا کچھ نہ کر سکو تمھاری عزت کہاں گئی تمھاری ہمت

کیا ہوئی تم سے نہیں ہو سکتا۔ اس کا سر کاٹ لاؤ کیا کوئی شریف الطبع تم میں ایسا نہیں ہے کہ اس کا سر تن سے جدا کر کے میرے پاس لائے اور سو اونٹ کے علاوہ ہزار اوقیہ نقرہ کا انعام مجھ سے لے۔

کمیٹی کے ایک معزز ممبر عمر بن خطاب جو شہرۂ آفاق دلیر اور اسلام کی آواز سن سنکر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانی دشمن ہو گئے تھے۔ کھڑے ہوئے اور کہا کہ تم لوگ اطمینان رکھو میں بہت جلد اس کا سر کاٹ کر تمہارے حوالے کئے دیتا ہوں یہ سنکر تمام حاضرین جلسہ کو خوشی ہوئی کیونکہ وہ سمجھ گئے تھے کہ اپنی دھن کا پکا عمر جیسا بہادر شخص بیشک بغیر کامیاب ہوئے واپس نہ آئیگا

عمرؓ نے تلوار ہاتھ میں لی اور اپنی دھن میں مستغرق مجلس سے اٹھکر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکان کی جانب روانہ ہوئے اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتالیس مسلمانوں کو لئے ہوئے کوہ صفا کے دامن دار ارقم میں مقیم تھے راستہ میں نعیم بن عبد اللہ سے ملاقات ہوئی جنہوں نے عمر سے دریافت کیا کہ اے عمر کہاں جاتے ہو۔؟

عمرؓ نے جواب دیا کہ محمد کا سر لینے کیلئے جا رہا ہوں کیونکہ اس نے قریش میں پھوٹ ڈالدی ہے اور ان کے قدیمی دین کو برا کہہ کہکر سرداران قریش کے دل دکھا رکھے ہیں میں نے آج بیڑا اٹھایا ہے کہ اس فساد کی جڑ بنیاد ہی کاٹ ڈالوں۔ نعیم نے کہا کہ اے عمر تم کو تمھاری خیالی آرزو نے دھوکہ دیا کیا تم نہیں سمجھتے کہ محمد کے قتل ہوئے پیچھے عبد مناف کی اولاد تم کو بھی ہرگز زندہ نہیں چھوڑ سکتی جاؤ اور اپنی جوانی پر رحم کھاؤ۔

عمرؓ کے غصہ کا دریا اس وقت جوش زن اور طوفان کی موجوں کی طرح متلاطم تھا آنکھوں میں سرخی کے ڈورے نمودار تھے نعیم کی زبان سے یہ کلمات سنکر اور بھڑکے اور کہنے لگے کہ معلوم ہوتا ہے کہ تو بھی آبائی دین چھوڑ کر محمد کا طرفدار اور صابی بن گیا ہے بہتر ہے کہ اول تیرا ہی معاملہ طے ہو۔

نعیم نے جواب دیا کہ اے عمر ہوش میں آؤ اور محمد یا میرے قتل سے پہلے اپنے گھر کی حالت تو درست کر لو دیکھو تمہاری حقیقی بہن فاطمہ۔ اور تمہارے بہنوئی اور چچا زاد بھائی یعنی سعید بن زید کس دین پر ہیں یہ بھی اسی مقدس مذہب کے فرمانبردار ہیں جس کے تم جانی دشمن اور استیصال کے درپے ہو۔ عمر کی حالت اس وقت متغیر ہو گئی اور یہ اس راستے کو چھوڑ اپنے گھر کی طرف چلے۔

فاطمہؓ بنت خطاب اور ان کے شوہر سعید بن زید ایمان لاچکے تھے۔ لیکن عمر کے خوف سے اس کا اظہار نہ کر سکتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محسن صحابی حضرت خباب بن ارت خفیہ ان کو قرآن مجید پڑھانے اور علم دین سکھانے آجاتے تھے۔ اتفاق ایسا ہوا اس وقت جب کہ عمرؓ طیش کی حالت میں اپنے گھر کی جانب قدم بڑھائے جلد جلد چلے آرہے تھے حضرت خباب کلام مجید باآواز بلند پڑھ رہے تھے۔ اور فاطمہؓ و سعیدؓ مؤدب بیٹھے سن رہے تھے۔ عمر کے پاؤں کی آہٹ پاکر حضرت خباب جلدی سے گھر کے کسی حصہ میں چھپ گئے اور فاطمہ نے کلام مجید کے مقدس صحیفہ کو اپنی ران کے نیچے چھپا لیا تھا۔ لیکن عمرؓ کے کانوں میں کلام الٰہی کے چند کلمے پہنچ چکے تھے اور ان کو نعیمؓ کے قول کی تصدیق ہو چکی تھی۔

عمرؓ نے گھر میں قدم رکھا اور غصہ کی سخت آواز میں للکارا کہ بتاؤ یہ بھنبھناہٹ جو میرے کانوں میں پڑی کس کے پڑھنے اور کس چیز کی تلاوت کرنے کی تھی حضرت فاطمہؓ نے اس کو چھپانا اور بات کو ٹالنا چاہا۔ کہا بھائی کچھ نہیں آپ کے خیال نے غلطی کی ہوگی۔

عمرؓ کے غصہ کی آگ بھڑک اٹھی اور انھوں نے اپنے بہنوئی حضرت سعید بن زید پر دست درازی شروع کی حضرت فاطمہؓ اپنے بھائی کے ہاتھوں پیارے خاوند کی اس ذلت کو کب گوارا کر سکتی تھیں اٹھیں اور بھائی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ عمر نے بہنوئی کو تو چھوڑ دیا اور بہن پر ٹوٹ پڑے۔

عورت پر مرد کو ہاتھ اٹھانا درحقیقت مردانگی سے بعید اور انسانی مروت کے بالکل خلاف ہے لیکن عمر کو غصہ کے جوش نے بالکل اندھا بنا رکھا تھا ان کو کچھ خبر نہ تھی کہ میں کس کو کیا تکلیف پہنچا رہا ہوں۔ عمر نے اپنی بہن پر معمولی زیادتی نہیں کی بلکہ اس قدر مارا کہ فاطمہؓ کے نازک بدن پر زخم آئے اور زخموں سے خون بہنے لگا۔

فاطمہؓ نے بھائی کی شقاوت و بیرحمی کا اندازہ کر لیا اور اب صاف صاف کہہ دیا کہ اچھا ہم دونوں محمدؐ پر ایمان لے آئے ہیں تم کو جو کچھ کرنا ہو کر گذرو ہمیں اپنا ایمان اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے ہم مر جائیں گے لیکن تمھارا کہنا نہ مانیں گے۔

عمر کے غصہ کا دریا ادھر لہریں مار رہا تھا اور اللہ جل جلالہٗ کی بے پایاں رحمت کا سمندر اُدھر جوش زن تھا اُس کی بے پروا سرکار سے عمر جیسے سخت قلب میں ایمان کی حلاوت ڈالی جارہی تھی اور اب عمر اپنی حالت بدلی ہوئی پاتے تھے عمر نے اپنی پیاری بہن کے زخم آلود جسم کو محبت بھری نظروں سے دیکھا اور فرط شوق سے کہا کہ پیاری بہن اچھا وہ صحیفہ مجھ کو دکھاؤ تو وہ جس میں سے تم لوگ پڑھ رہے تھے فاطمہؓ نے عمر کے دل میں رقت و نرمی کا اثر دیکھا تو خوشی پیدا ہوئی اور جواب دیا کہ بھائی مجھکو اندیشہ ہے کہ تم اس کے ساتھ گستاخی کرو گے وہ پاک صحیفہ میرے ہاتھ سے جاتا رہے گا اور تمھارے ہاتھ میں جاکر پُرزے پُرزے ہوجائے گا۔ عمر بن خطاب نے قسم کھائی اور کہا کہ میں تمھارا صحیفہ تم کو واپس کردوں گا تم جانتی ہو کہ عمر وعدہ خلاف اور بات کا کچّا نہیں ہے۔

حضرت فاطمہ کی حالت تو اس وقت کچھ اور ہی تھی ان پر عمر جیسے بہادر کی ہیبت کا نشان تک نہ تھا سادہ لوحی سے کہہ اٹھیں کہ ہمارا مقدس صحیفہ ہمارے مہربان خدا کا پاک کلام مشرک اور بُت پرست کافروں کے نجس ہاتھوں میں کیونکر جاسکتا ہے تمھارا قلب نجس تمھارا بدن ناپاک تمھارے ہاتھ پلید ہیں وَلَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ (وہ اس کو سوائے پاک بندوں کے کوئی چھو نہیں سکتا) عمر نے کہا اچھا مجھ کو باقاعدہ غسل دو پاک بناؤ۔ اس کے بعد صحیفہ دکھاؤ میں اس کی دلآویز عبارت کو ضرور دیکھوں گا ضرور دیکھوں گا۔

اسی وقت عمر بن خطاب نے غسل کیا اور فاطمہ نے وہ پاک صحیفہ سامنے لا رکھا جس میں سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ عمر نے چند آیتیں پڑھیں اور بے اختیار بول اٹھے کہ "کیا شیریں کلام ہے اس کی حلاوت اور اس کی تزرگی میری رگ رگ میں

سرایت کرتی جاتی ہے"عمر کے یہ حیرت انگیز کلمے حضرت خباب چھپے ہوئے سن رہے اور جوش مسرت سے اندر ہی اندر خوش ہو رہے تھے بے چین ہو کر باہر نکل آئے اور کہا کہ مرحبا مرحبا خوش ہوا ئے عمر رضہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا تمہارے بارے میں مستجاب ہوئی سرور عالم نے دعا فرمائی تھی کہ"بار الٰہا اسلام کو عمر بن خطاب یا ابوجہل بن ہشام کے ساتھ عزت دے ان دونوں میں سے کوئی ایمان لائے تو تیرے مقدس مذہب کو قوت حاصل ہو"عمر کا دل نور ایمان سے منور ہو چکا تھا نہایت لجاجت سے درخواست کی کہ اے خباب محمد کہاں ہیں مجھ کو ان کے پاس لے چلو اور مسلمان کرالاؤ۔

غرض عمر رضہ نے تلوار ہاتھ میں لی اور اس وار ارقم کی طرف اب ایمان کی نیت سے چلے جس کی جانب ابھی چند گھنٹے ہوئے کسی گستاخ اور نازیبا ارادہ سے جا رہے تھے حضرت خباب ہمراہ تھے دروازہ پر دستک دی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ابو بکر صدیق عثمان بن عفان علی بن ابی طالب اور حضرت حمزہ رضہ وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے کواڑ کی درازوں میں سے دیکھا تو تمام مجمع پریشان ہو گیا اور کواڑ کھولنے میں تردد ہوا حضرت حمزہ رضہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ عمر رضہ کو اندر آنے کی اجازت دیجئے اگر ان کا ارادہ بھلائی کا ہے تو ہم بخوشی اطاعت کریں گے اور اگر کسی گستاخانہ حرکت کا ہے تو اسی کی تلوار اس کا خون بہائے اور گردن اڑائے گی۔

غرض دروازہ کھولدیا گیا اور عمر رضہ تلوار کو میان میں کئے گردن ڈالے اندر آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھے اور عمر رضہ کی چادر کا کونہ پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا اور فرمایا کہ اے عمر رضہ کیا تو باز نہ آئے گا یہانتک کہ کوئی کھڑا کھڑا ڈالنے والی مصیبت تیری آنکھیں کھولے؟ خدا جانے اس جھٹکے میں کیسی مقناطیسی قوت تھی کہ عمر رضہ کا نور ایمان چمک اٹھا اور دینداری کے ماہتاب کی شعاعیں پھوٹنے لگیں عمر رضہ کی زبان سے بیساختہ نکلا کہ یا رسول اللہ میں تو ایمان ہی لانیکے ارادہ سے حاضر ہوا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جوش مسرت سے آواز تکبیر بلند کی اور عمر رضہ بن خطاب نے سب سے پہلے جمیل بن معمر کو اپنے اسلام کی اطلاع دی کیونکہ عرب میں یہی ایک شخص پیٹ کا انتہا درجہ کا ہلکا اور بات کا زیادہ مشہور کرنیوالا تھا کوئی راز اس کے پیٹ میں نہ رہ سکتا تھا غرض فوراً ہی یہ بات ہوا کی طرح اڑی اور چند منٹ میں تمام اہل مکہ کو معلوم ہو گیا کہ وہ عمر رضہ جو محمد کا شکار کرنے گئے تھے خود شکار ہو گئے اور سردارانِ مکہ کی قوت کافروں سے منتقل ہو کر اسلام کی طرف چلی گئی۔

اب مسلمانوں کی تعداد چالیس ہو گئی اور اللہ پاک نے یا ایہا النبی حسبك الله ومن اتبعك من المومنين نازل فرمایا (اے پیغمبر تجھ کو کافی ہے اللہ اور وہ مسلمان جو تیرے تابعدار بن گئے)۔

حضرت حمزہ رضہ اور حضرت عمر رضہ کے اسلام نے درحقیقت کافروں کے بڑے جتھہ کو نیچا دکھا دیا اور اب اعلانیہ اسلامی وعظ ہونے لگے۔ خانہ کعبہ میں کھلم کھلا نماز پڑھی جانے لگی اسلامی جھنڈا مستحکم ہو گیا کفار کے بڑے ارادے پست اور خیالی منصوبے بے بنیاد ہو گئے۔ اسلام کا آفتاب اپنی عالمگیر شعاعوں سے حجازی ذرّے روشن کرنے لگا مسلمانوں کے گروہ میں روز بروز ترقی اور کافروں کی جماعت میں دن بدن تنزل محسوس ہونے لگا۔

باب (۲۳) ۷ و ۸ و ۹ نبوی

قریش کا باہمی اتفاق اور خاندان بنی ہاشم کی خطرناک مصیبت۔ جب قریش نے دیکھا کہ اسلام کا آفتاب خاک ڈالنے سے مکدر نہیں ہوسکتا اور ابوطالب اپنے بھتیجے محمدؐ بانیٔ اسلام کو ہمارے حوالے نہیں کرتے۔ نجاشی سلطان حبش نے بھی روکھا جواب دیدیا اور دین اسلام اپنی مہذب چال سے نہایت اطمینان اور امن کے ساتھ آگے قدم بڑھائے چلا جا رہا ہے تو دوسری چال چلے اور یکم محرم الحرام ۷ نبوی کو جلسہ منعقد کیا اور تمام قبائل مکہ کے رؤسا و سرداران نے باہمی مشورہ سے یہ تجویز پختہ کی کہ ابوطالب اور تمام بنوہاشم کے خاندان کو برادری سے گرا دو ان کے ساتھ شادی بیاہ اور خرید و فروخت کا معاملہ قطعی نہ کرو نہ ان کی موت زندگی کے ہم ساتھی اور نہ ہماری موت زندگی کے یہ شریک نہ ان کے پاس بیٹھو نہ ان سے بات چیت کرو نہ ان کے ہاتھ کوئی چیز بیچو نہ دوسری جگہ کے آنے والے تاجروں کو ان کے ہاتھ کوئی چیز بیچنے دو جس بھاؤ بھی جو چیز ملے نقد قیمت پر سب کی سب خرید لو۔ ایسا کرنے سے یہ لوگ خود تنگ ہوجائیں گے اور پھر ان کو ہماری خوشامد اور اطاعت کئے بغیر کوئی چارہ نہ ہوگا۔

یہ باہمی معاہدہ محض زبانی معاہدہ نہ تھا بلکہ تحریر ہوکر مواہیر کے لئے سرداران مکہ کے سامنے لا رکھا گیا دستخطوں سے مکمل ہوکر توثیق و استحکام پابندی کی غرض سے باقاعدہ خانہ کعبہ کی دیوار پر آویزاں کر دیا گیا اور گو اس ظلم پسند عہدنامہ کے لکھنے والے یعنی منصور بن عکرمہ عبدری کو منصفانہ پاداش اسی وقت مل گئی کہ اس کا ہاتھ شل اور آلۂ کتابت ہمیشہ کے لئے بالکل بیکار ہوگیا لیکن باایں ہمہ حاضرین جلسہ کے جوش جنون نے کسی کو ہدایت نہ ہونے دی اور اس وقت سے یہ صحیفہ رجسٹری شدہ دستاویز کی طرح واجب العمل ہوگیا جس کا انکار کرنا گویا تمام مکہ کا مخالف بننا تھا۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ابوطالب نے اپنی قوم بنوہاشم کو ان کی خاندانی عزت اور موروثی سیادت بار بار یاد دلا کر اس امر میں اپنا ہم خیال ضرور بنا لیا تھا کہ محمدؐ کو قریش کے حوالہ نہ کیا جائے اس لئے سوائے ابولہب کے جس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت پر اپنے کنبہ کی علیحدگی اختیار کی باقی تمام بنوہاشم یک زبان ہوکر جو کچھ تھوڑا بہت کھانے پینے کا سامان پاس تھا بطور رسد ہمراہ لیکر معہ محمد و اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوطالب کے اس کونج سیدان میں جا بسے جو مکہ کی سرحد کی ایک تنگ پہاڑی کے پرے واقع تھا۔ اور جس کو پہاڑی چٹانوں اور کوہی دروں نے شہر سے علیحدہ کر دیا تھا۔ اسکی آمد و رفت ایک درۂ کوہ سے تھی۔ اور یہ حصاری مقام ایک مختصر قلعہ کی طرح نہایت امن و حفاظت کی جگہ تھا۔ اسی جائے پناہ کا نام شعب ابی طالب ہے۔

خاندان بنی ہاشم کی یہ علیحدگی درحقیقت یہ ایسی تھی جیسے ہندوستان کے اکثر نیچ قوموں میں کسی قومی جرم کے سزا دینے کے لئے ہوتی ہے بلکہ اس میں جابرانہ کارروائی اور ظلم و بے رحمی کا زیادہ اثر تھا اس لئے کہ یہ اہل شعب کسی دوسرے بیرونی تاجر سے بھی غلہ تک نہ خرید سکتے تھے اور نہ ان کو یہ اجازت تھی کہ موسم حج میں اپنے شعب سے باہر نکلکر مکہ دیکھ سکیں

اور اگر وہ لوگ آتے بھی تو کیا نتیجہ تھا اس لئے کہ جس سے وہ بات کرنی چاہتے وہ ان سے منہ پھیرتا اور جس بت رحم کو خواستگار ہوتے وہ خون کی خواہش ظاہر کرتا تھا۔

چونکہ یہ مخالفت اب دینی مخالفت کی جگہ قومی لڑائی ٹھن گئی تھی اور اہل شعب میں سے جو کوئی کسی ضرورت سے پریشان ہوکر باہر نکلتا تھا وہ مارا پیٹا جاتا اور ایذا پہنچایا جاتا تھا قلیل المقدار موجودہ غلہ ختم ہو چلا تھا اس لئے تھوڑے دنوں بعد جو کچھ بھی ان لوگوں کی نازک حالت ہو گئی ہوگی اس کا اندازہ ہر شخص کرسکتا ہے اگر کوئی رحمدل رشتہ دار اپنے کسی ناتے والے ہاشمی کو چھپا کر کوئی چیز بھیج بھی دیتا تھا تو اس کی اطلاع ہونے پر وہ بھی عہد شکن مشہور ہوتا اور قریب قریب برادری سے خارج سمجھا جاتا تھا ہاشمی بیکس عورتیں مطلبی معصوم مظلوم بچے بھوک پیاس سے بیتاب ہو ہو کر شور مچاتے تھے اور ان کے مصیبت زدہ خاوند اور جاں نثار والدین ان کی آہ وزاری بےبسی کے عالم میں سنتے اور آنکھوں میں آنسو بھر لاتے تھے۔ اہل شعب سب مسلمان نہ تھے تاہم قومی حیثیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کے بھائی اور اس مصیبت کے شریک رہتے کامل تین برس یہی حالت رہی اور بنو ہاشم فاقوں کی تکلیف سے گھبرا اٹھے قریش اس حصار کا محاصرہ کئے ہوئے تھے اور مسلمان اپنے دین پر اسی مضبوطی سے قائم تھے کہ اگر فاقہ ہوتے ہوتے دم نکل جائے گا تب بھی اسلام سے نہ پھیریں گے بھوک کے مارے پاؤں زمین پر تھرتھراتے اور لغزش کھاتے تھے لیکن دین سے نہ ڈگے تھے۔

آخر بنو ہاشم کے ان قریبی رشتہ داروں کو بھی جنہیں محض قومی حیثیت سے اپنے کنبہ کو علیحدہ کرنا پڑا تھا اپنے بھائیوں کی اس بھوک و پیاس کے نازک حال کو دیکھکر رونا آگیا۔ اور حکیم بن حزام بن خویلد اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ کے لئے کچھ گیہوں لیکر شعب کی جانب روانہ ہوا راستہ میں ابوجہل ملا اور اس نے حکیم کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ یہ کیا مخالفانہ کارروائی ہے۔ میں تجکو رسوا کئے بغیر نہ چھوڑوں گا شعب والوں اور خصوصاً بانی فساد محمد کی بی بی خدیجہ کو غلہ پہنچانا تو سخت بغاوت ہے

اتفاقاً ابوالبختری بن ہشام ادھر سے آگیا اور اس نے ان دونوں کی تو تو میں میں دیکھکر ابوجہل سے کہا کہ تو حکیم کو چھوڑ کیوں نہیں دیتا اس سے اپنی پھوپھی کا فاقہ نہیں دیکھا جاتا اگر وہ انسانی مروت سے کام لیتا اور اس کو غلہ پہنچائے دیتا ہے تو اس میں دخل دینے والا تو کون۔؟

ابوجہل غصہ ہوا اور اس نے ابوالبختری کو برا بھلا سخت سست کہنا شروع کیا۔ ابوالبختری بھی آخر اسی کا بھائی تھا غصہ سے اس کا چہرہ تمتما اٹھا اور قریب ہی اونٹ کی ایک بڑی ہڈی پڑی دیکھکر اس کو اٹھا لیا اور اس زور سے ابوجہل کے ماری کہ خون کا فوارہ چھوٹ گیا اور زمین پر ڈال کر گھوسوں اور لاتوں سے برا حال کر دیا۔

ابوجہل کو مار کھانے سے زیادہ اس کی غیرت تھی کہ اتفاقاً حضرت حمزہ رضی کھڑے اس معاملہ کو دیکھ رہے تھے اس کو خیال تھا کہ یہ سارا معاملہ اہل شعب کو سنا دینگے اور میرے دشمنوں کو مجھ پر آوازے کسنے کا عمدہ موقع ملے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس زمانہ میں بدستور پے در پے وحی نازل ہوتی رہی اور آپ چھپے اور ظاہر

سرّاً و جہراً تبلیغ رسالت میں مصروف رہے۔

باب (۴۳) سنہ نبوی

ظالم صحیفہ کا نقض اور عہد نامہ کی مخالفت سب سے زیادہ اور سب سے پہلے ھشام بن عمر بن حارث کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ہائے افسوس ہم اور ہمارے بال بچے کھائیں پئیں اور ہمارے بھائی بند بنو ہاشم دانہ دانہ سے ترسیں اور فاقہ پر فاقہ اٹھائیں لعنت ہے ایسے اپنے کھانے پر۔

ھشام بن عمر کا چند روز سے معمول ہو گیا تھا کہ شب کے وقت غلّہ سے بھرا ہوا اونٹ شعب کی جانب ہنکاتا اور درۂ کوہ میں پہنچکر باگ چھوڑ دیتا وہ اونٹ شعب میں پہنچتا اور فاقہ کش بنو ہاشم میں تقسیم ہو جاتا۔

ھشام بن عمر نے سوچا کہ اس طرح خفیہ اعانت کب تک مفید ہو سکتی ہے صحیفہ کی مخالفت پر چند دور اندیش رحمدل قریش کو اپنا ہمخیال بنانا چاہیئے۔ اس خیال کا ذہن میں آنا تھا کہ ہشام اٹھا سیدھا زہیر بن ابی امیہ مخزومی کے پاس گیا جس کی ماں عاتکہ عبدالمطلب کی بیٹی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی تھی۔ ہشام نے زہیر کو غیرت دلائی اور کہا کہ اے زہیر تم کیونکر کھاتے پیتے اور کس طرح کپڑے پہنتے ہو جبکہ تمھارے ماموں اور تمھاری ننھیال کے رشتہ دار دانہ دانہ سے محتاج اور آب و دانہ تک سے معذور ہیں۔ میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ اگر ابو جہل کے ماموں خالو اس تنگ حال میں ہوتے تو وہ اس عہد نامہ کا کبھی لحاظ نہ کرتا اور جس طرح بن پڑتا اپنی ننھیال کا مددگار بنتا۔

زہیر نے کہا کہ اے ہشام میں تنہا کیا کر سکتا ہوں اگر میرے ساتھ کوئی دوسرا اسی خیال کا ہوتا تو میں جو چاہتا کر گذرتا ہشام نے کہا کہ مرحبا مرحبا تم کو خوش ہونا چاہیئے کہ ایک تمھارا ہمخیال تمھارے پاس بیٹھا اور تم سے گفتگو کر رہا ہے۔ زہیر نے کہا اچھا ایک آدمی اپنا ہمخیال اور کر لو تاکہ مقصد میں حسب منشاء کامیابی ہو۔

ھشام بن عمر وہاں سے اٹھکر مطعم بن عدی کے پاس پہنچا اور کہا کہ اے نوفل بن عبد مناف کے پوتے بڑی شرم کی بات ہے کہ ہشام بن عبد مناف کا خاندان بھوکا پیاسا تباہ ہو اور تم لوگ عیش کرو کیا دنیا میں رشتہ ناتا کوئی چیز ہی نہیں رہا اگر تمھارے ساتھ وہ کاروائی ہوتی جو بنو ہاشم کے ساتھ ہوئی اور بنو ہاشم تمھارے قائم مقام عہد نامہ کے موافق ہوتے تو تم کو کیسا کچھ خیال ہوتا اور درحقیقت بنو ہاشم کی غیرت یہ تقاضا بھی نہ کرتی جو تمھاری غیرت کر رہی ہے۔

مطعم نے کہا کہ ہشام! میں تنہا کیا کر سکتا ہوں کوئی ہم خیال پیدا ہونا چاہیئے۔ ہشام نے اپنا معاون و مددگار ہونا ظاہر کیا اور یہ بھی کہا کہ زہیر بن ابی امیہ بھی ہمارا موافق ہے۔ مطعم نے کہا اچھا ایک آدمی ہم خیال اور کر لو پھر جو ارادہ ہے کر گذرو۔ ہشام وہاں سے اٹھکر ابو البختری بن ہشام کے پاس گیا اور وہی گفتگو کی جو مطعم بن عدی سے کی تھی ابو البختری نے بھی ہمخیال پیدا ہونے کی درخواست کی اور یہ معلوم کر کے کہ مطعم و زہیر و ہشام متفق ہو چکے ہیں کہا کہ پانچواں مددگار اور بناؤ۔

ہشام وہاں سے روانہ ہو کر زمعہ بن اسود کے پاس آیا اور بنو ہاشم کی قرابت و رشتہ داری اور مصیبت و تکلیف ذلت و خواری یاد دلا کر اپنا ہمخیال بنا یا۔ غرض پانچوں یک زبان و ہمخیال بمقام حجون میں جمع ہوئے اور باہم عہد و پیمان کیا کہ اس ظالم بیرحم عہد نامہ کا نقض کیا جائے اور زہیر بن ابی امیہ نے ذمہ لیا کہ اس کی ابتدا میرے ہاتھوں ہو گی۔

صبح ہوئی اور اہل مکہ اپنی عادت و دستور کے موافق بن ٹھنکر مجالس میں آ بیٹھے۔ زہیر بھی گھر سے نکلا اور خانہ کعبہ کا طواف کر کے سرداران قریش کے پاس آ کھڑا ہوا اور کہا کہ اے اہل مکہ ہمیں کھانا کیونکر ہضم ہو جب کہ ہمارے بھائی ہاشمی بھوک پیاس سے ہلاک ہوں۔ قسم ہے خدا کی میں نہ بیٹھوں گا جب تک کہ اس کمبخت عہد نامہ کو نہ پھاڑ دیا جائے۔ ابو جہل نے جواب دیا نہیں ہرگز نہیں یہ عہد نامہ ہرگز نہیں پھاڑا جا سکتا۔ زمعہ بن اسود للکارا کہ اے مکّار جھوٹے جس وقت تو نے اس کو لکھا تھا ہم جب ہی اس پر راضی نہ تھے ابو البختری نے کہا بیشک زمعہ سچ کہتا ہے ہم اس کی تحریر کے برضائے خود قائل ہی نہیں ہوئے تھے۔ مطعم بن عدی بولا کہ کچھ شک نہیں تم دونوں سچّے ہو میں بھی اس کا ہمیشہ مخالف رہا ادھر سے ہشام بن عمر نے کہا بیشک۔ بیشک یہ صحیفہ پھاڑے جانے کے قابل ہے کیونکہ اس کی بیرحمی سے بھری ہوئی دفعات سب کی مرضی کے خلاف ہیں۔

ابو جہل یکے بعد دیگرے سرداران قبائل کی گفتگو سنکر حیران ہو گیا اور سمجھ گیا کہ یہ رات کاٹے کیا ہو اتفق علیہ معاملہ ہے ابو طالب بھی خانہ کعبہ کے کسی گوشہ میں بیٹھے تمام گفتگو سن رہے تھے جرأت کر کے سامنے آئے اور کہا کہ بھائیو رات محمدؐ نے مجھ سے کہا ہے کہ اس عہد نامہ کے تمام الفاظ دیمک چاٹ گئی ہے صرف اللہ کا نام باقی ہے۔ باقی تمام کاغذ صاف ہو گیا اور یہی اس کی علامت ہے کہ اس تحریر کا خاص منشا جور و جفا اور رہم بندگان خدا پر ظلم و زیادتی کرنے کا ہے۔ تم لوگ اس کو منگاؤ اور دیکھو اگر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا قول سچا ہے تو ہم کو نجات دو اور قاطع رحم صحیفہ کو متروک العمل سمجھو ورنہ تم کو اختیار ہے محمدؐ کے ساتھ جو سلوک چاہو کرو میں بھی اس کی بیجا طرفداری نہ کروں گا چنانچہ اسی وقت صحیفہ منگایا گیا دیکھا کہ سوائے باسمك اللهم جو بطور عنوان ہر صفحہ کے شروع میں لکھا جانا ان کے یہاں بھی مروّج تھا اور اللہ کے ان ناموں کے جو اثنائے تحریر میں کسی موقع پر لکھے تھے کاغذ میں کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔

ابو طالب کا خیال بار ہا تجربہ کے بعد پختہ ہو چکا تھا کہ محمدؐ جو کچھ کہتے ہیں سب سچ ہوتا ہے اور اسی بنا پر اس پختگی کے ساتھ صحیفہ کے متعلق یہ گفتگو کی تھی اور جب اپنے خیال کے موافق اس کو بھی واقعی معاملہ دیکھا تو ڈھارس بندھ گئی اور اب وہ زبان نہایت تیزی اور سرعت سے چلنے لگی جو کچھ خوف و ہراس اور کچھ دُگدہ و تامل کے ساتھ بول رہی تھی۔ ابو طالب نے خوشی کے لہجہ میں نہایت بلند آواز سے کہا دیکھو دیکھو اب تو تم کو معلوم ہو گیا کہ یہ سراسر ناحق تم ہی ہو قطع رحمی تم ہی نے کی اس پر سب کی گردنیں نیچے جھک گئیں اور تھوڑی دیر سکوت کا عالم رہنے کے بعد ہٹ دھرم کافروں نے کہا کہ یہ تو جادو کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ وہی پانچوں مخالف پھر کھڑے ہوئے اور یہ کہکر کہ ہم اس ردّی پرچہ کیونکر کاربند رہ سکتے ہیں جس کے حروف تک ندارد ہیں

چلے گئے اور اس طرح عام طور پر عہدنامہ باطل ہوا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۶۶ء میں نبوت کے دسویں برس معہ بنی ہاشم وبنی مطلب کے پہاڑ کی گھاٹی سے نکلکر پھر مکہ میں آرہے باہمی خرید وفروخت جاری ہوگئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدستور وعظ ونصیحت میں مشغولیت ظاہر فرمائی۔

باب (۲۵) سنہ نبوی

غم کا برس خدیجہ رضو وابو طالب کا انتقال مؤرخین کا اس میں اختلاف ہے کہ ابو طالب نے خدیجہ رضو سے پہلے انتقال کیا یا بعد۔ بہرحال کثرت رائے اس جانب ہے کہ اول ابو طالب نے قضا کی۔

نبوت کے دسویں سال کا ماہ شوال تھا بنو ہاشم شعیب سے نجات پاچکے تھے کہ ابو طالب سخت بیمار ہوئے اور ان کو خود اپنی زندگی سے مایوسی ہوگئی۔

حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے مہربان محافظ سے غایت درجہ انسیت تھی کیونکہ آپ کو آٹھ سال کی عمر سے انھیں کی کنار عاطفت میں پرورش پانے کا اتفاق ہوا تھا آپ کو انتہا درجہ کا شوق تھا کہ ابو طالب مشرف باسلام ہوں تاکہ آخرت میں ان کے ان احسانات کی تلافی اللہ کی طرف سے کی جائے جو انھوں نے اللہ کے رسول کے ساتھ دنیا میں کئے۔

سرداران قریش ابو جہل وغیرہ ابو طالب کی عیادت کے لئے آئے ہوئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف لائے اور چچا کے آخری وقت کی نازک حالت دیکھکر آخری کوشش یہ کی کہ سرھانے بیٹھ کر نہایت ادب کے ساتھ نرم الفاظ میں کہا "چچا جان اب آپ کا آخری وقت ہے دنیا کے معاملات ختم ہو چکے آخرت کی کٹھن منزلیں آپ کے سامنے ہیں دائمی عذاب وثواب کا معاملہ در پیش ہے شیطان دشمن دین وایمان اپنی سعی میں کمربستہ اور آپ کو اسی حالت پر قائم رکھنے کی کوشش میں سرگرم ہے میری آخری درخواست ہے کہ آپ ایک بار کلمہ زبان سے نکالکر میرے ہاتھ حجت دیدیجئے تاکہ مہربان پروردگار کے روبرو مجھے شفاعت کرنے اور آپ کو جنت میں لیجانے کا موقع ملجائے اللہ کی توحید اور میری رسالت کا اقرار اصل ایمان ہے اور ابھی وقت باقی ہے کہ آپ ہمیشہ کی زندگی کے مزے پانیکا سامان کرلیں اور زبان بند ہوگئی تو یہ بھی نہ ہو سکے گا" ابو طالب نے جواب دیا کہ "پیارے بھتیجے مجھے تیرا دل خوش کر دینے میں کوئی تامل نہ تھا لیکن اندیشہ ہے کہ زنان قریش مجھ پر طعن کریں اور کہیں گی کہ ابو طالب موت سے ڈر گیا اور آخری وقت میں اس بھتیجے کا کلمہ پڑھ لیا جس کو بیٹوں کی طرح پرورش کیا تھا۔ یہ میں خوب جانتا ہوں کہ تو سچا تیرا دین برحق اور مخلوق کے تمام ادیان سے بہتر ہے تجھ کو اپنے سچے خیال میں کسی وقت ضرور کامیابی ہوگی اور میں اپنے باپ عبد المطلب کی تمام نسل کو یہی مشورہ دیتا ہوں کہ محمدؐ کا اتباع ان کی فلاح ونجات کا سبب ہے۔ تیری اعانت قریش کے فخر کا سبب ہونا چاہئے لیکن مجھ سے نہیں ہوسکتا کہ اپنے مرے پیچھے اپنا بہادر اور قابل وقعت نام ذا ماتم قریشیہ مستورات کی زبانوں پر چھوڑ جاؤں"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کلمات سنکر مایوسانہ ادھر سے اٹھ کھڑے ہوئے اور

ابو طالب کی ستاسی برس کی عمر میں روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ سکراتِ موت کی عالم بیہوشی میں ابوطالب کی زبان پر کلمہ جاری ہوگیا تھا لیکن تھوڑی دیر بعد کچھ افاقہ ہونے اور ہوش آنے پر ابوجہل نے ملامت کی اور کہا کہ افسوس ابوطالب جان کنی کی تکلیف کے خوف نے تمھاری شرم وغیرت سب کھو دی تم آخری وقت میں اپنے سامنے کے پیدا ہوئے لڑکے پر ایمان لائے۔ تو ابوطالب نے انکار کیا اور حاضرین کو اس پر گواہ کیا کہ میں محمدؐ کے دین سے بیزار اور اپنے آبائی اصل دین پر قائم و مستحکم ہوں۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوشی کے بعد مایوسی ہوئی اور آپ یہ کہکر "چچا جان بیشک تم نے دنیاوی سلوک میں میرے ساتھ کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا لیکن افسوس آخرت سے بالکل بے بہرہ رہے میں تمھاری ابدی تکلیف کو حبتہ برابر کم نہیں کر سکتا اللہ تم پر رحم کرے"۔ وہاں سے کھڑے ہوگئے۔

حدیث میں آیا ہے کہ کافروں میں سب سے کم عذاب ابوطالب پر ہے وہ پاؤں میں جہنمی آگ کی دو جوتیاں پہنے ہوئے ہے جس کی تپش تلووں سے دماغ تک پہنچتی اور بھیجا جھلس دیتی ہے۔ اللھم احفظنا منہ۔

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کنبہ کا سردار ہی نہیں بلکہ دنیا سے وہ مہربان محافظ اُٹھ گیا جس کی وجہ سے دنیا میں ہر طرح کی اعانت ملتی تھی اس وقت آنحضرت کا سن شریف انچاس[49] برس آٹھ مہینے گیارہ روز کا تھا ان کے انتقال کے بعد جو جو مصیبتیں آپ پر پڑتی گئیں ان میں ام المؤمنین خدیجہ رضؓ سے آپ کو بڑی تسکین ملتی تھی آپ کا پریشان دل خدیجہ رضؓ کی وجہ سے ٹھیر جاتا اور تسلی پاتا تھا لیکن بی بی خدیجہ رضؓ کا پیمانۂ حیات بھی لبریز ہو چکا تھا اور ابوطالب سے چند روز بعد اسی سال پاک بی بی خدیجہ نے بھی رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بعض علماء کا قول ہے کہ حضرت خدیجہ رضؓ نے پینسٹھ برس کی عمر میں بماہ شوال انتقال فرمایا اس روایت سے اس قول کو ترجیح ہوتی ہے کہ بی بی خدیجہ رضؓ کے انتقال کا حادثہ ابوطالب کے انتقال کے قبل ہوا۔ واللہ اعلم۔

ان دونوں مہربان مددگاران کے یکے بعد دیگرے مرنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل کو جس قدر رنج و افسوس ہوا اس کو ہر انسان کا دل سمجھ سکتا ہے آپ غایت حزن کے باعث غمکدہ سے باہر کم نکلتے تھے اور چند روز کے لئے تو رنج کے سبب سوائے احکام الٰہی اور ضروری امور کے تمام کام قریب قریب متروک ہوگئے اہل اسلام میں اس سال کا نام عام الحزن یعنی غم کا برس ہے۔

اسی سال اس حادثہ سے پہلے شاہ روم اور والی فارس میں ملکی جنگ ہو چکی تھی اور خسرو پرویز شاہ فارس نے اپنے دو بہادر سپاہیوں شہریار اور فرخان کی ماتحتی میں ایک لشکر جرار روانہ کر کے روم پر حملہ کیا اور روم کے چند سرحدی شہر فتح کر لئے تھے۔ اس لئے کفار قریش کو اپنے فاسد خیالات کی بنا پر خوش ہونے اور اہل اسلام پر آوازے کسنے کا موقع مل گیا تھا بعرصہ تک کفار کی زبان زد یہی رہا کہ جس طرح نصاریٰ باوجود اہل کتاب

ہونے کے آتش پرست فارس کے ہاتھوں مغلوب ہونا پڑا اسی طرح ہم کوئی دن میں بت پرست لوگ محمدی اہل کتاب پر غالب آئیں گے یہ اس لئے کہ اہل کتاب کی مغلوبیت قرآن والوں اہل اسلام کا مغلوبیت وخواری کی فال ہے۔

اللہ جل جلالہ نے سورۂ روم کی شروع آیتیں الٓمٓ غلبت الروم نازل فرماکر مسلمانوں کو اطلاعی خبر دی کہ دس برس کے اندر اندر روم کو فارس پر غلبہ ہو جائے گا۔ چنانچہ ابوبکر صدیق نے عام طور پر اس کا اعلان کر دیا بلکہ اُبی نے ابوبکرؓ سے شرط بھی کی کہ اگر ایسا ہو گیا یعنی دس سال کے اندر روم کو فارس پر غلبہ ہو گیا تو میں سو اونٹ ہار جاؤں گا۔ چنانچہ پورے نو سال کے بعد دونوں سلطنتوں میں دوبارہ لڑائی ہوئی اور نصاریٰ روم نے فتح پائی اور یہ مژدہ خطۂ عرب میں عین اس دن پہنچا جس روز مسلمانوں نے جنگ بدر میں کفار مکہ پر فتح پائی۔ اُبی کا انتقال اس سے پہلے غزوۂ احد میں ہو چکا تھا اس لئے ابوبکر صدیق شرط کے بموجب اُبی کے باقی ماندہ ورثہ سے سو اونٹ کے طالب ہوئے اور چونکہ قمار کی حرمت سے پہلے کا یہ واقعہ ہے اور اس وقت کافروں سے دار الحرب میں اس قسم کے معاملات جائز تھے اس لئے ابوبکر صدیق رضؓ نے سو اونٹ پر مالکانہ قبضہ بھی کیا۔

درحقیقت یہ واقعہ ایک مستقل معجزہ سچی پیشین گوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برحق نبی ہونے کی مستحکم دلیل تھی اس لئے کہ دو زبردست سلطنتوں کے بارے میں برسوں پہلے ایسے وثوق کے ساتھ ایک قطعی فیصلہ دیدینا نہ بغیر وحی کے ممکن ہے نہ پیغمبر کے سوائے دوسرے سے ہو سکتا ہے۔ لیکن ازلی بدبختوں کو اس سے ہدایت کیونکر ہو سکتی تھی۔ اور اب تو ابو طالب کا مرنا گویا قریش کے واسطے اجازت تھی کہ وہ اپنی ایذا رسانی کو دوچند کر دیں اور محمدؐ و اصحاب محمدؐ کو صدمات وتکلیف کا تختۂ مشق بنالیں۔

بنو ہاشم بھی اپنے سردار ابو طالب کے نہ رہنے کے باعث آپ کی حفاظت نہ کر سکے ابولہب نے قومی حمیت کی بنا پر کچھ سرپرستی کا ارادہ کیا بھی تھا لیکن اپنے کسی دوست کی زبانی یہ سنکر کہ محمدؐ تو عبد المطلب اور عبد المطلب کی قوم کو دوزخی بتاتے ہیں صرف بیزار اور کنارہ کش ہی نہیں ہوا بلکہ کسی ناقابل برداشت ایذا رسانی کا درپے ہو گیا۔

حضرت خدیجہ رضؓ کے بعد اسی سال آپ نے پہلا نکاح حضرت ابوبکر صدیق کی صاحبزادی عایشہ صدیقہ سے جن کی عمر اس وقت چھ سال چند مہینے کی تھی کیا۔ سودہؓ بنت زمعہ بیوہ تھیں کیونکہ ان کے مسلمان شوہر سکران بن عمرو جوان کے چچا زاد بھائی بھی تھے ایک لڑکا عبد الرحمن نام چھوڑ کر حبشہ میں بعد ہجرت حبشہ انتقال کر گئے تھے۔

باب (۲۶)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبائل مکہ پر آپکو پیش کرنا اور طائف کی سخت مصیبت جب آپ نے دیکھا کہ قریش بت پرستی سے باز نہیں آتے اور ان کی ایذا رسانی دن بدن بڑھتی جاتی ہے تو آپ اپنے خادم زید بن حارث کو ساتھ لیکر نواحی مکہ میں تبلیغ اسلام کرنے لگے سب سے پہلے آپ قبیلہ بنی بکر میں گئے اور کہا کہ بھائیو! اہل مکہ نے لازوال

نعمت کو اپنے ہاتھوں واپس کیا میری ہمدردی و اعانت سے کنارہ کشی اختیار کی تم لوگ میری حواری بنو اور ابدالآباد کی جاوید نعمتوں کو دنیا کی فانی لذتوں پر مقدم سمجھو لیکن یہ قبیلہ بھی قریش کا ہمخیال تھا کسی نے آپ کے سر پر ہاتھ نہیں رکھا اور صاف جواب دیدیا کہ ہم اپنا پرانا مذہب نہیں چھوڑ سکتے نہیں چھوڑ سکتے۔

یہاں سے مایوس ہو کر آپ قوم قحطان میں تشریف لے گئے ان کو محاسن اسلام سمجھائے اور اعانت چاہی لیکن افسوس قحطان نے بھی آپ کو وہی روکھا جواب دیا جو بنی بکر دے چکے تھے۔ غرض آپ ان سنگدلوں کے ایمان سے مایوس ہو کر اسی سراسیمگی و پریشانی میں زید بن حارث کو لئے طائف میں پہنچ گئے جو مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر قوم ثقیف سے آباد تھا۔

طائف میں سب سے پہلے آپ سرداران ثقیف عمر بن عمیر کے تین بیٹوں عبد یالیل اور مسعود اور حبیب سے ملاقی ہوئے اور اس موہوم خیال پر کہ شاید یہ لوگ خدا ترسی کا شیوہ اختیار کریں اور دولت اسلام سے دامن بھریں فرمانے لگے کہ اے سرداران ثقیف اہل مکہ نے اللہ کی ہدایت قبول نہ کی اور اس کے رسول کو ایذا پہنچا کر جلاوطن کر دیا۔ اگر تم لوگ حامی اسلام و مددگاران رسول بنو تو تمہاری سعادت نصیبی اور خوش قسمتی ہے۔

ان لوگوں نے بجائے اس کے کہ مسافر مہمان کی خاطر داری کرتے ناشائستہ گفتگو اور یاس بھرے کلمات سے کام لیا اور یہ بھی گوارا نہ کیا کہ آپ چند گھنٹے یہاں ٹھیر کر سفر کا تکان ہی رفع کر لیں غضب ناک ہوئے اور کہدیا کہ "اگر اپنی خیر چاہتے ہو تو یہاں سے نکل جاؤ"۔ بے وقوف احمق لڑکوں بازاری اوباش لوگوں کو بھڑکا دیا اور اس غرض سے آپ کے پیچھے لگا دیا کہ آپ پر اینٹوں کا مینھ برسایا جائے۔

جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہر سے باہر نکلے چاروں طرف رنج و پریشانی کا ہجوم تھا۔ ہر جانب یاس و ناامیدی اپنی بھیانک صورت دکھا رہی تھی بچے اور بازاری عوام الناس اور غلام آپ پر پتھر پھینکتے تھے۔ گو زید بن حارث اپنے بدن کو سرور عالم کی سپر بنانے اور کافروں کے حملے اپنے جسم پر روکنے کی برابر کوشش کرتے رہے لیکن پھر بھی آپ کا تمام جسم مبارک زخمی ہو گیا۔ پاؤں میں آبلے پڑ گئے کسی ظالم کا پتھر ٹخنہ میں آ کر ایسا لگا کہ خون بہنے لگا اور آپ شکستہ دل مغموم و پریشان عتبہ و شیبہ کے باغ کے قریب ایک کھجور کے سایہ کے نیچے ٹھیرے اور دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر اور رو رو کر یہ دعا مانگی "الہ العالمین میں اپنی ضعف قوت لوگوں میں رسوائی و ذلت کی شکایت تیرے سوا کس سے کروں اے ارحم الراحمین تو کمزور بندوں کا مالک ہے تو میرا پروردگار ہے تو مجھے کس کے حوالہ کرتا ہے تو مجھے میرے دشمنوں کا شکار نہ بنا۔ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہوا ہے تو بیشک مجھے کسی کی کچھ پروا نہیں تیری اوسع حفاظت میرے لئے کافی ہے۔ میں تیرے چہرے کے اس نور کی پناہ مانگتا ہوں جس سے کل تاریکیاں روشنی سے بدل جاتی ہیں اور دنیا و آخرت کے معاملے بنجاتے ہیں کہ تو مجھ سے ناراض نہ ہو میری مشکلوں کو جس طرح مناسب

ہو علی کر تیرے سوا نہ طاقت ہے نہ زور"۔

جبار قہار کی جبروتی شان بھی اس وقت جوش زن تھی ذوالجلال کی نظر کے سامنے اس کے نازک مزاج پیارے پیغمبر کو زخمی کیا جارہا تھا اسی وقت اللہ کے مقدس فرشتہ جبریلؑ نے آ سلام کیا اور اپنے ہمراہ دوسرے فرشتے کو لائے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ یہ وہ فرشتہ ہے جس کے سپرد پہاڑوں کی خدمت ہے اللہ پاک کا اس کو حکم ہے کہ آپ کی اجازت ملنے پر طائف کے گرد کی دونوں پہاڑیاں باہم ٹکرا دی جائیں اور اہل طائف کو دونوں کے بیچ ایسا دلدیا جائے جس طرح چکی کے دو پاٹوں میں دانہ دلدیا جاتا ہے"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے رحم یا انتقام کے عادی نہیں بنائے گئے تھے آپ انتہا درجہ کے کریم النفس اور خیرخواہِ قوم تھے قومی اصلاح آپ کا دلی منشا اور رواجی آسائش آپ کا قلبی مقصد تھا۔ جواب دیا کہ ارحم الراحمین تو نے مجھ کو سخت دل پیدا نہیں فرمایا میں ان پر عذاب نازل کرنے نہیں آیا مجھے اپنی قوم کے ہلاک و تباہ ہونے کا سبب نہ بنا اگر یہ نیست و نابود ہوگئے تو اس سے مجھے کیا مل جاوے گا اور اگر زندہ رہے تو امید قائم ہے کہ شاید ان کی نسل میں کوئی خداترس حق پسند سلیم الطبع فرمانبردار بندہ پیدا ہوجائے یہ لوگ میرے مرتبہ سے ناواقف ہیں اندھے ہیں اگر ان کو وہ بینائی مرحمت فرماوے جس سے یہ میری شان پیغمبری دیکھ لیں تو امید ہے کہ ایمان سے مشرف ہوجائیں"۔

اس باغ کے مالک جس کے سامنے آپ پریشان حال بیٹھے تھے گو کافر تھے لیکن آخر انسانی مادہ نے ابھرنا شروع کیا اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیکسی و پریشان حالی اور بھوک و پیاس کی شدت دیکھکر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور اپنے غلام عداس کے ہاتھ ایک خوشہ انگور کا آپ کو بھیجدیا آپ نے بسم اللہ کہکر کھانا شروع کیا اور عداس جو حضرت یونس بن متی علیہ السلام کے وطن شہر نینوے کا باشندہ تھا عربی رواج کے خلاف کھاتے وقت بسم اللہ سنکر حیران ہوا اور آپ کا نام دریافت کرنے لگا آپ نے اپنا نام اور قصہ بیان فرمایا۔ جب عداس نے پاؤں چوم کر عرض کیا کہ میں آپ کی توصیف اور سچی پیشین گوئی توریت شریف میں دیکھکر آپ کا منتظر تھا الحمدللہ مجھکو یہ دولت نصیب ہوئی میں آپ پر ایمان لاتا اور توریت کی خبر سنائے دیتا ہوں کہ آپ کی قوم آپ کو ایذائیں پہنچائے گی اور جلاوطن کریگی لیکن انجام کار غلبہ آپ ہی کا ہوگا کیونکہ الحق یعلو ولا یعلی۔

الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ لوٹے اور چونکہ مکہ کی خطرناک غیر مامون حالت اور باشندگان مکہ کی فتنہ پردازی و شرارت سے غایت درجہ بیزار تھے اس لئے کوہ حرا پر قیام فرماکر اہل مکہ کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر مجھ کو امن ملے اور میری حفاظت کی جائے تو میں مکہ آؤں ورنہ جدھر منھ اٹھے چلا جاؤں۔

کسی نے آپ کی حفاظت کا ذمہ نہ لیا البتہ مطعم کا دل آپ کی بے بسی دیکھکر بھر آیا اور وہ کوہ حرا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی حفاظت میں اپنے ہمراہ گھر لے آیا۔ صبح ہوتے مطعم نے ہتھیار باندھے اپنے بیٹوں،

بھتیجوں کو بھی مسلح کیا اور اعلان کر دیا کہ گو میں محمدؐ کے نئے دین کا قائل نہیں ہوں لیکن ان کا حامی و مددگار ہوں میں نے انکو امن دیدیا ہے اگر کوئی ان کو ایذا پہنچائے گا تو گویا مجھ سے لڑنے پر آمادہ ہو گا۔ قریش یہ سنکر آپ کی کھلم کھلا مخالفت اور ایذا رسانی سے کچھ رک گئے اور اب آپ نے پردیسی بندگانِ خدا اور باہر سے آنے والے دوکانداروں سوداگروں کو وعظ و نصیحت شروع کی۔

آپ اپنے ہم وطنوں سے جدا رہتے اور موسم حج یا فصل کے موقع پر جو اجنبی آدمی مکہ میں آتے اُن کو تبلیغ رسالت کرتے اور اسلام کی جانب بلاتے تھے۔ جس وقت آپ وعظ فرماتے اس وقت آپ کے مقابلہ میں ابولہب یہ منادی کرتا کہ "اے بھولے بھالے پردیسی لوگو محمدؐ تم کو نئی راہ دکھلاتا اور بدعت و گمراہی کی طرف بلاتا ہے یہ چاہتا ہے کہ لات و عزیٰ کی پرستش تم سے چھڑائے دیکھو خبردار خبردار کوئی اس کا کہنا نہ مانیو"

باب (۲۷) ۱۲ سنہ نبوی

مدینہ کی قوم میں اسلام کا پھیلنا اور بیعت عقبہ اولیٰ مدینہ میں قوم یہود کے علاوہ دو بت پرست قبیلے اوس اور خزرج آباد تھے ان کا قدیمی مسکن یمن تھا اور یہ دونوں گو ایک دادا کی اولاد تھے لیکن باہمی ایسی نااتفاقیاں پھیل گئی تھیں جن کے باعث ہمیشہ لڑتے اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے رہتے تھے۔

قبیلہ خزرج کے چند آدمی انس بن رافع وغیرہ بنو عبد الاشہل کے چند نوجوانوں ایاس بن معاذ وغیرہ کو ساتھ لیکر مکہ اس غرض سے آئے ہوئے تھے کہ قریش کو اپنا حلیف بنائیں اور اس نبرد آزما بہادر قوم سے باہمی جنگ و صلح کی شرکت اور اعانت و ہمدردی پر قسما عہدی کرلیں تاکہ اوس کے مقابلہ میں لڑتے وقت کام آئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان نوواردا اہل مدینہ کو وعظ فرمانا شروع کیا اور قرآن سنایا جس کا سب سے پہلا اثر ایاس بن معاذ پر ہوا جو سمجھدار نوجوان تھے وہ کہنے لگے کہ یہ کیسا شیریں کلام ہے بخدا یہ ہدایت جس کی جانب یہ شخص ہم کو بلاتا ہے اس معاہدہ سے کہیں بہتر ہے جس کی بختگی کے لئے ہم مکہ آئے ہیں چلو اس کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ ایاس کے یہ کلمات سنکر قوم کے رئیس نے کہا او احمق پہلے دیکھ لینا چاہئے کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ جلدی کرنا عقلمندوں کی شان نہیں ہے۔ لکھا ہے کہ انس بن رافع نے ایک بڑا کنکر حضرت ایاس کے منھ پر کھینچ بھی مارا اور کہا کہ چپ ہو رہے بیوقوف ہم اس لئے مکہ نہیں آئے۔ ایاس چپ ہو گئے اور چند ہی روز بعد دنیا سے انتقال کر گئے۔ ان کی قوم نے سنا کہ یہ مرتے وقت باواز بلند تکبیر کہتے اور لا الٰہ الا اللہ کے نعرے مارتے تھے اس لئے ان کے ایمان میں شک کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

اس موقع پر یہ لوگ اپنے سردار کی مخالفت اور حاکم کی ناراضی کے اندیشہ سے گو ایمان نہیں لائے تاہم اتنا نتیجہ ضرور ہوا کہ قریش سے قسما عہدی بھی نہیں ہوئی اور اپنا خیال پورا کئے بغیر جیسے آئے تھے ویسے مدینہ واپس چلے گئے۔

باشندگانِ مدینہ یعنی اوس اور خزرج کا یہود سے جس وقت کسی بات پر جھگڑا ہوتا تھا تو آخری فیصلہ کے طور پر یہودی کہدیتے تھے کہ اچھا اب نبی آخرالزماں پیدا ہونے والے ہیں دیکھو ہم لوگ اُن کے تابع دار اور ساتھی بنکر تمہارا کیسا قلع قمع کرینگے عرب کے رہنے والے جو دُور دُور سے کسی قومی میلے میں آتے تھے وہ آپ کے وعظ نہایت خشوع و خضوع سے سُنتے اور جب واپس جاتے تو ان باتوں کو اپنے ہموطنوں میں پھیلاتے تھے حق کا دوسرا کرشمہ یہ بھی ہوا کہ اکثر کفار آپ کی ہجو میں قصیدے لکھتے تھے جن میں آپ کی اکثر باتیں مندرج ہو کر مشتہر ہو گئیں اس طرح گویا آپ کے پاک خیالات قریب قریب تمام حجاز میں شائع ہو چکے تھے۔

حق باتوں کے وہ بیج جو چاروں طرف بکھیر دیئے گئے تھے پودا پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے سلہ نبوی میں عقبہ پہاڑ کے قریب چھ خزرجی اہل یثرب سے آپ دوچار ہوئے اور اُنھوں نے آپ کے مؤثر وعظ کو کان لگا کر بڑے غور سے سُنا اور چپکے چپکے ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ یہود کا قول پورا ہوتا نظر آتا ہے کیا اچھا ہو کہ ہم ان کمبختوں سے پہلے اس شخص کا اتباع کریں جو درحقیقت اللہ کا سچا پیغمبر اور نبی آخرالزماں معلوم ہوتا ہے چنانچہ آپ کی فصاحت اور راست گفتاری نے اپنا اثر دکھایا اور وہ چھ کے چھ ایمان لے آئے۔

یہ واقعہ سنہ ۶۲۰ عیسوی میں ہوا جب یہ چھ مسلمان اپنے وطن کو واپس گئے تو انھوں نے اس خبر کو مشہور کر دیا کہ ملک عرب میں ایک نبی پیدا ہوا ہے جو عرب کے سیکڑوں برس کے جھگڑوں کا تصفیہ کر دے گا اور اُن کی بُت پرستی چھڑا کر اللہ کی طرف بلانے اور ہدایت کا راستہ دکھلائے گا۔

دوسرے سال یہ اہل یثرب پھر آئے اور اس مرتبہ یثرب کے چھ مشہور قوموں کی طرف سے چھ آدمی اپنے ساتھ لیتے آئے اور اسی جگہ پر جہاں وہ پہلے چھ آدمی ایمان لائے تھے یہ چھ بھی داخل اسلام ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ اس بیعت کا نام بیعت العقبۃ الاولیٰ ہے۔ یا یوں کہو کہ وہ معاہدہ جو ان لوگوں کے ساتھ ہوا عقبہ کا پہلا معاہدہ کہلاتا ہے کیونکہ یہ معاہدہ عقبہ پہاڑ پر ہوا تھا جو اقرار ان لوگوں نے کیا تھا وہ یہ ہے کہ ہم لوگ کسی کو خدا کا شریک نہ بنائیں گے۔ چوری زناکاری اولاد کے قتل سے باز آئیں گے ہم کسی کی چغلی اور شکایت نہ کریں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر ایک حق بات کو مانیں گے اور خوشی و غم میں ایک کے شریک حال رہیں گے۔

اس اقرار کے بعد یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک بزرگ صحابی حضرت مصعب بن عمیر کو اپنے ساتھ مدینہ لے گئے تاکہ اُن سے کلام مجید پڑھیں، دینی مسائل سیکھیں اور یثرب کے تاریک خطہ کو اسلام کی روشنی سے منور بنائیں ان میں حضرت ذکوان بن عبد قیس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رہ گئے اور آپ کے ساتھ سلہ میں مدینہ ہجرت کی ان کو اس لئے انصاری و مہاجری کہتے ہیں۔

ان بارہ جاں نثارانِ اسلام مدنی صحابہ کے نام یہ ہیں (۱) اسعد بن زرارہ۔ حارث کے دونوں بیٹے (۲) عوف و (۳) معاذ۔

رافع بن مالک قبیلہ بنی زریق میں سے ذکوان بن عبد قیس بنی عوف بن خزرج میں سے۔ عبادہ بن صامت۔ ابو عبدالرحمن یعنی یزید بن ثعلبہ بنی سالم میں سے۔ عباس بن عبادہ۔ عقبہ بن عامر اور قطبہ بن عامر اور قبیلہ اوس میں سے۔ ابو الہیثم بن تیہان اور عویمر بن ساعدہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

حضرت مصعب بن عمیر مدینہ میں آئے اور اسعد بن زرارہ کے گھر ٹھیرے اسعد بن زرارہ نے اپنے پیشوا معلم کو دار بنی ظفر میں لیجا بٹھایا اور وہیں تمام نومسلم وعظ سننے آجمع ہوئے قبیلہ بنی عبد الاشہل کے دونوں مشرک سردار و سعد بن معاذ اور اُسید بن حضیر کو خبر لگی اور اپنے شہر میں نئے مذہب کی ابتدا دیکھکر جھلا اُٹھے۔ سعد بن معاذ ہاتھ میں نیزہ لیکر اس بستان سرائے میں آیا جہاں حضرت مصعب بن عمیر حضرت اسعد بن زرارہ کی ظاہری اعانت پر وعظ فرمایا کرتے تھے اور کہا کہ اس بیوقوف واعظ کو اتنی ہمت کس نے دلائی کہ یہ ہمارے بھائی بندوں کو بہکاتا راستہ بھٹکاتا ہمارے دروازوں پر آتا اور ایسے لفظ پکار پکار کر کہتا ہے جو ہم نے کبھی نہیں سُنے۔ اگر یہ باز نہ آیا تو اپنی سزا کو پہنچیگا سعد بن معاذ کی اس سخت گفتگو سے لوگوں کا مجمع منتشر ہو گیا۔ اگلے دن حضرت مصعب نے پھر اُسی جگہ وعظ شروع کیا۔ سعد بن معاذ نے اس دن بھی آکر سخت کلامی کی لیکن نہ اس کرختگی سے جو پہلے روز ظاہر ہوئی تھی۔ بلکہ آج سعد کی گفتگو میں نرمی پیدا تھی۔ یہ بھی ثابت ہے کہ سعد بن معاذ نے اسید بن حضیر سے کہا کہ لے اسید سعد بن زرارہ میرا خالہ زاد بھائی ہے مجھ کو اس رشتہ کے باعث اس کو ایذا پہنچاتے شرم آتی ہے تم میری مدد کرو۔ اور ان نو وارد لوگوں کو منع کر دو کہ ہمارے ناسمجھ بھولے بھالے ہموطنوں عورتوں بچوں کو گمراہ نہ بنائیں اُسید ابن حضیر یہ سُنتے ہی ہاتھ میں تلوار لے اسعد بن زرارہ کے سر پر آکھڑے ہوئے اور نہایت کرخت آواز سے کہا کہ تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ ورنہ اچھا نہ ہوگا حضرت مصعب بن عمیر نے جواب میں پیش قدمی کی اور کہا کہ تشریف رکھئے اور نصیحت کی باتیں سُنئے اگر پسند آئیں قبول کر لیجئے اور اگر ناگوار گذریں تو ہم بخوشی آپ کی تعمیل کے لئے موجود ہیں۔

اسید بن حضیر کے دل پر اس راست گفتاری اور منصفانہ تقریر نے بڑا اثر کیا وہ یہ کہکر کہ "درحقیقت انصاف کی بات یہی ہے" کلام مجید سُننے کے لئے کان لگاکر مؤدب ہو بیٹھے۔

حضرت مصعب بن عمیر نے فصیح لیکن مختصر الفاظ میں محاسن اسلام سُنائے اور اُسید بن حضیر کے دل پر اسلام کے ماہتاب نے اپنی جھلکتی ہوئی کرنوں سے ٹکرانا شروع کیا۔ بےساختہ یہ کہکر کہ "واہ واہ کیا شیریں کلام اور بزرگ عقیدہ ہے" بولے کہ جلد بتائیے جب آپ لوگ اس دین میں داخل ہوتے ہیں تو کیا کہتے اور کیا کرتے ہیں؟ اسعد بن زرارہ اور مصعب بن عمیر نے ایک زبان ہو کر نہایت مسرت آمیز لہجہ میں جواب دیا کہ ہم ایمان لاتے وقت نہاتے کپڑے پاک کرتے ہیں اور حق کی گواہی دیتے کلمہ پڑھتے اور شکرانہ کی دو رکعت نفل ادا کرتے ہیں۔ اُسید بن حضیر نے اُسی وقت غسل کر کے کلمہ پڑھا اور مشرف باسلام ہو کر فرمایا کہ اگر میرا دوست سعد بن معاذ اس لازوال دولت سے مالا مال ہو جائے

تو اسکی قوم بھی ایمان لانے میں کچھ تامل نہ کریگی اچھا میں جاتا ہوں اور مقدس اسلام کا جتھہ بڑھانے کی کوشش عمل میں لاتا ہوں۔

اسید بن حضیر آئے اور چونکہ نور ایمان کی شعاعوں نے چہرہ کی پچھلی تاریکی کو بالکل چھپا دیا تھا اور صورت میں بین فرق پیدا ہو گیا تھا اس لئے سعد بن معاذ نے دیکھتے ہی تاڑ لیا کہ اسید اس حالت سے واپس نہیں آتا جس حال میں یہاں سے روانہ ہوا تھا۔ اسیدؓ جب پاس آ گئے تو سعد نے دریافت کیا کہو کیا کارروائی کر کے لوٹے؟

اسید بن حضیر نے جواب دیا کہ بھائی صاحب آپ کا خیال غلطی پر تھا میں نے ان لوگوں سے گفتگو کی تو انکی پسندیدہ بے لاگ بے لپٹ نصیحتوں میں حق کا جلوہ نمودار اور سچائی کا اثر موجود پایا اس وقت میں آپ کے پاس اس غرض سے آیا ہوں کہ آپ کی قومی حمیت کا وزن کروں میں نے سُنا ہے کہ بنی حارثہ کی شریر قوم آپ کے خالہ زاد بھائی اسعد بن زرارہ کو قتل کرنے کے ارادہ سے گئی ہوئی ہے جلد اُٹھئے اور حق جوانمردی ادا کیجئے۔

سعد بن معاذ گو ابھی تک مشرک تھے لیکن قومی حمیت کا خون ان کی رگوں میں جوش مار رہا تھا اور وہ عصبیت کا مادہ جو شریف و بہادر مرد کے عنصر میں ہونا چاہئے اُن کے پٹھے پٹھے میں سرایت کئے ہوئے تھا۔ غصہ کے مارے کانپ اُٹھے اور یہ کہکر کہ کیا بنی حارثہ نابکار میری مہربان خالہ کے نور نظر کو میرے ہوتے نظر بھر کر دیکھ سکتے ہیں؟ تلوار میان سے نکال لی اور سیدھے اسعد بن زرارہ کے پاس آئے لیکن جب دیکھا کہ اسعد اور مصعب دونوں مطمئن بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے ہیں تو ششدر متحیر رہ گئے اور سمجھ گئے کہ یہ اُسید بن حضیر کی محض چال تھی۔

سعد بن معاذ نے اسعد بن زرارہ سے کہا کہ اگر میرے آپ کے درمیان قرابت و رشتہ داری نہ ہوتی تو آپ کو اس نئے دین کی ترویج پر جرأت ہرگز نہ ہوتی حضرت مصعب نے جواب دیا "کیا آپ منظور کر سکتے ہیں کہ چند لمحہ بیٹھ کر کلام الٰہی سُنکر حق و باطل میں تمیز کریں اگر پسند ہو تو قبول فرماویں ورنہ ہم بخوشی آپ کو چھوڑ جانے پر آمادہ ہیں"

حضرت اسعد بن زرارہ نے آج بھی سعد بن معاذ کو نرم پاکر کہا کہ بھائی صاحب پہلے سُنئے تو سہی کہ یہ شخص کہتا کیا ہے اگر درحقیقت گمراہ کرتا ہے تو آپ اس سے بہتر ہدایت کرنے والا طریقہ بتائیے تاکہ عوام الناس انھیں چھوڑ کر آپ کی اطاعت کریں اور راہ یاب ہوں ورنہ اس نعمت غیر مترقبہ کی قدر کیجئے اور ان کا وجود باجود غنیمت سمجھکر ان کا کہا مان لیجئے یہ سُنکر سعد بن معاذ معاً بیٹھ گئے اور حضرت مصعب نے بسم اللہ پڑھکر قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھکر سُنائیں۔ حٰم والکتاب المبین انا جعلناہ قرآنا عربیا لعلکم تعقلون o وانہ فی ام الکتاب لدینا لعلی حکیم الخ

امر حق نے اپنی حلاوت بہت جلد سعد بن معاذ کے قلب تک پہنچادی اور ان کی زبان سے بھی وہی کلمہ نکلا جو تھوڑی دیر پہلے اسلام قبول کرنے کی صورت دریافت کرنے کے بارے میں حضرت اُسید کی زبان سے نکلا تھا۔

چنانچہ اسی وقت سعد بن معاذ نے غسل سے فارغ ہو کر کلمۂ شہادت پڑھا اور اپنی قوم میں جاکر پکار دیا کہ "اے بنو عبدالاشہل میں تم میں افضل اور سردار شمار ہوتا ہوں میں مسلمان ہو چکا تمہارے مردوں اور عورتوں سے

مجھ کو کلام کرنا حرام ہے جبتک کہ وہ اسلام سے مشرف نہ ہوں۔

ابھی تک شام نہ ہونے پائی تھی کہ بنو عبد الاشہل کے قبیلہ کا ہر گھر اسلام کا شیدا اور سچا کلمہ گو ہو گیا۔ کوئی مرد ایسا نہ تھا جو مسلمان نہ ہو گیا ہو اور کوئی عورت ایسی نہ تھی جو ایمان نہ لے آئی ہو۔

حضرت مصعب بن عمیر برابر اپنے کام میں مشغول رہے اور چندہی روز میں یثرب کے نصف سے زیادہ حصہ میں اسلام پھیل گیا اور اسی سال مدینہ میں جمعہ قائم ہوا۔ والحمد للہ علےٰ ذلک۔

باب (۲۸) سنہ ۱۲ نبوی

معراج۔ آپ کی عمر شریف اکیاون برس آٹھ مہینے بیس روز کی اور نبوت کا بارھواں سال رجب کا مہینہ ستائیسویں شب اور وہ شنبہ کا روز تھا کہ آپ کو معراج کا رتبہ عنایت ہوا۔

اس افضل تر واقعہ کے بیان میں بعض کوتاہ اندیش شعرا اور غیر محتاط واعظین نے رطب و یابس جھوٹی سچی روایتوں کی بندش سے لغزش کھائی ہے لیکن ہمارا خیال ہے کہ جب نفس الامر یہ واقعہ بزرگ ترین واقعات سے موسوم ہے تو مخترعہ بیانات سے زبانِ قلم کیوں ملوث کی جائے۔

درحقیقت بناؤ سنگھار کی ضرورت ایسے چہرہ کو ہے جس کا قدرتی نکھار دیکھنے والوں کے دل اپنی طرف مائل نہ کرسکے اور جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ کسی حسین سہ جمال کا دلفریب حسن فی الواقع بناوٹ اور تصنع کا محتاج نہیں تو اسکی سیدھی سادی دلربا ادائیں اور بھولی بھالی جگر خراش باتیں بھی دل میں جگہ پکڑتی اور کلیجہ کے پار ہو جاتی ہیں۔

اگر سمجھا جائے تو تمام بنی آدم کے لئے فخر کا مقام ہے کہ ان کے سردار افضل موجودات نے صرف ایک آن میں بحالتِ بیداری عالم علوی کی سیر کی اور وہ وہ عجائبات دیکھے کہ باید و شاید۔

مفسرین و علماء اسلام کا گو اس میں بہت کچھ اختلاف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج بحالتِ بیداری ہوئی یا خواب میں جسمانی ہوئی یا روحانی تاہم صحیح تر یہی قول ہے کہ آپ نے بیداری کے عالم میں اسی جسم سے عالم ملکوت کی سیاحت کی اور گو جدید و قدیم فلسفہ کے منہمک نئی روشنی کے خیالی تہذیب منش اس کو مستبعد سمجھتے اور خلاف قیاس کہکر مورد لوم و اعتراض بنتے ہیں۔ لیکن حیرت ہے کہ جب خود عیسائی عیلےٰ اور حضرت الیاس علیہما و علی نبینا السلام کے جسمانی طور پر آسمان پر چڑھ جانے کو مانتے ہیں تو معراج محمدی کا جسمانی حیثیت سے کیوں انکار کرتے ہیں۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یوں تو معراج ہو نتیس مرتبہ ہوئی لیکن وہ مشہور معراج جو کہ قابل فخر حلۂ آدم ابوالبشر سے عیسیٰ روح اللہ تک تمام انبیاء علیہم السلام کے گروہ میں صرف مسند الاصفیا احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنایا گیا ایک مرتبہ ہوئی ہے جس کا سچا قصہ ہم بیان کرنا چاہتے ہیں۔

بعض کتب تواریخ و سیر سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائے نبوت سے ابتک ہادیٔ اسلام اور متبعین خیر الانام پر شب و روز

کے چوبیس گھنٹہ میں صرف دو مرتبہ نماز پڑھنا فرض تھا ایک دن کے شروع حصہ میں جس کو صلوۃ فجر کہنا چاہئے اور دوسرے نہار کے آخری حصہ میں جس کا نام عشاء اولی یا صلوۃ مغرب ہے۔ واللہ اعلم مگر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تہائی اور آدھی آدھی رات عبادت فرماتے تھے۔

عالم تاب آفتاب اپنی روزانہ مسافت طے کر چکا اور دنیا والوں کی نظر سے اوجھل ہو کر دیر ہوئی اپنی چمکدار شعاعوں کو سمیٹ افق مغرب میں جا چکا تھا کہ آفتاب نبوت کے جلوہ افروز ہونے کا وقت آیا اور اللہ کے بزرگ فرشتے روح الامین نے باری تعالیٰ اسمہ کا واجب الاذعان فرمان پاکر ایک منتخب قبول صورت میانہ قد جنتی سفید مرکب جس کا نام براق ہے دولت خانہ سلطان انسان وجان کے دروازہ پر اس وقت لاکھڑا کیا جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دن کی آخری نماز سے فارغ ہو کر اپنی چچازاد بہن ام ھانی دختر ابو طالب کے گھر خواب استراحت فرما رہے تھے۔

جبرئیل امین نے سرور کونین کو خادمانہ آداب ملحوظ رکھکر بیدار کیا اور حطیم میں لا کر چوتھی مرتبہ سینہ مبارک چاک کیا قلب مبارک طلائی طشت میں آب زمزم سے دھویا ایمان وحکمت اور تجلیات الٰہی سے معمور بنا کر سی دیا اور مژدہ سنایا کہ فلکی سیاحت کے لئے تیار اور عالم علوی کے عجائبات کی سیر کے لئے بنے ٹھنے براق پر سوار ہو جیئے تاکہ مجھ کو رکاب پکڑنے کی عزت حاصل کرنے اور میکائیل کو باگ تھامنے کی خدمت سے ملاء اعلیٰ پر فخر کرنے کا موقع ملے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم براق پر سوار مسجد حرام سے یثرب کے نخلستان جہاں چندروز بعد ہجرت کرنی تھی اور طور سینا جس پر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ پاک سے باتیں کی تھیں اور بیت لحم جہاں عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے کو قطع فرماتے اور دو دو رکعت ان متبرک مقامات پر ادا کرتے بیت المقدس پہنچے جہاں حضرت آدم سے لیکر حضرت عیسیٰ تک جس قدر انبیاء مبعوث ہوئے سب آپ کے منتظر اور نماز میں آپ کا اقتدا کرنے کے متمنی تھے۔

آپ کا خوش قسمت براق اس دروازہ کے حلقہ سے باندھا گیا جو اب تک باب محمدؐ کے نام سے مشہور ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مسجد اقصےٰ میں جس کو ہر طرف سے اللہ کی برکتیں گھیرے ہوئے ہیں ابتداءً تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں نہایت خشوع وخضوع سے ادا کیں۔ اسی موقع پر اللہ کی نورانی مخلوق ملائکہ اور تمام انبیاء علیہم السلام نے اللہ کی حمد وثنا بیان کرنے کے بعد آپ پر کمال شوق وذوق سے درود بھیجا اور اعتراف کیا کہ بیشک احمد مجتبیٰ ہم سب سے افضل ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا ہم پر فرض ہے۔

اس مقام پر مسلمانوں کو جس بات کا یقین کرنا ضرور ہے وہ یہ ہے کہ یہ مقدس مجمع انبیاء علیہم السلام کی بلاجسد ارواح کا نہ تھا بلکہ سب مجسم اور اپنی اس شکل وشباہت میں تھے جو ان کو دنیا میں عطا ہوئی تھی۔ غرض اذان ہوئی اور سب نے وضو کیا تکبیر ہوئی کور فوج کے سپہ سالار کو امام بنایا گیا تمام انبیاء وملائکہ مقتدی بنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھائی۔ فارغ ہونے پر باہر تشریف لائے اور جبریل امین نے دو پیالے جس میں ایک خمر سے بھرا ہوا تھا اور دوسرے

دودھ چھلک رہا تھا لا سامنے کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دودھ کا پیالہ لیا اور سیر ہو کر پی لیا روح الامین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مبارک ہو اگر آپ خمر کا پیالہ لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہوتی کیونکہ پیشوائے اُمت کا اس وقت جامِ شیر لینا اور دودھ کا پی لینا اس کی امت کے لئے فالِ نیک اور ہدایت کا ذریعہ ہے۔

حضرت میکائیلؑ باگ پکڑے اور حضرت جبرئیلؑ رکاب تھامے ہوئے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نورانی براق پر سوار آسمانوں کی سیر کرتے اور ہر آسمان پر ان انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کرتے جو ان کے لئے مقام تجویز ہو چکے تھے اس سدرۃ المنتہٰی پر جا پہنچے جس کی جڑ چھٹے آسمان میں اور شاخیں فلک ہفتم پر واقع ہیں۔

سدرۃ عربی میں بیری کے درخت کو کہتے ہیں اور چونکہ فرشتوں کی آمد و رفت وہیں تک ہے اس کے آگے قدم بڑھانا ذی روح مخلوق کی طاقت سے باہر ہے اس لئے اس کا نام منتہٰی ہے۔ یہی وہ مبارک درخت ہے جو چاروں طرف انوار تجلیات سے گھرا ہوا اور جس کے عجیب الخلقت پتّہ پتّہ پر ایک ایک فرشتہ اللہ کی تسبیح میں مشغول ہے اور اسی سے چار نہریں جاری ہیں دو باطنی جو چمنستانِ جنت میں رواں ہیں اور دو ظاہری جن میں ایک کا نام دریائے نیل ہے اور دوسرا دریائے فرات کہلاتا ہے۔ آسمانوں ہی پر آپ بیت المعمور کی زیارت کر چکے تھے جو ملائکہ کا کعبۂ مقدس معبد دنیا کے خانۂ کعبہ کے عین محاذات میں واقع ہے اور جس کا طواف کرنے کو ہر روز ستّر ہزار فرشتے آتے ہیں اور جو ایک بار طواف کر چکے وہ قیامت تک دوبارہ طواف کرنے نہ آئیں گے۔

اب آسمانِ ہفتم پر ایک نہر نظر آئی جو زمرد و یاقوت کے سنگریزوں پر جاری تھی جس کا خوشگوار پانی شہد سے زیادہ شیریں اور دودھ سے زیادہ سپید تھا جس میں سونے چاندی کے کٹورے یاقوت زبرجد کے آبخورے پڑے بہہ رہے تھے اس کو دیکھ کر آپ نے جبرئیلؑ سے دریافت کیا کہ اس نہر کا نام کیا ہے۔ جبرئیل امین نے عرض کہ یا رسول اللہ یہ نہر کوثر ہے جو آپ کو عطا ہوئی اور قیامت کے دن کی ناقابلِ برداشت سخت گرمی کے وقت آپ کی پیاسی اُمتِ مرحومہ کو سیراب کرنے والی ہے۔

سدرۃ المنتہٰی پر پہنچ کر روح الامین نے رخصتی سلام کیا اور یہ کہہ کر کہ آگے قدم رکھنا سوائے آپ کے دوسرے کا کام نہیں ہے واپس ہونے کی اجازت چاہی آپ کو سوائے اجازت چارہ ہی کیا تھا۔ جبرئیل امین کو رخصت کیا البتہ یہ دریافت فرمایا کہ اے میرے رفیق اگر کوئی درخواست باسید قبولیت ہو تو میں بارگاہِ رب العزۃ میں منظور کرانے کی جرأت کر سکتا ہوں جبرئیل امین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ بس یہ خواہش ہے کہ تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک پل صراط قیامت کے دن جب دوزخ پر قائم کی جائے اور لوگوں کو اس کے عبور کرنے کا حکم ہو تو مجھ کو اجازت مل جائے کہ اپنے پَرْ اس پر بچھادوں تاکہ اس پر چلنے والے فرفر چلے جائیں اور کٹ کٹ کر دوزخ کے عمیق تک بڑے بڑے انگاروں کی خوراک نہ بنیں۔

یہ وہ وقت تھا کہ آپ پیادہ پا تنہا کسی عالی شان دربار اور کسی بے پایاں بڑی سرکار میں جانے والے تھے بظاہر نہ کوئی راہبر ساتھ تھا نہ مونس و غمگسار نہ رفیق ہمراہ تھا نہ یار و مددگار کسی غیبی راہبر کی اعانت پر آپ نے قدم آگے بڑھایا اور جبروتی شان و عظمت اور جلال کبریائی کی دہشت کے وہ حیرت انگیز آثار قلب پر نمودار ہو چلے جو حکم الحاکمین کے حضور میں حاضر ہونے والے مقرب بندہ کے پاک اور بے عیب دل پر ظاہر ہونے چاہئیں۔ گو مشتاقانہ بے خودی کی کیفیت طاری تھی اور خوف و اضطراب کی حالت ہویدا حیرت کا عالم اور دہن مبارک پر مہر خاموشی۔ یکایک آپ کے تیجے رفیق ابو بکر صدیق عتیق کی آواز و لہجہ میں کسی طرف سے ندا آئی کہ قف یا محمد فان ربک یصلی "ٹھیر اے محمد کیونکہ تیرا پروردگار نماز پڑھ رہا ہے" گویہ کلمات سنکر آپ کو حیرت ہوئی کہ یہاں ابو بکرؓ کی آواز کہاں اور بے نیاز پروردگار کی نماز کیسی؟ تاہم دل کی وحشت اور قلب کی دہشت آواز کے ختم ہوتے ہی کافور ہو چکی تھی ڈھارس بندھ گئی تھی اور اطمینان و فرحت کے آثار پیدا ہو گئے تھے ناگاہ دوسری ندا آئی کہ ادن یا خیر البریۃ ادن یا احمدؐ ادن یا محمدؐ "پاس آجا اے بہترین مخلوقات پاس آجا اے احمد پاس آجا اے محمدؐ" بس ثم دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی "پھر نزدیک ہوا اور اُتر آیا پس فاصلہ رہ گیا دو کمان کی برابر یا اس سے بھی زیادہ قریب"۔ اس مرتبۂ قرب کا اظہار جو سرورِ کائنات کو بارگاہِ احدیت سے ہوا بشری قوت بیانیہ سے باہر ہے۔

آپ رویائے باری تعالیٰ سے مشرف ہوئے اور جو کچھ عز اسمہٗ سے راز و نیاز کی باتیں ہوئیں ان کو کوئی کیا جانے فاوحی الی عبدہٖ ما اوحی "پھر اللہ نے وحی بھیجی اپنے بندے کی جانب جو کچھ بھی وحی بھیجی" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے پروردگار عزّ اسمہٗ نے اس موقع پر میرے کندھوں پر بلا تکلیف و بے تحدید ہاتھ رکھے جس کی برودت کا اثر قلب پر ظاہر ہوا اور مجھ پر اولین و آخرین کا علم منکشف ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار پہلی غیبی آواز کا مطلب کیا تھا۔ ابو بکرؓ کی آواز یہاں کہاں اور تیری بے پرواہ سزاوارِ حمد کی نماز کیسی؟ جواب ملا کہ پیارے محمدؐ میں تو نماز سے بے نیاز ہوں اس صلوٰۃ سے مراد جو یصلی کے لفظ میں مستتر تھی وہ خاص رحمت ہے جس کا مورد تو اور تیری مرحوم امت ہے اس وقت میری بے پایاں رحمت نازل ہو رہی اور تیرا استقبال کر رہی تھی اور یہاں عالم لامکان میں تیرے دنیا و آخرت کے پیارے دوست ابو بکر کی سی آواز کا سنائی دینا محض تیری انسیت اور عارضی دہشت کے رفع ہونے کی غرض سے تھا کیا تجھے یاد نہیں کہ کوہ طور پر موسیٰ کلیم اللہ سے ہم کلام ہوتے وقت میں اس کی ہر وقت ہاتھ میں رہنے والی لاٹھی کا ذکر چھیڑ دیتا اور پوچھتا تھا کہ ما تلک بیمینک یاموسیٰ "اے موسیٰ یہ تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے" اور اس سے بھی مقصود صرف اس کو مانوس بنانا اور اس رعب و وحشت کا زائل کرنا ہوتا تھا جو خالق جل شانہ سے ہمکلام ہوتے وقت بشر کے مخلوق قلب پر طاری ہونی لازمی اور ضروری ہے۔ واللہ اعلم۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم محویت میں مستغرق تھے کہ بارگاہ احدیت سے بطور یاد دہانی ارشاد ہوا کہ ہاں اے محمدؐ وہ جبرئیلؑ کا سوال کیا تھا جس کا ذکر کرنا تم کو یاد نہیں رہا؟ ہم نے اس کی دعا قبول کی لیکن اسی کے لئے جو تم سے محبت کرے کیونکہ اس نعمت کا وہی مستحق ہو سکتا ہے جو میرے پیارے محمدؐ کو پیارا سمجھے۔ اسی موقع پر آپ اور آپ کی امت پر رات دن میں پچاسؔ وقت کی نماز فرض ہوئی اور اس کے بعد اللہ کے مہمان نے سبز رفرف پر سوار ہو کر عرش کی سیر کی اور واپسی کے وقت عرض کیا کہ بار الٰہا ہر سفر سے آنے والا شخص اپنے ہموطن اقارب اور احباب و آشنا کے لئے تحفہ ضرور لیجاتا ہے ارشاد فرمایا کہ میں اپنی پیاری امت کو کیا ہدیہ پیش کروں جواب ملا کہ پیارے محمدؐ میں تیری امت کا زندگی کے اوقات میں معین اور آخرت کے لئے سفر شروع کرتے وقت موت کی حالت میں مددگار رہوں گا۔ تنگ و تاریک قبر کے گڑھے میں اُن کا رفیق اور قبور سے اُٹھتے وقت ہولناک حشر کے میدان میں ان کا انیس بنوں گا یہی تیری امت کے لئے اس سفر کا بیش قیمت تحفہ ہے جس کے سامنے ہفت اقلیم کی لاکھوں برس کی فانی سلطنت بھی بے وقعت ہے فطوبیٰ لکم یا امۃ محمدٍ وبشریٰ لکم وصلی اللہ علی عبدہٖ وصفیہٖ محمدٍ وآلہٖ وسلم۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت و دوزخ لوح و قلم عرش و کرسی غرض تمام عجائبات علوی کی سیر کر چکے اور واپس ہوئے تو حضرت موسیٰ کلیم اللہ پر گذر ہوا موسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا کہ کہو اے محمدؐ تمہاری اُمت پر کس قدر نمازیں فرض فرمائیں؟ آپ نے جواب دیا کہ پچاسؔ۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا محمدؐ میں قوم بنی اسرائیل کو ایک زمانہ دراز تک آزما چکا اور تجربہ کار بن چکا ہوں۔

تمہاری ضعیف الجثہ اُمت روزانہ پچاس وقت کی نماز ادا نہ کر سکے گی۔ جاؤ اپنی امت پر رحم چاہو اور تخفیف کا سوال کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس ہوئے اور بارگاہ صمدیت میں نہایت عاجزی سے حکم میں تخفیف چاہی اور دس نمازوں کے معاف ہونے پر موسیٰ علیہ السلام کے پاس پھر آئے اور موسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ کہا کہ چالیس وقت کی نمازوں کا متحمل ہونا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ جاؤ اور رحم کے آرزومند بنو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر لوٹے اور فرض نمازوں کے کم ہونے کا سوال کیا۔ اس مرتبہ پھر دسؔ نمازیں معاف ہوئیں۔ اور تیس نمازوں کا حکم لیکر آپ پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس لوٹے۔ غرض موسیٰ علیہ السلام کی خیرخواہانہ تجربہ کی نصیحت کے موافق بار بار کی آمد و رفت کے بعد پانچویں مرتبہ دن رات میں صرف پانچ نمازوں کی فرضیت باقی رہی اور حکم ہوا کہ پیارے محمدؐ پانچ نمازیں ادا کرنے پر ثواب پچاس نمازوں کا عطا ہو گا اس لئے کہ تیری مرحومہ اُمت کی ایک نیکی پر ہماری بے نیاز سرکار سے ہمیشہ دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرحان و شاداں لوٹے اور گو موسیٰ علیہ السلام نے اس مرتبہ بھی کہا کہ اے محمدؐ پھر جاؤ اور تخفیف چاہو لیکن آپ نے یہ جواب دیکر کہ اب بار بار اپنے پروردگار سے سوال کرتے مجھ کو شرم آتی ہے چھٹی مرتبہ

مراجعت نہیں کی اور رخصت ہو کر عالم دنیا کو اپنے وجود باجود سے اعزاز بخشا ابھی تک آپ کا بستر مبارک گرم تھا کیونکہ اس ہزاروں برس کی مسافت کا ایک آن میں طے ہونا ایک قدرتی کرشمہ تھا جس کو وقت یا زمانہ کی ضرورت نہ تھی۔

عالم غیر محسوس کی مثال دیکھئے تو اللہ کی نورانی مخلوق مجسم نور ملائکہ کے گروہ میں ہر فرد کا عرش سے فرش تک کی ہزارہا برس کی مسافت کا وقت کم سے کم حصہ میں طے کرنا نقلاً مستبعد نہیں اور محسوسات پر نظر کیجئے تو نگاہ کے پتلے ڈورے کا زمین سے آسمان اور آسمان سے زمین تک ایک آن میں چکر لگا لینا عقلاً ثابت اور دن میں کئی کئی بار ہر شخص کیلئے واقع ہے پھر اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج کا انکار کیا جائے تو ایسے ہٹ دھرم شخص کو اللہ کی قدرت کا منکر اور بدیہیات کا جاحد کہکر کیوں نہ کافر مانا جائے۔ عیاذاً باللہ۔

صبح ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب معراج کا ماجرا من وعن لوگوں سے ذکر کیا۔ اکثر ضعیف الاسلام مسلمان بھی مرتد ہو کر آپ کی ہنسی اڑانے لگے سرکش بت پرست قوم کو طعنہ زنی کا موقع ہاتھ آیا اور آپ کا مخول اڑاتے ابوبکر رض کے پاس پہنچے اور کہا "لیجئے حضرت آپ نے اپنے دوست کی نئی گھڑی ہوئی رات کی کہانی بھی سُنی۔؟

وہ کہتے ہیں کہ میں بیت المقدس ہوتا ہوا آسمانوں کی سیر کر آیا اور ایک آن میں بحالت بیداری جنت و دوزخ سب کچھ دیکھ آیا (ابوبکر نے جواب دیا کہ میرا پیشوا اللہ کا پیارا پیغمبر جو کچھ بھی کہتا ہے بیشک سچ کہتا ہے اللہ کی قدرت اور رسول کے مرتبہ قدرت کا انکار محض تمھاری کوتاہ اندیشی والحاد کا منشا ہے اسی وجہ سے ابوبکر کا لقب صدیق ہوا۔ اس لئے کہ انھوں نے دولت تصدیق وایمان سے اپنا دامن سب سے پہلے بھرا

چونکہ حضرت ابوبکر رض ابھی تک اپنی قوم میں با وقعت اور راست گو سمجھے جاتے تھے اس لئے مشرکین کو اطمینان دلانے کی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ علیک وسلم میں نے بیت المقدس دیکھا ہے آپ اس کا نقشہ کھینچکر مجھ کو اس کی صورت بتایئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مفصل حالات اور مسلسل کیفیت بیان فرمائی موجودہ کفار نے سوال بھی کیا تو ایسا جس کی جانب سیر کرنے والے کو توجہ بھی نہیں ہوتی دریافت کیا کہ اچھا بتایئے کہ اس مقدس مکان کے دروازے کتنے ہیں اس میں طاق کس قدر ہیں چھت کی کڑیاں کے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بے سرو پا سوال کے جواب میں کچھ تأمل ہوا اور اللہ پاک نے فوراً بیت المقدس کو فرشتوں کی غیر معمولی قوت کی وساطت سے اپنے رسول کی نظر کے سامنے لا رکھوایا آپ اس کو دیکھتے جاتے اور کڑیاں طاق دروازے در شمار کر کے بتلاتے جاتے تھے لیکن اس پر بھی ازلی بدبخت آپ کو ساحر اور مجنون ہی پکارتے رہے۔

کلام مجید کے سادہ الفاظ نے اس قصّہ کو صراحۃً صرف اس قدر بیان کیا ہے کہ پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندے

کو مسجد حرام سے اس مسجد اقصیٰ تک جس کے گرد اگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں تاکہ ہم اس کو دکھائیں اپنی قدرت کے کچھ نمونے بیشک وہی سننے والا دیکھنے والا ہے" باقی کچھ اس کا بیان سورۂ نجم میں مذکور ہے بہرحال صرف مسجد حرام سے اقصیٰ تک چالیس رات تک کی مسافت کا اس رات میں قطع ہونا اس لئے مذکور ہوا کہ کفار قریش میں یہی متنازع فیہ امر تھا اور اس کی بابت پوچھ گچھ بھی شروع کی تھی اس لئے فلکی سیاحت کی نفی لازم نہیں آتی۔

باب (۲۹) ۱۳ سنہ نبوی

بیعت عقبہ ثانیہ اور ابو بکر کا ارادۂ ہجرت۔ حج کی رسم زمانہ اسمٰعیل علیہ السلام سے اب تک اہل عرب میں جاری تھی اور گو اس کے پاک ارکان کو کفار نے اپنی جہالت و بت پرستی کی رسوم سے بدل لیا تھا اور گویا اس زمانہ میں اللہ کا شریک ٹھیرانا، پتھر کی مورتوں، دیوی، دیوتاؤں کو معبود اور حاجت روا ماننا، ان کے گرد پھرنا اصل حج سمجھ رکھا تھا۔ وہ اللہ کا باعزت گھر جو مرجع خلائق اور دنیا بھر کے فرمان بردار بندوں کا معبد ہے ایک مندر بنا رکھا تھا جس میں تین سو پینسٹھ ۳۶۵ بت ایستادہ تھے۔

حضرت مصعب بن عمیر قبیلہ بنو عبدالاشہل کو مقدس مذہب کے مسائل کی تعلیم دینے میں شب و روز مصروف تھے ماہتاب اسلام اپنی بے عیب روشنی کی چمکدار شعاعیں یثرب کی سطح زمین پر برابر ڈال اور روز بروز ترقی کر رہا تھا مسلمانان مدینہ اپنے پیشوا سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جمال جہاں آرا پر غائبانہ عاشق اور شرف زیارت حاصل کرنے کے غایت درجہ مشتاق ہوچکے تھے یہاں تک کہ کفار کے ایک جم غفیر کا اسی رسم شرک کی تلویث سے حج کرنے اور مکہ آنے کا ارادہ ہوا اور چند دلدادہ مسلمانوں نے انھیں کے ہمراہ مکہ کا سفر کر دیا اور درحقیقت ان مسلمانوں کی نیت یہ تھی کہ اپنے روحانی باپ کو اپنے شہر میں بلائیں۔

سنہ ۶۲۲ عیسوی مطابق ۱۳ سنہ نبوی کے شروع ماہ ذی الحجہ میں تہتر ۷۳ مرد اور دو ۲ عورتیں کل پچھتر ۷۵ مسلمان اپنے بت پرست بھائیوں کے ساتھ مکہ میں آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس خفیہ پیغام بھیجا کہ ہم جاں نثاران کو شب کے آخری حصہ میں قدم بوسی کی عزت بخشئے اور اسی عقبہ پہاڑ پر جہاں ہمارے سابق الاسلام بھائی قول و قرار کر چکے ہیں ہم کو بھی بیعت کر لیجئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے چچا عباس کے ساتھ جو اس وقت مسلمان نہ تھے لیکن اپنے بھائی ابو طالب کے انتقال پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حامی و مددگار اور قومی ہمدردی و کنبہ داری کی حیثیت سے اپنے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خیرخواہ اور محافظ و نگہبان تھے وسط ایام تشریق میں تہائی رات گذرنے کے بعد عقبہ پہاڑی پر اس جگہ تشریف لائے جو پہلے سے نو وارد یثربی مسافروں کی ملاقات کے لئے تجویز ہو چکی تھی وہ لوگ بھی اپنی بت پرست مشرک قوم سے چھپکر آہستہ آہستہ قدم بڑھائے اس جگہ آپہنچے اور ماہتاب نبوت کے گرد ہالہ کی طرح مؤدب ہو بیٹھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ضرورت نہ تھی کہ ان دلدادہ اہل مدینہ کو ان سب بکھیڑوں اور مصیبتوں سے

مطلع کریں جوان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے پیش آنے والی تھیں اس لئے کہ وہ خود بھی سمجھے ہوئے تھے کہ بحالت موجودہ اسلام ضعیف اور مسلمان بدرجۂ غایت کمزور ہیں ان کو کافروں کی طرف سے سخت ایذائیں پہنچتی ہیں ان کو تیر ملامت کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور سخت کلامی و تیز زبانی کے وہ جگر خراش زخم پہنچائے جاتے ہیں جن کا تحمل درحقیقت عاشق رسول ؐ ہی کا کام ہے۔

عباس نے گفتگو میں پیش قدمی کی اور کہا کہ اے جماعت خزرج تم کو معلوم ہے کہ محمدؐ ہم میں باعزت شمار ہوتا اور بڑے جتھہ کی حفاظت و امن میں رہتا ہے گو اس کے مخترعہ مذہب کے باعث اس کے مخالف زیادہ ہوگئے پھر بھی وہ جس نگاہ وقعت سے دیکھا جاتا ہے شاید دوسرے کو حاصل نہیں اس لئے کہ وہ مخالف درحقیقت اس نئے دین کے مخالف ہیں محمدؐ کے دشمن نہیں ہیں لیکن محمدؐ ان بیجا مخالفتوں سے پریشان ہو کر تمہارے ساتھ جانا پسند کرتے ہیں۔ اب تم اپنی قوت و ہمت پر ایک نظر ڈال کر اندازہ کر لو اگر تم اس کے جاد بیجا ہر حکم کی تعمیل کر سکو اور اس کو ہر چھپے اور کھلے دشمن سے بچا سکو تو تم کو اختیار ہے محمدؐ کو اپنے ساتھ لیجاؤ اور اگر یہ تمہاری طاقت سے باہر ہے اور تم کسی آنے والے زمانہ میں دست کشی کا خیال کرتے ہو تو بہتر ہے کہ ابھی صاف جواب دیدو تا کہ محمدؐ کی یہ موجودہ عزت و حفاظت قائم و برقرار رہے نو وارد انصار نے جواب دیا کہ عباس جو کچھ تم نے کہا ہم نے سن لیا اب ہم اپنے پیشوا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ آپ ہم سے کیا چاہتے اور خاص اپنے اور اپنے اللہ کے لئے کیا عہد لیتے ہیں جس کا ایفا ہمارے ذمہ ضروری ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اول ان کو محاسن اسلام سمجھائے کلام مجید کی چند آیتیں پڑھکر سنائیں، پاک مذہب اسلام کی خوبیوں میں رغبت بڑھائی اور فرمایا "اللہ کے لئے یہ عہد ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور میرے لئے یہ ہے کہ جو میں کہوں سنو اور مانو رنج میں خوشی میں افلاس میں تونگری میں میری اطاعت کرو تابعدار رہو اللہ واسطے خرچ کرو حق بات کے اظہار میں کسی ملامت کرنے والے کا خوف نہ کرو مجھ کو اپنی جان و مال سے زیادہ عزیز سمجھو اور جس طرح اپنے بچوں اور عورتوں کی حفاظت کرتے ہو ویسی ہی میری حفاظت کرو" آپ کے یہ نصیحت آمیز کلمات سنکر سب سے پہلے سید الانصار حضرت براء بن معرور الغنمی الکعبی السلمی الخزرجی نے ہاتھ بڑھایا اور کہا کہ یا رسول اللہ ہم کو سب منظور ہے دست مبارک بڑھائیے اور بیعت کر لیجئے۔

ابو الهیثم بن نیہان نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ایک بات اور سن لیجئے آپ کو معلوم ہے کہ ہم لوگ جاں باز لڑنے والے اور قتل و قتال کے عادی و خوگر ہیں ہم میں اور قوم یہود میں آجکل مصالحت اور اتحاد و ارتباط کا تعلق ہے آپ پر ایمان لائے پیچھے اس باہمی اتصال کا نقض ہو جاوے گا اور ہم یہودیوں کے دشمن بنکر آپ کے ساتھی ہوں گے اور دشمنوں سے لڑیں گے جب غلبہ و نصرت آپ پر سایہ کرے اور اقبال آپ کے مبارک پیروں کے نیچے تلوؤں کو بوسہ

دے تو کیا آپ ہم لوگوں کو چھوڑ کر مکہ چلے آئے گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسکرا کر جواب دیا نہیں نہیں کبھی نہیں تمہارا خون میرا خون ہے تم میرے ہو میں تمہارا ہوں جات من باجان شماوتن من باتن شما منزل من باشما وقبر من در شما میں اس کا ساتھی جس کے تم ساتھی اور جس کے تم دشمن اس کا میں دشمن آؤ اور اپنی قوم میں سے بارہ آدمیوں کو چن کر اپنا نقیب مقرر کرو جو اپنی ماتحت رعایا کے نگہبان حاکم قرار پائیں چنانچہ یہ فخر خزرج میں سے نوؔ اور قبیلہ اوس میں سے تینؔ آدمیوں کو حاصل ہوا۔

حضرت عباس بن عبادہ بن نضلہ انصاری نے معاہدہ کی پختگی اور استحکام کے اظہار کی غرض سے اپنی قوم کو مخاطب بنا کر کہا کہ اے جماعت خزرج تم جانتے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کس سخت معاملہ پر بیعت کرتے ہو؟ تم بیعت کرتے ہو روم وفارس سے لڑنے اور ایسی سخت لڑائیوں میں ثابت قدم رہنے پر جن کا قابل فخر ذکر خیر قیامت کے قائم ہونے تک قائم رہے گا تم خوب سوچ سمجھ لو اگر تمہارے عزیز مال برباد اور ضائع ہوں تمہارے سردار وشرفا رقتل ہوں تو وعدہ کے ایفا کی بابت تمہارا کیا خیال ہوگا؟ اگر ایسی جانکاہ مصیبتوں میں تم اپنے دینی پیشوا کی تابعداری نہیں کر سکتے تو گویہ بدنصیبی وشقاوت ہے لیکن عقل کے اقتضاء کے موافق ابھی سے دست بردار ہو جانا بہتر ہے اور اگر اس کٹھن منزل میں تمہارے باہمت قدم ڈگنے والے نہیں تو بسم اللہ اس دنیا وآخرت کی بہبودی کو اس سے پہلے لو کہ کوئی دوسری خوش قسمت قوم اس کے حاصل کرنے کے درپے ہو جائے وہ لوگ بولے کہ یا رسول اللہ فرمایئے اگر کسی حالت میں بھی ہم آپ کے حلقہ بگوش غلام بنے رہے اور آپ کے مقابلہ میں مال کا جان کا عزیز واقارب کا اور اپنے سرداروں کا تباہ وبرباد ہو جانا خیال میں نہ لائے تو اس کا صلہ ہم کو کیا ملیگا؟ آپ نے فرمایا کہ "عقبیٰ کی خوشی جنت کا پُرفضا باغ" تب ہر ایک نے نہایت خوشی سے آپ کا ہاتھ مانگا اور بڑی پختگی سے اس پر بیعت کی۔ عقبہ کا دوسرا معاہدہ اس طور پر ختم ہو گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نو مسلم اہل یثرب کو رخصت کر کے واپس تشریف لے آئے۔

صبح ہوئی اور پوشیدہ خبر سارے شہر مکہ میں مشہور ہو گئی چنانچہ قریش ایک بڑی جماعت کے ساتھ اہل یثرب کے کارواں میں آئے اور کہا کہ اے اہل مدینہ ہم نے سنا ہے کہ تم لوگ رات محمدؐ کے ساتھ ہم سے لڑنے پر عہد وپیمان کر کے آئے ہو اگر یہ صحیح ہے تو ہمارا تم سے اور تمہارا ہم سے زیادہ دشمن کوئی نہیں لیکن ان مشرکین مدینہ نے جو اس قافلہ میں موجود تھے قسم کھا کر ان کو اطمینان دلایا کہ یہ محض افواہ اور بازاری خبر ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔ اور درحقیقت ان مشرکین مدینہ کو اس خفیہ کارروائی کی کچھ اطلاع بھی نہ تھی آخر قافلہ نے کوچ کر دیا اور اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو قریش پہلے سے بھی زیادہ تکلیف پہنچانے لگے۔

ابھی تک مسلمانوں کو کافروں پر جہاد کرنے اور اپنی ایذاؤں کا انتقام لینے کا حکم نہ ہوا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کو مکہ چھوڑ کر دوسری جگہ جانے کی اجازت نہ ملی تھی اس لئے گو ان نو وارد یثربیوں نے ہر چند اپنے قافلہ کے ان مشرکوں قلع قمع کرنے کی اجازت چاہی جو اس وقت منیٰ میں مقیم تھے مگر آپ نے اجازت نہ دی اور اگرچہ انھوں نے آپ کو اپنے ہمراہ مدینہ لے چلنے کی بابت بھی زیادہ اصرار کیا لیکن آپ نے نہ مانا اور یہی فرمایا کہ ابھی مجھ کو حکم نہیں ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب دیکھا کہ مسلمان کفار کی ایذا دہی کے تختۂ مشق بن رہے ہیں اور کچھ عجب نہیں کہ سب کے سب قتل کر دیئے جائیں تو آپ نے ان کو اجازت دی اور ہدایت کی کہ تم لوگ بھی یثرب کو چلے جاؤ چنانچہ سب سے پہلے حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد نے مکہ چھوڑ کر مدینہ کو وطن بنایا اور ان کے بعد حضرت عامر بن ربیعہ مع اپنی بیوی لیلےٰ بنت ابی حشمہ۔ پھر حضرت عبد اللہ بن جحش اور ان کے بھائی ابو احمد نے تمام اہل و عیال کو لیکر مدینہ کا راستہ لیا اور گھر کو تالا لگا وطن کو خیر باد کہکر چلدیئے۔

ان کے بعد صحابہ کی ہجرت کا تار بندھ گیا اور یکے بعد دیگرے حضرت عباسؓ بن ربیعہ۔ حمزہؓ بن عبد المطلب عبد الرحمٰنؓ بن عوف۔ طلحہؓ بن عبید اللہ۔ عثمانؓ بن عفان۔ زیدؓ بن حارثہ۔ عمارؓ بن یاسر عبد اللہؓ بن مسعود۔ بلالؓ وغیرہم چپ چاپ مکہ سے یثرب کو چلے گئے۔ البتہ حضرت عمر بن خطاب نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو خفیہ جانا اپنی مردانگی کے خلاف سمجھکر تلوار کو میان سے باہر نکال لیا اور لچکدار نیزہ ہاتھ میں لیکر خانہ کعبہ کی جانب رُخ کیا جہاں سردارانِ قریش کا ایک بڑا مجمع بیٹھا ہوا تھا اور نہایت اطمینان و استقلال کے ساتھ بیت اللہ کا سات مرتبہ طواف کیا اور مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز گزار کر آواز بلند پکارا کہ اے گروہ کفار اس پر لعنت ہے پھٹکار ہے جس نے کنکریوں کو اپنا معبود بنا رکھا ہے جس کسی کو اپنی بیوی بیوہ اور اولاد یتیم بنانی ہو وہ آئے اور میری شمشیر کی روانی دیکھے لیکن کسی نے دم نہ مارا اور حضرت فاروق اپنے بھائی زید بن خطاب کو ساتھ لیکر مدینہ روانہ ہوئے۔

اسی طرح قریب قریب تمام مسلمان یعنی کم و بیش ستر خاندان مکہ چھوڑ گئے اور کبار صحابہ میں سے سوائے حضرت علی بن ابی طالب اور ابو بکر صدیق عتیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی نہیں رہا شہر مکہ کے ایک حصہ کی اس طرح ویرانی دیکھکر ساکنانِ مکہ کو بھی رونا آتا تھا ایک بار عتبہ بن ربیعہ نے ان خالی مکانوں کو دیکھکر چند اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ ہر ایک مکان گو وہ کتنے ہی دنوں آباد رہے آخر ایک غم خانہ ہو جاتا ہے اور پھر اس شخص نے افسوس سے کہا کہ یہ کل کام ہمارے بھتیجے محمدؐ کا ہے جس نے ہم لوگوں میں نا اتفاقی پھیلادی اور ہم کو ایک دوسرے کا دشمن بنادیا۔

یثرب کے لوگ اپنے دینی بھائی مہاجرین یعنی نو وارد اہلِ مکہ سے بڑی گرم جوشی کے ساتھ ملے اور آخر حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے بھی حبشہ ہجرت کرنے کی اجازت چاہی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

منشا کے موافق تہیہ سفر کر دیا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضؓ بڑے متمول تاجر پیشہ قریش تھے سب سے پہلے مشرف باسلام ہوئے اور جان و مال اللہ کے نام پر قربان کرنا شروع کر دیا فقراء مسلمین کی اعانت ضعفاء اہل اسلام کی مدد میں ہزارہا دینار خرچ کر دیئے ان کمزور نو مسلم بندگان خدا کی خلاصی میں جو سخت دل جفا کیش ظالم کافروں کے پنجۂ ظلم میں گرفتار تکالیف و آلام کے تختۂ مشق بن رہے تھے لکھو کھا دراہم صرف کیئے جو مصیبت زدہ گرفتار رنج و محن نو مسلم غلام جس قیمت پر بھی ملا خرید کر لوجہ اللہ آزاد کر دیا آخر ستم پیشہ کافروں کے حملے حضرت صدیق رضؓ پر بھی ہونے لگے اور انھوں نے یمن کے راستہ حبش کی جانب بغرض ہجرت رُخ کیا۔ مکہ سے پانچ میل کی مسافت طے ہوئی تھی کہ مقام برک الغماد پر قارہ قبیلہ کا سردار ابن الدغنہ یعنی حارث بن زید نظر آیا جو ابو بکر صدیق رضؓ کا پرانا دوست تھا۔ گو ابن الدغنہ کافر تھا اور حضرت صدیق مسلمان۔ اگرچہ مذہبی مخالفت نے برسوں کی رفاقت و دوستی کو قطع کر دیا اور ایک کو دوسرے کا جانی دشمن بنا دیا تھا تاہم شریف طبع انسان کی طبعی محمودہ خصلت اور سواد قلب میں جمی ہوئی قدیمی محبت کا اثر زائل ہونا دشوار ہے اس لئے ابن الدغنہ ابو بکر کو اس حالت میں دیکھتے ہی آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور محبت آمیز لہجہ میں دریافت کیا کہ دوست کہاں کا ارادہ ہے۔؟

ابو بکر صدیق رضؓ نے صرف یہ کہکر کہ میری سفاک و بے رحم برادری نے میرا مکہ میں رہنا پسند نہ کیا اب ابو بکر اپنا وطن مالوف چھوڑ کر حبشہ جاتا ہے جس میں پیدا ہوا پھلا پھولا بڑھا اور جوان ہوا ابن الدغنہ نے نہایت عاجزی سے درخواست کی کہ آپ مکہ واپس چلیں میرے ہوتے کسی کی ہمت نہیں کہ آپ کو نظر بھر کر دیکھ سکے۔

حضرت صدیق رضؓ ابن الدغنہ کے اصرار سے مکہ واپس ہوئے اور ابن الدغنہ نے اعلان کر دیا کہ ابو بکر رضؓ میری پناہ میں ہیں کوئی شخص ان کو کسی قسم کی تکلیف پہنچانے کا خیال بھی نہ کرے۔

کفار قریش نے ابن الدغنہ کے امن کا انکار تو نہ کیا لیکن یہ ضرور کہا کہ ابو بکر با آواز بلند کلام مجید نہ پڑھیں کیونکہ ان کا خوش الحانی کے ساتھ دل آویز لہجہ میں رو رو کر قرآن پڑھنا ہماری رقیق القلب عورتوں کے نازک دلوں کو اپنی طرف کھینچتا اور گرویدہ کرتا ہے ہمیں اندیشہ ہے کہ قریشی بچے اور عورتیں قرآن پر مائل ہو کر اپنے آبائی دین کو خیرباد کہیں گی۔ اس لئے اگر ابو بکر اس عہد کے خلاف کریں گے تو اپنی پاداش کو پہنچیں گے۔

اس تقریب سے ابو بکر صدیق رضؓ مکہ میں باطمینان رہنے لگے اور اپنے صحن خانہ میں ایک مختصر مسجد بنائی تاکہ خلوت کے وقت اپنے مولی سے راز و نیاز کرنے اور عبادت میں مشغول ہونے کا عمدہ موقع ملے۔ اسی جگہ مؤدب بیٹھکر کلام اللہ کی تلاوت کرتے اور نماز پڑھتے حضرت صدیق رضؓ اول تو طبعی طور پر رقیق القلب تھے دوسرے سرور عالم کی صحبت کا فیضان اور فیضان بھی وہ کہ جن کو کچھ ابو بکر کے ساتھ حقیقت خصوصیت ہی تھی قلب میں نرمی پیدا

کرتے تھے یہاں تک کہ قرآن حمید کی بعض بعض آیتوں پر پہنچکر تلاوت کرتے کرتے رو پڑتے اور جبار جل جلالہ کے سخت عذاب کے خوف سے لرز اُٹھتے تھے۔

کلام الٰہی کی تلاوت کے اثنا رمیں فرطِ شوق کے باعث ایک ولولہ وجوش اٹھتا تھا جس کے باعث اگر حضرت صدیق کوشش کرتے تھی کہ کلام اللہ کا متبرک لفظ با آواز زبان سے نکلنے نہ پائے تو کامیابی دشوار تھی آخر ابن الدغنہ کے معاہدہ کا نباہ نہ ہوا اور حضرت صدیق رضؓ کی دردانگیز آواز نے اہل محلہ خصوصاً عورتوں کے دلوں پر زیادہ اثر کرنا شروع کیا چنانچہ ان کفار قریش نے جو حضرت صدیق رضؓ کے اہل محلّہ تھے ابن الدغنہ سے شکایت کی اور ابن الدغنہ نے حضرت صدیق کو نہایت کوشش سے سمجھایا کہ اپنی حالت سنوارلیں اور کلام مجید پڑھنا اور بار بار رونا بند کریں تاکہ اپنے وطن مالوف شہر مکہ میں باطمینان وامن رہ سکیں لیکن حضرت صدیق نے جب دیکھا کہ میں اپنے مقدس مذہب کی پابندی میں پختگی نہیں چھوڑ سکتا تلاوت میں رونا بند کرنا میری بشری قوت سے باہر ہے تو صاف الفاظ میں ابن الدغنہ سے کہدیا کہ میں اپنی حالت میں ذرہ برابر تغیر نہیں پیدا کرسکتا اگر تم سے میری حفاظت نہیں ہوسکتی تو دست بردار رہو جاؤ میرا پیدا کرنے والا میرا نگہبان کافی ہے میں تمھاری زمین تمھارا ملک بخوشی چھوڑ سکتا ہوں لیکن ذکرِ الٰہی کسی طرح نہیں چھوڑ سکتا۔ مُلکِ خدا تنگ نیست وپائے گدا لنگ نیست۔

ابن الدغنہ سے مخالفت ہوئے پیچھے حضرت صدیق کی حالت قابلِ اطمینان با امن نہیں رہی اس لئے دوبارہ ہجرت کا قصد کیا اور اس مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدینہ چلے جانے کی اجازت چاہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوبکر چندروز اور صبر کرو مجھ کو بھی عنقریب مکہ چھوڑنے کی اجازت ہوا چاہتی ہے بہتر ہے کہ اس سفرِ ہجرت میں بھی تم ہی میرے رفیق رہو چنانچہ ابوبکر صدیق نے اس انتظار میں ارادہ ہجرت فسخ کیا کہ سرورِ عالم کے سفر میں ہمرکابی ورفاقت کا فخر حاصل ہو اور اس کے بعد جو کچھ بھی جسمانی یا زبانی ایذا اٹھانی پڑی اس کو نہایت استقلال کے ساتھ برداشت کیا۔

اسی اثنار میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو خواب نظر آئی کہ آسمان پر ایک بدرِ کامل نمودار ہوا اور بطحا رمکہ میں اتر آیا جس کی عالمتاب روشنی سے جنگل تک کا ذرّہ ذرّہ منور ہو گیا اس کے تھوڑی دیر بعد اس ماہتاب نے آسمان کی جانب رُخ کیا پھر مدینہ میں جا قرار پکڑا اور یثرب کی زمین کو اپنی عالمگیر شعاعوں سے جگمگا دیا اس ماہِ کامل کے ساتھ بیسیوں چھوٹے بڑے ستاروں نے بھی اسی جیسی حرکت شروع کی اور مدینہ میں آ ٹھیرے پھر وہ ماہتاب کئی ہزار ستاروں کے ساتھ ہوا پر اوڑا اور شہر حرام یعنی مکہ میں آ اُترا جس سے تمام حرم منور ہو گیا لیکن مدینہ کی زمین ویسی ہی روشن رہی جیسی ماہتاب کے وہاں جلوہ گر ہونے پر تھی البتہ تین سو ساٹھ یا کچھ کم وبیش گھر تیرہ وتار نظر آتے رہے دجن کی تقدیر میں اس قدرتی

نور ہدایت سے فیضیاب ہونا نہیں لکھا تھا) اس کے بعد وہ ماہ شب چہاردہم مدینہ کی جانب روانہ ہوا اور لخت جگر عائشہ صدیقہ رض کے گھر میں اُترا یکایک زمین شق ہوئی اور چاند اس میں سما گیا۔

یہ خواب دیکھکر حضرت صدیق رض کی فوراً آنکھ کھل گئی اور گریہ وزاری شروع کر دی۔ درحقیقت یہ سچی خواب حضرت صدیق رض کو آئندہ واقعات کی اطلاع کے لئے دکھائی گئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں سمیت مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت کریں گے اور چند سال رہ کر بغرض جہاد مکہ پر چڑھائی کریں گے اور خاطر خواہ فتح پائیں گے۔ مکہ دارالاسلام ہوکر نور ایمان سے منور ہوگا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اب اس متروک و مہجور وطن کو قیام گاہ نہ بنائیں گے بلکہ مدینہ واپس جائیں گے اور تھوڑے ہی دنوں بعد وہاں وصال فرماویں گے اور بی بی عائشہ رض کے حجرہ میں مدفون ہوں گے۔

حضرت صدیق رض نے دو اونٹ خریدے اور اس نیت سے ان کو کھڑا کرکے کھلانا اور تیار کرنا شروع کر دیا کہ یہ سفر ہجرت میں یثرب جاتے وقت میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام آئیں گے۔

باب (۳۰) سنہ ۱۳ نبوی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ کی جانب ہجرت اور ابوبکر صدیق رض کی رفاقت

ہر مذہب کی ابتدائی حالت جیسی سخت اور دشوار ہوتی ہے اس کا اندازہ مذکورہ ابواب سے ناظرین کو ہوچکا ہوگا جس زمانہ میں باشندگان مکہ میں سے ہر شخص کو طوفان بلا کے برپا ہونے کا خوف تھا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ آلہ وسلم اپنی جگہ اسی استقلال و پختگی سے قائم تھے آپ کے تمام صحابہ کچھ مکہ سے سیدھے مدینہ اور کچھ اول حبشہ اور چند سال بعد حبشہ سے مدینہ پہنچ چکے تھے آپ کے ساتھ صرف حضرت علی رض و ابوبکر رض رہ گئے تھے۔ رنج و تکلیف کی گھنگھور گھٹائیں امنڈ رہی اور چاروں طرف چھا رہی تھیں۔ مکہ کی ویرانی اور یثرب کی آبادی بڑھتی جاتی تھی۔

کفار قریش نے اس خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے قبضہ سے اپنے تابعدار مسلمانوں کی طرح نکل جائیں اور مکہ سے چل دیں ایک جلسہ اس مکان میں منعقد کیا جس کا نام دارالندوۃ تھا۔ اس جلسہ میں قوم کے کل سردار یعنی ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ[1] و شیبہ[2]۔ ابوسفیان[3]۔ ابوجہل[4]۔ جبیب[5] بن مطعم۔ طعیمہ[6] بن عدی حارث[7] بن عامر۔ نضر[8] بن حارث۔ دبیعہ[9] بن اسود۔ حکیم[10] بن حزام۔ اُمیہ[11] بن خلف۔ ہشام[12] بن عمرو ابوالبختری[13] بن ہشام اور حجاج کے دونوں بیٹے نبیہ[14] و منبہ[15] وغیرہم جمع ہوئے اور آج قطعی فیصلہ کرنے کے لئے سب کے مشورے لئے گئے۔

جلسہ کا نصاب پورا ہوچکا اور ہر عداوت کیش دشمن خدا و رسول اپنے چھپے ہوئے کینے ظاہر کرنے اور جلے ہوئے دل کے پھپھولے پھوڑنے کے لئے تیار ہوچکا تھا کہ ایک ضعیف العمر دراز ریش مُسن اجنبی شخص عصا ہاتھ میں لئے بھری

محفل میں بے تکان داخل ہوا اور کہا کہ اے سرداران قریش میں شہر نجد کا باشندہ اپنی قوم کا شریف طبیعت تجربہ کار سردار ہوں سیر و سیاحت کرتا مکہ میں آیا تھا کہ تمہاری کمیٹی کی خبر سنی محض انسانی ہمدردی کے اقتضاء سے خیر خواہانہ مشورہ دینے بلا تکلف چلا آیا۔

اس شخص کی صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ کوئی جہاں دیدہ تجربہ کار اور ماہر جنگ سمجھدار شخص ہے اس لئے اہل شوریٰ نے شکریہ کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ لیا اور مناسب جگہ بٹھایا۔ لیکن یہ کسی کو خبر نہ تھی کہ یہ دغاباز شیطان ہے جو بصورت بشر اس ناجائز رائے میں مشورہ دینے آیا ہے۔ غرض تجویز پیش ہوئی کہ عبداللہ بن عبدالمطلب کے بیٹے محمدؐ نے اپنے سحر و کہانت کا بازار گرم کر رکھا ہے زہیر و نابغہ شعراء سلف کی طرح مقفیٰ عبارت اور رنگین پُر اثر فصیح کلام سے اہل عرب کو گمراہ بناتا اور لات و عزیٰ کی پرستش چھڑاتا ہمارے آبا و اجداد کو بے ایمان اور دوزخی بتاتا ہے اور کسی کے قبضہ میں نہیں آتا۔

ابو البختری نے مہر خاموشی توڑی اور کہا کہ اے حاضرین جلسہ میری رائے ہے کہ محمدؐ کو ایسے کسی تنگ و تاریک مکان میں تاحیات قید رکھو جس میں سوائے ایک روشندان کے جس کے ذریعہ سے تھوڑا بہت کھانا پینا اندر پہنچایا جاسکے کوئی سوراخ تک نہ ہو۔ محمدؐ چند روز بھی اس کے متحمل نہ ہوں گے اور وہیں بآسانی اپنی روح ملک الموت کے حوالہ کر دیں گے۔ ہمارا پیچھا چھوٹ جائے گا۔

نجدی بوڑھا شیطان بولا کہ نہیں نہیں یہ رائے ٹھیک نہیں اس لئے کہ جب اس کے ساتھی خبر پائیں گے فوراً بلوہ کریں گے اور اس قید خانہ کو توڑ کر محمدؐ کو چھڑا لیں گے اور آئندہ تم کو کسی سخت لڑائی کا سامنا ہونیکا پختہ خوف ہے۔ جس میں ثابت قدم رہنا تمہارے بس کا روگ نہیں۔

ہشام بن عمر نے جواب دیا کہ کچھ شک نہیں آپ کی رائے ٹھیک ہے ابو البختری کی تدبیر ناکافی ہے۔ میرے خیال میں تو محمدؐ کو ایک اونٹ پر سوار کرو اور شہر سے باہر نکال دو محمدؐ کا سر بازار بہزار ذلت و خواری شہر بدر ہونا ہمارے دلوں کی سوزش ٹھنڈی کر دے گا۔ ہم امن و چین کے ساتھ اپنی زندگی بسر کر سکیں گے اس لئے کہ ہمارے شہر سے باہر محمدؐ جو کچھ بھی کرے گا اس سے ہمیں کچھ تعلق نہ ہوگا۔

شیطان نے کہا کہ یہ صورت بھی خطرہ سے خالی نہیں کیونکہ محمدؐ کی شیریں کلامی عام لوگوں کے دل لبھاتی اور بیگانوں کو یگانہ بناتی ہے چند ہی روز میں محمدؐ اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے اپنا جتھہ بڑھائے گا اور پھر تم سے ایسا زبردست مقابلہ کرے گا جس کے مقابلہ کی طاقت غالباً تم میں نہ ہو گی اس وقت سوائے ندامت کچھ ہاتھ نہ آئے گا عقل کا منشاء یہ ہے کہ انسان پہلے ہی سے سوچ سمجھکر وہ کام کرے جس کا نتیجہ بُرا نہ پیدا ہو۔

ابوجہل بولا میری رائے تو یہ ہے کہ محمدؐ کو قتل کر دیا جائے کیونکہ مادہ شر کا سطح زمین پر باقی رہنا کسی نہ کسی

وقت اپنا اثر ضرور دکھائے گا اور جب بانی فساد دنیا سے اٹھ گیا تو اطمینان کلی حاصل ہو گیا۔ اس رائے پر چاروں طرف سے صدائے آفرین بلند ہوئی اور ملعون نجدی کی اتفاق رائے سے یہ منصوبہ پختہ ہو گیا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی سوچی گئی کہ اگر ایک آدمی قاتل ہوگا تو یہ ممکن نہیں کہ وہ اور اس کے گھرانے کے آدمی معاوضہ سے بچ سکیں بنو ہاشم کا باعزت کنبہ محمدؐ کے خون کا دعویٰ کئے اور قصاص لئے بغیر نہ رہے گا۔

آخر اس بکھیڑے کو ابوجہل نے اس طرح طے کیا کہ پانچ قبائل میں سے ہر ایک قبیلہ کا ایک ایک بہادر و مستعد دلیر جوان منتخب ہو اور سب ملکر بلوے کے طور پر محمدؐ کو قتل کر دیں۔ جب بنو ہاشم ہمارے تمام قبائل کے جم غفیر سے مقابلہ کی طاقت اپنے اندر نہ دیکھیں گے تو لامحالہ جان کے بدلے مالی عوض یعنی دیت سو اونٹ کا مطالبہ کریں گے اور ہم سب کو ملکر اس قلیل مقدار کا ادا کر دینا بھی گراں اور ناگوار نہ گذرے گا چنانچہ اس بات کو سب نے مان لیا اور چند ستم شعار نوجوان اس کام کے لئے مقرر ہو گئے۔

اللہ کے مقدس فرشتے جبریلؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے مشورے اور منصوبہ کی اطلاع دی اور عرض کیا کہ آپ کا یہاں شب گذارنا مناسب نہیں ہے اللہ جل جلالہ کا حکم ہے کہ اب آپ اپنا وطن چھوڑ دیں اور ابوبکر کو ساتھ لیکر مدینہ کی زمین کو منور بنائیں چنانچہ آپ نے فوراً حضرت صدیقؓ کو اپنے ارادے اور مشیت ایزدی سے عین دوپہر کے وقت آگاہ کیا اور اسی وقت ابوبکر صدیقؓ نے عاقلانہ تدابیر سے سب انتظام کئے اور رائے قرار پائی کہ شب کے وقت ابوبکر کے مکان کی کھڑکی سے نکلکر پاپیادہ مدینہ کا راستہ لیں اور صبح ہونے سے پہلے غار ثور میں جا چھپیں۔ عبدالرحمن بن ابی بکر دن بھر مکہ میں رہ کر باشندگان مکہ کے خیالات و حالات دیکھیں اور شب کو آ کر غار ثور میں اطلاع دیں۔ حضرت صدیقؓ کے آزاد شدہ غلام عامر بن فہیرہ دن بھر مکہ میں بکریاں چرائیں اور شب کو غار میں پینے کے لئے دودھ پہنچائیں ایک مشرک عبداللہ بن اریقط نامی رہبری کی غرض سے مناسب اجرت پر اس لئے تجویز ہوا کہ تیسرے روز دونوں سواریاں غار ثور پر لائے اور مدینہ تک راستہ بتاتا چلے۔ لیکن اس سے اس بات کا عہد و پیمان لے لیا گیا کہ ہمارے خفیہ ارادے اور پوشیدہ خیال کا اظہار کسی پر نہ ہونے پائے۔

عالمتاب آفتاب اپنا روزانہ سفر ختم کر چکا اور رات کی سیاہ چادر سطح زمین کے رہنے والوں پر ڈال گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کرنے والے کافر آپ کے گھر چاروں طرف جمع ہوئے اور اس امر کے منتظر تھے کہ صبح ہوتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر سے نکلتے وقت قتل کریں سب لوگ دیوار کے سوراخ اور درزوں سے جھانک جھانک کر دیکھ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوتے ہیں یا جاگتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سبز چادر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اڑھا دی تاکہ کفار یہ نہ سمجھ سکیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پلنگ پر نہیں

ہیں اور حضرت علی رضؓ کو اطمینان دلاکر اور یہ سمجھا کر کہ "تم ڈرو مت کسی کی مجال نہیں ہے کہ تمہیں کسی قسم کی ایذا پہنچا سکے صبح کو اُٹھکر قریش کی وہ امانتیں جو میرے پاس بغرض حفاظت رکھی گئی تھیں نام بنام ادا کرنا اور وہ تمام معاملات ضروری حقوق العباد جو میرے متعلق ہیں اور میں اس اتفاقیہ سفر اور خفیہ ہجرت کے باعث پورے نہ کر سکا اتمام پر پہنچا کر مدینہ چلے آنا" عمامہ سر سے باندھ نقاب روئے مبارک پر ڈال کر دروازہ سے باہر قدم رکھا۔ سورۂ یسین کی شروع آیتیں پڑھنی شروع کیں۔ اور مٹھی خاک ان کافروں کی جانب پھینکی جو گھر کا محاصرہ کئے شام سے پڑے تھے۔ آپ حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر گئے اور ان کے ساتھ دریچہ مکان کی راہ سے ثور پہاڑ کا راستہ لیا جو مکّہ سے تین میل کے فاصلہ پر دکھن کی جانب واقع تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کافروں کے سروں پر مشت خاک کا پھینکنا معجزہ کی حیثیت میں تھا جس کا اثر یہ ہوا کہ آپ اپنے دشمنوں کے بیچ میں سے نکل گئے اور کسی نے نہ آپ کو پہچانا نہ مزاحمت کی بلکہ آپ کی سبز چادر سے لپٹے ہوئے جسم پر نظر جمائے اس خیال میں مستغرق کھڑے رہے کہ یہ محمدؐ سوتے ہیں۔ یہاں تک کہ صبح ہوئی اور حضرت علی رضؓ بستر سے اٹھے کافروں نے حضرت علی رضؓ کی صورت پر حیرت ناک تجسس کی نظر ڈالی اور دریافت کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ حضرت علی رضؓ نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں کہاں ہیں تم لوگوں نے مکّہ سے چلے جانیکی بابت بارہا اُن سے کہا وہ مکہ چھوڑ کر چلے گئے۔ ان کافروں نے اول تو یہ سمجھکر کہ شاید حضرت علیؓ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان بچاتے اور دھوکا دیتے ہیں سختی سے کام لیا تھوڑی دیر نظر بند رکھا لیکن کچھ نتیجہ نہ دیکھکر اس وجہ سے چھوڑ دیا کہ ان کو اگر واسطہ یا مزاحمت تھی تو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے۔

ان لوگوں نے اپنے سر پر خاک پڑی بھی دیکھی اور معلوم کر لیا کہ شب کے وقت ہمارے پاس سے گذرنے والا شخص وہی تھا جس کی فکر میں ہم نے رات بھر گھر کا محاصرہ کیا۔ ابوجہل معہ چند رفقا ء فوراً حضرت صدیق رضؓ کے گھر گیا اور ابوبکرؓ کو دریافت کیا کہ کہاں ہیں؟ اور حضرت اسماءؓ کی زبانی یہ معلوم ہونے پر کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق بھی رات سے غائب ہیں سمجھ گئے کہ دونوں حضرات جان بچا کر مکہ سے کسی جانب چلدیئے۔ کمبخت ابوجہل نے غصہ میں حضرت صدیق رضؓ کی صاحبزادی اسماء رضؓ کے ایک طمانچہ بھی مارا جس سے کان کی بالی نکل پڑی اور زمین پر گر گئی اب قریش کے غصہ کا کوئی حد و پایاں نہ رہا جس وقت اہل مکہ نے سُنا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قاتل اپنے مقصد میں نہایت ذلّت کے ساتھ ناکامیاب رہے تو ٹڈی دل کی طرح آپ کی تلاش میں ادھر اُدھر پھیل پڑے اور دل میں پورا ارادہ کیا کہ جس طرح سے ہو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کیجئے چنانچہ انھوں نے اشتہار دیا کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ لائے گا وہ سَو اونٹ انعام پائے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر رضؓ کو ساتھ لئے ثور پہاڑ کی جانب چلے جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک ضعیف العمر

بدویہ ام معبد یعنی عاتکہ بنت خالد خزاعیہ کے خیمہ پر گذرنے کا اتفاق ہوا جس کے گوشہ میں ایک دُبلی بکری کھڑی ہوئی تھی اور لاغری کے باعث اس کے تھنوں میں دودھ باقی نہ تھا۔

بھوک کا وقت تھا اور پیادہ پیادہ مسافت طے کرنے والوں کو پیاس محسوس ہو رہی تھی اس لئے دونوں حضرات اس خیمہ میں گئے اور عاتکہ سے بکری کا دودھ دوہنے کی اجازت لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تھنوں پر ہاتھ ڈالا ان معجز نما کمال بھرے کرامت آمیز ہاتھوں کا سوکھے ہوئے خالی تھنوں پر پڑنا تھا کہ دودھ اس طرح نکلنا شروع ہوا جس طرح فوارہ سے پانی یہانتک کہ بڑھیا کے گھر کے تمام خالی برتن پُر ہو گئے اور سب نے سیر ہو کر دودھ پی لیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم وہاں سے روانہ ہوئے۔

تھوڑی دیر میں بڑھیا کا شوہر ابو معبد یعنی اکثم بن جون جو اس وقت کسی ضرورت سے جنگل گیا ہوا تھا واپس آیا اور برتنوں کو دودھ سے لبریز دیکھکر سبب دریافت کیا ام معبد نے تمام قصّہ بیان کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک کریمانہ اخلاق شریفانہ عادات ظاہر کیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شہرہ تو تمام خطۂ حجاز میں ہو رہا تھا ام معبد فوراً سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو وہ معدنِ کرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے جن کے میمنت لزوم قدوم نے اس کاشانہ کو اتفاقیہ عزّت بخشی اور کہا کہ افسوس اگر میں موجود ہوتا تو اُن مبارک قدموں کو چومتا دلخواہ خاطر و مدارات کرتا اور ہمیشہ کے لئے ہمرکابی کی عزّت حاصل کرتا۔ منقول ہے کہ ابو معبد نے چند روز بعد مدینہ کی جانب ہجرت کی اور اسلام لائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم راتوں رات ثور پہاڑ کے غار پر جا پہنچے اور حضرت صدیق رضؓ نے آگے قدم بڑھا غار کی سطح کو اپنی چادر کی جھاڑو سے صاف کر کے ان سوراخوں کو جو غار کے اندر حشرات الارض کا مسکن بنے ہوئے تھے اپنی چادر پھاڑ کر بند کیا چادر ختم ہو چکی اور ایک بڑا سوراخ باقی رہ گیا جس کا بھراؤ کپڑا نہ ہونے کے باعث نہ ہو سکا اس لئے ضرورت پیش آئی کہ ابو بکرؓ اس سوراخ پر اپنے جسم کا کوئی حصّہ رکھیں تاکہ اس کے اندر کا کوئی موذی جانور باہر نکلکر غار میں ٹھیرنے والوں کو تکلیف نہ پہنچا سکے۔ حضرت صدیق رضؓ نے اپنے پیر کے انگوٹھے سے یہ کام لیا اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو آواز دی کہ "اندر تشریف لے آیئے"۔

رسالت کے جہاں تاب ماہتاب نے اِس تنگ و تاریک غار کو منور کیا۔ اور حضرت صدیق رضؓ نے آپ کا سرِ مبارک اپنے زانو پر رکھکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ تھوڑی دیر سو رہیں تاکہ سفر کا تکان رفع ہو بغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آرام فرمایا اور حضرت صدیق رضؓ نے غار کے سخت پتھر سے کمر لگا کر اور اس سوراخ کو اپنے پیر کے انگوٹھے سے بند کر کے اپنی خوش قسمتی پر ناز کرنا شروع کیا جو درحقیقت کسی زہریلے سانپ کا بل تھا اور وہ سانپ اپنی آمد و رفت کا راستہ بند دیکھکر اندر گھبرا رہا تھا آخر وہ مقید رہنے کی تاب نہ لا سکا اور اس نے حضرت صدیق رضؓ کے اس انگوٹھے میں

کانٹا جو اس کو باہر نکلنے سے روک رہا تھا۔

حضرت صدیق رضؓ کو زہریلی سوزش نے بے چین کر دیا لیکن وہ پیر اپنی جگہ سے اس لئے نہ ہلا کہ اس کے حرکت کرنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل جانے کا اندیشہ تھا یہاں تک کہ حضرت صدیق رضؓ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہونے اور بیتابانہ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور حالت غیر دیکھکر سبب دریافت فرمایا۔ ابو بکر صدیق رضؓ نے حال عرض کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دہن مبارک کا لعاب مارگزیدہ مقام پر لگا دیا معاً آرام ہو گیا۔ سوزش رفع ہو گئی۔

انعام کے لالچی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گرفتار کرنے کی ٹوہ میں بھیڑوں کی طرح ادھر ادھر پھیل پڑے تھے چنانچہ چند آدمی نشانات قدم کی کھوج لیتے تلاش کرتے اس غار پر بھی آ پہنچے جس کے اندر دونوں حضرات چھپے بیٹھے تھے یہ لوگ اس قدر قریب آ گئے تھے کہ ان کے پیروں کی آہٹ کانوں کو محسوس ہوتی اور کبھی کبھی چلنے میں قدم نظر آجاتے تھے لیکن اس غیبی نصرت نے جو اللہ کے رسول کی محافظ تھی ان کو اندھا بنا دیا اور کسی کی نگاہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت صدیق رضؓ پر نہ پڑ سکی غار پر مکڑی نے جالا تن دیا اور جنگلی کبوتر نے انڈے دیدیئے تھے اس لئے اس جانب کسی کا خیال بھی نہ ہوا کہ غار کے اندر گھسکر پیغمبرؐ کی تلاش کریں کیونکہ جالا کا تنا ہوا ہونا اور انڈوں کا وجود صریح اس بات کی شہادت تھی کہ کسی نے اس کے اندر قدم نہیں رکھا۔

حضرت ابو بکرؓ نے خوف زدہ ہو کر کہا بھی کہ یا رسول اللہ دشمن سر پر آ کھڑے ہوئے اگر اپنے پیروں کی جانب نظر کریں تو ہم کو دیکھ پائیں گے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر تسلی دی کہ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔ غمگین نہ ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

تین دن تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اسی غار میں رہے حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر روزانہ شب کو آتے اور دن بھر مکہ میں کفار کے خیالات کی ٹوہ لگاتے حضرت اسماءؓ کھانا لیکر حاضر ہوئیں اور عجلت کی وجہ سے کوئی دھجی یا کپڑا کھانے کے برتن کو باندھنے کے لئے نہ پا سکیں باعث اپنی کمر کے نطاق کو دو حصے کیا ایک ٹکڑا کمر سے باندھ لیا اور دوسرے کا سر بند بنا لیا اسی وجہ سے ان کا نام ذات النطاقین ہوا۔

تیسرے دن دونوں اونٹ یعنی قصویٰ اور جدعا لیکر عبداللہ بن اریقط راہبر آموجود ہوا ان میں سے ایک اونٹ کی قیمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیقؓ کو دیچکے تھے جس کو حضرت صدیقؓ نے نہایت اصرار کے بعد محض امتثال امر کی نیت سے قبول کیا تھا۔ غرض ایک اونٹ پر آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور پیچھے حضرت ابو بکر صدیق رضؓ سوار ہوئے اور دوسرے پر عبداللہ بن اریقط اور حضرت صدیق کا آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ۔ اور دریا کے کنارے کنارے یثرب کو ایسی راہ سے چلے جس طرف سے بہت کم آدمی چلتے تھے تمام شب اور صبح سے چاشت کے وقت تک متواتر چلنا پڑا اور اب چونکہ دھوپ میں تیزی آ گئی تھی اس لئے ابو بکرؓ نے دور سے ایک سایہ دار پتھر کی پر فضا

چٹان دیکھ کر سواری روکی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس سڈول پتھر پر بستر بچھا دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں آرام فرمایا اور حضرت صدیقؓ رفع تشنگی کے لئے دودھ کی تلاش میں ادھر اُدھر نگاہ دوڑانے لگے اتفاق سے حضرت صدیقؓ کا غلام بکریاں چراتا نظر آیا اور چونکہ یہ بکریاں بھی حضرت صدیق ہی کی تھیں اس لئے انھوں نے بلا اجازت حاصل کئے دودھ دوہا اور اس میں تازہ پانی ملا کر لسّی بنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے آکھڑے ہوئے۔ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم خواب استراحت سے بیدار ہو چکے تھے آپ نے حضرت صدیقؓ کے ہاتھ سے پیالہ لیکر منہ سے لگایا اور خوب سیر ہو کر پیا آفتاب ڈھلا اور چاروں مسافروں نے اپنی راہ لی گو ان حضرات نے عام آمدورفت کا راستہ چھوڑ دیا تھا لیکن اس پر بھی خوف سے محفوظ نہ تھے۔ انعام کے لالچی بہت سے سوار چاروں طرف پیغمبر خدا کی تلاش میں پھر رہے تھے۔ چنانچہ ایک پہلوان سوار سراقہ بن مالک مدلجی نے جو بہت ہی تیز گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی قوم بنی مدلج سے بغیر اطلاع کئے محض خفیہ مخبری پر نیزہ ہاتھ میں لے تیر و کمان سنبھال چلدیا تھا ان لوگوں کو جاتے ہوئے دیکھا اور پیچھا کیا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے دیکھا کہ سراقہ بن مالک پیچھا کئے چلا آتا ہے اور قریب ہی پہنچ گیا ہے تو گھبرا کر بول اُٹھے کہ "یا رسول اللہ اب تو ہم پکڑے گئے" لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ "کچھ غم نہ کھاؤ اللہ ہمارے ساتھ ہے" جونہی یہ کافر ان حضرات کے نزدیک آیا یکایک اس کے صبا رفتار گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور اس کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔

سراقہ خوف زدہ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی مانگنے لگا چنانچہ آپ نے معاف فرمادیا اور اس کے گھوڑے کو نجات ملی لیکن سو اونٹوں کے لالچ نے پھر اس کو اندھا بنایا اور یہ دوبارہ گھوڑے پر سوار ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیچھا کرنے لگا۔ لیکن قریب پہنچنے پر پھر وہی حالت طاری ہوئی اور بادپا گھوڑے کے قدم چھاتی تک زمین میں سما گئے۔ سراقہ بن مالک گھبرا اُٹھا اور نہایت عاجزی سے معافی چاہنے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف فرما دیا اور اس مرتبہ سراقہ مدلجی عقیدت مندانہ پاس آکر زاد راہ ہاتھ میں لیکر کھڑا ہو گیا اور ملتجی ہوا کہ سرور عالم اس میں سے کچھ کھانا اپنے لئے لے لیں لیکن آپ نے قبول نہیں فرمایا البتہ یہ فرما دیا کہ ہمارا حال کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے اور کسی پیچھے آنے والے دشمن کو اس کی اطلاع نہ ہو کہ ہم کہاں اور کس راستے جا رہے ہیں۔ غرض بمزید احتیاط سراقہ بن مالک ہڈی کے ایک ٹکڑے پر عامر بن فہیرہ کی لکھی ہوئی امن اور معافی کی سند لیکر واپس ہوا اور جو کوئی بھی راستہ میں ملا اس کو یہ کہکر کہ "محمدؐ ادھر کو نہیں گئے" اپنے ساتھ مکہ واپس لے آیا۔

اس واقعہ کے بعد آپ بے خوف و خطر برابر چلے گئے یہاں تک کہ مسلمانوں کے ایک تاجر قافلہ سے دوچار ہوئے جن میں حضرت زبیر بن عوام اور طلحہ رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے یہ لوگ اپنے پیشوا کو دیکھ کر رُکے اور قریب آکر قدم بوسی

کی عزت حاصل کرنے لگے۔ حضرت زبیرؓ نے دو جوڑے سفید کپڑوں کے نکالکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفیق حضرت صدیق رضؓ کے زیب تن کیے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے ہجرت کر جانے اور کافروں کے انعامی ۱۰۰ اونٹ مقرر کرنے کی خبر اہل مدینہ کو مل چکی تھی۔ مسلمانانِ یثرب سرتاپا چشم انتظار بنے ہوئے غول کے غول استقبال کی غرض سے ہر روز صبح ہوتے مدینہ سے باہر آتے اور دھوپ تیز ہو جانے پر مایوس ہو کر لوٹ جاتے تھے۔ مسلمان عورتیں بچے اپنے اونچے گھروں کی چھتوں پر روزانہ چڑھتے اور گھنٹوں اس راستہ پر مشتاقانہ نگاہ جمائے کھڑے رہتے تھے جدھر سے مکہ کی آمد و رفت تھی۔ لیکن جب شوق بھری نظریں انتظار کرتے کرتے تھک جاتی تھیں تو مایوسانہ قدم اٹھاتے اور نیچے اتر آتے تھے۔ ہر شخص کی آنکھیں منتظر تھیں کہ جمال جہاں آرا جلد نظر آئے اور ہر مسلمان سرتاپا گوش بنا ہوا تھا کہ سرورِ عالم کی آمد آمد کا مژدہ کسی شخص سے سُن پائے۔ اُدھر کفار یثرب میں سے بریدہ اسلمی ستر آدمیوں کو ہمراہ لیے اس فکر میں مدینہ سے باہر سرِراہ کھڑا ہوا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار اور کفار مکہ سے انعامی ۱۰۰ اونٹ وصول کرے لیکن جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی حد میں داخل ہوئے اور بریدہ اسلمی کی نظر آپ پر پڑی اس کے قلب میں ایک ہیبت سما گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نام دریافت فرمایا اور بریدہ سنکر فال نیک لی اور حضرت ابو بکر رضؓ سے کہا کہ قَدْ بَرَدَ اَمْرُنَا وَصَلُحَ یعنی ہمارے معاملہ میں صلاحیت و خنکی حاصل ہوئی۔ بریدہ نے آگے بڑھکر دریافت کیا کہ آپ کا اسم مبارک کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "محمد بن عبد اللہ رسول اللہ" یہ کلمہ سُنکر اس کی قلبی حالت یک لخت پلٹ گئی اور بریدہ نے فوراً کلمہ پڑھکر صرف حلقۂ اطاعت ہی کان میں نہیں ڈالا بلکہ اپنے سر سے عمامہ اُتار نیزہ پر باندھا اور خادم بنکر آگے آگے ہو لیے۔

بارھویں ربیع الاول کی صبح تھی اور ہر مشتاقان روئے احمدی مسلمانانِ یثرب اپنی روزانہ عادت کے موافق کسی عالمتاب ماہتاب کے نکلنے کے انتظار میں پہاڑی دروں اور کوہی راستوں سے نگاہیں ٹکرا رہے تھے انتظار کی گھڑیاں گذر رہی تھیں اور بجائے اُمید پوری ہونے کے مایوسی کی حسرت بھری زرد نقاب چہروں پر پڑتی تھی اور اُدھر کسی پیارے ماہوش کے نورانی جمال کی زیارت کے شوق نے ان پردہ نشین عورتوں کو بے چین کر رکھا تھا جو حیا و عصمت کا برقعہ اوڑھے پاکدامنی کی نقاب ڈالے کوٹھوں کی چھتوں پر چڑھی ہوئی اپنی دوربین نگاہوں کو پہاڑی سے بھی پرے لیجانا چاہتی تھیں۔ ان عفت مآب خاتونوں کی مشتاقانہ نظروں کا قابل دید سماں اس حالت سے درحقیقت بڑھا ہوا تھا جو کسی ناز پروردہ لڑکی کی نادیدہ نگاہوں پر اپنے اس مہربان باپ کی صورت دیکھنے کے شوق میں طاری ہوتی ہے جس نے کبھی اپنی بیٹی کو صورت نہیں دکھائی لیکن آج اس کے آنے کی تاریخ مقرر ہو چکی ہو۔ ایک وداع پہاڑی کی چھوٹی چھوٹی گذرگاہیں تھیں اور اس پر ہزاروں نگاہوں کا مجمع تھا۔ آفتاب اُفق مشرق

سے نکل کر اونچا چڑھا چلا جا رہا تھا ریگستانی تودے گرم ہو چلے اور وہ وقت نکل گیا جو گرم ملکوں میں دُور سے آنے والے مسافر مہمانوں کے انتظار کیلئے محدود ہے دھوپ تیز ہو گئی اور یہ لوگ مایوس ہو کر اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو گئے کوئی یہودی اتفاقاً کسی ضرورت کے لئے اپنے اونچے محل کی چھت پر چڑھا تھا جس نے دُور سے غبار اُڑتا ہوا دیکھا چونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد آمد کا گلی گلی میں شہرہ تھا باشندگان یثرب کے ایک جم غفیر کا انتظار اور مدینہ سے روزانہ باہر جانا سب کو معلوم تھا ہر وقت شہر میں یہی چرچا اور اسی کا ذکر تھا اس لئے وہ یہودی سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو یہ محمد اور ان کے ساتھی آ رہے ہیں جن کی سواریاں غبار اُڑاتی قدم بڑھاتی تیز آ رہی ہیں اس لئے بلند لہجہ میں وہیں سے پکار اُٹھا کہ لو اے اہل یثرب تمہارا مقصود آ گیا چلو جن کا تمہیں کئی دن سے ہر وقت انتظار رہتا چلا آ رہا ہے" اس آواز کا گونجنا تھا کہ مدینہ میں کھلبلی مچ گئی اور تمام مسلمان اس طرح عمدہ لباس پہن ہتیار باندھ نیزے ہاتھ میں لیکر روانہ ہوئے جیسے بادشاہ کا استقبال کرنے فوج روانہ ہوتی ہے اور درحقیقت اِن کو وداع پہاڑی کے درّے سے ہالہ کے اندر جھلکتا ہوا وہ چاند نکلتا نظر آیا جس کے ہفتہ بھر سے منتظر تھے۔ عید الفطر کی انتیسؔ تاریخ کا ہلال معمولی انتظار کی تکلیف برداشت کرنے پر نظر آجاتا ہے اس لئے اس کے نظر آجانے کی خوشی کو اس مسرت سے کچھ مناسبت نہیں جو بدر فلک نبوت کی زیارت سے اس وقت اِن دور افتادہ تشنہ گان جمال عاشقوں کو حاصل ہوئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بارہؔ ربیع الاول ۱۳ نبوی کو دوشنبہ کے دن قریب دوپہر یثرب میں داخل ہوئے جون کا مہینہ ۶۲۲ء تھا۔ مردوں عورتوں بچوں کی زبان پر خوشی کے باعث یہ کلمات بطور گیت کے جاری تھے۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع + وجب الشکر علینا ما دعی اللہ داع

ایها المبعوث فینا بالامر المطاع

جس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یثرب میں اونٹ سے اُترے اُس دن نہایت گرمی تھی شہر مدینہ سے دکھن کی طرف دو میل پر ایک مقام قبا کے نام سے مشہور ہے آپ اپنے رفقا سمیت وہاں کلثوم بن ہدم کے مکان پر ٹھیرے اور حضرت صدیق نے خبیب بن اساف کے پاس قیام کیا یہاں کے رہنے والے بنی عمر بن عوف کہلاتے تھے یہ مقام نہایت پُرفضا اور شاداب تھا یہاں آپ نے دوشنبہ سہ شنبہ چہار شنبہ پنجشنبہ قیام فرمایا اور مسجد قبا کی بنیاد ڈالی مکہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چلے آنے کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے متعلق کار خدمت کو انجام دیکر پیادہ پا نکل کھڑے ہوئے صرف رات کو چلتے اور دن بھر چھپے رہتے تھے آخر قبا میں آپہنچے لیکن ایسی حالت سے کہ پیر ورم کئے اور سوجے ہوئے تھے پاؤں میں آبلے پڑ گئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس بلا بھیجا لیکن یہ معلوم ہوئے پر کہ حضرت علیؓ پاؤں چل نہیں سکتے آپ وہاں خود تشریف لائے جہاں حضرت ممدوح درماندہ و بیمار پڑے ہوئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آپ نے حضرت علی رض کو چھاتی سے لگا لیا اور اس تکلیف کا خیال

فرما کر رونے لگے جو ان کو بیادہ پائی و رہ نوردی میں اٹھانی پڑی۔ اس کے بعد آپ نے اپنے دہن کا لعاب آبلوں پر لیپ کر دیا جس سے ان کو اسی وقت شفا ہو گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر مدینہ میں داخل ہونے کا مصمم ارادہ کر دیا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ آپ نے قبا میں گیارہ روز قیام فرمایا اور آئندہ جمعہ کو مدینہ روانہ ہوئے۔ واللہ اعلم۔

باب (۳)

مدینہ میں مسجد نبوی کی تعمیر بنی عمر ابن عوف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گذارش کی کہ آپ چند روز یہیں قیام فرمائیں آپ ٹھہر نہ سکے اور مسلمانوں کی بڑی جماعت کے ساتھ جمعہ کے دن سولھویں ربیع الاول یعنی ۲ جولائی ۶۲۲ء کو مدینہ کی جانب روانہ ہوئے آپ نے جمعہ کی نماز خطبہ و جماعت کے ساتھ قبیلہ بنی سالم بن عوف کی اس مسجد میں ادا کی جو وادی کے وسط میں واقع تھی اور مدینہ میں داخل ہوتے ہی اپنی ناقہ کی باگ اس کی گردن پر ڈال دی کہ "جہاں اللہ کا حکم ہو وہاں ٹھیرے"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانان مدینہ کے جس گھر کے سامنے ہو کر گذرتے تھے یہی آواز سنتے تھے کہ یا خیر البریہ قدوم میمنت لزوم سے غریب خانہ کو عزت بخشئے لیکن آپ نے بالقصد کہیں ٹھیرنے کا ارادہ نہ فرمایا بلکہ سمجھا دیا کہ یہ اونٹنی مامور ہے اللہ کے علم میں اس کے رسول کے قیام کی جو جگہ تجویز ہو چکی ہے وہیں یہ جا ٹھیرے گی۔ چنانچہ چلتے چلتے قبیلہ بنی نجار میں حضرت ابوایوب انصاری کے مکان کے قریب عین اس جگہ جہاں اب مسجد نبوی کا دروازہ ہے اونٹنی ٹھٹکی اور گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باگ ڈھیلی کر رکھی تھی آپ اپنے اختیار سے اونٹنی کو کسی جانب پھیرنا پسند نہ کرتے تھے یکایک اونٹنی اس جگہ سے اٹھی اور چند قدم پیچھے ہٹکر پھر اسی پہلی جگہ آ بیٹھی گویا آمد و رفت کے چند قدم سے مسجد نبوی کی حد بندی کر دی کہ مسجد اس قدر طویل ہونی چاہئے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ قطعہ در حقیقت اسعد بن زرارہ کے دو یتیم غلاموں رافع بن معلی کے بیٹوں سہل و سہیل کا خرمن تھا ہے اور گو انھوں نے اس قطعہ کو مسجد کے لئے ہبہ کرنا چاہا لیکن آپ نے پسند نہ کیا بلکہ بعوض دس دینار خرید کر مسجد نبوی کی بنیاد ڈالی۔ بعض علماء کا قول ہے کہ یہ قطعہ قبیلہ بنی نجار کا نخلستان تھا جس میں کھیتی ہوتی اور مشرکین کے مُردے دفن ہوتے تھے۔ بنی نجار نے اس قطعہ کو وقف کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد اور اس کے گرد وہ حجرے تعمیر کئے جو ازواج مطہرات کے مسکن تھے۔

ناظرین کو پیشتر معلوم ہو چکا ہے کہ قبیلہ بنی نجار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ننھیال کا تعلق تھا اس لئے کہ ہاشم بن عبد مناف کی بیوی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کی ماں سلمیٰ بنت عمر اسی قبیلہ کی تھیں حضرت ابوایوب انصاری اس لازوال دولت سے مالا مال ہونے پر خوشی کے مارے جامہ میں پھولے نہ سمائے اور اسباب اُتار کر اپنے گھر لے گئے حضرت ابوایوب نے ہر چند اصرار کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالاخانہ پر رونق افروز ہوں اور یہ خود نیچے کے مکان میں رہیں لیکن آپ نے منظور نہ فرمایا اور یہ اس وجہ سے کہ آپ کے پاس دلدادہ مسلمانوں کی ہر وقت آمد و رفت

رہتی تھی اور ان کے اوپر آنے جانے میں نیچے رہنے والے مردوں اور عورتوں کو لامحالہ تکلیف تھی بہرحال بمقتضائے الامر فوق الادب حضرت ابو ایوب نے سر تسلیم خم کیا اور بالاخانہ پر جا رہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۲ ربیع الاول ۱۳ نبوی کو یوم دوشنبہ مکہ سے روانہ ہوئے تھے اور ۱۶ ربیع الاول ۱۳ نبوی کو یوم دوشنبہ مدینہ میں داخل ہوئے یہیں سے سنہ ہجری کی بنیاد پڑی آپ نے کم و بیش آٹھ مہینے یعنی اس وقت تک حضرت ابو ایوب کے مکان پر قیام فرمایا جبکہ مسجد نبوی کی تعمیر خود آپ کے اور صحابہ کرام کے ہاتھوں کی ڈھوئی ہوئی اینٹوں سے اختتام پر پہنچ گئی۔ اور ازواج مطہرات کے لئے گذر کے قابل مختصر حجرے تیار ہو گئے۔ مسجد کی عمارت نہایت سادی تھی دیواریں اینٹ اور مٹی کی چھت کھجور کی تھی مسجد کا ایک گوشہ ان لوگوں کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا جو غریب اور بے خانماں تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھلی زمین پر نماز پڑھتے اور منبر کے بدلے ستون سے ٹیک لگا کر وعظ فرماتے اور مسلمان نہایت شوق سے سنتے تھے۔

جب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ چھوڑ کر یثرب میں رہنے لگے اس وقت سے برابر آپ وہاں کے سردار و حاکم بنے رہے دو قومیں اوس اور خزرج نامی جو ہمیشہ آپس میں لڑا کرتی تھیں اسلام لانے کے باعث ایک دوسرے کی ایسی دوست بن گئیں کہ ان کے آپس کے پرانے جھگڑوں اور برسوں کے قضیوں کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ مدینہ کا پہلا نام یثرب تھا لیکن اب سے اس کا نام مدینۃ النبی مشہور ہوا جس کے معنی "رسول کا شہر" ہیں۔

باشندگان مدینہ جنھوں نے دین اسلام کی مدد کی تھی انصار کے نام سے مشہور ہوئے اور جو لوگ اپنا وطن چھوڑ کر اپنے عزیز و اقارب سے منھ موڑ کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آملے اور مدینہ میں آبسے تھے وہ مہاجرین کہلائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غرض سے کہ مہاجرین و انصار آپس میں ملے جلے رہیں ان کے درمیان بھائی چارا قائم کر دیا چنانچہ اس سے وہ لوگ رنج و راحت میں ایک دوسرے کے شریک ہو گئے اور درحقیقت انصار نے مواخات کا حق ادا کر دیا اگر کسی انصاری کے دو بیبیاں تھیں تو اس نے نہایت خوشی کے ساتھ باصرار ایک بی بی کو طلاق دیکر اپنے دینی بھائی مہاجر کے نکاح میں منسلک کر دیا۔ جائداد منقولہ و غیر منقولہ نصفا نصف بانٹ دی اور جو اپنے لئے بہتر سمجھا اس کو دینی بھائی کے لئے پہلے تجویز کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بچپن ہی سے نہایت خلیق، بردبار، خداترس، رحیم، شجاع، متین، باحیا، امین، کشادہ پیشانی، راست گو اور انتہا درجہ کے حسین و خوبصورت تھے۔ آپ کا روئے مبارک چودھویں رات کے چاند سے زیادہ روشن اور آپ کا پسینہ عطر سے زیادہ خوشبودار تھا دلہن کے عروسی لباس بسانے کے لئے جمع کیا جاتا اور باحتیاط رکھا جاتا تھا۔ جس سے آپ مصافحہ کرتے تھے تمام دن اس کے ہاتھ میں سے خوشبو مہکتی رہتی تھی۔ آپ کا قد مستوی اور میانہ تھا مگر آدمیوں میں سب سے بالا نظر آتا تھا۔ سر مبارک بڑا، بال نرم اور سیاہ

جن میں خوشنما پیچیدگی و گھونگر یالہ پن۔ زلفیں کان کی لو تک چھٹی ہوئی اور کبھی کبھی کندھوں تک آ پڑتی تھیں۔ کان نہایت خوبصورت نہ بڑے نہ چھوٹے۔ پیشانی کشادہ اور آئینہ جیسی شفاف۔ دونوں بھویں گنجان اور کمان کی طرح خمیدہ جن میں ایک باریک رگ حائل تھی جو کبھی کبھی غصہ کے وقت ظاہر ہوتی تھی۔ آنکھیں بڑی اور سُرمگیں جن میں سپیدی کے اندر سُرخ ڈورے حُسن کو دوبالا کرتے تھے۔ آنکھ کی پتلی سیاہ حلقے بدر کے ہالہ کی طرح روشن۔ مژگان دراز۔ رُخسارے نرم و نازک اور پُر گوشت۔ بینی ہموار۔ لب کشادہ۔ دہن مردانہ۔ دندان مبارک موتیوں کی لڑی سپید و چمکدار لعاب دہن شیریں و خوشبودار شفا بیماران۔ زنخداں سیب جیسی مُدوّر۔ ریش مبارک گنجان سینے سے بھیلی ہوئی۔ گردن چمکدار گویا چاندی کی صراحی۔ آواز نہایت لطیف دل کو بے چین کرنے والی۔ سینہ فراخ اور شکم کے ہموار۔ سینہ گردن سے ناف تک شق الصدر کی علامت ایک پتلی سے دھاری نمودار بغل صاف شفاف سپیدی مائل گویا ماہتاب کا ٹکڑا۔ بائیں شانہ کی غضروف کے قریب مُہر نبوت جس پر کچھ بال مجتمع تھے اور جو وصال کے وقت غائب ہوگئی تھی ہاتھ سڈول اور بھرے ہوئے ہتیلی فراخ اور ریشم سے زیادہ نرم۔ انگلیاں مستقیم اور پُر گوشت، پنڈلیاں شفاف اور لطیف جن پر گوشت مناسب۔ پائے مبارک چکنے اور بلند تلوا کچھ زمین سے اُبھرا ہوا۔ ایڑی پر گوشت کم۔ نہایت خوش الحان۔ تبسّم کناں۔ فصیح بلیغ۔ جوامع الکلم۔ مجسّم حُسن۔ نمونۂ قدرت خداوندی تھے۔ کریم النفس ایسے کہ جس سے ایذا اُٹھائی اسی کے حق میں دعا فرمائی شجاعت و قوت میں مشہور۔ تواضع اور حُسن معاشرت میں ضرب المثل، نہایت عقیل و مدبر۔ متواضع اور عادل سخی اور بہادر حلیم و صابر عفّت مآب اور شاکر۔ جمیع اوصاف حمیدہ سے متصف اور تمام خصائل رذیلہ سے طبعًا متنفر تھے۔ ایک صحابی کہتے ہیں کہ میں شب چہاردہم کو ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کبھی جمال جہاں آرا پر نظر ڈالتا اور کبھی آسمان پر ماہِ کامل کو دیکھتا تھا حیران تھا کہ دونوں میں کس کو دوسرے پر ترجیح دوں۔ آخر کار میری منصفانہ نگاہ نے جلد فیصلہ کر لیا کہ چودھویں رات کے چاند کو وہ ملاحت اور نمک اور حُسن و چمک حاصل نہیں ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ زیبا میں موجود ہے۔ اَللّٰھُمَّ صلّ علی محمّد و آلہ بقدر حسنہ و جمالہ۔

حصۂ اول تمام ہوا

بالخیر

حصۂ دوم

باب (۳۲)

مدینہ طیبہ کی پہلی آبادی۔ اسلام کے عالمتاب آفتاب نے اپنے وطن مالوف یعنی مکہ کی سکونت چھوڑ دی اور جس وقت اس جہان تاب ماہتاب کی روح بخش شعاعوں نے مدینہ کی پاک زمین کو جلوہ بنایا ہے اس وقت مدینہ میں دو قوموں کی آبادی تھی یعنی قبائل انصار جو اوس اور خزرج کی اولاد تھی اور بنی اسرائیل یعنی قوم یہود جن میں اکثر حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد تھی۔ اس لئے مناسب ہے کہ ان دونوں قوموں کی اس خطۂ زمین پر آباد ہونے کی ابتدا اور سبب بیان کر دیں جس سے ناظرین کو مختصر طور پر مدینۃ الرسول کی ابتدائی تاریخ معلوم ہو جاوے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے عام طوفان میں جو مسلمان کشتی پر سوار تھے وہ کل چھوٹے بڑے اسی آدمی تھے جس وقت تمام کافر غرق ہو گئے اور کشتیٔ نوحؑ نے کوہ جودی پر لنگر ڈالا تو سطح زمین بالکل صاف و ہموار میدان نظر آئی اور کشتی کی سواریوں نے زمین پر اتر کر بارہ فرسخ کے پھیلاؤ میں اطراف بابل کے خطہ پر سکونت اختیار کی۔

چونکہ حق تعالیٰ نے ہر ذی حیات مخلوق میں توالد و تناسل کا سلسلہ قائم فرمایا ہے اس لئے پانسو سال میں اس مختصر جماعت نے اتنی ترقی کی کہ یہ قطعۂ زمین ناکافی ثابت ہوا اور مجبوراً اس کنبہ کو ایک دوسرے سے جدا ہونا پڑا چنانچہ سام بن نوح کی اولاد نے وہاں سے کوچ کیا اور یہ اس پاک زمین پر آباد ہوئے جس کو مدینۃ الرسول کہتے ہیں۔ یہی قوم بالہام الٰہی زبان عربی کی موجد ہے اور اسی جماعت نے سب سے پہلے یہاں کھیتی باڑی کی اور کھجور کے درخت لگائے اور چونکہ یہ لوگ سام بن نوح کے پوتے یعنی عملاق بن ارفخشد بن سام بن نوح کی اولاد میں تھے اس لئے اس جماعت کا نام عمالیق اور قوم عمالقہ ہے۔ چند ہی روز میں خداداد ترقی سے یہ لوگ عدد اور مال اور قوت میں اپنے ہمعصروں پر فوقیت لے گئے اور رفتہ رفتہ بحرین و عمان کے درمیان اور حجاز کے ملک شام و مصر تک ان کا تسلط ہو گیا تاریخی کتابوں میں شام کے جابر سلاطین اور مصر کے فرعون بادشاہوں کے حالات تم نے بھی پڑھے یا سنے ہوں گے یہ سب اسی قوم عمالقہ کی اولاد میں تھے جنھوں نے ظلم و تعدی کے دفتر میں اپنے نام سب سے پہلے درج کرائے اور سلطنت و شرارت میں ابتک شہرۂ آفاق ہیں۔

زمین حجاز میں ان کا بادشاہ ارقم بن ابی ارقم نامی ایک شخص تھا جس نے کفر و سرکشی میں مبتلا ہو کر خدا کو بالکل بھلا دیا اور حجازی ملک میں عام طور پر حق تعالیٰ کی معصیت اور نافرمانی ہونے لگی۔ زمانہ رنگ پلٹے بغیر نہیں رہتا ایک دن ہر کمال کو زوال ہوتا ہے ان کی تقدیروں نے بھی پلٹا کھایا اور وہ وقت قریب آگیا جس نے ان کے عیش و تنعم اور مسرت و خوشی پر یکدم غبار ڈال دیا بلکہ سچ پوچھو تو دنیا کی زندگی بھی خاک میں ملا دی کیونکہ جس قدر ان کو عیش نصیب ہوا تھا اسی قدر مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کی عمریں اتنی دراز تھیں کہ چار چار سو برس تک جنازے کی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ اور چیخنا چلانا یا رونا پیٹنا کوئی جانتا ہی نہ تھا کہ کیوں ہوتا ہے۔ ہر وقت خوشی و قہقہے ہر دم عیش کے چہچہے تھے قد اس قدر لمبے کہ ساٹھ ساٹھ گز کی پیمائش ہو اور زور و قوت اس قدر کہ درخت جڑ سے اکھیڑ پھینکیں۔ زمانہ کے اقتضا کے موافق کوئی سامان عیش ایسا نہ تھا جو مہیا نہ تھا یا تو یہ حالت تھی ادھر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائی ہوئی قوم بنی اسرائیل کے اس لشکر جرار نے آ حملہ کیا جس کو حضرت کلیم اللہ نے فرعون مصر کے غرق ہونے کے بعد قوم عمالقہ کی سرکوبی کے لئے حجاز کی جانب بھیجا تھا اور حکم عام دیدیا تھا کہ معصوم بچوں اور عورت ذات مستورات کے سوائے جس کو بھی پاؤ تہہ تیغ کر دو کیونکہ حق تعالیٰ کی پاک زمین کفر کی نجاست اور معصیت کی غلاظت سے پاک و صاف ہونی بہتر ہے۔

چنانچہ شاہ حجاز یعنی ارقم بن ابی ارقم بھی مارا گیا اور قوم عمالقہ کی ملک حجاز سے جڑ بنیاد ہی جاتی رہی سوائے ایک خوبصورت جوان کے جو ارقم کی اولاد میں سے تھا کوئی نہ بچا اور وہ بھی اس وجہ سے کہ اس کے حسن و جمال نے کسی کا ہاتھ اس پر نہ اٹھنے دیا اور لوگوں نے بارگاہ رسالت سے جدید حکم لینے کے انتظار میں اس نازک اندام کا قتل ملتوی رکھا چنانچہ چند لشکری سپاہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جانب حکم لینے کے واسطے روانہ ہوئے مگر افسوس کہ کلیم اللہ کا ان کے پہنچنے سے قبل وصال ہو چکا تھا۔

ان قاصدوں کی خبر پاکر بنی اسرائیل نے بڑے تپاک سے ان کا استقبال کیا اور سب سے پہلے یہی پوچھا کہ حکم پیغمبری کی پوری تعمیل ہوئی یا نہیں۔؟ انھوں نے قصہ بیان کیا اور کہہ دیا کہ سوائے ایک حسین صورت نوجوان کے جس کا قتل حکم جدید پر ملتوی رکھا ہے اور کوئی مرد زندہ نہیں چھوڑا گیا مگر بنی اسرائیل نے یہ سنکر نہایت افسوس کیا اور بیزار ہو کر جواب دیا کہ جب حکم مل چکا تھا تو اس میں تخصیص کیسی اور جدید حکم کے انتظار یا درخواست اور التوا کی کون ضرورت تھی جاؤ تم لوگ یہاں سے نکل جاؤ تم نافرمانوں کا ہم میں ٹھکانا نہیں جدھر منہ اور سر سمائے ادھر چلے جاؤ۔ یہودی قاصدوں نے یہ کلمات سنے اور مایوس ہو کر وہاں سے واپس ہوئے اور باہمی مشورہ سے یہ بات طے کرلی کہ ہمیں اس مقام سے بہتر کوئی جگہ نہیں مل سکتی یہاں تلوار کے زور سے فتح پا چکے اور دشمنوں پر غالب آچکے ہیں ناچار حجاز میں سکونت اختیار کریں اور اس نبی آخر الزماں کے منتظر رہیں جن کے ملک حجاز کے نخلستان میں جلوہ گر ہونے کی بشارت توریت شریف میں دی گئی ہے چنانچہ یہ لوگ ملک حجاز میں رہ پڑے اور ملک حجاز بجائے قوم عمالقہ کے قوم یہود سے آباد ہو گیا دنیا کی بے ثباتی و ناپائداری

کا یہی مقتضی ہے سے

دنیا کے جو مزے ہیں ہرگز یہ کم نہ ہوں گے + چرچا یہی رہے گا افسوس ہم نہ ہوں گے

ابن زبالہ مؤرخ یوں لکھتے ہیں کہ قوم یہود بخت نصر کے زمانہ میں حجاز کی زمین پر آکر آباد ہوئی ہے جس کی صورت یہ ہوئی کہ جب بخت نصر ظالم بادشاہ نے بنی اسرائیل پر حملہ کیا اور بیت المقدس میں گھس کر طرح طرح کی گستاخیاں کیں اس مقدس گھر کو ویران بنایا اور توریت شریف کو جلا دیا تو اس وقت چند یہودیوں نے باہم مشورہ کیا کہ یہاں سے نکل چلو اور کسی ایسی جگہ چل بسو جہاں اطمینان کی زندگی بسر ہو سکے چنانچہ چند علماء و درویش اور زاہد صوفی وہاں سے روانہ ہوئے اور چونکہ توریت شریف میں دیکھ چکے تھے کہ نبی آخرالزماں جن کا حلیہ مبارک اور اوصاف حمیدہ سب لکھا ہوا ہے حجاز ہی کی زمین میں جلوہ گر ہوں گے اور اس شہر میں آکر رہیں گے جس کا نام ذات النخل (کھجوروالی زمین) ہے اس لئے حجاز میں آتے اور عرب کے جس قصبہ میں بھی کچھ آثار و اشتباہ پاتے تھے وہیں ٹھیر جاتے تھے اور آسمانی وحی سے تطبیق دیتے تھے چنانچہ جس وقت اس حصّہ زمین پر پہنچے جس کا نام یثرب تھا اور اب مدینۃ الرسول کہلاتا ہے تو ساری صفات سے متصف پایا اس لئے مطمئن ہو گئے اور یہیں رہ پڑے ان میں سے چند آدمی تو حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے انھوں نے تو خاص یثرب میں اس جگہ رہنا قبول کیا جو اس وقت مسجد قبا کا گردونواح کہلاتا ہے۔ اور باقی ماندہ یہودی اردگرد خیبر وغیرہ میں قیام گزیں ہوئے اور برابر یہ دستور رکھا کہ جب کوئی مرتا تھا تو اس مضمون کا وصیت نامہ تحریری اپنی اولاد کے حوالہ کرجاتا تھا کہ اگر تم سید البشر خاتم النبیین کا زمانہ پاؤ تو خبردار خبردار ان کی اطاعت سے منھ نہ پھیرنا ورنہ دنیا میں بھی روسیاہ ہوگے اور آخرت میں بھی کافر اٹھوگے۔

مگر تقدیر الٰہی سے کسی کو چارہ نہیں قوم یہود سے پہلے یہ نعمت عظمیٰ قبیلہ انصار کے نام لکھی جا چکی تھی اس لئے وہی آگے بڑھے اور خدا کے پیارے رسولؐ پر جان نثار کی۔ قوم یہود یہاں بڑھتی اور پھیلتی پھولتی رہی آخر کار عیش و تنعم میں گرفتار ہونے کی وجہ سے ظلم و تعدی سوجھی اور قبیلہ اوس و خزرج نے ان پر چھاپا مار کر تباہ و برباد کیا جس کا قصّہ بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

باب (۴۳)

مدینہ میں انصار کی آبادی۔ سام بن نوحؑ کے دوسرے پوتے یعنی سالخ بن ارفخشذی بن سام بن نوح کی اولاد میں سے یعرب بن قحطان اولاد ملک یمن کے اس زرخیز قطعہ میں آباد تھی جس کا نام ارض سبا ہے اور حق تعالیٰ نے کلام مجید میں بھی اس کی تعریف بلدۂ طیبہ (پاکیزہ شہر) کے نام سے فرمائی ہے مآرب سے زمین شام تک قصبات اور شہر متصل متصل آباد تھے اور ہر جگہ اونچی اونچی عمارتیں نظر آتی تھیں۔ لگاتار باغات اور سبز درختوں کا سلسلہ کسی جگہ منقطع ہی نہیں ہوتا تھا جس قدر بارونق اور زرخیز یہ سبزہ زار تھا تمام سطح زمین پر

کہیں دوسرا نہ تھا اس کی خوشگوار ہوائیں بیمار کو تندرست بناتی اور جنگل کی شادابی و تازگی تھکے مسافروں کو جنت کا مزہ چکھاتی تھی اس حصۂ زمین میں مسافر کو توشہ باندھنے اور زادراہ ساتھ لینے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ پھل پھول اور میووں کی اتنی کثرت تھی کہ کمزور بوڑھے مرد سروں پر ٹوکریاں رکھکر نکل کھڑے ہوتے تھے اور رسیاں بٹتے ہوئے درختوں کے نیچے سے گذرتے تھے تو چند قدم پر بغیر اس کے کہ درخت کو ہلائیں یا شاخوں کو جھاڑیں ٹوکریاں پھلوں سے لبریز ہو جاتی تھیں ہر جگہ قدرتی سبزہ کا مخملی فرش بچھا ہوا نظر آتا تھا۔ جدھر نظر اٹھتی تھی آنکھوں کو تازگی اور روح کو فرحت حاصل ہوتی تھی۔ اسی کیفیت کے ساتھ اتنا بڑا قطعہ مسلسل آباد چلا گیا تھا جو طول و عرض میں دو مہینہ کی مسافت تھی اس زرخیز ملک کے باشندے نہایت خوش حال فارغ البال اپنی زندگی امن و اطمینان کے ساتھ گزارتے تھے مگر افسوس کفرانِ نعمت انسان کے خمیر میں رکھا گیا ہے اس کو نعمت کی قدر کرنی نہیں آتی اور آخران لوگوں نے بھی حق تعالیٰ سے درخواست کی کہ ہمیں یہ شادابی اور پاس پاس آبادی پسند نہیں ہے ہمیں سفر کا لطف نہیں آتا اگر عمارت و آبادی دُور دُور ہو تو سفر کا تہیہ کریں اقارب سے رخصت ہوں اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر منزلیں قطع کریں تو کچھ مزہ بھی آئے اور اب تو سفر اور اقامت دونوں برابر ہیں۔ گھر میں اور باہر میں کچھ فرق ہی نہیں معلوم ہوتا۔ نہ گھوڑے پر چڑھنے کی کیفیت حاصل ہے نہ کوئی گھوڑا اور اسباب سفر کا لدا ہوا اونٹ ساتھ رکھنے کی ضرورت ہے بڑی بدمزگی سے زندگی گذرتی ہے۔ حق تعالیٰ کو یہ ناشکری نہایت ناگوار گذری اور بہت جلد سیل عرم کا عذاب نازل ہوا جس کا قصہ قرآن شریف میں مذکور ہے سیل عرم کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سخت بارش اور موسلا دھار مینہ تھا اور بعض سیل ہنا زیر ملخ بار کہتے ہیں غرض جو کچھ بھی ہو نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مضبوط و مستحکم بند جو ولایت یمن کی سیلیں روکنے کو لقمان اکبر نے فرسخ در فرسخ باندھا تھا عذاب کے قدرتی سیل سے یکدم ٹوٹ گیا اور پانی کی رو سے بند کی دیوار کے پتھروں کی یہ حالت ہوگئی کہ جو پتھر پچاس آدمیوں سے بھی پلٹا نہ جا سکتا تھا وہ ایک ملخ نے اکھاڑ پھینکا۔ اللہ پناہ میں رکھے۔ ایک عذاب تھا جو آسمان سے نازل ہوا تھا اس سے کون بچ سکتا تھا چنانچہ ساری آبادی غرق ہوگئی اور ناقدردان مخلوق ڈوب کر ہلاک ہوگئی البتہ ایک شخص عمر بن عامر اور اس کے تیرہ بیٹے معہ چند دیگر رؤساء یمن کے بچ نکلے جن کے بچنے کی صورت یہ ہوئی کہ اس آسمانی عذاب سے چند روز بیشتر عمر بن عامر کی بیوی نے جس کا نام طریفہ حمیریہ تھا اور فن کہانت اور پیشین گوئی میں مہارت رکھتی تھی آنے والے عذاب اور سیل عرم سے بند ٹوٹ جانے کا واقعہ اپنے خاوند سے ذکر کیا اور کہا کہ مجھ کو علم کہانت کے ذریعہ سے اس کے علامات نظر آرہے ہیں اس لئے مناسب بلکہ ضروری ہے کہ اس ملک سے نکل چلیں اور بحر فنا میں غرق نہ ہوں۔ عمر بن عامر شہر کا بڑا رئیس اور معزز دولت مند تھا جانے پر آمادہ ہو گیا مگر یہ خیال ہوا کہ بلا سبب جانا معیوب ہے لوگ طعنے تشنے دیں گے اس لئے کوئی حیلہ کرنا چاہیے جو جلاوطن ہونے کا ظاہری سبب بنجاوے اور وطن چھوڑنے کا موقع ہاتھ لگے چنانچہ عمر نے اپنے اس لے پالک یتیم بچہ کو تنہائی میں بلایا جس کی برسوں سے

پرورش کر رہا تھا اور کہا کہ میں رؤسا شہر کی دعوت کروں گا اور سب کو بلاؤں گا جس وقت سب لوگ جمع ہو جائیں
اس وقت تم آنا اور مجھ سے کسی بات پر جھگڑا شروع کر دینا اس کے جواب میں اگر میری زبان سے کوئی ناشائستہ
کلمہ نکل جاوے تو تم اولٹ کر اس سے سخت مجھکو جواب دینا تاکہ مجھے شہر چھوڑنے کا اچھا عذر ہاتھ لگ جاوے چنانچہ
ایسا ہی ہوا کہ یتیم لے پالک بچہ نے بھرے مجمع میں اپنے محسن اور مربی عمر بن عامر کو گالی دی بلکہ دست درازی بھی کی
اور ایک طمانچہ کھینچ مارا۔ عمر فوراً مجلس سے اٹھ کھڑا ہوا اور بولا کہ اب میں اس شہر میں ہرگز نہ رہوں گا کیونکہ جب یتیم اور
پروردہ بچہ کا یہ حال ہے تو کسی دوسرے سے کیا امید ہے۔ غرض تمام جائداد اور وہ اسباب جو ساتھ لیجانے کے قابل
نہ تھا نیلام ہونا شروع ہو گیا اور آپس والوں نے جو عمر کے شہر بدر ہونے کو حسد کے باعث غنیمت سمجھے ہوئے تھے
تمام اسباب جھٹ پٹ خرید لیا۔ عمر بن عامر فارغ البال ہو کر اپنی اولاد کو جو طریقہ ہیبر یہ کے پیٹ سے تھی اور نیز
کہلان بن سبا کی اولاد میں سے چند آدمیوں کو ہمراہ لیکر وہاں سے نکلا اور غرق و ہلاکت کے عذاب سے بچ گیا۔
انصار رضی اللہ عنہم جنھوں نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و اعانت کے باعث انصار کا وہ مبارک
لقب پایا ہے جو ابدالآباد تک آفتاب کے نور سے زیادہ روشن رہے گا اسی عمر بن عامر کی اولاد ہیں اور کیا
عجب ہے کہ عمر بن عامر کا عذاب سیل سے بچ نکلنا اسی وجہ سے ہوا ہو کہ اس کے صلب میں وہ نطفے تھے جن کو
دنیا میں ظاہر ہو کر خاتم النبیینؐ کی مدد کا اعزاز حاصل کرنا تھا۔ قصہ مختصر عمر بن عامر مع اپنے مختصر گروہ کے ولایت
یمن سے باہر نکلا اور راستہ کے شہروں کی تعریفیں اور اوصاف بیان کرتا چلا تاکہ ہمراہیوں میں سے جس کو جہاں مناسبت
حاصل ہو وہاں رہے اور بودوباش اختیار کرے چنانچہ ہر ایک نے اپنے اپنے میلان طبیعت کے موافق ایک ایک
شہر اختیار کر لیا اور وہیں سکونت پذیر ہوئے۔ بڑے بیٹے ثعلبہ بن عمر نے جو انصار کے دو مشہور قبیلوں اوس اور
خزرج کے جد امجد ہیں ملک حجاز کو پسند کیا اور یہیں اقامت اختیار کر لی اور چند روز بعد جب نسل بڑھی
اور جماعت زیادہ ہو گئی تو یثرب میں آکر قوم یہود کے پاس بودوباش پسند کر لی اور انھیں کے ساتھ تعلق و ارتباط
پیدا کیا میل جول بڑھایا یہاں تک کہ باہم معاہدہ اور رضامندی ہو گئی کہ ایک دوسرے کو ایذا نہ پہنچائے گا۔ اور
دونوں مختلف قومیں یکجان دو قالب ہو کر رہیں گی۔ مگر چند سال بعد جب اللہ پاک نے اولاد عامر یعنی قبیلہ اوس
و خزرج کو ثروت عطا فرمائی اور یہ لوگ متمول و مالدار ہو گئے تو قوم یہود کو حسد ہوا اور بنو قریظہ و بنو نضیر یہودیوں
نے عہد و پیمان توڑ دیا اور اوس و خزرج پر طرح طرح کی زیادتیاں کرنے لگے۔ اوس خزرج تنگ آگئے۔
اور گھبرا اٹھے مگر بیچارے بے دست و پا تھے اتنی طاقت نہ رکھتے تھے کہ سینہ سپر ہو کر لڑیں اور حماسہ
یہودیوں سے خاطر خواہ انتقام لیں اس لئے مجبوراً اپنے قومی بھائی ابو حبیلہ نامی بادشاہ کو اطلاع دی جو اپنی برادری
سے جدا ہو کر ملک شام کی جانب چلا گیا اور وہاں کا بادشاہ ہو گیا تھا۔ ابو حبیلہ نے اپنے مظلوم قوم کی رنج آلودہ داستان

سُنی اور غصہ میں پیچ و تاب کھا کر پورا لشکر لیکر حجاز پر حملہ آور ہوا اور یثرب میں پہنچکر اپنی قوم کا خونخواہ انتقام لیا اور جو کچھ مال اسباب اوس وخزرج کا ظلماً چھین لیا گیا تھا وہ سب یہود کو واپس دینا پڑا اس طرح پران بیچاروں کو پھر نئے سرے سے اطمینان کی زندگی نصیب ہوئی اور یہ مدینہ کے جنوب وشمال کی زمین پر مستقل طور پر آباد ہوگئے اور باہم موافقت واتحاد کے ساتھ اپنی زندگی گذارنے لگے۔ مگر پرآشوب زمانہ کی نیرنگیاں اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہتیں ان کا باہمی اتفاق بھی قائم نہ رہا اور چند روز بعد آپس میں ایسی پھوٹ پڑی جو آج تک شہرۂ آفاق ہے اوس وخزرج کا باہمی نفاق اور عداوت کی آگ عرب کی زبان میں ضرب المثل ہے کیونکہ یہ خانہ جنگی پورے ایک سو بیس برس رہی جس نے سیکڑوں گھر تباہ کردیئے اسی کی بدولت بیسیوں عورتیں بیوہ ہوگئیں اور سیکڑوں بچے یتیم بن گئے یہ برادرانہ نزاع درحقیقت رفع ہونے والا نہ تھا جس وقت اللہ کا پیارا رسولؐ مدینہ میں آیا ہے یہ منازعت بدستور قائم تھی مگر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو بلاکر باہم مصالحت کرائی اور ان دشمنوں کو پھر بھائی بھائی بنادیا جن میں ہر ایک دوسرے کے خون کا پیاسا اور جان کا خواہاں تھا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ رسالت ہی کا اثر تھا جس نے اس قدر جلد اپنا کام کیا اور یہ پیغمبر آخر الزماں ہی کی پاک صحبت تھی جس کی برکت سے اوس وخزرج جیسے دو مخالف قبیلے ایسے موافق ہوئے کہ ہر ایک دوسرے کو اپنی جان اور اپنے آپ کو اس کا قالب سمجھنے لگا اسی باہمی الفت واتفاق کا احسان حق تعالیٰ نے کلام مجید میں بھی جتایا ہے جو درحقیقت ختم رسالت کا ایسا قابل قدر معجزہ ہے جس کو عبرت کی نظر اور عدل وانصاف کی نگاہ سے دیکھکر نصیحت حاصل کرنی چاہیئے۔

باب (۳۴)

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا شرف۔ زمانہ گذشتہ میں ایک بادشاہ تھا جس کا نام تبع تھا۔ تبع بڑا بہادر اور جفاکش عالی حوصلہ شخص تھا۔ مغربی ممالک فتح کرنے کے بعد مشرقی ملک پر قبضہ کرنے کے خیال سے حجاز کی جانب متوجہ ہوا اور مدینہ منورہ میں گذرا تو یہاں اپنے بیٹے کو جانشین بنایا اور خود ملک شام وعراق کی جانب بڑھ گیا۔ مگر افسوس کہ یہاں باشندگانِ مدینہ نے بدعہدی کی اور تبع کے بیٹے کو جان سے مار ڈالا۔ تبع یہ جانگاہ حادثہ اور بدعہدی کا خونخوار ظالمانہ واقعہ سنکر غصہ میں لرز اٹھا اور فوراً مدینہ پر حملہ آور ہوا۔ اس نے اپنے پیارے مظلوم بیٹے کے انتقام لینے میں کسر نہیں رکھی اور قتل عام کا حکم دیدیا۔ اس لڑائی میں تبع کا گھوڑا بھی مارا گیا اور یہ سمند ناز پر اک اور تازیانہ ہوا تبع نے قسم کھائی کہ جب تک اس شہر کی اینٹ سے اینٹ نہ بجادوں گا اس وقت تک آگے قدم نہ بڑھاؤں گا۔ یہ کشت وخون کا عالم دیکھکر قوم یہود کے چند علماء ہمت کرکے تبع کے سامنے آئے اور کہنے لگے کہ ہمارے پاس آسمانی کتاب توریت شریف موجود ہے اس میں حق تعالیٰ کی دی ہوئی خبر لکھی ہے کہ اس مقدس شہر کا نام طیبہ ہے اور یہ پاک جگہ نبی آخر الزماں کا مسکن اور مدینۃ الرسولؐ ہے اس کا محافظ اور حامی خود ذات باری ہے تم اس کے ویران ہو

تباہ کرنے کے خیال خام سے درگزر و اور مخلوق خدا پر رحم کرو۔ تبع نے یہ آسمانی بشارت سنکر گردن جھکالی اور غصہ کو شربت کے گھونٹ کی طرح پی لیا اور چند علماء یہود کو ساتھ لیکر یمن کا رخ کیا۔ علماء یہود وقتاً فوقتاً پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف سُناتے اور حمد وثنا تبع کے کان میں ڈالتے رہتے تھے یہاں تک کہ تبع کو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غائبانہ ایک خاص اُنس اور محبت ہو گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چار سو علماء توریت نے زیارت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق میں تبع کی رفاقت چھوڑ کر مدینہ کا رہنا اختیار کیا اور تبع نے ان سب کے لئے اپنے اہتمام سے گھر بنوا دیئے اور ہر ایک کو ایک ایک لونڈی اور بہت بہت سامال دیا تاکہ اطمینان کی زندگی گذاریں اور آرزو پوری کرسکیں۔ نیز ایک مکان خاص اہتمام سے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی اس نیت سے تیار کرایا کہ جب آپ ہجرت فرما کر یہاں تشریف لائیں تو اس مکان میں قیام فرماویں۔ نیز ایک خط لکھا جس میں اپنے اسلام کا اظہار اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شوق ظاہر کیا ہے۔ اس کے دو شعر یہ بھی ہیں ؎

شَهِدْتُ عَلٰی اَحْمَدَ اَنَّهٗ ۔۔۔ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ بَارِی النَّسَمِ

فَلَوْ مُدَّ عُمْرِیْ اِلٰی عُمْرِهٖ ۔۔۔ لَکُنْتُ وَزِیْرًا لَّهٗ وَابْنَ عَمٍّ

"میں گواہی دیتا ہوں کہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم خالق الخلق اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبر ہیں پس اگر ان کے وقت تک میری عمر پہنچی تو بیشک میں ان کا چچازاد بھائی اور وزیر بنوں گا۔"

تبع نے خط پر مہر لگائی اور جانے والی جماعت میں جو شخص بڑا اور سردار تھا اس کے حوالہ کیا۔ نیز وصیت کی کہ اگر نبی آخرالزماں کا زمانہ تم کو نصیب ہو تو میرا یہ عریضہ خدمت اقدس میں ضرور پہنچا دینا ورنہ اپنی اولاد کے حوالہ کرنا اور یہی وصیت کر دینا جو میں تم کو کر رہا ہوں۔ اسی طرح وہ اپنی اولاد کو پہنچاویں اور وہ اپنی اولاد کو۔ غرض سلسلہ بہ سلسلہ یہ خط امانت رہے اور جس کو بھی وہ وقت سراپا برکت دیکھنا نصیب ہو وہی اس عریضہ کو حضور رسالت میں پیش کردے۔ تبع نے ایک متدین ومتقی عالم کو اس مکان کا متولی بنایا جو سید البشر کے لئے تیار کرایا تھا چنانچہ انھیں کی اولاد میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ ہیں کہ جنھوں نے یہ شرف حاصل کیا اور اللہ کے پیارے پیغمبر کی محکوم ومطیع ناقہ انھیں کے اُس مکان کے سامنے بیٹھ گئی جو زمانہ گزرا کہ تبع نے اسی نیت سے تیار کرایا تھا اور یہ خوشی خوشی مہاجر پیغمبر کا اسباب اپنے گھر لے گئے۔ کہتے ہیں کہ شاہ تبع کا عریضہ اس وقت تک ان کے پاس موجود تھا اور انھوں نے اپنی جدی وصیت کے موافق اُس خط کو حضورؐ میں پہنچایا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

البتہ اتنا پتہ اکثر روایتوں سے چلتا ہے کہ مدینہ طیبہ میں جن لوگوں نے پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت وحمایت کی ہے وہ سب انھیں علماء کی اولاد میں سے تھے جو اس شوق میں دنیا کے مال ومتاع پر خاک ڈال کر اور تبع کی رفاقت چھوڑ کر اس مبارک وقت کے انتظار میں مدنی سرزمین پر آبسے تھے۔ حضرت ابو ایوبؓ کا مکان دو منزلہ تھا جس کا میچے

کا حصہ سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے پسند فرمایا اور ابو ایوب رضی اللہ عنہ مع اہل وعیال اوپر کے مکان میں سکونت پذیر ہوئے حضرت ابو ایوبؓ نے عرض بھی کیا کہ یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان مجھے سب سے زیادہ تکلیف یہ ہے کہ آپ نیچے قیام گزیں ہیں اور میں بالاخانہ پر چڑھکر بیٹھتا ہوں اس گستاخی و بے ادبی کو دل گوارا نہیں کرتا مگر آپ نے جواب دیا کہ میرے پاس لوگوں کی آمد و رفت کثرت سے رہتی ہے ہر قسم و ہر خیال کے آدمی آتے جاتے ہیں اس لئے میں نہیں چاہتا کہ تمہاری ماں بہنیں اور بیوی بچے نیچے کے مکان میں رہ کر ایذا پائیں تمہارے اہل کا بالاخانہ ہی پر رہنا مناسب ہے۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ اپنی اس خوش نصیبی پر جو کچھ بھی فخر کریں بجا ہے اور جتنا بھی ناز کریں مناسب و زیبا ہے سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مکان میں سات مہینے قیام فرمایا اور اس مدت میں اکثر حضرت سعدؓ بن عبادہ اور سعدؓ بن معاذ وغیرہ حضرات سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کھانا تیار کرا کے بھیجا کرتے تھے حضرت ابو ایوبؓ نے ایک مرتبہ اعلیٰ اہتمام سے لذیذ کھانا تیار کرایا جس میں لہسن بھی ڈالا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش نہیں فرمایا اور صحابہ سے کہا کہ تم کھالو اگرچہ لہسن حرام نہیں ہے مگر مجھے کراہت آتی ہے کیونکہ مجکو اللہ تعالیٰ کے مقبول فرشتے سے سرگوشی کا اتفاق پڑتا ہے اور میں اپنے شفیق ساتھی کو اس کی بو کے باعث ایذا دینی نہیں چاہتا۔ حضرت ابو ایوبؓ فرماتے ہیں کہ اس قصہ کے بعد میں نے بھی کبھی لہسن نہیں چکھا کیونکہ جو چیز میرے محبوب کو ناپسند تھی وہ مجکو کیونکر گوارا ہو سکتی تھی۔

ایک مرتبہ حضرت ابو ایوبؓ کے بالاخانہ پر پانی کا بھرا ہوا برتن ٹوٹ گیا اور پانی بہنے لگا انھوں نے بیتاب ہو کر فوراً اپنے اوڑھنے کا لحاف اس پر ڈالدیا اور اس اندیشہ سے کہ مبادا تمام پانی جذب کر لیا کہ نیچے نہ گرے اور پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ ہو۔ اگرچہ اس لحاف کے سوا ان کے پاس اوڑھنے کے لئے کوئی دوسرا کپڑا نہ تھا مگر اپنی تکلیف اسکی بہ نسبت بدرجہا بہتر تھی کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کو کسی قسم کی تکلیف پہنچے۔ ؎

مبارک منزلے کان خانہ را ماہے چنیں باشد + ہمایوں کشورے کاں عرصہ را شاہے چنیں باشد

باب (۳۵)

عبد اللہؓ بن سلام کا اسلام۔ دوشنبہ ہی کا وہ مبارک دن ہے جس میں سلطان زمین و زمن صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی اور اسی روز روح مبارک قبض اور حق تعالیٰ سے وصال ہوا۔ یہی دن ابتدائے بعثت و نبوت کا ہے اور یہی روز ہجرت کا بھی ہے اور نیز مدینہ طیبہ میں تشریف لانے کا ہے۔ جس وقت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ مبارک حضرت ابو ایوبؓ کے دروازے پر بیٹھی قبیلہ بنی نجار کی کچھ لڑکیاں دف بجاتی اور یہ شعر گاتی نکلیں کہ ؎

نحن جوارٍ من بنی نجار + یا حبذا محمد من جار

"ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں کیا اچھا ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہمسایہ نصیب ہو"

اور انصار کی شریف زادیاں اور پردے والی بیبیاں جوش مسرت اور فرطِ محبت کے باعث یہ شعر پڑھتی ہوئی

کوچہ و بازار میں نکل پڑیں ؎ طلع البدر علینا من ثنیات الوداع + وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع
"وداع کی گھاٹی سے ہم پر شب چہار دہم نے طلوع کیا ہے اس لئے جبتک کہ دعا مانگنے والا اللہ سے دعا مانگتا رہے
یعنی قیامت تک ہم پر شکر ادا کرنا واجب ہے۔" ثنیات الوداع اس پہاڑ کی مشہور گھاٹی کا نام ہے جو
مکہ معظمہ سے چلکر مدینہ منورہ میں داخل ہوتے وقت پڑتی ہے اس کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ چونکہ
اہل مدینہ اپنے مسافر مہمان کو اس جگہ تک پہنچانے آتے تھے اور یہاں ایک دوسرے سے وداع و رخصت ہوتے تھے اسلئے
ثنیۃ الوداع نام ہے اور بعض کا خیال ہے کہ زمانہ جاہلیت میں یہ بات مشہور تھی کہ مدینہ میں آنے والے کو اس گھاٹی
سے آگے تین مرتبہ گدھے کی سی آواز بولے بغیر قدم رکھنا ہلاکت کا باعث ہے چنانچہ عرب میں یہ حرکت مشہور اور شائع
تھی لوگوں کا خیال تھا کہ جو شخص بغیر گدھے کی بولی بولے اس گھاٹی سے گذرے گا وہ دنیا سے رخصت اور وداع ہو جائے گا۔
یہانتک کہ زمانۂ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک شاعر عروہ بن ورد نامی نے مدینہ میں داخل ہوتے وقت ایک شعر پڑھا جس کا
مطلب یہ تھا کہ "اگر میں موت کے خوف سے اس جگہ حسب عادت عرب گدھے کی بولی بولوں تو مجھ سے زیادہ بزدل اور ڈرپوک
کوئی نہیں ہے۔" چنانچہ بغیر رینگے یہ مدینہ میں داخل ہوا اور کوئی آفت بھی نہ پہنچی اس وقت سے یہ عادت بد متروک ہوگئی
مگر نام ثنیۃ الوداع بدستور رہا۔

جس دن نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے آزاد و غلام، چھوٹے اور بڑے، مرد اور عورت خوشی کے
مارے پھولے نہ سماتے تھے اور ایک دوسرے سے کہتے پھرتے تھے جاءَ نبی اللہ جاء رسول اللہ "اللہ کے نبی تشریف لے آئے
رسول اللہ تشریف لے آئے" اور حبشی مرد اپنی عادت کے موافق خوشی میں مست ہو کر نیزہ بازی اور بہادرانہ کرتب دکھانے
میں مشغول ہو گئے۔ اس وقت حضرت انس رضی کی عمر نو برس کی تھی فرماتے ہیں کہ مجھے وہ دن خوب یاد ہے کہ آپ کے نور
عالم آرا سے مدینہ کی درو دیوار اس طرح روشن ہو گئی تھیں جس طرح آفتاب کے طلوع ہوتے وقت زمین روشن ہو جاتی
ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تو بالکل خاموش تھے اور حضرت صدیق عتیق رضی لوگوں سے باتیں کرنے میں مشغول
تھے اور چونکہ شاہ و وزیر دونوں کا لباس یکساں تھا اس لئے ناواقف لوگوں کو اشتباہ ہوتا تھا اور مخلوق کے ازدحام
کی جو کچھ کیفیت تھی اس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ اس اشتباہ کا یہ نتیجہ ہوا کہ بعض آدمی تو حضرت ابوبکر رضی ہی کو پیغمبر سمجھ گئے
لیکن حضرت صدیق نے عقل و فراست کے ذریعہ سے لوگوں کا یہ خیال معلوم کر لیا اور چونکہ کچھ دھوپ بھی آگئی تھی اس لئے
اپنی چادر مبارک اٹھا کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کر کے خادمانہ طور پر کھڑے ہو گئے جس سے لوگوں کا شبہ رفع
ہو گیا اور سب کو معلوم ہو گیا کہ یہ بادشاہ ہیں اور یہ ان کے وزیر۔
الغرض لوگ جوق جوق آنے شروع ہوئے اور سید الابرار کی شرف و زیارت و بیعت سے انصار کا قبیلہ مالا مال ہونے
لگا۔ یہود ناعاقبت محمود کو انصار سے تو حسد تھا ہی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی عداوت پیدا ہو گئی۔ ام المؤمنین حضرت

صفیہؓ بنت حیی جو جنگ خیبر میں اسلام لائی تھیں فرماتی ہیں کہ میرے باپ حیی بن اخطب اور چچا یاسر بن اخطب یہودی توریت کے بڑے زبردست عالم تھے اور دونوں کو مجھ سے کمال درجہ کی محبت تھی جس دن سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تھے اُس دن یہ دونوں بھائی اِدھر اُدھر لوگوں کے خیالات اور اسلامی شان و شوکت دیکھتے پھرے اور شام کو تھکے ماندے گھر آپڑے اُس وقت میں پاس گئی اور حال پوچھنے لگی مگر دونوں نے تکان کے باعث باوجود انسیت کے کچھ شافی جواب نہ دیا اور میری طرف متوجہ بھی نہ ہوئے میں ایک جانب ہو بیٹھی اتنے میں چچا نے میرے باپ سے عربی زبان میں پوچھا "کیا یہ وہی ہیں" یعنی آنے والے محمد کیا وہی پیغمبر موعود ہیں جن کی بشارت توریت میں موجود ہے۔؟ میرے باپ نے جواب دیا کہ بیشک خدا کی قسم وہی ہیں۔ پھر چچا نے کہا کہ تمھارا کیا خیال ہے دل میں محبت ہے کہ عداوت؟ میرے باپ نے جواب دیا کہ واللہ عداوت ہے اور جب تک بھی زندہ رہوں گا عداوت سے ہرگز ہرگز باز نہ آؤں گا۔ اس کے بعد ازلی بدبخت طرح طرح کی خباثتوں اور مفسدوں میں مشغول ہوئے خود بھی ڈوبے اور دوسروں کو بھی ڈبویا کیونکہ ان کی دیکھا دیکھی سیکڑوں یہودی گمراہی و حسد و کجروی و بغض میں گرفتار ہوئے اور اس عناد و دشمنی کی بدولت دنیا و آخرت دونوں جگہ ذلیل و خوار بنے۔ اللہ کی شان ہے ایک زمانہ وہ تھا کہ یہود قبیلہ انصار سے کسی بات پر جھگڑتے تھے تو طنزاً کہا کرتے تھے کہ چند روز صبر کرو اب نبی آخر الزماں پیدا ہونے والے ہیں ہم اہل کتاب سب سے پہلے ایمان لاویں گے اور ان کے ساتھ ہو کر تمھارا بیج بھی باقی نہ چھوڑیں گے اور آج جب کہ وہ وقت آنکھوں سے اس طرح نظر آگیا جس طرح دوپہر کے وقت آفتاب نظر آتا ہے اور اپنی اولاد کے اولاد ہونے میں شک ہو سکتا ہے مگر محمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبی موعود ہونے میں شبہ و شک نہیں رہا تو معاملہ برعکس ہوگیا یہ نعمت غیر مترقبہ انصار کے ہاتھ آئی اور کمبخت یہود بے بہود محروم رہے۔ ع علمیکہ رہ بحق ننماید جہالت ست۔

البتہ جن علماء یہود کی تقدیر میں کاتب ازلی نے ہدایت لکھی تھی ان کو ضرور سعادت نصیب بننا تھا چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلام اسی دن جب کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوایوب کے مکان پر قیام فرمایا ہے حاضر خدمت ہوئے اور جمال جہاں آرا پر محبت کی نگاہ ڈال کر عرض کیا۔ شعر

مدتے بود کہ مشتاق لقا یت بودم + لاجرم روئے ترا دیدم و از جان رفتم

حضرت عبداللہ اپنے مذہب کے بڑے زبردست عالم اور علماء میں مقتدا سمجھے جاتے تھے جس وقت مشرف باسلام ہوگئے تو عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے اسلام کے ظاہر ہونے سے قبل میرے حالات میری قوم اور ہم مذہب یہودیوں سے دریافت فرما لیجیے کہ وہ مجھ کو کس نظر سے دیکھتے اور کیسا سمجھتے ہیں چنانچہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ یہودیوں کو بلا کر فرمایا کہ اے گروہ یہود تم مجھے خوب پہچانتے اور جانتے ہو کہ میں کون ہوں، تمھارے پاس آسمانی کتاب اور نبی بشارت موجود ہے جس نے میرا پیغمبر ہونا صاف بتلا دیا ہے مگر افسوس کہ

تمھاری عقلوں پر پردے پڑ گئے اور اس حسد و بغض کی مہلک بیماری نے تم کو اندھا بنا دیا۔ یہود نے جواب دیا کہ نہیں ہماری توریت میں تمھارا ذکر کچھ بھی نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا عبداللہ بن سلام کی بابت تمھارا کیا خیال ہے اس کو کس نظر سے دیکھتے ہو؟ یہود نے کہا کہ وہ ہمارا سردار ہے سردار کا بیٹا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ مجھ پر ایمان لے آئے اور میرے سچے پیغمبر ہونے کی گواہی دے تو یقین کرو گے یا نہیں؟ یہود نے جواب دیا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا وہ تم پر کبھی ایمان نہیں لا سکتے۔ حضرت نے تین مرتبہ ان کلمات کا اعادہ فرما کر تین ہی مرتبہ جواب لیا اور اس کے بعد حضرت عبداللہ بن سلام کو آواز دی جس کے سنتے ہی حضرت عبداللہ جو چھپے ہوئے سب باتیں سن رہے تھے فوراً باہر نکل آئے اور کہا اشهد ان لا الٰه الا الله و اشهد ان محمداً عبده و رسوله۔ اے گروہ یہود نا بہبود تم یقیناً جانتے ہو کہ یہ حضرت جو تمھارے سامنے موجود ہیں وہی نبی موعود اور سچے رسول ہیں جن کا ذکر توریت میں لکھا ہوا ہے پھر کیوں انکار کرتے اور شقاوت میں پڑتے ہو سنبھل جاؤ دیکھو گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں پچھتاؤ گے اور ایسے وقت ندامت اٹھاؤ گے جس وقت ندامت کا کچھ نتیجہ نہ نکلے گا۔ گروہ یہود یہ حالت دیکھکر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ عبداللہ خود بُرا ہے بُرے کا بیٹا ہے جاہل ہے اور بڑے جاہل کا بیٹا ہے۔

باب (۳۶)

مبارکباد۔ شاد باش اے خستہ ہجران بلا + کہ پئے دردِ تو درماں میرسد + دردل افسردہ روح میدمد + مردہ تن را مژدۂ جاں میرسد
شوق کن اے بلبل گلزار عشق + کاں گل نواز گلستاں میرود + تازہ باش اے تشنۂ وادی غم + کز برایت آب حیواں میرسد
دور شو اے ظلمت شام فراق + کافتاب وصل تاباں میرسد

اے عمر بن عوف کے خوش نصیب بیٹو تمھیں مبارک ہو کہ ماہ ربیع الاول کی بارھویں تاریخ دوشنبہ کے دن تمھارے مہربان پروردگار کا پیارا پیغمبر اپنے وزیر کو ہمراہ لئے ہوئے تمھارے محلہ میں آکر اترا اور یہ مبارک دن تم کو آنکھوں سے دیکھنا نصیب ہوا جس کا شمار قیامت کے دن تک بھی کوئی شخص نہ بھولے گا کیونکہ اگرچہ حساب کی آسانی کے لئے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں علیؓ شیر خدا کی رائے سے متفق ہو کر محرم کے مہینے سے پہلا سنہ ہجری شروع ہوتا ہے مگر ہجرت کی واقعی پہلی تاریخ یہی ہے جو سب سے پہلے تم کو نصیب ہوئی اور اے عمر بن عوف کے مبارک منازل تم چرخ چہارم پر بھی فخر کرو تو بجا ہے کیونکہ تمھارا ہی ایک قطعہ اس مسجد کی تعمیر کے لئے منتخب ہوا ہے جس کا نام روز محشر تک قبا کے نام سے مشہور خلائق رہے گا اور جس کی تعریف حق تعالیٰ اپنے پاک کلام میں فرماتے ہیں کہ یہ مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔

اور اے مسجد قبا تجھکو مبارک ہو تو پہلی مسجد ہے جو دین اسلام میں تعمیر ہوئی تیری بنیاد کا سب سے پہلا پتھر خاص اس پیغمبر کے مبارک ہاتھوں کا رکھا ہوا ہے جو سب میں پچھلا رسول ہے تیری تعمیر کے لئے مذہب اسلام کے ان پہلے پیشواؤں نے اپنے کاندھوں اور کمر پر پتھر ڈھوئے ہیں جن کو صحابہ کرامؓ کہا جاتا ہے اور جبتک رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس

محلہ میں تین یا چار دن قیام فرمایا تیرے ہی اندر نماز پڑھی ہے اور اس کے بعد بھی ہمیشہ ہر ہفتہ کو سوار اور پیادہ تشریف لاتے رہے تو ہی وہ مبارک مسجد ہے جس کو ایک مرتبہ خالی دیکھکر حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا تھا کہ اگر یہ مسجد عالم کے ایک کنارے پر ہوتی تو ہم کو خدا جانے کتنے اونٹوں کے جگر پھاڑنے پڑتے۔ اے مسجد قبا تجکو مبارک ہو تیرے خس وخاشاک کو فاروقؓ اکبر نے اپنے ہاتھوں کھجور کی شاخ سے صاف کیا اور اس جاروب کشی کو فخر و مایۂ ناز سمجھا ہے۔

اے اس برکت والے محلہ میں رہنے والو تمھیں مبارک ہو کہ سب سے پہلے تم ہی اللہ کے حبیب کے ہمسایہ بنے ہو اور پیغمبر خدا کے چچازاد بھائی علیؓ شیر خدا جو رسول امین کے پاس رکھی ہوئی اہل مکہ کی امانتیں واپس کرنے کو مکہ میں رہ گئے اور حجرہ شریف میں چادر مبارک اوڑھ کر دشمنوں کو دھوکہ دینے کی غرض سے پڑے رہے تھے تین دن کے بعد تم ہی میں اپنے مسافر اور مہاجر بادشاہ و وزیر کے ساتھ آملے تھے تمھیں کیا خبر تھی کہ گھر بیٹھے یہ دولت تم کو نصیب ہوجائے گی اگر تم کو فرشتوں پر ناز ہو تو بے موقع نہیں ہے۔

اور اے مدینہ کی مبارک زمین تجھکو مبارک ہو کہ جمعہ کے روز دن چڑھے اللہ کے محبوب نے تجکو اپنے میمنت لزوم قدوم سے عزت بخشی تیری سوئی ہوئی تقدیر جاگ اٹھی اور تجکو سالہا سال انتظار کے بعد آج وہ دن نصیب ہوا جس کی فلکِ ہفتم اور عرش کو مدتوں تمنا اور آرزو رہی اور صرف ایک شب کے لئے پوری ہوئی۔

اے مبارک شہر تیرا چپہ چپہ رسولؐ کے قدموں کی عزت حاصل کئے ہوئے ہے خدا کی قسم تیرا محلہ محلہ سر کے بل چلنے کے قابل ہے تیری خاک ذرہ ذرہ آنکھوں کا سرمہ بنانے کے لائق اور تجھ پر ایک مرتبہ گذر جانے والی ہوا کا جھونکا جاں بلب بیماروں کی شفا اور لاعلاج مرض کی دوا ہے۔ اس مقدس مدینۃ الرسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے انفاس طیبہ کی خوشبوؤں کے باعث تیری ہوا کی خوشبو مشک سے فوقیت لے گئی ہے اور اسی وجہ سے تیرا نام طابہ۔ طیبہ طیبہ اور رطابہ ہے۔

ع
زنسیم جاں فزایت تن مردہ زندہ گردد ✤ زکدام باغ اے گل کہ چنیں خوشست بویت

تجھکو حق تعالیٰ نے ارض اللہ اور ارض الہجرۃ کا لقب مرحمت فرمایا ہے۔ تیرے مقابلہ پر کوئی شہر شہر نہیں ہے اسی وجہ سے تیرے نام اکالۃ البلدان اور اکالۃ القریٰ ہیں تو ایمان کا مرجع اور مآل ہے اس وجہ سے تیرا نام ایمان بھی ہے اور جس طرح مکہ معظمہ کو خانہ کعبہ کی بدولت بیت اللہ کہا جاتا ہے اسی طرح تیرا نام بیت الرسولؐ ہے ع

زہے سعادت آں بندہ کہ کرد نزول ✤ گہے بہ بیت خدا و گہے بہ بیت رسول

چشمہ و باغات کی کثرت اور وسعت فضا اور بلندی مقامات کے ظاہری حسن اور مقصود خلائق یعنی سلطانِ زمین و زمن کے مستقل قیام گاہ ہونے کے باطنی حسن کی بدولت تیرا نام حسنہ۔ عیبہ اور محبوبہ بھی ہے۔ خدا کی قسم تو تمام دنیاوی خیرات و برکات اور دینی ثمرات و حسنات کا جامع ہے تیرے بیسیوں مبارک نام ہیں جن کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے تو ہمیشہ سے معصوم و محفوظ ہے تیری حفاظت و حمایت کا حق تعالیٰ نے ذمہ لیا ہے۔ تو ابتدا میں موسائی اور داؤدی

لشکروں کی حفاظت میں جابر و ظالم اور متکبر و جفا کار ظالموں کے تسلط سے محفوظ رہا تبع کے قتل عام اور بخت نصر کی ظالمانہ کارروائیوں سے تجھ کو صدمہ نہیں پہنچا تو نے اپنے رہنے والوں کو بھی امن دیدی تیرے اندر سیکڑوں ستم رسیدہ مظلوم مسلمانوں نے آرام وامن پایا تو پیغمبر کے قدموں کی بدولت شیاطین کی پرستش اور بتوں کی عبادت سے محفوظ رہا اور قیامت کے قریب سطح زمین کے تیز رفتار سیاح بدنصیب دجال کے فتنہ اور عالمگیر و بالعنی سخت مہلک مرض طاعون کی ویرانی سے بھی محفوظ رہے گا اس لئے تیرا نام عاصمہ اور معصومہ بھی ہے تیرے شاداب بارآور خطہ میں جو بھی رہا وہ دوسرے سے دبکر نہیں رہا جو کوئی آیا اس نے شہرت اور نام آوری اور غلبہ وتسلط پایا قوم یہود نے عمالقہ پر حکومت کی اور یہودیوں پر انصار کے قبیلہ اوس اور خزرج نے غلبہ پایا اور اب مہاجرین حضرات اکثر قبائل انصار پر فوقیت لے گئے اور یہ غلبہ وتسلط جو رسول کی بدولت تجھ کو حاصل ہوا ہے قیامت تک بدستور رہے گا اس لئے تجکو غلبہ کے نام سے پکاریں تو نامناسب نہیں ہے تیرے مبارک نام مومنہ مجبورہ محفوظہ اور مسلمہ بھی ہیں مگر سب سے زیادہ مشہور نام مدینہ ہے جس کے معنی مطلق مصر اور شہر کے ہیں اور گو عربی لغت کے اعتبار سے مدینہ ہر شہر کو کہہ سکتے ہیں مگر جس طرح نجم کا اطلاق خاص ثریا پر ہے اگرچہ لغتہً ہر ستارہ پر بولا جا سکتا ہے اسی طرح اب جس وقت بھی کسی کی زبان سے مدینہ نکلیگا اس سے تو ہی مراد سمجھا جائے گا کیونکہ تیرے مقابلہ میں درحقیقت کسی شہر کو شہر کہنا زیبا ہی نہیں۔ تیرے باشندے مدنی کہلاتے ہیں اور تیرا یہ مبارک نام قرآن شریف میں بھی مذکور ہے مگر ہمیں تیرا نام مدینۃ الرسول سب میں زیادہ پیارا معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں اس پیارے محبوب کی نسبت بھی ظاہر ہے جس کی برکت سے تو نے بیسیوں مبارک لقب اور اس قدر عزتیں پائی ہیں جو عرش کو بھی نصیب نہیں ہوئیں۔

اے مبارک شہر تجکو بیشمار دولت مبارک ہو تیرے اندر ایک خاص ڈھائی گز لانبا ٹکڑا ایسا ہے جو خدائے پاک کی قسم عرش سے بھی بڑھا ہوا ہے وہ مقدس ٹکڑا جس میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک مدفون ہے بیت اللہ سے بھی افضل ہے کیونکہ یہی پاک ٹکڑا ہے جس کی پاکیزہ مٹی رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے گوہر عنصر کا صدف قرار پائی اور جس کو خدا کی رحمت کے مقدس و منزہ اور پاک فرشتے ہر وقت ڈھانپے رہتے اور رہ جمال محبوب پر بیشمار درود پڑھتے رہتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ بِقَدْرِ حُسْنِہٖ وَجَمَالِہٖ

اے مدینۃ الرسول تیرے فضائل ومناقب بیان نہیں ہو سکتے اللہ پاک نے اپنے محبوب رسول کو مکہ سے تیری جانب ہجرت کرنے اور مدینہ کے لئے یہیں قیام کرنے کا حکم فرمایا جتنے کمالات ظاہری و باطنی چھپے ہوئے تھے وہ سب تجھ ہی میں ظاہر ہوئے تو ہی تمام فتوحات اور برکات کا مبدا ہے تیرا احسان ساری دنیا کی گردن پر ہے جس سے قیامت تک کوئی انسان سبکدوش ہو سکتا ہے نہ کوئی حیوان سر اٹھا سکتا ہے تیرا بیشمار فیضان ابتک بدستور جاری ہے کیونکہ تو ایسے پیغمبر کا مدفن قرار پایا ہے جس کی عامہ رسالت اور کاملہ شریعت قیامت تک جاری رہنے والی ہے اور تجھ کو جس خاتم النبیین

کا پڑوس حاصل ہے جس کی حیات بعد وصال پر سب کا اتفاق ہے اور جس نے اپنے ظاہری کمالات کے فیضان کی شعاعوں کو محض اس طرح ڈھانپ لیا ہے جس طرح چراغ پر کوئی ہانڈی ڈھکدی جائے۔

اے مبارک شہر تجھ میں وہ مبارک قبرستان ہے جس کی پاک مٹی کے نیچے ہزاروں صحابہ اور لاکھوں شہیدان عشق چھپے لیٹے ہیں جن کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے کی خاک بھی نصیب ہو تو خدا کی قسم سرمہ بنا کر آنکھوں میں لگالی جائے اس مقدس گورستان کا نام جنت البقیع ہے جس کے بھرپور ہو جانے پر حق تعالیٰ کے فرشتے دونوں گوشے پکڑ کر جنت میں جھٹک دیتے ہیں اور دوسری نعشوں کے لئے جگہ خالی کر دیتے ہیں۔

اے جنت البقیع میں سونے والو تم کو اللہ کے پیارے رسول کا پڑوس مبارک ہو تم جیسا خوش نصیب دنیا میں کوئی نہیں ہے تمہاری شفاعت کا ذمہ دار اللہ کا وہ پیارا پیغمبر ہے جس کی جانب محشر کے ہولناک میدان میں دنیا بھر کی نظریں اٹھیں گی اور کار برآری ہوگی اے آرام کی نیند سونے والو خدا کی قسم یہ تمہاری موت لاکھ زندگیوں سے بہتر ہے تم جیسے خوش نصیب بننے کی لاکھوں دل دادہ عاشقوں نے تمنائیں کی ہیں حضرت امام مالک جیسے عالی تبار شخص نے سوائے حج فرض ادا کرنے کے دوسرا حج نہیں کیا اور صرف اسی ڈر سے مدینہ کے باہر نہیں گئے کہ کہیں موت نہ آجائے اور مدینہ میں دفن ہونے سے محرومی ہو۔ ؎

صبر از درت محال شود اہل شوق را ✦ وز آنکہ در بہشت بریں رفتہ جا کنند

اے مبارک شہر تیری کس کس چیز کی تعریف کی جائے۔ تیرے کنویں اور چشمے تیری مسجدیں اور مقبرے، کوچے اور کائنات، تیرے پہاڑ اور باغات، تیری خاک اور غبار، تیرا بازار اور جنگل، تیری ہوا اور مٹی سب ہی ثنا و صفت کے قابل ہے۔ کاش مجھ سیہ کار کی مشت خاک کو بھی تیرے مبارک گورستان کے مور و مار کی غذا بننا نصیب ہو جائے اگر ایسا ہو تو میں اپنے آپ کو اتنا خوش نصیب سمجھوں جو حد و حساب کے احاطہ سے بھی باہر ہو جائے۔

اے مدینۃ الرسول کی مبارک زمین تیرے ذکر میں بھی وہ لذت ہے کہ سر کے بل چلنے والا قلم آگے نہیں سرکتا اکثر سفر سے تشریف لاتے وقت تیرے قریب پہنچکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم خوشی کے باعث ناقہ تیز کر دیتے اور گرد و غبار پڑنے کے لئے چہرہ مبارک کھول دیا کرتے تھے چادر دوش مبارک سے گرا دیتے اور یوں فرمایا کرتے تھے "یہ پاک ہوائیں ہیں اس کی گرد بیماریوں کی شفا ہے" اور بیشک مریضوں نے تجربہ بھی کیا ہے۔ سال سال بھر کی تپ دق کا لاعلاج مریض اور برص و جذام کا مبتلا جس کو اطبا نے جواب دیدیا ہے تیری مٹی گھول کر پینے سے شفایاب ہوا ہے اور یہ تیرا ادنیٰ درجہ کا ظاہری فیضان ہے ورنہ تو تو وہ چیز ہے جس کو حق تعالیٰ کے محبوب نے اپنا محبوب فرمایا۔ تیرے ارد گرد کو حرم شریف قرار دیا اور دست مبارک اٹھا کر یوں دعا فرمائی ہے کہ "مدینہ میری ہجرت کا مقام ہے یہی میری خوابگاہ ہے یہیں سے قیامت کے دن میں اٹھوں گا میرے ہمسایہ کی تعظیم و احترام مسلمانوں پر واجب ہے جو میرے پڑوسیوں کی عزت

نہ کرے گا وہ جہنمی ہے حق تعالیٰ اس کو اس طرح گلادیں گے جس طرح آگ میں سیسا اور پانی میں نمک پگھلجاتا ہے بار آیا جو شخص میرے ساتھ یا میرے شہر کے باشندے یعنی اہل مدینہ کے ساتھ بُرا قصد کرے تو اس کو جلد ہلاک سمجھو" چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بشر بن ارطاۃ ظالم حاکم کا اہل مدینہ کو ایذا دینا اور بُری موت مرنا تواریخ میں لکھا ہی ہے اور یزید کے زمانہ میں مسلم بن عقبہ کی مدینہ پر چڑھائی اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے ساتھ جانکاہ حادثہ پیش آنا اور مسلم بن عقبہ کی قابل عبرت ہلاکت واقعہ حرّہ کے نام سے مسلمانوں میں مشہور ہے جنھوں نے یہ دعائے نبوی کا مصداق بنکر اندھوں کو سوانکھا بنا دیا۔

اے مقدس مدینۃ الرسول تجھ ہی میں قبر شریف اور منبر کے درمیان کا وہ قطعہ موجود ہے جو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے تجھ ہی میں جنت کا وہ پہاڑ ہے جس کا نام اُحد ہے اور جس کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے محب اور محبوب فرمایا ہے۔ تیرے ہی اندر سید الشہدا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا مزار ہے اور تیرے ہی اندر وہ متبرک مسجد ہے جو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے جس میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب عام مسجد میں پچاس ہزار اور کسی روایت سے ایک لاکھ نمازوں کی برابر ہے حساب کرنے سے ایک وقت کی نماز کا اجر پچپن برس چھ مہینے بیس روز کی نمازوں کے اجر کی برابر ہے۔ اور گو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک وقت نماز پڑھ لینے سے برسوں کی فرض نمازیں ساقط ہو گئیں مگر اس ثواب کثیر کا کیا ٹھکانا ہے جو کیفیت کے اعتبار سے برکت و عظمت میں اتنا بڑھتا ہے جس سے عقل حیران ہو جاتی ہے۔

اے مبارک شہر تیرے کھجور کے باغات میں ایک سو انتالیس قسم کی کھجوریں پیدا ہوتی ہیں جن میں وہ قسم بھی ہے جو صیحانی کہلاتی ہے کیونکہ اس نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور علیؓ شیر خدا کو دیکھکر صیحہ یعنی چیخ ماری اور بآواز بلند کہا تھا کہ ھذا محمد سید الانبیاء و ھذا علی سید الاولیاء (یہ محمدؐ ہیں نبیوں کے سردار اور یہ علی ہیں ولیوں کے سردار) نیز تیری شاداب زمین میں اُس کھجور کے بیشمار درخت ہیں جس کو عجوہ کہتے ہیں اور جس کے سات دانہ نہار منہ کھانے سے زہر اور کسی قسم کا جادو اثر نہیں کر سکتا اس کھجور کو اللہ کے پیارے رسول نے بڑی رغبت سے کھایا ہے اور غالباً یہی وہ کھجور ہے جس کی اصل رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے لگائی ہے۔ تجھکو تیری تازگی مبارک ہو تیری ناپ اور تول میں خاتم النبیین نے برکت کی دعا مانگی ہے۔

اے مبارک شہر تیرے بیشمار اوصاف قیامت تک بھی ختم نہیں ہو سکتے تو جس مرتبہ کا شہر ہے اُس کو خدا ہی جانتا ہے۔ مجبوراً قلم روکتا ہوں اور وہی دعا مانگتا ہوں جو حضرت فاروق اکبر رضی اللہ عنہ نے مانگی تھی اللھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلک واجعل موتی فی بلد رسولک "الٰہی مجھکو اپنے رستہ میں شہادت نصیب کر اور اپنے رسول کے شہر میں موت دے" خداوندا اس گناہگار بندہ روسیاہ کی یہ دعا خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیارے خلیفہ

یعنی اصل دعا مانگنے والے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے طفیل سے قبول فرما آمین یا رب العالمین۔

باب ۳۷

مسجد قبا اور مسجد جمعہ۔ جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو قبل از رونق بخشی مدینہ مطہرہ چند روز بستی بنی عمرو بن عوف کے محلہ میں قیام فرمایا اور چونکہ اس محلہ کے مسلمان جان نثار صحابہ نے مسجد تعمیر ہونے کی درخواست کی اس لئے دست مبارک سے مسجد قبا کی بنیاد رکھی اور اس مبارک مقام کو کئی دن کی نمازوں سے شرف مرحمت فرمایا۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی طرف اشارہ کیا اور ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص میری ناقہ پر سوار ہو کر اس کو پھرا وے جس جگہ وہ ٹھہر جائیگی اسی مقام پر مسجد کی تعمیر کی جائے گی چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور اونٹنی کی پشت پر سوار ہوئے مگر ناقہ نہ اٹھی پھر حضرت فاروق رضی اللہ عنہ سوار ہوئے اور اونٹنی کے اٹھانے میں کوشش کی لیکن نہ اٹھی ان کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اٹھ کر رکاب میں پاؤں ڈالا ہی تھا کہ حق تعالیٰ کی محکوم و فرمانبردار اور اللہ کے پیارے پیغمبر کے سوار ہونے کی اونٹنی کود کر کھڑی ہو گئی چنانچہ حضرت اسد اللہ نے حکم رسالتماب کی بموجب باگ چھوڑ دی اور آخر کار ناقہ مبارک جس جگہ ٹھیری اسی جگہ مسجد قبا کی بنیاد ڈالی گئی اور صحابہ کو حکم ہوا کہ پتھر جمع کریں اس کے بعد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے تعین قبلہ کے لئے اپنے دست مبارک سے خط کھینچ دیا اور اپنے ہی ہاتھ سے ایک پتھر اٹھا کر نیو کی جگہ رکھدیا اور پھر صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ ہر مسلمان بترتیب ایک ایک پتھر اپنے ہاتھ سے رکھے چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے رکھے ہوئے پتھر کی برابر سب سے پہلے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پتھر رکھا اور پھر خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اور ان کے بعد چوتھے خلیفہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اور پھر باقی صحابہ نے پتھر رکھنے شروع کئے کیونکہ ابھی تک خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جو عرصہ ہوا بحکم رسالتماب ملک حبشہ کی جانب ہجرت فرما کر چلے گئے تھے حاضر نہیں تھے ورنہ انسانی عقل اور اسلامی فہم قرائن دیکھکر چاہتی ہے کہ تیسرا پتھر ان کے مبارک ہاتھوں سے رکھا جاتا۔

چونکہ اس وقت قبلہ بیت المقدس کی جانب تھا اس لئے یہ پہلی تعمیر اسی سمت کو قبلہ رکھکر کی گئی البتہ تحویل قبلہ کے بعد دوسری تعمیر میں اللہ کے مقدس فرشتے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کی چھت بھی دکھائی اور اس وقت بیت اللہ کی جانب قبلہ کا رخ قرار پایا۔

اس کی بنا کے وقت پتھر ڈھونے میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل تھے یہی وہ مبارک مسجد ہے جسکی شان میں آیت قرآنی نازل ہوئی اور حق تعالیٰ نے ان الفاظ میں تعریف فرمائی ہے کہ "اے محمد بیشک وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ اور پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے وہی زیادہ تراس کے لائق ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو اور نماز پڑھو"

اور اسی مسجد والوں کی مدح میں یہ مضمون حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "اس مسجد میں ایسے آدمی ہیں جو طہارت و پاکی کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پاک بندوں سے محبت فرماتا ہے" اس آیت مقدسہ کے نازل ہونے کے بعد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تھا کہ اے قبا میں رہنے والے پاکباز بندو بتلاؤ تو سہی وہ کونسا پاک کام کرتے ہو جس کی تعریف حق تعالیٰ نے اپنے مقدس اور بے ریب کلام مجید میں فرمائی ہے۔ تو ان لوگوں نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ ہم تو کوئی عمل نہیں جانتے۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ ڈھیلے سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے اچھی طرح طہارت کر لیتے ہیں۔ اللہ کے برگزیدہ پیغمبر نے فرمایا کہ یہی سبب ہے جس کی بدولت اس منقبت کے ساتھ مخصوص ہوئے ہو چاہیئے کہ اس نعمت کی قدر کرو اور اس پاک عمل پر ہمیشہ کاربند رہو۔

اس مقدس مسجد میں نماز پڑھنے کا اجر عمرہ کے ثواب کی برابر ہے اور مسجد قبا ان چار مسجدوں میں داخل ہے جن میں نماز پڑھنے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے مکہ معظمہ میں مسجدِ حرام اور مدینہ منورہ میں مسجد قبا اور مسجد نبوی اور بیت المقدس میں مسجد اقصٰی کے اندر نماز پڑھی اس کی مغفرت ہو جائے گی اور تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

یہ مسجد نہایت سادی اور پرانے طرز کی بے تکلف و بلا تزئین تعمیر ہوئی تھی لیکن عمر بن عبد العزیز نے اسکی تجدید میں مسجدِ نبوی کی طرح زیب و زینت اور تزئین و آرائش کے تکلفات سے آراستہ کیا اور جب امتداد زمانہ کے باعث منہدم ہو گئی تو ہمیشہ ملوک و امرا آفاق قرناً بعد قرنٍ اس کی تجدید کرتے رہے۔

اس مقدس مسجد میں خصوصیت کے ساتھ جس مقام کی زیارت تبرکاً لازمی سمجھی گئی ہے وہ حضرت سعد بن خثیمہ کا مکان ہے جو مسجد کے قبلہ میں واقع تھا اور پہلے مسجد کا دروازہ بھی اس گھر کے صحن کی طرف سے تھا مگر بند کر دیا گیا۔ اس پاک مسجد کے مغربی کونے کے قبلہ میں ایک جگہ ہے جس کا نام مسجد علی ہے شاید یہی مسجد حضرت سعد بن خثیمہ کا وہ مبارک گھر ہے جس میں اللہ کے پیارے پیغمبر نے آرام فرمایا اور وضو کیا اور نماز پڑھی ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس مصلی تیسرے ستون کے پاس ہے بشرطیکہ پہلی راہ سے داخل ہوں۔

اسی مبارک مسجد کے مقابلہ میں محض ضد و سرکشی اور اغراض فاسدہ کے لئے منافقین کے نافرمان اور شریر گروہ نے ایک مسجد جداگانہ تعمیر کی تھی جس کا نام مسجد ضرار تھا اور چونکہ یہ مسجد حق تعالیٰ کی مرضی کے بالکل خلاف اور مقدس مذہب اسلام کی مخالفت میں خدا اور رسول کے دشمنوں کے ہاتھوں بنی تھی اس لئے کلام مجید میں اس کی مذمت کی گئی اور نہایت زور شور اور سختگی کے ساتھ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں جا کر نماز پڑھنے کی سخت ممانعت کی گئی اور یوں حکم ہوا کہ "اس مسجد میں جس کو منافقوں نے کفر کی تائید اور مسلمانوں کے ضرر پہنچانے کے لئے بنایا ہے ہرگز ہرگز کبھی نہ کھڑے ہونا" یہی مسجد ضرار تھی جس میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ارشاد سے آگ لگا دی گئی اور اس کو جلا کر بالکل کھنڈر و ویران بنا دیا گیا

اس لئے مناسب ہے کہ ضمناً مختصر طور پر اس کا بھی ذکر کر دیا جائے۔

مذہب اسلام کے اقرار کرنے والوں میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنھوں نے اپنی عزت و آبرو وجان ومال کو مسلمانوں کے ہاتھوں اور اسلامی لشکر کے حملہ و تصرف سے بچانے کے لئے صرف ظاہری طور پر اسلام قبول کیا تھا مگر دلوں میں ایمان نہ تھا زبان سے کلمہ پڑھ لیا تھا اور قلب میں وہ باطنی خباثتیں بھری ہوئی تھیں جن کا انجام ابدی ہلاکت اور دائمی عذاب جہنم ہے اور چونکہ ظاہر و باطن یکساں رکھنے والے کافروں اور منکر اسلام بدنصیبوں سے زیادہ نقصان کا اندیشہ مسلمانوں کو اس بے ایمان و بدطینت دھوکہ باز گروہ سے رہا ہے کیونکہ یہ جَو فروش گندم نما بظاہر مسلمانوں سے ملے جلے رہتے اور اسلامی جلسوں اور مشوروں کے مجمعوں میں برابر شریک ہوتے تھے اس لئے وہ اسرار اور مخفی معاملات جو ہر قوم اپنے مخالف دشمنوں سے چھپایا کرتی ہے ان پر ظاہر ہو جاتے تھے جس کا نتیجہ یہ پیدا ہوتا تھا کہ بُت پرست کافروں کی سازش بڑھتی اور بارآور ہوتی رہتی تھی اس لئے اس منافق گروہ کی کلام مجید میں بہت ہی زیادہ مذمت کی گئی ہے یہاں تک کہ قطعی حکم اور اٹل فیصلہ سُنا دیا گیا ہے کہ یہ جماعت دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقے میں جھونکی جائے گی۔ اللھم احفظنا منہا ولا تجعلنا منہم۔

اس دوست نما دشمن جماعت کا سردار ابو عامر اسلامی شوکت اور دینی ترقی دیکھکر حسد کی آگ میں جل مرا اور اپنے ہمخیال لوگوں کو اس بات پر آمادہ و برانگیختہ کر کے ملک شام کی طرف گیا تھا کہ "تم لوگ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بناؤ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حیلہ و نفاق کرتے رہو حکمت عملی اور عقلی تدابیر سے اپنی جان بچاؤ میں قیصر روم کے پاس جاتا ہوں اور اس کا لشکر عظیم ہمراہ لیکر بہت جلد واپس آ کر مسلمانوں کی اس مختصر جماعت پر حملہ کرتا ہوں جس نے دُند مچا رکھا اور نئے مذہب کو ہمارے ملک میں پھیلانا اور رواج دینا شروع کیا ہے۔ قیصر جرار فوج کا شیرانہ حملہ ان مسلمانوں کو شہر سے نکال باہر کرے گا اور پھر اطمینان کے ساتھ عیش و آرام کی زندگی نصیب ہوگی۔

نقل ہے کہ جس زمین پر مقدس مسجد قبا تعمیر ہوئی وہ ایک عورت کا مملوکہ قطعہ تھا جس کا نام لینہ تھا اور اس عورت کے پاس ایک گدھا تھا جو خاص اسی جگہ بندھتا تھا جہاں مسجد ہے اس لئے ابو عامر کے روانہ ہوتے ہی منافق گروہ نے یہ عذر پیش کیا اور کہا کہ ہم خدا کے ایماندار نمازی مسلمان گدھے بندھنے کی جگہ کبھی نماز نہیں پڑھ سکتے اور یہ ہو نہیں سکتا کہ ایسی جگہ پیشانی رکھیں جہاں گدھے کا بول و براز پڑا ہو اس لئے اپنی مسجد علیحدہ بنائیں گے اور اُس وقت تک اس علیحدہ مسجد میں تنہا تنہا نماز پڑھیں جبتک کہ ہمارا سردار ابو عامر سفر سے واپس نہ آجائے تب وقت ابو عامر ہمارا امام بنے گا تو جماعت کی نماز پڑھیں گے چنانچہ مسجد قبا کے گردونواح میں منافقوں کی جداگانہ مسجد تعمیر ہونے لگی اور جب تیار ہوگئی تو یہ دغاباز مکار بدنصیب کافر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ ہم غلاموں نے چند ضرورتوں کی وجہ سے ایک مسجد علیحدہ بنائی ہے اگر آپ مع اپنے اصحاب کے ایک مرتبہ اس میں نماز پڑھ لیں تو اس

زمین کی سعادت اور موجب برکت ہے خدام آستانہ کا بھی دل خوش ہو جائے گا اور جگہ بھی مقدس و متبرک بن جائیگی۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو کچھ خبر نہ تھی کہ کیا ساز کیا گیا ہے اور کس بنیاد و فاسد اغراض پر اس مسجد کی تعمیر ہوئی ہے اس لئے آپ نے وعدہ کر لیا اور مع صحابہ کرام وہاں تشریف لے جانے کا قصد فرمایا اُسی وقت وحی ربانی نازل ہوئی اور حضرت جبرئیل امینؑ نے ممانعت کا تاکیدی حکم پہنچایا جس کو سنکر آپ نے گردن جھکالی اور سر تسلیم خم کر لیا اور چند خدام کو حکم فرمایا کہ جاؤ اس مسجد ضرار میں آگ لگا دو چنانچہ فوراً حکم کی تعمیل کی گئی اور اینٹ سے اینٹ بجا دیگئی مسجد ضرار آگ کے شعلوں میں جھلسکر خاکستر و ویران کر دی گئی اور ہمیشہ کے لئے اُس کا نشان سطح زمین سے ملیامیٹ کر دیا گیا۔

ایک مستند شیخ کہتے ہیں کہ میں نے مسجد ضرار کو جعفر منصور بادشاہ کے زمانہ میں دیکھا تھا کہ اس سے دھواں نکل رہا تھا مگر اس کے بعد تو کتابوں ہی میں صرف نام ہی نام رہ گیا ہے سطح زمین پر یہ بھی پتہ نہیں کہ کس جگہ پر تھی البتہ اتنی بات ضرور ثابت ہے کہ حوالی مسجد قبا میں تھی۔

ابو عامر اپنی لاطائل امیدوں پر بدمست و نازاں اہل مکہ کے ساتھ ساز کر کے ملک شام کی جانب روانہ ہوا اور وہاں پہنچکر مذہب نصرانیت کو اختیار کیا اور اسی منسوخ دین پر راہی ملک عدم ہوا۔ اپنے دل کا حوصلہ بھی نہ نکال سکا اور حسرت و ارمان بھرا نفس لیکر داخل جہنم ہوا۔

اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے روز چاشت کے وقت قبا سے شہر کی جانب کوچ فرمایا مگر دو گھڑی بنی سالم بن عوف کے قبیلہ ہی تک پہنچے تھے کہ جمعہ کی نماز کا وقت آگیا اور آپ نے یہیں قیام فرما کر نماز جمعہ ادا کی۔ زہے تقدیر اس مقدس جگہ کی جہاں ہجرت کے بعد سب سے پہلا جمعہ قائم ہوا اور خوشا نصیب اس مقام کے جہاں مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے بعد اول نماز جمعہ پڑھی گئی اس مبارک جگہ پر بعد میں مسجد بنا دی گئی جس کا نام مسجد جمعہ اور مسجد عاتکہ اور مسجد وادی ہے اسی مسجد کے قریب ایک وادی ہے جس کی غربی جانب قبیلہ بنی سالم کے مکانات تھے ان متبرک گھروں کے نشان ابتک نظر آتے ہیں جن کو دیکھکر وہ ابتدائی وقت اور اسلام کا پہلا زمانہ یاد آجاتا ہے جبکہ اُن خوش نصیب پاکبازوں کو دولت زیارت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مالامال ہونیکا فخر و اعزاز حاصل ہو رہا تھا۔

اے حسرت بھرے کھنڈرو تم نے کسی مقدس زمانہ میں ایسے جمال باکمال اور اللہ کے محبوب خوبصورت پیغمبر کی زیارت کی ہے جس کا دیکھنا ہم کم نصیبوں کو خواب میں بھی دشوار ہے تم پر جان قربان ہو تم نے ایسے سردار کے قدم لئے اور پاؤں چومے ہیں جسکی تمنا عرش و کرسی کو بھی مدتوں رہی ہے تمھاری خاک بھی ہماری آنکھوں کا نور بڑھانے اور بصارت میں جلا پیدا کر دینے کو کافی ہے تمھارے خس و خاشاک اور اینٹ و پتھر سے وہ خوشبوئیں مہکتی ہیں جو مشک و عنبر کو بے وقعت بنا دیتی ہیں ؎

بہر زمیں کہ نسیمے ز زلف او زدہ است + ہنوز از دم آں بوے عشق می آید

کاش تم ہی میں آباد ہونا نصیب ہو جائے اور تمھارے ہی سنگریزوں سے سر ٹکرانا مل جائے یہ بھی اپنی نجات کا ذریعہ

اور اُخروی حیات کا عیش و آرام ہے بشرطیکہ خاتمہ بخیر ہو جائے اور تم میں آنے والے مسافر مہمان اور جانے والے نازک مزاج کی محبت میں دم نکل جائے۔

اس مقدس وادی میں حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کا گھر تھا جن کا قصہ صحیح بخاری میں آیا ہے کہ ان کی بصارت میں ضعف آ گیا تھا اور عمر بھی جوانی کے زمانہ سے تجاوز کر گئی تھی ایک مرتبہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں چونکہ میں ضعیف البصر ہوں اس لئے جب کبھی بارش ہو جاتی ہے تو پانی کے سیل کی وجہ سے اپنے محلہ کی مسجد میں نہیں آ سکتا اور پانی برستے میں قبیلے کے ہم مذہب مسلمانوں کے ساتھ جماعت کی نماز ادا نہیں کر سکتا میری عرض والتجا یہ ہے کہ غریب خانہ پر قدم رنجہ فرما کر ایک جگہ کھڑے ہو کر نماز ادا فرمایئے تاکہ میں اپنی خوش نصیبی پر ناز کروں اور اس متبرک جگہ کو ہمیشہ کے لئے اپنی نماز کا مصلّی بناؤں چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے جان نثار خادم کی درخواست منظور فرمائی اور اس محلہ میں ان کے مکان پر تشریف لا کر نماز پڑھی۔

اس محلہ میں دو مسجدیں ہیں جن میں مسجد جمعہ وہ چھوٹی مسجد ہے جس کا طول قبلہ سے شام کی جانب بیس گز اور عرض شرق سے غرب کی جانب ساڑھے سولہ گز ہے اور بڑی مسجد وہ ہے جس کا ذکر حدیث میں آیا ہے اور مختصر قصہ ہم ناظرین سے بھی بیان کر چکے ہیں۔

مسجد جمعہ کی عمارت قدیم منہدم ہونے کے بعد سنہ نو سو کے قریب کسی عجمی باہمت دولتمند مسلمان نے اسکی تجدید کی ہے حق تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے کیونکہ مقدس یادگار کے قائم رکھنے کا وسیلہ و سبب قرار پائے ہیں رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

مسجد قبا اور مسجد جمعہ دونوں مقدس مسجدیں اُن بائیس مساجد مشہورہ میں شامل ہیں جو زمانہ رسالت سراپا برکت کی یادو لاثانی یادگاریں مدینۃ الرسول کی مقدس زمین میں موجود ہیں اور زائرین حرم نبوی ان کی زیارتوں سے مشرف ہوتے ہیں اور یوں تو مساجد خیر القرون کی تعداد چالیس سے زیادہ ہے جن کے متعلق سوائے سمت اور جانب کے جگہ کا بھی تعین معلوم نہیں ہے اگر کسی وقت زمانہ نے مہلت دی اور حق تعالیٰ نے توفیق مرحمت فرمائی تو ان مقامات متبرکہ مشہورہ کی توضیح و تفصیل بھی ہدیۂ ناظرین ہوگی۔ وقت کا تعین یا حتمی وعدہ میں نہیں کر سکتا کیونکہ حق تعالیٰ کا کام ہے وہ جس وقت بھی جس سے چاہیں لیں۔

باب (۳۸)

مسجد نبوی کی تعمیر اور حجرے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر قیام فرمایا اور خاطر عاطر مطمئن ہوئی تو حضرت ابو رافع اور زید بن حارثہ کو پانسو درہم اور دو اونٹ دیکر مکہ معظمہ کو روانہ کیا تاکہ دونوں صاحبزادیوں یعنی سیدہ فاطمہ زہرا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما کو اور ام المومنین حضرت سودہ

رضی اللہ عنہا کو اور آپ کے محبوب یعنی زید بن حارثہ کی بیوی حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا اور ان کے صاحبزادے یعنی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں لے آویں اور انھیں دونوں قاصدوں کے ہمراہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ روانہ ہوئے تاکہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے اہل وعیال یعنی دونوں صاحبزادیوں حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت اسمار رضی اللہ عنہا کو اور صاحبزادے یعنی حضرت عبدالرحمٰن کو اور نیز حضرت عائشہ کی والدہ ماجدہ یعنی ام رومان رضی اللہ عنہا کو یہ تینوں فرستادہ پیک مکہ کی جانب بادِ صبا کی طرح روانہ ہوئے اوران تمام حضرات کو بخیر وعافیت مدینہ طیبہ میں لے آئے اس وقت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت عائشہ سے ہوچکا تھا جن کی عمر نوبرس کی تھی مگر ابھی تک رخصت نہیں ہوئی تھی۔ رخصت ہجرت کے سات مہینے بعد ہوئی ہے جس جگہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ بیٹھی تھی وہ یہی جگہ ہے جہاں مسجد نبوی کا دروازہ ہے اس مقام پر کھجور کے باغ میں دو یتیم بچوں کا خرمن تمر تھا اور اسی جگہ حضرت کے تشریف لانے سے قبل کچھ لوگ نماز پڑھا کرتے تھے یہ دونوں یتیم بچے ایک انصاری کے یہاں پرورش پاتے تھے حضرت نے دونوں بچوں کو بلایا اور اس قطعۂ زمین کو مسجد کے لئے منتخب فرماکر قیمتاً خریدنا چاہا اور گو یتیم بچوں نے بلا عوض اس قطعہ کو نذر کرنے میں ہرچند اصرار کیا مگر آپ نے منظور نہیں فرمایا اور بخاطر خواہ قیمت دیکر مسجد کی بنا ڈالی۔ ایک انصاری نے قیمت کے علاوہ اس زمین کے معاوضہ میں ایک نخل بھی اپنے مال میں سے یتیم بچوں کے حوالہ کردیا اور تمام حضرات مسجد شریف کی تعمیر میں مشغول ہوئے۔ اول زمین کو ہموار بنایا اور نشیب وفراز کو برابر کیا جس قدر درخت بے موقع تھے سب کو اکھاڑ پھینکا اور جنت البقیع میں جو جگہ بیر ایوب کے نام سے موسوم تھی وہاں سے انصار و مہاجرین صحابہؓ اور خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھر اور اینٹیں ڈھونی شروع کیں۔

سب سے پہلے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اینٹ اٹھا کر اپنے دست مبارک سے نیو میں رکھی اور پھر آپ کے حکم سے دوسری اینٹ اُسی کے برابر حضرت ابوبکر صدیق نے رکھی اور اُن کے بعد تیسری اینٹ حضرت عمر فاروق نے اور چوتھی حضرت عثمان غنی نے رکھی رضی اللہ عنہم اور پھر عام طور پر لوگ اینٹیں ڈھو ڈھو کر لاتے اور بنیادوں پر ردّے رکھتے رہے یہاں تک کہ سات گز اونچی اور شمالاً جنوباً چونسٹھ گز چوڑی شرقاً غرباً تریسٹھ گز لانبی مسجد تعمیر ہوگئی جس میں نقش ونگار اور تکلف وآرائش کا نام بھی نہ تھا اس مبارک مسجد کی صورت سے سادگی برستی تھی اور جب بارش ہوتی تھی تو چھت کی مٹی نمازیوں کے سروں پر گرتی تھی۔ زمین یہاں تک تر ہوجاتی تھی کہ سجدہ میں پیشانی پر اثر نمودار ہوجاتا تھا۔

مسجدِ نبوی کی یہ پہلی بنا تھی جس کا قبلہ بیت المقدس کی جانب تھا اور سولہ سترہ مہینے تک اسی طرف رہا اُس وقت مسجد نبوی کے تین دروازے تھے۔ ایک دروازہ بائیں جانب تھا جدھر اب قبلہ ہے اور دوسرا دروازہ مغرب کی طرف تھا جس کا نام اب باب الرحمۃ ہے اور تیسرا دروازہ جدھر سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لایا کرتے تھے باب آل عثمان تھا جسے اب باب جبرئیل کہتے ہیں یعنی محراب تہجد کے قریب اور جب قبلہ بیت المقدس کی جانب سے منسوخ ہو کر

کعبۃ اللہ قرار پایا تو جبرئیل امین نے یہاں سے بیت اللہ تک جس قدر حجاب درمیان میں واقع تھے سب اٹھا دیئے اور بنائے مسجد نبوی اس جگہ پر جہاں کہ اب ہے میزاب کعبہ کی سمت پر درست کی گئی۔

زمانہ سراپا برکت میں مسجد کی محراب اس طریقہ پر نہ بنائی جاتی تھی جیسی کہ اب مساجد میں متعارف ہے اس کی ابتدا تو عمر بن عبدالعزیز حاکم مدینہ کے وقت میں ہوئی ہے اس لئے قبلہ کی تبدیل کے بعد چودہ پندرہ دن تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسطوانہ مخلق کے پیچھے نماز ادا فرمائی ہے جس کو اب اسطوانہ عائشہ کہتے ہیں اور اس کے بعد آپ کا قیام اس جگہ متعین ہو گیا جہاں پر آجکل محراب بنی ہوئی ہے۔ پھر ۷ھ ہجری میں خیبر کی فتح کے بعد دوبارہ از سر نو مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی اور اس مرتبہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے سید الموجودات کی مرضی اور خواہش کے موافق وہ مکان دس ہزار درہم میں خرید کر مسجد کی وسعت بڑھانے کو وقف کر دیا جو مسجد شریف کے ہمسایہ میں غریب انصاری کا تھا اور وہ اپنی غربت و عیالداری کے باعث ہمت نہ دے سکتے تھے۔ اس وقت مسجد نبوی کا عرض و طول سو سو گز ہو گیا تھا۔

تحویل قبلہ سے پہلے چونکہ مسجد کے شمال کی جانب قبلہ تھا اس لئے تحویل کے بعد نماز کا رخ بیت اللہ کی جانب ہو گیا اور قبلۂ اول کا احاطہ اسی حال پر اس غرض سے چھوڑ دیا گیا تاکہ فقرا و مساکین جن کے گھر بار کچھ بھی نہیں وہاں رہیں اور طالب دین مسافر مہمان آئیں وہ بھی اسی جگہ قیام کریں یہ سایہ دار جگہ صفہ کہلاتی تھی اور جو مساکین طالب دین صحابہ متوکل اور زاہد مقبول بندے یہاں پڑے رہتے تھے ان کو اصحاب صفہ کہتے تھے گویا سلطان دین کی یہ خانقاہ تھی جس میں وہ مجرد عبادت گذار بندے رہتے تھے جن کو نہ نکاح کی استطاعت تھی نہ طلب دین اور زہد و تقوی کی خواہش میں اپنے پیٹ بھرنے کی کچھ سعی کر سکتے تھے کیا عجب ہے کہ صوفی کا لفظ اسی صفہ سے مشتق ہو جس کے زاویہ نشین ہونے یا مسافرت یا تزوج و خانہ داری کے باعث کم و بیش ہوتے رہتے تھے بعض محققین نے سو حضرات سے زیادہ اہل صفہ کے نام گنوائے ہیں جن میں حضرت ابو ہریرہ رضی مشہور صحابی بھی شامل ہیں جو سیکڑوں حدیث نبوی کے ناقل ہیں اور جنگ خیبر میں مسلمان ہو کر شریک ہوئے تھے۔

اصحاب صفہ بھوک کی شدت کے باعث اکثر سید کونین کے دروازہ شریف پر پڑ جاتے تھے اور یہ حالت ہوتی تھی کہ دیکھنے والے لوگ دیوانہ اور پاگل سمجھتے تھے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اکثر انھیں شکستہ دلوں کے پاس مجالست فرماتے اور ہمیشہ تسلی و تشفی کے کلمات سنا کر صبر و قناعت کی تلقین فرماتے تھے اور کبھی کبھی ایک ایک دو دو کو متمول حضرات اور اغنیاء صحابہ کے حوالہ فرما دیتے تھے تاکہ ان کو مہمان بنا لیں اور جو باقی رہتے تھے ان کو اپنے ساتھ شریک فرما لیتے تھے جو کچھ صدقات آتے تھے وہ سب انھیں اضیاف المسلمین (مسلمانوں کے مہمان) پر تقسیم ہوتے تھے۔ مسجد نبوی کے دو ستونوں میں ایک رسی بھی بندھی رہتی تھی جو صرف اس غرض سے تھی کہ باغوں والے متمول صحابہ کھجور کے خوشے لائیں تو اس میں لٹکا جائیں اور جب پختہ ہو کر کارآمد ہو جاتے تھے تو اصحاب صفہ کو نیچے بٹھا کر خوشوں کو لکڑی سے جھاڑ دیتے تھے تاکہ بے تکلف کھائیں۔

اہل صفہ میں کسی کے پاس سوا ایک ازار کے اور وہ بھی آدھی پنڈلی تک تھا۔ سر کو کوئی کپڑا پہننے کو نہ تھا مسجد میں جاتے وقت

اسی کو گردے سمیٹ لیتے تھے تاکہ ستر نہ کھل جائے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں بھوک سے بیتاب ہو کر پیٹ سے پتھر باندھ لیتا تھا اور بیہوش ہو جاتا تھا ایک مرتبہ اسی حالت میں پریشان ہو کر رہگذر پر جا بیٹھا اور حضرت صدیق کو آتے دیکھکر ان کو سنانے اور اپنا حال زار دکھانے کی غرض سے قرآن شریف کی ایک آیت پڑھی تاکہ مجھ پر رحم کھائیں مگر انھوں نے التفات بھی نہیں فرمایا ان کے بعد سرور عالم ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میرا پتلا حال دیکھکر تبسم فرمانے لگے اور کہا کہ ابو ہریرہؓ؟ میں نے عرض کیا کہ لبیک یا رسول اللہ حضرت نے فرمایا کہ ادھر آ۔ میں آپ کے پیچھے پیچھے حجرہ مبارک تک پہنچا دیکھا کہ کوئی شخص حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ایک پیالہ دودھ ہدیۃً لایا تھا وہ رکھا ہوا ہے آپ نے فرمایا کہ جا اصحاب صفہ کو بلا لا میں نے اپنے دل میں کہا کہ "یہ دودھ ہی کتنا ہے جو اصحاب صفہ بلائے گئے صرف مجھ ہی کو مرحمت ہو جاتا تو بہتر تھا یعنی کہ تھوڑی دیر آرام تو پاتا" مگر حکم کی تعمیل ضرور تھی فوراً گیا اور اصحاب صفہؓ کو حضور میں بلا لایا وہ سب آکر بیٹھ گئے حضرت نے فرمایا کہ اے ابو ہریرہؓ دودھ کا پیالہ اٹھا اور میرے دوستوں کو پلا میں نے قدح اٹھایا اور ہر ایک کو پلانا شروع کیا ان میں سے ہر شخص سیر ہو گیا اور دودھ میں سے ایک قطرہ بھی کم ہوتا نہ معلوم ہوا میں حیران ہوا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرما کر کہا اب فقط ہم اور تم باقی رہے بیٹھ جاؤ جتنی بھوک ہو پہلے تم پیٹ بھر کر پی لو چنانچہ میں نے خوب ہی سیر ہو کر پیا اور جو بچا وہ حضور کے سامنے رکھدیا حضرت نے حق تعالیٰ کے شکریہ کا خطبہ پڑھا اور جتنا دودھ قدح میں باقی تھا نوش فرمایا۔ اللھم بارک وسلم علی رسول اللہ۔

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد شریف کی بنیاد ڈالنے کے وقت دو حجروں کی بھی بنا ڈالی تھی کیونکہ اس وقت آپ کے دو ہی زوجہ تھیں یعنی ایک زمعہ کی بیٹی حضرت سودا اور دوسری حضرت صدیق کی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہؓ اس کے بعد جتنی ازواج مطہرات بڑھتی گئیں ہر ایک کے واسطے ایک ایک حجرہ تیار ہوتا گیا کیونکہ مسجد نبوی کے قریب کئی گھر حضرت حارثہ بن نعمان انصاری کے واقع تھے وہ سب چند روز بعد انھوں نے سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیشکش کر دیئے تھے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر بیوت دیار عرب کے رواج کے موافق کھجور کی شاخوں کے تھے جن کو کملی سے ڈھانکدیا تھا اور دروازوں پر کملی کے پردے لٹکتے تھے۔ جتنے بھی گھر تھے سب قبلہ اور مشرق کی جانب واقع تھے جانب غرب میں کوئی گھر نہ تھا اور بعضے گھر کچی اینٹ کے بھی بنے ہوئے تھے مگر ہر گھر کے اندر کھجور کی شاخوں کا بنا ہوا ایک حجرہ ضرور تھا جس پہ کہگل کی ہوئی تھی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر بیوت شریفہ کے دروازے مسجد شریف کی جانب تھے اور چھت کی بلندی قد آدم سے صرف ایک ہاتھ اونچی تھی۔ حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا حجرہ مبارک اسی جگہ تھا جہاں اب ان کی قبر شریف کی صورت بنی ہوئی ہے اور حضرت سیدہ کے حجرہ اور حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دولتکدہ کے درمیان جو حضرت عائشہ صدیقہ کا حجرہ کہلاتا تھا ایک کھڑکی تھی اکثر اوقات سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسی کھڑکی کی راہ سے تشریف لایا کرتے تھے اور جب آتے تھے تو حضرت حسنینؓ کی خیر و عافیت پوچھتے تھے مگر کسی بات پر حضرت سیدہ رضؓ اور

حضرت صدیقہ رض کی شکر رنجی ہوگئی تو حضرت سیدہ نے پیارے باپ سے عرض کر کے اس کھڑکی کو بند کرا دیا تھا۔

جب کبھی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر سے تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے مسجد شریف میں داخل ہو کر دو رکعت نماز ادا فرماتے تھے اور پیاری نور نظر خاتون جنت حضرت زہرا کے گھر تشریف لیجاتے اور سب کی خیریت دریافت فرماکر ازواج مطہرات کے حجرات میں رونق افروز ہوتے تھے۔

باب (۳۹)

اذان اور صوم عاشورہ کی مشروعیت۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں تشریف لانے سے قبل وقتاً فوقتاً کفار مکہ کی ایذاؤں سے تنگ آکر مسلمان ہجرت کرتے اور مدینہ طیبہ آتے رہتے تھے۔ جو لوگ حبشہ میں ہجرت کر گئے تھے یعنی حضرت عثمان غنی رض وغیرہ وہ بھی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر پاکر حبشہ سے مدینہ میں چلے آئے اور مکہ سے بھی ہجرت کا سلسلہ برابر جاری رہا یہ لوگ جو اپنے وطن مالوف چھوڑ کر اور کافر عزیز اقارب سے منھ موڑ کر مدینہ میں آکر رہے تھے مہاجرین کہلاتے تھے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور مدینہ کے اصلی باشندوں یعنی انصار میں مواخاۃ کر دی تھی یعنی باہم بھائی چارہ کر دیا اور ایک دوسرے کو علیحدہ علیحدہ دینی بھائی بنا دیا تھا چنانچہ حضرت عبدالرحمن رض مہاجر اور سعد بن ربیع انصاری دونوں دینی بھائی تھے۔ انصار نے اس دینی برادرانہ تعلق کا پورا حق ادا کیا اور درخواست کی کہ یا رسول اللہ ہماری تمام جائداد اور ملک کو نصف نصف تقسیم فرما دیجئے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور نہیں فرمایا البتہ اتنا رہا کہ کھیتی و زراعت اور باغ کی نگہبانی و حفاظت یعنی محنت مہاجرین کی تھی اور مال انصار کا۔ اور پیداوار و محاصل میں دونوں شریک۔

حضرت سعد بن ربیع بڑے متمول انصاری تھے انھوں نے اپنے دینی بھائی یعنی حضرت عبدالرحمن کا ہاتھ پکڑا اور گھر لاکر کہا کہ سب جانتے ہیں میں انصار میں مالدار شخص ہوں میں نصف جائداد تمھارے نام منتقل کرتا ہوں اور میرے دو بیبیاں ہیں جس کو تم پسند کرو میں طلاق دیئے دیتا ہوں عدت گذرنے کے بعد تم نکاح میں لاؤ۔ حضرت عبدالرحمن رض نے منظور نہیں فرمایا اور کہا کہ اللہ تمھارے مال اور رکھنے میں برکت دے مجھے تو بازار بتادو کہ کدھر ہے چنانچہ شہر کے مشہور بازار بنی قینقاع میں گئے اور معمولی تجارت سے گذر کرنا شروع کیا۔

ہجرت سے قبل نماز کی فرضیت ایسی تھی جیسی اب سفر کی حالت میں ہے یعنی ظہر و عصر و عشا کی دو دو رکعتیں فرض تھیں اسی سال ہجرت کے ایک ماہ بعد دوگانی نمازیں وطن میں قیام کے وقت چہار چہار رکعتیں ہوئیں۔ اور حالت سفر میں بدستور دو رہیں۔

اسی سال اذان کا مروج طریقہ مشروع ہوا کیونکہ جس وقت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو مسلمانوں کو نماز کا وقت معلوم کرنے میں بڑی دقت پیش آئی اٹکل اور تخمینہ کرتے تھے اور مسجد میں جمع ہو جاتے تھے مگر پھر بعض حضرات رہ جاتے تھے۔ اس لئے ایک دن مشورہ کے لئے مجمع کیا اور نماز کی اطلاع کا طریقہ تجویز کرنے کیلئے ہر ایک نے

اپنی اپنی رائے دینی شروع کی۔ کسی نے کہا کہ ایک جھنڈا کھڑا کر دیا کرو جو کوئی اس کو دیکھے گا دوسروں کو اطلاع دیتا چلا آئیگا کسی نے کہا ناقوس بجوا لو۔ کسی نے کہا کہ سنکھ اور بگل بجایا کرو اور کسی نے کہا کہ کسی اونچی جگہ پر نماز کے وقت آگ سلگا دیا کرو جس سے آس پاس والوں کو سب کو خبر ہو جائے کہ نماز تیار ہے مگر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی رائے منظور نہیں فرمائی اور کہا کہ ناقوس نصاریٰ کا فعل ہے بگل یہود میں رائج ہے اور آگ مجوسیوں کا طریقہ ہے اور ہم مسلمانوں کو کسی کافر کی مشابہت جائز نہیں۔ غرض کوئی بات طے نہیں ہوئی اور شب کو خواب میں حضرت عبد اللہ بن زید کو ہاتف غیبی نے ان کلمات کی تعلیم دی جو آج اذان میں پکارے جاتے ہیں چنانچہ صبح اٹھتے ہی حضرت عبد اللہ حاضر خدمت ہوئے اور کہا کہ یا رسول اللہ ص میں کچھ سوتا تھا کچھ جاگتا تھا کہ کسی کہنے والے نے نماز کی اطلاع کے لئے یہ کلمات مجھ کو تلقین کئے۔ آپ نے اس کو نہایت پسند فرمایا اور حضرت بلال رض حبشی کو بلایا جن کی آواز نہایت بلند تھی اور فرمایا کہ اونچی جگہ کھڑے ہو کر اسی طرح اذان دو جس طرح عبد اللہ کو الہام ہوا ہے۔ حضرت عمر فاروق رض کو بھی اذان بیس دن پہلے خواب میں معلوم ہوئی تھی مگر شرم کی وجہ سے ذکر نہ کیا تھا آج جبکہ یہ کلمات بلال رض کی آواز میں حضرت فاروق رض کے کان میں پڑے تو خوشی کے مارے چادر گھسیٹتے دولتکدہ سے باہر نکل آئے اور عرض کیا کہ حضرت یہی اذان مجھے بیس دن ہوئے الہام ہوئی تھی مگر عمر رض کی زبان نے حیا کے باعث عرض کرنے کی یاری نہ دی۔

اسی سال محرم کی دسویں تاریخ یعنی عاشورا کا روزہ فرض ہوا کیونکہ آپ نے یہود کو روزہ دار دیکھکر پوچھا تھا کہ آج کیسا روزہ ہے؟ یہود نے جواب دیا کہ آج ہی کی تاریخ ہمارے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کو فرعون مصر پر غلبہ حاصل ہوا تھا اور آج ہی کے دن فرعون مع اپنی فوج کے دریائے نیل میں ڈوبا تھا آپ نے فرمایا کہ کلیم اللہ کو تو ہمارے ساتھ زیادہ مناسبت ہے ہمیں عاشورا کا روزہ رکھنا چاہئے چنانچہ آپ نے رکھا اور مسلمانوں پر بھی فرض کیا۔ نیز یہ فرمایا کہ آئندہ سال زندہ رہا تو نویں تاریخ بھی روزہ رکھوں گا تاکہ یہودیوں کی مشابہت نہ رہے مگر آئندہ سال رمضان کے روزوں کی فرضیت نازل ہوئی کہ چاند دیکھکر رکھو اور چاند دیکھکر افطار کرو تو عاشورا کے روزہ کی فرضیت ساقط ہوگئی البتہ مستحب ابتک ہے اور قیامت تک رہے گا۔

اسی سال میں ایک بھیڑیے نے مدینہ کے باہر باتیں کیں اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی نبوت اور برحق رسالت سے لوگوں کو مطلع کیا۔

باب ۱ھ (۴۰)

حضرت سلمان فارسی کا اسلام اور مدینہ میں نبوی سیاست و انتظام

اسی مبارک سال میں حضرت سلمان رض فارسی اسلام لائے جو ملک فارس کے شہر رام ہرمز کے باشندے اور مجوسی المذہب تھے اور حق کی طلب اور سچے دین کی تلاش میں سرگرداں پھرتے تھے۔ آتش پرستی چھوڑ کر نصرانی ہوئے اور علمائے نصاریٰ سے نبی آخر الزمان

کے حجاز میں پیدا ہونے کی خبر سُنکر عرب کے ریگستانی خطہ میں آرہے اور ظلماً غلام بنالئے گئے اسی طرح وقتاً فوقتاً دست بدست فروخت ہوتے رہے آخر کار یہ سُنکر کہ پیغمبر موعود کی جائے سکونت مدینہ ہے اپنے قریشی آقا کی معیت میں مدینہ آئے اور یہاں کے ایک یہودی کے ہاتھ فروخت ہوجانے کو بساغنیمت سمجھا جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں تشریف لانے کا وقت آیا تو یہ بھی حاضر ہوئے اور کوئی چیز پیش کرکے عرض کیا کہ یجئے حضرت یہ صدقہ ہے آپ نے انکار کیا اور فرمایا کہ مجھ کو صدقہ کا مال حرام ہے۔ اگلے دن پھر آئے اور کوئی چیز سامنے رکھکر عرض کیا کہ یہ ہدیہ ہے قبول فرمائیے۔ چنانچہ آپ نے لے لیا اس کے بعد حضرت سلمان رضؓ نے پشت مبارک پر مہرِ نبوت کی زیارت کی اور مشرف باسلام ہوئے کیونکہ علمائے یہود و نصاریٰ سے یہی تین علامتیں سُنے ہوئے تھے کہ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ قبول نہ فرمائیں گے اور ہدیہ لے لیں گے اور پشت پر مہرِ نبوت ہوگی۔ اس وقت حضرت سلمانؓ کی عمر ڈھائی سو برس سے زیادہ تھی اور طلب دینِ حق ہی میں گذری تھی یہی عجمی صحابی ہیں جن کی پشت پر ہاتھ رکھکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر دینِ حق ثریا پر بھی ہوتا تو ان کی نسل میں سے ایک شخص اس کو وہاں بھی حاصل کرتا چنانچہ اس بشارت کے مصداق حضرت نعمان بن ثابت امام اعظم ابوحنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہوئے جو اسی نسل میں ہیں۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ نہایت شفقت و مہربانی کا برتاؤ رکھا ان کو مذہبی معاملات میں آزاد رہنا یا اور کسی قسم کی دست اندازی نہیں فرمائی بلکہ اُن کو ایک تحریری سند دیدی جس میں ظاہر کر دیا کہ انسانی حقوق کی حفاظت بھی سچے نبی سے زیادہ کوئی نہیں کرسکتا۔ مگر افسوس یہودیوں نے اللہ کے پیارے رسول کی قدر نہیں پہچانی اور دشمنی سے باز نہ آئے سند کے مضمون میں یہ بھی تھا کہ "جو یہودی ہم مسلمانوں کا شریکِ حال رہیگا وہ کل مصیبتوں اور ذلتوں سے محفوظ رکھا جائے گا اس کے حقوق مسلمانوں کے حقوق کی برابر ہوں گے۔ یہ لوگ اپنے مذہبی امور مسلمانوں کی طرح آزادی سے برتیں۔ اور جو لوگ ان سند یافتہ یہودیوں کی مددگار ہوں یا ان کی پناہ اور حفاظت میں آئیں ان کو بھی بلا فرق اسی طرح کے حقوق حاصل ہیں البتہ مجرم و قصوروار جو کوئی بھی ہو ضرور سزا پائے گا۔ مدینہ کے یہودیوں کو چاہیئے کہ وہ شہر مدینہ کی محافظت میں مسلمانوں کے شریکِ حال ہوں اس شہر کو دشمنوں کے شر سے بچانے میں ہماری مدد کریں اور مجرم کیسا ہی عزیز و رشتہ دار کیوں نہ ہو اس کا کوئی پشت پناہ نہ ہوگا اور تمام وہ لوگ جو اس سند کو قبول کرتے ہیں اپنے تمام سے جھگڑے اور مقدمات تصفیہ کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس لائیں گے اور حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے ماتحت بنکر ان جھگڑوں کو فیصل کیا کریں گے" اطراف مدینہ کے یہودی یعنی بنی نضیر اور بنی قریظہ اور بنی قینقاع نے ان تمام دفعات کو مجبوراً منظور کرلیا مسلمانوں کو یہودیوں کے علاوہ ایک دوسرے فرقہ سے بھی ہروقت اندیشہ تھا کیونکہ عبداللہ بن اُبی جو ایک زمانہ میں بادشاہ ہونیکی کوشش کرتا تھا اور اُس کے ساتھی بُت پرستوں کے ساتھ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے درپے تھے۔ ان لوگوں نے اگرچہ بظاہر اسلام قبول کرلیا تھا لیکن پوشیدہ طور پر کفار قریش کے ساتھ برابر

خط وکتابت رکھتے اور ان کو مسلمانوں کی ہر ایک حالت سے آگاہ کرتے رہتے تھے اور یہی حالت زیادہ خوفناک تھی کیونکہ اندرونی آگ اور چھپی ہوئی مخالفت نے دوست نما دشمنوں کے دھوکوں سے بچنا مشکل کر دیا تھا اس فرقہ کو منافقین کہتے ہیں۔

کفار قریش کو خفیہ خط وکتابت سے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ یہودیوں نے صرف ظاہری طور پر معاہدہ کیا اور مصالحت کر رکھی ہے اگر ہم مدینہ پر حملہ کریں گے تو وہ سب کے سب ہمارے شریک ہو جائیں گے اور اس طرح ہم کو محمدی گروہ کی جڑ بنیاد کا اکھیڑ پھینکنا آسان ہو جائیگا اور چونکہ کفار قریش صرف اسی تاک میں تھے کہ مکہ کا کاروان جو غلہ لانے کو ملک شام گیا ہوا ہے واپس آجائے تو اس وقت اپنا ساز و سامان درست کریں اور ان نئے مذہب والوں کی میدان کارزار کے ہولناک میدان اور بھیانک منظر میں خبر لیں اس لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دور اندیشی اور پیش بینی کو کام فرمایا اور مناسب سمجھا کہ ضرور کوئی ترکیب کرنی چاہئے کہ اللہ کے تابعدار بندوں اور متعدد مسلمانوں پر کوئی آفت نہ آئے کیونکہ آپ صرف واعظ ہی نہ تھے بلکہ اہل مدینہ کے جان و مال کے محافظ بھی تھے اور ہرگز گوارا نہ تھا کہ مدینہ کے باشندے تباہ ہوں اور ان کی بربادی آنکھوں سے دیکھی جائے اس لئے جہاد کی اجازت اور حکم آسمانی کے موافق آپ نے چاہا کہ دشمنوں کو حملہ کرنے سے پہلے ہی روکیں اور وہ وقت ہی نہ آنے دیں جس میں مخالفین کو قوت و شوکت بڑھنے کی امید یا انتظار ہے چنانچہ آپ نے مسلمانوں کے بہادر لشکر میں سے تھوڑے تھوڑے سپاہیوں کو معتمد اور قوی الاسلام سرداروں کے ساتھ کر کے اِدھر اُدھر روانہ فرمایا تاکہ یہ لوگ جہاں کہیں مخالف جماعتوں سے ملیں دستور کے موافق اپنی اپنی جماعتوں کی تعریف میں ہاتیں بڑھانے کو معمولی اور جائز رجز کے اشعار پڑھیں اور اللہ کے نافرمان گروہ کا زور کم کریں ان لشکریوں کو عربی زبان میں سریّہ کہتے ہیں اور جس اسلامی لشکر کی سپہ سالاری کا جھنڈا خود رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں ہوتا تھا وہ واقعہ غزوہ کہلاتا ہے۔ سریّہ بھیجنے اور غزوات واقع ہونیکا اتفاق متعدد مرتبہ اور کچھ کم تیس دفعہ ہوا ہے مگر وہ غزوات جن میں جنگ بھی ہوئی ہے صرف نو ہیں جن کا ذکر اپنے اپنے موقع پر ناظرین ملاحظہ کریں گے۔ ہجرت کے گیارہ مہینے بعد ماہ صفر کی دوسری تاریخ کو خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صرف ساٹھ مسلمانوں کی جمعیت ہمراہ لیکر کفار قریش کی طلب میں مقام ابوا کی جانب روانہ ہوئے جو مدینہ منورہ کے قریب ہی جگہ ہے اور گو وہاں مقام پر مخالفوں کا آمنا سامنا بھی ہوا مگر لڑائی نہیں ہوئی اور مدینہ میں واپس تشریف لائے۔

اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو تیس مہاجرین کا سپہ سالار بنا کر سیف البحر کی جانب روانہ فرمایا کہ ابوجہل ملعون کے قافلہ پر جو تین سو سواروں کی جمعیت کے ساتھ ادھر سے گذرتا تھا حملہ کریں مگر یہاں بھی لڑائی نہیں ہوئی کیونکہ عرب کے ایک گروہ نے درمیان میں پڑ کر فریقین کی صلح کرا دی۔

اسی سال حضرت نے اپنے بھتیجے حضرت عبیدہؓ ابن حارث کو ساٹھ مہاجرین پر افسر بنا کر لوا ہاتھ میں دیکر

کی جانب اُس بڑی جماعت پر حملہ کرنے کے لیے روانہ فرمایا جس کا سردار ابوسفیان تھا حضرت عبیدہؓ اپنے چچا یعنی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے دس برس بڑے تھے اور اسلام میں پہلی لوائے فتح جوان کے ہاتھ میں دی گئی۔ اس جگہ بھی لڑائی نہیں ہوئی البتہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے جو اس مختصر اسلامی لشکر میں مشہور تیر انداز تھے کافروں کی جانب ایک تیر پھینکا اور یہی پہلا تیر تھا جو اسلام کی جانب سے اللہ کی کافر جماعت کی جانب پھینکا گیا جو کہ حضرت سعدؓ کے مشہور مناقب میں شمار کیا گیا ہے یہ حضرت عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں اور مستجاب الدعوات ہونے میں مشہور و معروف۔ رضی اللہ عنہ۔

باب ۲ھ (۱۴)

غزوات و سریات۔ اس مبارک سال کے ماہ ربیع الاول میں [illegible] ہمراہ لیکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بواط کا قصد فرمایا جو ینبع کے قریب جہینہ کی پہاڑیوں میں سے ایک پہاڑ کا نام ہے اور کفار قریش کے اس قافلہ سے ملاقی ہوئے جس میں امیہ بن خلف جمحی بھی تھا جس کی کنیت ابوصفوان ہے اور کفار مکہ کے کارآمد سرداروں میں شمار ہوتا تھا۔ لیکن اس غزوہ میں بھی قتال کی نوبت نہیں آئی اسی طرح مدینہ منورہ کو رجوع فرمایا۔

جمادی الاولیٰ میں ایک سو پچاس صحابہ ساتھ لیکر طلب قریش میں عسیرہ کی جانب سفر کیا جو ینبع کے قریب ایک قصبہ قبیلہ بنی مدلج سے آباد تھا مگر جنگ ہوئے بغیر صرف اولاد مدلج اور اولاد ضمیرہ میں مصالحت فرما کر واپس تشریف لائے اور اس کے بعد حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو آٹھ سوار مہاجرین کے ساتھ بھیجا مگر وہ بھی بغیر لڑائی کے واپس آئے۔

شہر مدینہ کے متعلق جو کچھ حفاظت کا انتظام ہونا چاہیے تھا سب ہی نہایت مضبوطی کے ساتھ کر دیا گیا تھا مگر اس بند و بست پر بھی مفسد راہزن بدو اور دھوکہ باز دہقانی لٹیرے اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے چنانچہ اسی سال میں کرز بن جابر فہری نے مدینہ پر حملہ کیا اور شہر پناہ تک آ گیا لیکن کچھ نہ کر سکا البتہ کچھ مویشی لوٹ کر لے گیا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا تعاقب بھی کیا مگر بھاگا ہوا لٹیرا ہاتھ نہ لگا اور مسلمانوں کو صفوان مقام سے کہ مقام بدر کے پاس ہے واپس ہونا پڑا۔ اس واقعہ کا نام بدر اولیٰ ہے کیونکہ بدر ثانیہ اس مشہور غزوے کا نام ہے جس میں زبردست جنگ ہوئی اور مسلمانوں کو فتح و غنیمت سے تموّل حاصل ہوا تھا۔

جمادی الثانی کے مہینے میں اہل مدینہ کو یہ خبر ملی کہ اہل مکہ لڑائی کی بڑی تیاریاں کر رہے ہیں اس لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر ماہ میں اپنے پھوپی زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جحشؓ کو آٹھ آدمیوں کے ساتھ اس قافلہ کا حال معلوم کرنے کی غرض سے جو تجارت شام سے آ رہا تھا مکہ کی جانب روانہ فرمایا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ جس وقت مکہ کے قریب پہنچے اور آنیوالے قافلہ سے دوچار ہوئے تو دل للچایا اور حملہ کر دیا۔ ماہ رجب کا چاند نکل چکا تھا گویا وہ مہینہ شروع ہو گیا تھا جس میں لڑائی بھڑائی اور لوٹ مار کو عرب کے تمام قبائل ممنوع سمجھتے تھے اور جس کو شہر حرام (معزز مہینہ) کہتے ہیں مگر حضرت عبداللہؓ نے اس شبہ میں کہ ماہ جمادی الثانی کی آخری تاریخ ہے اُس لدے پھندے کارواں پر حملہ

کرکے ایک شخص عمر حضرمی کو جان سے مار دیا اور خاطر خواہ مال لوٹ کر مدینہ واپس ہوئے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عبداللہؓ کی یہ نازیبا حرکت نہایت ناگوار گذری کیونکہ ان کے اس فعل سے قریشی بُت پرستوں اور یہودیوں کو مسلمانوں پر طعن کا موقع مل گیا اور مخالفین کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے معزز مہینے میں جنگ کو حلال کر دیا اس لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال غنیمت کو بھی قبول نہیں فرمایا مگر جب آیت شریفہ یسئلونک عن الشھر الحرام" نازل ہوئی اور وحی کے ذریعہ سے معزز مہینوں میں کافروں سے قتل وقتال کی ممانعت اُٹھا دی گئی تو اس مال غنیمت کو جو اسلام میں پہلی غنیمت تھی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما کر حصہ رسد بانٹ دیا۔ اس درمیان میں قریش اپنی فوج کے جمع کرنے میں سرگرم تھے اور اب وہ کارواں بھی آ پہنچا جس کا قریش کو انتظار تھا اور اسی پر فیصلہ کر دینے والی لڑائی ملتوی تھی۔

یہ ایک ہزار اونٹوں سے لدا ہوا کارواں ابوسفیان بن حرب کی سرداری وحفاظت میں ملک شام سے آرہا تھا جس کی جانب اہل عرب کی آنکھیں لگی ہوئی تھیں مسلمان چاہتے تھے کہ یہ نعمت غیر مترقبہ ہمارے ہاتھ آئے کافر دشمنوں تک نہ پہنچ سکے اور مدینہ والے بھی اس رائے سے متفق تھے کیونکہ سب چاہتے تھے کہ ان کا شہر شامی اسباب سے فائدہ اُٹھائے چنانچہ رمضان المبارک کے مبارک مہینہ میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے تین سو تیرہ مسلمانوں کو ساتھ لیکر مقام بدر کی جانب رُخ فرمایا کیونکہ خیال تھا کہ اسی جانب سے ہو کر قافلہ گذرے گا مگر ابوسفیان کو خبر ہو گئی کہ مسلمانی گروہ میرے کارواں کو لوٹنے کے لئے مدینہ سے روانہ ہو گیا ہے اس لئے اس نے اہل مکہ سے مدد طلب کی اور قبیلہ غفار کے ایک شخص ضمضم بن عمر نامی کو کچھ اُجرت مقرر کر کے فوراً مکہ بھیجدیا جس نے شہر میں پہنچکر اپنے کپڑے پھاڑ لئے اور اونٹ کی ناک کاٹ دی اور نہایت پریشان وخوفناک آواز سے چیخا کہ "اے مکہ والو تمہارا کارواں لُٹ گیا اور تمہارے بھرپور قافلہ کو محمدؐ نے آ لیا چلو چلو جلدی کرو اور کارواں کی مدد کو وقت پر پہنچو" مکہ میں ہل چل مچ گئی۔ اور سرداران قریش کی آنکھوں میں خون اُتر آیا کیونکہ ان کی برسوں کی تمام امیدوں پر پانی پھیرا جا رہا تھا ابوجہل نے قریش کے ہر قبیلے کا سردار ساتھ لیا اور ساڑھے نو سو سواروں کی جمعیت لیکر نہایت کروفر کے ساتھ اپنے غرور کی مستانہ چال چلا اور سو گھوڑوں کی جلو میں پورے سامان جنگ کے ساتھ جوشیلے اور متکبرانہ اشعار پڑھتا ہوا مکہ سے باہر نکلا۔ کارواں کا سردار ابوسفیان مسلمانوں کا لشکر بدر میں پڑا ہوا دیکھکر عام راستہ کترا گیا اور دوسری راہ سے صحیح وسالم مکہ پہنچ گیا اور مکہ پہنچکر ابوجہل کے پاس جو ابھی راستہ ہی میں تھا قاصد بھیجدیا کہ کارواں کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا مناسب ہے کہ تم لوگ واپس چلے آؤ" مشرکین قریش میں اکثر لوگ چونکہ محمدی کچھار کے شیروں کی بہادری اور آسمانی اعانت وغیبی فتوحات کا اندازہ کئے ہوئے اور اپنا انجام بد خوب سمجھے ہوئے تھے صرف قومی حیا اور وطنی پاسداری وشرم کے باعث ہمعصروں کے لحاظ اور اپنے ملعون سرداروں کے دباؤ سے قدم اُٹھائے جا رہے تھے اس لئے انھوں نے اس رائے کو بہت پسند کیا اور چاہا کہ مکہ واپس

ہوں لیکن مغرور ابوجہل نے نہ مانا اور کہا کہ اب تو جبتک بدر میں پہنچکر نئے مذہب والوں کا قلع قمع نہ کر لوں اور وہاں کے چشمہ کے پاس ڈیرہ ڈال کر تین دن ناچ رنگ کے بھاری جلسہ سے اپنا دل خوش نہ کروں اس وقت تک باز نہ آؤں گا۔ یہ ملعون اپنے خیال میں فتح کی کامل امید رکھتا اور اس غرّہ میں تھا کہ بدر کی رنگ رلیاں آئندہ کیلئے یادگار ہوکر سارے عرب کو خوف زدہ بنا دے گی اور مسلمانوں کا بے طرح قتل ہونا سارے حجاز پر سکّہ جما دے گا اور پھر کوئی ایسے فعل کی جرأت نہ کرسکے گا۔ مگر یہ خبر نہ تھی کہ خدا کو اور ہی کچھ منظور ہے اور یہ خاک گور کی کشش ہے جو کھینچے لئے چلی جاتی ہے اور موت کے خونخوار پنجہ کی باگ ہے جو پیچھے نہیں ہٹنے دیتی۔ اس اسلامی لشکر کے ستتر مہاجرین اور دو سو چھتیس انصار کے ساتھ کل ستر اونٹ دو گھوڑے آٹھ تلواریں اور چھ زرہ تھیں گویا غنیم کی فوج سہ چند سے بھی زیادہ تھی مگر غیبی فرشتوں کے خدائی لشکر نے اس مختصر جمعیت کو اتنا بڑھایا کہ کافروں کو اپنی جماعت سے دوچند لشکر نظر آیا اور مسلمانوں کی نظروں میں قریشی فوج نصف اور وہ بھی نہایت ضعیف و بے وقعت نظر آئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کمزور مسلمانوں کی ہمت بڑھ گئی اور حق تعالیٰ کا تجویز کردہ معاملہ جنگ ظہور میں آیا۔

کارواں کے بچ نکلنے کے بعد مسلمانوں کی رائے بھی مختلف ہوئی اور چند لوگوں کا یہ خیال ہوا کہ جب مقصود ہاتھ سے نکل گیا تو واپس ہو جانا چاہئے کیونکہ مالی قافلہ لوٹنے آئے تھے جنگ کے لئے نہیں چلے تھے مگر حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے جنگ کی تھی کیونکہ آپ کے مہربان پروردگار کا منشا تھا کہ کفار قریش کے سردار چھانٹ چھانٹ کر قتل ہوں اور اسلام کو وہ غلبہ و شوکت حاصل ہو جاوے جو ہمیشہ کے لئے مخالف کو پسپا اور بے ہمت بنا دے۔ اس لئے صحابہ کرام نے اپنے سپہ سالار کا میلان طبیعت پاکر ثابت قدمی کے ساتھ جان فروشی کا اظہار کیا اور کہا کہ یا رسول اللہ ہم موسیٰ کی قوم جیسے نہیں ہیں جنھوں نے جہاد کے وقت اپنے پیغمبر سے کہدیا کہ "تم اور تمھارا پروردگار جاکر لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں"۔ خدا اس دن موت دے جس دن ایسا خیال بھی آئے۔ ہم بے بضاعت غلام آپ کے تابعدار ہیں جہاں آپ کا پسینہ گرے وہاں اپنا خون بہانے کو موجود ہیں ہماری جانیں آپ پر قربان آپ بسم اللہ کیجئے اور جنگ کا حکم فرمائیے یقین ہے کہ اسلام کا بول بالا رہے گا اور مسلمانوں کو فتح اور غلبہ کے ساتھ مال و دولت بھی اتنی ہاتھ آئے گی جس سے اُن کی شکستہ کمر مضبوط اور نازک حالتِ افلاس قوت کے ساتھ بدل جائے گی۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے رفقاء کے یہ کلمات نہایت پسند آئے اور طرفین سے جنگ کی تیاریاں شروع ہوئیں۔

باب (۲۴)

بدر میں جنگ اور اس کا نتیجہ۔ ادھر اور اُدھر دونوں طرف کسی بھاری جنگ کی تیاری ہو رہی ہے ابوسفیان بھی کارواں کو مکہ پہنچاکر قومی ہمدردی اور اخوت کی بنا پر واپس ہوا اور لشکر کفار میں موجود ہے مکہ کے سرداروں میں کوئی سردار ایسا نہیں ہے جو آج اس میدان میں نہ ہو یہاں تک کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ بھی موجود

ہیں جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے خدا کی اس نافرمان جماعت میں گو دلوں کے اندر قدرتی ہیبت اور غیبی خوف سمایا ہوا ہے مگر ظاہر تو ایسا کر رہے ہیں گویا بیل تن ہیں جن کو بکریوں کا مقابلہ کرنا ہے اور ہر شخص رستم ہے کہ پشہ کے مارنے کو بلایا گیا ہے ہر ایک کی مستانہ چال اور مغرور بہادر کی طرح جھوم جھوم کر چلنا اور رعونت آمیز دلخراش کلمات بتا رہے ہیں کہ یہ ادائیں اچھا نتیجہ نہیں پیدا کریں گی کیونکہ حق تعالیٰ کو مٹی سے پیدا ہوئے پُتلہ کا یہ تکبر بھاتا نہیں ہے ادھر اللہ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر جماعت خدا کے نام پر قربان ہونے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جان نثاری کا امتحان دینے کو مستعد اور آمادہ ہے جو عرب کے ریگستانی خطہ میں تقدیر سے ایسی ریتیلی زمین پر قیام کئے ہوئے تھی جہاں ریت کے تودوں اور کمزور مٹی کی وجہ سے پاؤں چلنے بھی مشکل ہیں ان بیچاروں کے پاس پانی بھی موجود نہیں حالانکہ پیاس غالب ہے پپڑیاں جمی ہوئی ہیں اور پھر اپنے پاک خدا کے آگے ماتھا ٹیکنے کے لئے وضو کرنے کی بھی ضرورت ہے اور اتفاق سے بعض جوان مسلمانوں کو نہانے کی بھی حاجت ہے۔ یہ بے سروسامان لشکر پریشان خاطر اور صرف خدا پر بھروسہ کئے ہوئے اس کا منتظر کھڑا ہے کہ تلواریں اور برچھیاں کھا کر اپنے آقا کے سامنے حاضر ہوں تو کاش صاف ستھرے نہائے دھوئے پاک اور باوضو حاضر ہوں چشم بد دُور کسی کی نظر نہ لگے کیونکہ یہ عاجزانہ ادا اللہ کو بھی نہایت پسند ہے اور بہت جلد بہتر انجام دکھانیوالی ہے یہی وجہ ہے کہ ادھر یہ پریشانی بڑھتی جاتی تھی اور اُدھر سے پانی کے بھرے ہوئے بادلوں نے استقبال کو قدم آگے لئے اور اتنا مینہ برسا کہ پاؤں تلے کی زمین بھی جم کر سخت ہو گئی اور ضرورتوں سے فارغ ہو کر جو کچھ بھی برتن اور مشکیزے ساتھ تھے پانی سے لبریز ہو گئے یہی نیک فال بتلا رہی ہے کہ جس کا اول اچھا ہے اُسی کا آخر بھی بہتر ہو گا کیونکہ "اُول را با آخر نسبتے دارد" یہی وہ مبارک وادی ہے جس میں مقدس مذہب اسلام کو عزت و شوکت اور دشمن کافروں کو خواری و ذلت کی ابتدا ہوئی ہے۔ یہیں اسلامی سپہ سالار اور اللہ پاک کے محبوب پیغمبر کی فرودگاہ کے لئے خرمے وغیرہ کی شاخوں سے ڈھانپا ہوا چھپر اور جھونپڑی کی طرح مقدس عریش تیار کیا گیا تھا جس میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا تھا اور اب اس کی جگہ ایک مسجد تعمیر کر دی گئی ہے جو مسجد بدر کے نام سے مشہور ہے اور زائرین حرم مصطفوی اُس کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں۔

باعزت سپہ سالار اور خدا کے نازک مزاج محبوب پیغمبر کی تضرع وزاری اور حق تعالیٰ کے بے پروا سرکار کی بے نیازی کا خوف کچھ نہ پوچھو آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جاری ہے اور دونوں مبارک ہاتھ دعا کے لئے اتنے اونچے اُٹھے ہوئے ہیں کہ چادر مبارک شانہ سے گر گئی ہے اور یہ الفاظ زبان سے نکل رہے ہیں کہ "اے میرے پروردگار اپنے وعدہ کو پورا فرما آج مدد کا دن ہے اگر یہ چھوٹی جماعت تباہ ہو جائے گی تو کوئی بھی تیری خالص عبادت کرنے والا نہ رہے گا تجھ کو ایک سمجھنے والے یہی تیرے غلام چند آدمی نظر آتے ہیں جو تیرے کہلاتے ہیں ان کی اعانت بھی تیرے ہی ذمہ ہے اور مقدس مذہب اسلام کی عزت بھی تیرے ہاتھ ہے۔"

صبح ہوئی اور آفتاب عالمتاب نے اپنی برچھی نما شعاعوں کو چاروں طرف پھیلا دیا دلیر اور بہادر پہلوانوں کے امتحان کا وقت آگیا اور ہر ایک کے دل میں اس امنگ و آرزو نے جوش مارا کہ کاش سب سے پہلا جان نثار میں کہلاؤں اور میری ہی صیقل دار تلوار کو آج وہ عزت نصیب ہو جو دشمن کو دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دے یا مجھ کو بہشتی حوروں کا ہمکنار بنائے اور پیارے ذوالجلال کے دیدار کا نظارہ کرائے۔ اتنے میں قریش کے تین جوان میدان جنگ میں قدم بڑھاتے ہوئے آکھڑے ہوئے اور اس زمانہ کی جنگ اور ملکی رسم کے موافق مسلمانوں کی طرف دیکھکر للکارے کہ "ہے کوئی جو میدان میں آکر مقابلہ کرے۔" ان میں سے دو بہادر ربیعہ کے بیٹے یعنی عتبہ اور شیبہ ہیں اور تیسرا نوجوان عتبہ کا بیٹا ولید ہے چنانچہ یہ کلمے سنتے ہی تین بہادر انصاری آگے بڑھے مگر حریف نے منظور نہیں کیا اور کہا کہ ہمیں اپنی قوم کے قریشی النسل مسلمانوں اور اپنے کنبہ یا برادری کے بھائیوں سے لڑنا منظور ہے کسی دوسرے قبیلہ کے سامنے آنا ہماری ہتک عزت اور ننگ و عار کا باعث ہے کیونکہ شریف اور بہادر کا مقابلہ شریف و بہادر ہی کر سکتا ہے۔

محمدی کچھار کے شیر تو سب ہی میدان کے متمنی اور کارزار کے خواہشمند تھے اس لئے فوراً حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ عتبہ کے مقابل ہوئے اور حضرت علیؓ شیبہ کے سامنے آئے اور حضرت عبیدہؓ نے ولید کا مقابلہ کیا۔ تلوار سے تلوار ٹکرانے لگی اور ہر ایک اپنے دل کا حوصلہ نکالنے اور جنگی کرتب دکھانے میں مشغول ہو گیا۔ جنگی مطابقت اور عمر کی مناسبت کے اعتبار سے بعض محدثین کی رائے یہ ہے کہ حضرت علیؓ جوان تھے اس لئے ولید کے مقابلہ میں آئے کیونکہ وہ بھی جوان ہے اور حضرت عبیدہؓ نے اس ولید کے باپ عتبہ کا مقابلہ کیا اور حضرت حمزہؓ نے ولید کے چچا یعنی شیبہ کا۔ کیونکہ جس طرح یہ دونوں ضعیف العمر اور بوڑھے تھے اسی طرح عتبہ و شیبہ دونوں حقیقی بھائی پیری کو پہنچ گئے تھے۔ بہرحال جو کچھ بھی ہو حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے اپنے حریف کو مہلت ہی نہ دی اور پلک جھپکاتے ککڑی اور کھیرے کی طرح کاٹ کر ڈال دیا۔ تلوار کیا تھی بجلی کی چمک اور برق کی تڑپ تھی کہ ادھر کوندی اور ادھر دو پہلوانوں کی نعش زمین پر تڑپتی ہوئی خون آلودہ دکھائی دی۔ البتہ حضرت عبیدہؓ کو اپنے حریف کے مقابلہ میں وقفہ ہوا اور دونوں فریق کے زخم آئے مگر حضرت علیؓ نے اپنے کام سے فارغ ہو کر ان کا ہاتھ بٹایا اور دشمن کو دوتوں ہمراہیوں کے ساتھ ہمیشہ کی نیند سلا دیا اگرچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی حضرت عبیدہؓ نے گھٹنے میں تلوار بھی کھائی اور اس کاری زخم سے جاں بر نہ ہو سکے کیونکہ واپسی میں صفرا مقام پر راہی ملک بقا ہو گئے مگر میدان میں محمدی کچھار کے شیروں نے گرنا پسند نہیں کیا اور تینوں بہادر مظفر و منصور لشکر اسلام میں واپس آئے۔

عتبہ بن ربیعہ چونکہ اپنی قوم میں بڑا تجربہ کار اور بوڑھا شخص تھا اس لئے یہ سمجھے ہوئے تھا کہ تقدیری موت یہاں کھینچکر لائی ہے اور چونکہ اپنے غلام عداس کی زبانی جو کہ مذہب نصرانیت سے تائب ہو کر مسلمان ہو چکے تھے سن بھی چکا تھا کہ اس لڑائی کا انجام برا ہے تم لوگوں کو قتل ہونے کے لئے موت لئے جاتی ہے اس لئے یہ دونوں بھائی

اس جنگ سے نہایت درجہ ناخوش تھے اور ہمیشہ نفرت کی باتیں کہتے رہتے تھے مگر ابوجہل کے طعنہ اور تشنیع سے معذور تھے کیونکہ اس نے ان کو بزدل اور عورت خصلت کا خطاب دیدیا تھا اسی بُرے لقب کی عار دھونے کو جبراً و کرہاً ان بدنصیبوں نے آج جنگ میں پیش قدمی بھی کی اور سب سے پہلے گدھے کی مردار لوتھ کی طرح بدر کے ریگستان پر ہمیشہ نیند سو گئے۔

اس جنگ میں امیہ بن خلف بھی موجود تھا جو تجارتی ترقی اور تموّل میں مشہور رہے یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا پہلا دوست اور زمانہ جاہلیت کا قدیمی رفیق تھا کیونکہ جب حضرت عبدالرحمٰنؓ مکہ جاتے تھے اسی کے مکان پر ٹھیرتے تھے اس واقعہ جنگ سے چند ہی ماہ قبل کا قصہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ مکہ گئے اور دوپہر کے قریب حرم شریف خالی پاکر بیت اللہ کا طواف کرنے لگے وہاں سے واپس ہو رہے تھے کہ ابوجہل نے دیکھ پایا اور امیہ کو للکارا کہ اس بددین شخص کو اطمینان کے ساتھ طواف کرنا کیوں نصیب ہوا اور ہم لا مذہبوں کے پشت پناہ کیوں بنے اور اے عبدالرحمٰن اگر تو میرے دوست امیہ کے ساتھ نہ ہوتا تو گھر تک سلامت واپس نہیں ہو سکتا تھا یہ سخت کلمات سنکر حضرت عبدالرحمٰنؓ کو نہایت طیش آیا اور کہا کہ تو مجھ کو اگر طواف سے روکتا ہے تو واللہ میں تجھ پر مدینہ کا راستہ بند کر دوں گا جو تجھ کو مفلس و محتاج بنا چھوڑے گا دونوں کی گفتگو بڑھ گئی اور طرفین کا غیظ و غضب دیکھکر امیہ بن خلف کانپ اٹھا اور گھبرا کر حضرت عبدالرحمٰنؓ سے کہا کہ چپ ہو رہو یہ یعنی ابوجہل شہر کے سردار ہیں ان کے سامنے زبان درازی نہ کرو ورنہ مجھے اور تمہیں دونوں کو نقصان پہنچے گا مگر حضرت عبدالرحمٰنؓ غصہ میں بیتاب ہو رہے تھے اس لئے جواب دیا کہ اے امیہ تیری قدیمی رفاقت کا لحاظ ہے اور آج میں تجھ کو جتائے دیتا ہوں کہ وہ دن بہت جلد آنے والا ہے جس میں تم کو ذلیل و خوار ہونا پڑے گا اور یہی ابوجہل تم کو موت کے کھلے میدان میں کتے کی موت مروانے لے جائے گا۔ الغرض بات رفع دفع ہو گئی لیکن امیہ کے دل میں یہ دہشتناک خبر اثر کر گئی اور گو وہ زبان سے کچھ نہ بولا معمولی بات کی طرح اس بات کو بھی ٹالدیا اور قصہ رفت گذشت ہوا مگر جس وقت ابوجہل نے بدر کے سفر کے لئے لوگوں کو جمع کیا تو اس وقت امیہ کو اپنے پرانے دوست کی چند مہینہ پیشتر دی ہوئی خبر یاد آئی اور اس نے جانے میں عذر و معذرت اور حیلہ بہانہ کیا یہ حالت دیکھکر ابوجہل نے نہایت تحقیر کے ساتھ طعنہ دیا اور ایک سرمہ دانی دیکر کہا کہ عورتوں کی طرح سنگار کر اور اوڑھنی اوڑھکر گھر میں بیٹھ جا تو ننگ خاندان اگر پیدا نہ ہوتا تو بہتر تھا۔ امیہ حقارت آمیز جملے نہ سن سکا اور مجبور ہو کر بیوی سے کہا کہ سامان سفر تیار کر و مجھے اپنے دوست کا کلمہ یاد ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے سب میری نظر کے سامنے ہے مگر کیا کروں جس جبر و اکراہ کے ساتھ جاتا ہوں میرا ہی دل خوب جانتا ہے۔ حضرت بلال اسی امیہ کے غلام تھے اور اس ظالم نے بیچارے بے دست و پا مسلمان کو جو ایذائیں دی تھیں ان کے ذکر سے رونگٹا کھڑا ہوتا ہے آج جبکہ مسلمانوں کو اپنے دشمنوں سے انتقام لینے کا موقع ہاتھ آیا تو حضرت بلال اپنے پرانے آقا مگر بے رحم ستمگار کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑاتے پھر رہے ہیں اور گو حضرت عبدالرحمٰن ایسے نازک وقت اور انتقام لینے کی یادگار جنگ میں بھی اپنی

قدیمی رفاقت کا نباہ چاہتے اور اس کوشش میں ہیں کہ آمیہ کو پناہ ملجائے مگر نہیں آج کسی کو پناہ نہیں نہ آج کسی مسلمان کو اس کا مجاز ہے کہ وہ کسی کافر کو اپنے ذمہ اور پناہ میں لے اور نہ آج اس میں امتیاز ہے کہ کون سردار کس شخص کے ہاتھوں قتل ہوکر جہنم کا ایندھن بنتا ہے۔

حضرت بلال کی تجسسانہ نظر آمیہ پر جا پڑی اور انھوں نے انصار کو باآواز بلند پکار کر کہا "امیہ یہ رہا دیکھو جانے نہ پائے اگر آج اس کو نجات ملی تو گویا میں مر گیا چلو چلو دیکھو جانے نہ پائے"۔ انصار کے چند بہادر جوان لپکے او رحضرت عبدالرحمٰن نے یہ دیکھکر کہ اُمیہ کی خیر نہیں ہے آمیہ کے بیٹے علی کو پیچھے چھوڑا اور اس کو آگے بڑھا لیگئے تاکہ اسلامی لشکر کے جوانمرد سپاہی اس نوجوان کے مقابلہ میں مشغول ہوجائیں اور اسی پر قصہ طے ہوجائے مگر یہ اسلامی جوش اور جوشیلہ حملہ ایسا نہ تھا جو اسئے پر قناعت کرتا اسلامی تلوار نے اس کچھیرے جوان کا خون پیا مگر پیاس نہیں بجھی اور سیر ہونے کی امید پر آگے بڑھی امیہ اپنے نور نظر کو بے یار و مددگار خاک پر پڑا ہوا اور ریتلی زمین پر ہمیشہ کی نیند سونے کو لیٹا ہوا دیکھکر چیخ اٹھا جس کی گونج اور دل ہلا دینے والی کریہہ آواز کا جواب بدر کی پہاڑیوں نے دیا اور حضرت عبدالرحمٰن مسلمان بہادروں کو آمیہ کے سر پر کھڑا دیکھ کر گھبرا گئے اور اس کے اوپر اس طرح پڑ گئے جس طرح مرغی اپنے بچوں کو دبالیتی یا چادر اپنے اندر لپٹنے والے کو چھپا لیتی ہے مگر افسوس آمیہ کا وقت برابر ہوچکا تھا اور موت اس کے سر پر کھڑی ہنس رہی تھی انصاری کی صیقلدار تلوار حضرت عبدالرحمٰن کے پاؤں کے نیچے سے آئی اور اپنا کام کر گئی حضرت عبدالرحمٰن کے پاؤں میں بھی خفیف سا زخم آیا جس کا نشان عمر بھر رہا اور جس کی قصاص یا دیت سے کوئی تلافی نہیں کی گئی مگر آمیہ تو اپنے پیارے بیٹے سے فوراً جاملا اور اسی کے پہلو میں ہمیشہ کے لئے سو گیا جس کے فراق میں ابھی چند منٹ ہوئے نہایت دردآمیز آواز میں چیخا اور چلایا تھا۔

افسوس آمیہ جب تک بھی زندہ رہا لشکر سے الگ الگ اور اسی تلاش میں رہا کہ کوئی حیلہ ہاتھ آئے یا موقع ملے تو مکہ واپس بھاگ جائے مگر تقدیر سے چارہ نہیں کیا خبر تھی کہ اس پیاری بی بی کو بیوہ بنانے جا رہا ہے جس کا نام صفیہ اور کنیت ام صفوان ہے اور یہ رخصتی سلام وہ سلام نہیں ہے جس کے بعد ایک کو دوسرے کی صورت دیکھنی نصیب ہو اور نہ یہ سفر وہ سفر ہے جس سے واپسی ممکن ہو کیونکہ سفر بدر سفر آخرت کا مقدمہ تھا جس نے وہ عمر بھر کے غرور خاک میں ملا دیے جنھوں نے بلال جیسے ستم رسیدہ مسلمانوں کو ریت کے گرم ٹیلہ پر لٹوایا اور کئی روز تک متواتر چابک لگوائے تھے آج دنیا کا تموّل اور جمع کیا ہوا خزانہ کچھ کام نہ آیا اور وہ معاملہ آنکھوں سے دیکھ لیا جس کا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جیسے مہربان پیغمبر نے خوف دلایا تھا۔

میدانِ کارزار جوش پر تھا اور لڑائی اپنے موسم شباب کا جوبن دکھلا رہی تھی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو دو نوباز و پر دو خوبصورت جوان حقیقی بھائی یعنی بی بی عفرا کے بیٹے معاذ و معوذ کھڑے ہوئے کسی شکار کو مشتاق نظروں سے

ڈھونڈھ رہے ہیں اور گو حضرت عبدالرحمٰن سے نسبی رشتہ نہیں رکھتے مگر عمر میں بڑے اور بزرگ ہونے کی وجہ سے چچا کے خطاب سے پکارتے ہیں اور پوچھ رہے ہیں کہ "چچا جان آپ ابوجہل کو بھی پہچانتے ہیں؟" حضرت عبدالرحمٰن رضؓ نے جواب دیا کہ "ہاں خوب پہچانتا ہوں، کیوں تمہارا کیا مطلب ہے؟" ایک بھائی نے جواب دیا "میں سنتا ہوں کہ وہ ہمارے پیشوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بہت گستاخانہ کلمات بکتا اور بیباکانہ ناشائستہ الفاظ زبان سے نکالتا ہے اگر میں اس کو دیکھ پاؤں تو واللہ فوراً جا چمٹوں اور جبتک کہ موت کا زبردست اور اٹل ہاتھ ہم دونوں میں سے کسی ایک پر قبضہ کرکے جدا نہ کرائے میں ہرگز جدا نہ ہوں" اتنے میں ابوجہل گھوڑا کودتا ہوا میدان جنگ میں نظر آیا اور حضرت عبدالرحمٰن نے انگلی کے اشارے سے بتایا کہ "وہ دیکھو جس کو تم ڈھونڈتے ہو گھوڑے پر سوار جا رہا ہے" یہ مژدہ روح افزا سنتے ہی دونوں بھائیوں نے قدم بڑھایا اور تیر کی طرح ابوجہل کی طرف اس طرح لپکے جیسے باز اور شکرا اپنے شکار پر جھپٹتے ہیں۔

یہ انصاری نونہال جو درحقیقت دو قالب اور یکجان تھے تلوار کو نیام سے باہر نکال مشہور دشمن خدا کے سر پر بیک (ابوجہل) جا کھڑے ہوئے اور شیر کی طرح للکار کر بہادرانہ حملہ اور تلوار کا ایسا وار کیا جس سے ابوجہل گھبرا گیا اور چونکہ موت کھیل رہی تھی اس لئے بچاؤ کی کوئی تدبیر نہ کر سکا "نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن" وحشت زدہ اور حیران ادھر ادھر تکتا دشمن کا حملہ بچاتا اور کاوار دیتا رہا مگر معاذ کا حملہ وہ حملہ نہ تھا جس سے گریز ممکن ہوتا اس نے تلوار کھا کر گھوڑے سے نیچے گرا اور ایسا کاری زخم کھایا جس نے ٹھنڈا کر کے ہی پیچھا چھوڑا۔ آج ابوجہل نے اپنے غرور کی پوری سزا پائی اور بچوں کے نازک ہاتھ کی تلوار سے زمین پر لوٹتا ہوا حسرتناک لہجہ میں کہنے لگا "کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ کس بہادر شخص کے ہاتھ اور کس شریف نطفہ کی تلوار سے مارا جاتا ہوں" مگر اپنے قاتل کا نام اور عمر سنکر شرمندہ ہو گیا اور موت کی جانکنی کے صدمہ سے کروٹیں بدلنے لگا۔ ہونہار بہادر قاتل واپس ہوئے اور تھوڑی دیر بعد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اسی کی تلاش میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ یہاں سے پہنچے جہاں یہ نخوت کا پتلہ پڑا جان توڑ رہا تھا کیونکہ ابھی اللہ کے پیارے پیغمبر کو امت محمدیہ کے اس فرعون کا مارا جانا معلوم نہیں ہوا تھا حضرت عبداللہ رضؓ نے دیکھا کہ ابھی رمق باقی ہے اس لئے آگے بڑھے اور اپنا پاؤں اس کی گردن پر رکھکر ڈاڑھی کو پکڑا اور جھٹکا دیکر فرمایا کہ "تو ہی ابوجہل ہے جس نے شرارت وجہالت [illegible] نام پایا اور خدا اور رسول کی دشمنی میں آخرت کی دائمی حیات کو برباد کیا ہے" ابوجہل خون آلودہ ریت پر پڑا وقت کے لمحے شمار کر رہا تھا اس وقت بھی جواب دیئے بغیر نہ رہا اور بولا کہ "کیا ہوا ایک ہی آدمی کو تو قتل کیا ہے نہ تمہارے لئے کوئی قابل فخر بات ہے نہ میرے لئے کوئی باعث ننگ و عار" حضرت عبداللہؓ نے اس آخری وقت کے نزع کی سخت تکلیف دیکھکر اس پر اتنا احسان کیا کہ تلوار نکالکر گردن کاٹ لی اور [illegible] کو نکلنے کی قابل عبرت مصیبت سے نجات دی مگر افسوس اب جس مقام پر جا پہنچا ہے اسکی تکالیف سے ابدالآباد تک بھی چھٹکارا نہیں مل سکتا! اس مغرور سردار نے سر کاٹے جانے کے وقت بھی تکبر نہیں چھوڑا جس وقت حضرت عبداللہ کو ننگی تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے

اپنے سینہ پر چڑھے دیکھا تو کہا کہ "اے بکریاں چرانے والے چرواہے تیرے لئے فخر کا موقع ہے کہ تو بڑی اونچی جگہ بیٹھا ہوا ہے دیکھ میرا سر کاٹے تو گردنوں کے پاس سے کاٹنا تاکہ کٹے ہوئے سروں میں رکھا جائے تو بڑا معلوم ہو اور ہر دیکھنے والا شخص سمجھ جائے کہ کسی بڑے سردار کا سر ہے۔"

حضرت عبداللہؓ نے اس کا سر تن سے جدا کیا اور رسالتمآب کے حضور میں لا ڈالا اور اسی صلہ میں بیش قیمت وہ تلوار پائی جس کا قبضہ ابھی تھوڑی دیر پہلے ابوجہل کے ہاتھ میں تھا اور ابوجہل کا باقی مال و متاع اصلی قاتل صرف معاذؓ بن عفرا کو دیا گیا جن کی اس بہادرانہ کارروائی کا تذکرہ صفحۂ روزگار پر قیامت تک قائم رہے گا۔ کیونکہ ان کے بھائی معوذؓ اس واقعہ سے فارغ ہو کر لڑائی کے گھمسان میں دوبارہ گھس گئے تھے اور شربتِ شہادت نوش فرما کر حورانِ جنت کی آغوش میں جا سوئے تھے۔

جنگ کا ہنگامہ شباب پر تھا اور دھوپ کی تیزی لڑنے والے بہادروں کو پریشان بناتی جاتی تھی کہ اتنے میں سپہ سالار لشکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی خاک اٹھا کر کافروں کی فوج میں پھینکی اور فرمایا کہ شاھت الوجوہ یعنی یہ مونہہ ذلیل و خوار ہوں۔ یہ مشت خاک حقیقت میں رسول کے ہاتھ سے نہیں پھینکی گئی تھی بلکہ دست قدرت کی پھینکی ہوئی تھی جس کا اثر دشمن کی ساری فوج پر ہوا اور کوئی آنکھ ایسی نہیں بچی جس میں غبار نہ پہنچا ہو اس کے بعد دشمن کی جمعیت میں بھگدڑ پڑ گئی۔

کفار قریش کی شکست و ہزیمت اور اس بڑے لشکر کا یوں بے سر و سامانی کے ساتھ بھاگنا ایسا نہ تھا جس کو لوگ کھڑے تماشہ کی طرح دیکھا کرتے اس لئے بہادر شیروں نے قدرتی سیل کی طرح قدم بڑھائے اور لوٹ مار پکڑ دھکڑ شروع کی اور دم کے دم میں خاطر خواہ مال غنیمت کے علاوہ ستر آدمیوں کو زندہ گرفتار کر لائے جن میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس بن عبدالمطلب بھی تھے اور حضرت علیؓ کے بھائی عقیل بن ابی طالب بھی تھے اور نیز رسول اللہ کے داماد یعنی دختر نیک اختر بی بی زینبؓ کے خاوند ابوالعاص بھی تھے جو اب تک ایمان نہیں لائے تھے۔ جو کافر مارے گئے ان کی تعداد بھی ستر ہے جن میں اکثر قریش کے سردار تھے البتہ ابولہب بچ نکلا اور بھاگ کر مکہ پہنچا لیکن مرض عطسہ میں مبتلا ہو کر سات دن کے بعد مر گیا حق تعالیٰ کا سچا وعدہ پورا ہوا اور اسلام کے دشمن اہل مکہ نے ایسی سخت اور فاش شکست کھائی جس کے بعد ان کو پنپنا نصیب نہ ہوا البتہ اتنا افسوس رہا کہ ابوسفیان بچ گیا جس کو کینہ نکالنے کا آئندہ موقع ہاتھ لگا اور پھر کئی مرتبہ جنگ کی نوبت آئی۔

اس جنگ میں تند ہوا اور گرد اور بالو کے جھونکوں کی غیبی اعانت کے علاوہ فرشتوں کی فوج سے بھی کھلی مدد کی گئی جس کے چند واقعات لوگوں کی آنکھوں دیکھے ہوئے ہیں چنانچہ ایک صحابی رضؓ کسی کافر کا تعاقب کر رہے تھے یکایک کوڑے کی پھٹکار اور یہ آواز سنائی دی کہ "ہاں اے حیزوم آگے بڑھ" آدمی تو کوئی نظر نہ آیا مگر اس کافر کو جس کے قتل کے درپے تھے اپنے آگے مرا ہوا پڑا پایا جس کی ناک پھٹ گئی اور کوڑے کی ضرب سے نیلا پڑ گئی تھی۔ اسی طرح حضرت

عباس رض کو جس شخص نے گرفتار کیا وہ نہایت ہی کمزور آدمی تھے جب ان سے پوچھا گیا کہ تم نے عباس جیسے قوی ہیکل اور بہادر پہلوان کو کیونکر قید کیا تو کہنے لگے کہ ایک ایسے شخص نے اس وقت میری مدد کی جس کو نہ میں نے پہلے کبھی دیکھا تھا نہ پھر کبھی دیکھا۔ اور یہ تو اکثر صحابہؓ نے دیکھا کہ کافروں کے سر کٹ کٹ کر ان کے سامنے گرتے تھے مگر سر کاٹنے والا کوئی نظر نہیں آتا تھا۔

اس مبارک جنگ میں آٹھ انصار اور پانچ مہاجر مسلمان شہید ہوئے جن کو خون آلودہ کپڑوں میں لپیٹ کر نماز پڑھ کر دفن کیا گیا۔ یہی وہ مقدس حضرات ہیں جن کو اسلام کی ابتدائی دنیا میں شہادتِ عظمیٰ کا شرف حاصل ہوا اور یہی قبور شہداء رضوان اللہ علیہم اجمعین مقامات بدر کے اُن مشہور مقامات متبرکہ میں سے ہے جس کی یہ عجیب و غریب بات مشہور ہے کہ مقدس مزارات کے اوپر سے ایک نقارہ کی سی آواز بجتا سنائی دیتی ہے جس کو ہر شخص محسوس کرتا ہے

مقتول کافروں کی لاشیں بدر کے بڑے اور رکبس ذ متعفن جھیرے میں ڈال دی گئیں تاکہ ان مرداروں کی بدبو سے اللہ کی چرندو پرند مخلوق کو ایذا نہ پہنچے۔ اسلامی لشکر نے تین دن اس میدان میں آرام کیا اور چوتھے دن رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کنوئیں پر جس میں چوبیس سرداران قریش کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں کھڑے ہو کر فرمایا کہ "اب تو تمنا کرتے ہوگے کہ کاش اللہ و رسول کی اطاعت کرتے۔ اللہ پاک کا جو کچھ ہم سے وعدہ تھا ہم نے تو اس کو حق پایا تم نے بھی اپنے وعدہ کو ٹھیک پایا؟" اس کے بعد اسلامی لشکر سالماً غانماً مدینہ طیبہ کو واپس ہوا۔

باب (۳۴)

بدر کے قیدی اور مالِ غنیمت۔ اس لڑائی میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ شریک نہ تھے کیونکہ ان کی بی بی یعنی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رض سخت علیل تھیں ان کی تیمارداری کے لئے حضرت عثمان رض اور حضرت اسامہ رض بن زید حکماً مدینہ میں چھوڑ دیئے گئے تھے جس روز رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں پہنچے ہیں اس سے ایک دن پہلے آپ کی بیمار بیٹی کا انتقال ہو چکا تھا اور جس وقت حضرت زیدؓ بن حارثہ نے مدینہ میں اس فتح عظیم کی بشارت سنائی ہے اس وقت حضرت عثمان و حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا کے دفن میں مشغول تھے اور اسی دن شاہِ روم نے شاہِ فارس پر فتح پائی اور مسلمانوں کو اس سے نہایت خوشی حاصل ہوئی کیونکہ شاہ روم کا اہلِ کتاب ہونا اور آتش پرست پارسیوں پر غلبہ پانا مسلمانان اہل کتاب کے قریشی بت پرستوں پر فتح پانے سے ایک خاص مناسبت رکھتا تھا اور گویا فال نیک تھی جس کا تطابق تھوڑے ہی دنوں میں فریقین نے آنکھوں سے دیکھ لیا۔

حضرت عثمانؓ بن عفان اس ضرورت کی وجہ سے چونکہ حکماً پیچھے رہے اور جنگ کی شرکت سے روک گئے تھے اسلئے آسمانی ثواب اور دنیاوی مال و متاع یعنی مالِ غنیمت میں ان سپاہیوں کے مساوی سمجھے گئے جو بدر کی فتحیابی کا جھنڈا لہراتا ہوا اپنے ہاتھوں میں لائے تھے یا آخرت کی دائمی زندگی پاکر بدر ہی کے میدان میں پڑ کر سو رہے تھے حضرت رقیہ کی وفات

کے انتقال کے بعد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ سال یعنی ۳ھ میں اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ کا نکاح بھی حضرت عثمانؓ کے ساتھ کر دیا جس کی وجہ سے ان کے ذوالنورین (دو نور والے) کا خطاب ملا اور یہ شرف کہ پیغمبر کی دو بیٹیاں کسی امتی کے نکاح میں آئیں سوائے ان کے گذشتہ امتوں میں بھی کسی کو حاصل نہیں ہوا۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمانؓ سے اس قدر خوش تھے کہ حضرت ام کلثوم کے انتقال ہو جانے پر یوں فرمایا تھا کہ اگر میری تیسری بیٹی ہوتی تو میں عثمان ہی کے نکاح میں دیتا۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیوں میں تیسری صاحبزادی یعنی بی بی زینبؓ کا نکاح حضرت ابوالعاص سے ہو چکا تھا جو آج بدر کے قیدیوں میں گرفتار رہیں اور اپنے خاوند کی رہائی کے لئے پیاری بیٹی نے کچھ مال بھیجا ہے جسمیں وہ گلے کا ہار بھی موجود ہے جو مہربان مرحومہ ماں یعنی خاتون جنت حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے بیٹی کو جہیز میں دیا تھا جس کو دیکھکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو رفیق بی بی یاد آگئیں اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ چوتھی صاحبزادی حضرت سیدہ فاطمہ زہرہؓ تھیں جن کا نکاح اسی سال میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ ہوا تھا۔ اس وقت حضرت سیدہؓ کی عمر سولہ سال کی تھی اور حضرت علیؓ شیر خدا کی عمر اکیس برس پانچ مہینہ کی۔ ان کے علاوہ کوئی صاحبزادی نہ تھیں جو حضرت ام کلثوم کے انتقال ہوئے پیچھے حضرت عثمان کے نکاح میں جاتیں۔

جنگ بدر میں جو کچھ مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا وہ جمع کیا گیا اور چونکہ تقسیم میں مسلمان سپاہیوں کے درمیان کچھ جھگڑا پھیلا اس لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے جھگڑا مٹانے کو سارا مال سب پر برابر بانٹ دیا لیکن آئندہ کے کل فساد کی جڑ کاٹنے کو قرآن مجید کی سورہ انفال میں مال غنیمت کی تقسیم کا عام قاعدہ آسمانی وحی نے مقرر کر دیا جس میں تصریح کر دی گئی کہ "مال غنیمت کا بانٹنا امیر اور سردار کے اختیار میں رہے اور پانچواں حصہ جس کو خمس کہتے ہیں بیت المال یعنی خزانہ میں جمع ہو اور باقی مال لشکری سپاہیوں پر تقسیم کر دیا جاوے اور یہ پانچواں حصہ جو خزانہ میں داخل کیا گیا ہے غریب مسلمانوں اور یتیم بچوں کی پرورش اور مسافر مہمانوں اور نیز رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے گذران کے لئے ہے رسول کو اختیار ہے کہ جہاں مناسب سمجھیں خرچ کریں۔"

تو گرفتاران مصیبت یعنی اسیران بدر کے معاملہ میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہئے چنانچہ حضرت صدیق نے رائے دی کہ چونکہ ان قیدیوں میں زیادہ تر متمول اور معزز رؤسا شہر ہیں۔ اس لئے اگر مالی فدیہ اور جان کا بقدر وسعت وحسب حیثیت معاوضہ لیکر ان کو رہا کر دیا جائے تو مناسب ہے کیونکہ مسلمانوں کی مالی حالت اس وقت ضعیف اور قابل لحاظ ہے۔ نقدیا ہاتھ آئے گا تو اسلام کو قوت وشوکت حاصل ہوگی اور کیا عجب ہے کہ ان لوگوں کو بھی مذہب اسلام کی توفیق نصیب ہو اور آئندہ مسلمان ہو جاویں اور اگر مسلمان نہ ہوئے اور سرکشی کے ساتھ پھر شرارت بھی کی تو ہمیں میدان ہمیں چوگان ہمیں گوے" ان کے لئے یہی شکست وذلت پھر موجود ہے جو آج حاصل ہے مگر

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس رائے سے موافقت نہیں کی اور کہا کہ میرے خیال میں ان سرداران کفر کا قتل کر دینا مناسب ہے کیونکہ ہمارا مقدس مذہب یعنی اسلام مال کا محتاج نہیں ہے البتہ حق تعالیٰ کی معصیت کے قلع قمع کرنے اور اپنے مفسد دشمنوں کے خون کا پیاسا ہے اور یہی اللہ و رسول کی محبت کے امتحان کا وقت ہے اس لئے آپ تو اپنے قریبی رشتہ دار کو لیں اور علیؓ کے حوالہ ان کے بھائی عقیل کو کریں اور حضرت حمزہؓ کے ہاتھ میں ان کے بھائی عباس کا ہاتھ دیں اور میرے سپرد سیر افلاں عزیز کریں اور حکم دیں کہ ہر شخص اپنے خاص رشتہ دار کی گردن اپنے ہاتھ سے اڑائے تاکہ پلک جھپکاتے ان کافروں کے خون کی ندی بہہ جائے اور اللہ کے سچے مذہب کی مخالفت کا بیج کٹ جائے مگر چونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نہایت حلیم اور رحم دل پیغمبر تھے آپ کی شان رحمۃ للعالمین تھی اس لئے حضرت صدیق کی رائے کو پسند فرمایا اور حسب حیثیت جان کا معاوضہ مقرر فرما کر حکم دیدیا کہ فدیہ دیتے جاؤ اور رہا ہوتے جاؤ اسی موقع پر آپ کی صاحبزادی حضرت زینب نے اپنے خاوند ابوالعاص کے فدیہ میں بدن کا زیور اتار کر بھیجا جس میں جہیز کا ہار بھی تھا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم چشم نم ہوئے اور صحابہؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ اگر تمھاری رائے ہو تو یہ فدیہ واپس کر دیا جائے کیونکہ یہ ہار بیچاری زینبؓ کے پاس اس کی مادر مرحومہ بی بی خدیجہؓ کی یادگار ہے جس کو وہ اپنے پاس رکھتی ہے چنانچہ صحابہؓ کے دل بھی لرز اٹھے اور بخوشی اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد ابوالعاص اس شرط پر چھوڑ دیئے گئے کہ مکہ پہنچتے ہی صاحبزادی زینبؓ کو مدینہ میں بھیجدیں کیونکہ یہ کافر خاوند کی وجہ سے باپ کے ساتھ ہجرت نہ کر سکی تھیں چنانچہ ابوالعاص رخصت ہوئے اور وعدہ وفا کیا۔

عباس بن عبدالمطلب اگرچہ اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے مگر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خون کے جوش اور باہمی محبت کے باعث جو عموماً چچا کو اپنے بھتیجے کے ساتھ ہونی چاہیے مسلمانوں کے خیر خواہ تھے اور لشکر کفار کے ساتھ بھی بکراہت محض قومی ہمدردی کے ظاہری خیال سے آئے تھے یہ بھی انھیں قیدیوں میں ہاتھ بندھے پڑے تھے جو بدر سے قید ہو کر کشاں کشاں یہاں لائے گئے تھے مگر چونکہ ان کے ہاتھ بہت سختی کے ساتھ باندھے گئے تھے اس لئے رات کے وقت کراہ رہے تھے جن کی کراہ اور حسرتناک آواز سے سننے والوں کا دل تڑپا جاتا تھا خود رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بھی بیقرار تھے یہاں تک کہ آپ کو نیند نہیں آئی مگر کوئی خاص ایسا احسان چچا کے ساتھ کرنا آپ کو گوارا نہ تھا جس میں رشتہ داری یا تعلق یگانگت کا الزام قائم ہو سکے اور جب ایک صحابیؓ نے ترس کھا کر حضرت عباسؓ کے بند ڈھیلے کر دیئے ہیں اسی وقت آپ نے دوسرے قیدیوں کے بھی بند کو فوراً ڈھیلا کرا دیا تاکہ سب میں مساوات قائم رہے۔

حضرت عباس نے فدیہ میں اپنے بے مائیگی کا عذر کیا اور کہا کہ "اے محمدؐ شرم کی بات ہے کہ تمھارا چچا مال فدیہ کا چندہ جمع کرنے کو قریش کے آگے ہاتھ پھیلائے اور بھیک مانگتا پھرے" مگر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ بدر کا سفر پیش آنے کے وقت جو سونے کی ڈلی اپنی بی بی ام الفضل کو چپکے سے دے آئے ہو منگالو اور فدیہ میں دیکر رہا ہو جاؤ۔

حضرت عباسؓ یہ سنکر حیران ہوگئے کیونکہ چلتے وقت یہ سونے کی ڈلی بی بی کو اس طرح چھپا کر دی تھی کہ بیٹے کو بھی خبر نہ تھی اور کہہ آئے تھے کہ خدا جانے تقدیر میں کیا لکھا ہے نہیں معلوم زندہ آؤں یا وہیں مر کر رہ جاؤں اس لئے اس کو امانت رکھیو اگر تو بیوہ ہوگئی تو چند روز کا گذارا ہوجائے گا اپنی برادری کے آگے ہاتھ پھیلانا نہ پڑے گا۔ اور اگر میں واپس آگیا تو جس طرح مناسب سمجھوں گا خرچ کروں گا۔

عباس کے قلب پر ایمان کے نور کی شعاعوں نے پھیلکر اپنا قبضہ کرلیا اور یہ فوراً اسلام لے آئے اور کہنے لگے کہ بیشک تم سچے نبی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس مخفی معاملہ کو تم پر منکشف کردیا اور یہی تمہارے پیغمبر خدا ہونے کی دلیل میرے لئے کافی ہے

حضرت عباسؓ کے ایمان لانے سے تمام مسلمانوں کو ایک خاص خوشی حاصل ہوئی اور چونکہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے میں حضرت عباسؓ کا مکہ ہی میں رہنا مصلحت تھا اس لئے ان کو پھر مکہ چلے جانے کی اجازت ملگئی۔ ان قیدیوں کے ساتھ نہایت مہربانی کا برتاؤ اور قابل تعجب سلوک کیا گیا کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر تاکید کردی تھی کہ ان کی ضرورتوں اور مصیبتوں کا خیال رکھنا۔ چنانچہ مسلمان لوگ ان قیدیوں کو وہی کھلاتے تھے جو خود کھاتے تھے۔ غرض قیدیوں میں جو امیر تھے وہ فدیہ دیکر آزاد ہوئے اور جو غریب و نادار تھے وہ اس وعدہ پر چھوڑ دیئے گئے کہ پھر کبھی مسلمانوں سے نہ لڑیں گے۔

اسیران بدر کی رہائی کا واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہادی فعل تھا جس میں آپ سے باقتضائے بشریت خطا واقع ہوئی کیونکہ قیدیوں کے چھوٹ جانے کے بعد جو وحی نازل ہوئی اس میں پیارے پیغمبر پر محبوبانہ عتاب تھا اور ارشاد فرمایا گیا تھا کہ "خطاء اجتہادی پر ہماری عادت مواخذہ کی نہیں ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو اس فدیہ لیکر سرداران قریش کے رہا کردینے میں تم پر عذاب نازل ہوجاتا" رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نازل ہونے پر روئے گڑگڑا کر توبہ کی اور فرمایا کہ اگر عذاب نازل ہوتا تو سوائے عمرؓ اور سعدؓ کے جو عمرؓ کے ہمراہی تھے اور کوئی بھی نہ بچتا۔

باب ۲۶ مطابق ۶۲۴ء (۲ھ)

بقیہ واقعات اور غزوہ بنی قینقاع اور غزوہ سویق۔ جنگ بدر سے فارغ ہوکر مدینہ میں پہنچنے سے سات دن کے بعد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی سلیم پر غزا فرمانے کیلئے تشریف لے گئے اور مقام کدر تک پہنچکر تین دن اقامت فرمائی اور لڑائی واقع ہوئے بغیر واپس تشریف لائے پھر نصف شوال کو شنبہ کے دن یہود قبیلہ بنی قینقاع پر ان کی بدعہدی اور کفار سے خفیہ سازش کی بنا پر جہاد کی غرض سے تشریف فرما ہوئے اور پندرہ روز تک ان کو محاصرہ میں رکھا اور آخرکار عبداللہ بن ابی منافق کی سفارش سے جو بظاہر اسلام لے آیا تھا یہودیوں کے قتل سے دست کشی کی لیکن جلائے وطن کرنے کا اتفاق ہوا۔

یہ قوم بنی قینقاع دوسرے یہودی فرقوں کی طرح کاشتکار نہ تھی بلکہ دستکاری سے اوقات بسری کرتی تھی یہ قوم

بہت ہی لڑاکا اور ہر وقت جھگڑے اور فساد کو آمادہ تھی ان لوگوں کی اخلاقی حالت بھی نہایت خراب تھی ان کو اپنے عہد و پیمان کا بھی کچھ لحاظ یا پاس نہ تھا ایک دن شوال کے مہینے ۲ھ ہجری یعنی فروری ۶۲۴ء میں ایک نوجوان لڑکی دیہات سے دودھ بیچنے کے لیے بنی قینقاع کے مشہور بازار میں آئی تھی عیاش اور نوجوان یہودیوں نے اس لڑکی کے ساتھ بڑی بدسلوکی کی ایک مسلمان صحابی رض جو اس راستہ سے چلے جاتے تھے اس مسافر و بے وطن لڑکی کے طرفدار بن گئے اور بالآخر مسلمان صحابی اور نوجوان یہودیوں میں لڑائی شروع ہو گئی اور اس لڑکی کا ظالم دشمن مارا گیا۔ اس کے بعد کل یہودیوں نے ملکر لڑکی کے مددگار مسلمان کو مار ڈالا مگر جب مسلمانوں نے یہ بات سنی تو نہایت غصہ ہوئے اور یہودیوں پر چڑھ آئے اس بلوہ میں دونوں جانب کے کئی آدمی ضائع ہو گئے جس وقت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو آپ بہ نفس نفیس وہاں تشریف لائے جہاں بلوہ ہو رہا تھا اور مسلمانوں کے غصہ کو ٹھنڈا کیا چونکہ یہودیوں نے جان بوجھ کر تحریری معاہدہ کے خلاف کام کیا تھا اس لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم قوم بنی قینقاع کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ "یا تم مسلمان ہو جاؤ یا مدینہ چھوڑ دو" کیونکہ تم کو مناسب تھا کہ اگر تمھارا ہم قوم رشتہ دار ظلماً بھی مارا جاتا تو تحریری معاہدہ کی بنا پر میرے پاس مقدمہ لاتے اور منصفانہ فیصلہ پر کاربند ہوتے مگر تم نے عام بلوہ سے ثابت کر دیا کہ اگر تمھاری چند روز یہی حالت رہی تو مدینہ میں کسی شخص کو بھی چین اور امن کی زندگی نصیب نہ ہو گی۔ ان مغرور یہودیوں نے نہایت گستاخانہ جواب دیا اور کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم قریش پر فتحیاب ہو جانے سے مغرور نہ ہو جاؤ تم نے ان لوگوں پر فتح پائی ہے جو جاہل محض اور لڑائی کے عنوان سے بالکل ناواقف تھے اگر تم ہم لوگوں سے لڑو گے تو معلوم کر لو گے کہ لڑائی کس کا نام ہے اور بہادری کسے کہتے ہیں۔ اس کے بعد ان لوگوں نے اپنے قلعہ کا دروازہ بند کر دیا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو نہ مانا۔ بالآخر مسلمانوں نے بھی ان کا محاصرہ کیا اور پندرہ روز کے بعد جب یہ لوگ مغلوب ہو کر عاجز آ گئے تو دروازہ کھولدیا اور مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے مسلمانوں کا ارادہ بھی ہوا کہ ان کو سخت سزا دی جائے لیکن اللہ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت آمیز رائے عبداللہ بن ابی کی سفارش سے یہ ہوئی کہ بنی قینقاع صرف جلاوطن کر دئے جاویں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس واقعہ نے بتلا دیا کہ صرف زبان سے کلمہ پڑھ لینے والوں کی بھی مقدس مذہب اسلام کو اس قدر رعایت منظور ہے کہ مفسدہ پرداز شریروں کے خون معاف ہو جاتے ہیں جیسا کہ عبداللہ بن ابی منافق کی رعایت سے یہود بنی قینقاع کی جان بخشی ہوئی۔

اسی سال عید الاضحیٰ کی نماز پڑھی گئی اور اسی سال عصما بنت مروان ماری گئی جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتی اور مسلمانوں کی ہجو کیا کرتی تھی۔

اسی سال حضرت سیدہ فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے چار سو دینار نقرہ مہر پر ہوا جو ڈیڑھ سو تولہ چاندی ہوتی ہے اور جو سامان خانہ داری جہیز میں دیا گیا تھا وہ یہ تھا ایک پلنگ۔ دو نہالی کتان کی۔ دو چادریں

ایک تکیہ۔ چاندی کے دو بازو بند۔ ایک مشکیزہ اور مٹی کے دو گھڑے اور ضرورت کی چند چیزیں اسی قسم کی۔

اسی سال امیہ بن الصلت شاعر کا انتقال ہوا۔ یہ مشہور شاعر ایام جاہلیت میں کتب سابقہ پڑھکر نصرانی ہو گیا تھا بت پرستی چھوڑ بیٹھا تھا اور علمائے اہل کتاب سے نبی آخر الزماں کی خبر سُنکر اس مبارک زمانہ کا منتظر تھا مگر تقدیر سے لاچار تھا اس کو اپنی ذات میں خوبیاں دیکھکر خاتم النبیین کے اوصاف سے متصف ہونے کا اپنے اوپر گمان تھا اس لئے جب وہ وقت آیا تو حسد کی وجہ سے یہ بدنصیب ایمان کے شرف سے محروم رہا۔

جوں ہی قریش کے قیدی رہائی پاکر اپنے گھر واپس گئے ابوسفیان کو بدر میں اپنے ساتھیوں کے مقتول ہونیکا صدمہ تازہ ہو گیا اور اس نے انتقام کا خیال پختہ کر کے قسم کھائی کہ اس مرتبہ ضرور بالضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدلہ لوں گا اور جب تک دل کھولکر انتقام نہ لیلوں گا اپنی جگہ آرام سے نہ بیٹھوں گا چنانچہ دو سو مسلح سوار کر لیکر مکہ سے باہر نکلا اور اس جگہ پہنچا جہاں سے مدینہ صرف تین میل باقی تھا یہاں ایک انصاری کو شہید کر دیا اور تھوڑے سے گھر جو گرد و نواح میں آباد تھے لوٹ لئے درخت جلا دیئے اور بھاگ گیا۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سو سواروں سے اس کا تعاقب کیا مگر یہ ایسا بھاگا تھا کہ ہاتھ نہ آیا مکہ کے یہ مسلح جوان اپنے ساتھ ستو کی تھیلیاں زادِ راہ لیتے آئے تھے لیکن جب مدینہ کے اسلامی لشکر کے خوف سے بھاگنا پڑا تو جانیں بھی گراں گذرنے اور دوبھر معلوم ہونے لگیں۔ یہ لوگ بھاگتے جاتے تھے اور گھوڑوں کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ستو کی تھیلیاں پھینکتے جاتے تھے۔ اسلئے اس لڑائی کا نام غزوۃ السویق (ستو والی لڑائی) ہے پانچ روز کے بعد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس تشریف لائے اور بقیہ ذی الحجہ یہاں تشریف رکھکر غزوۂ نجد کے قصد سے برآمد ہوئے اور صفر کے مہینہ تک وہیں قیام فرمایا مگر بغیر قتال و محاربہ رجوع فرمایا اور ماہ ربیع الاول کا اکثر حصہ مدینہ منورہ میں گذار کر پھر قریش کی طلب میں نجران کی جانب تشریف لے گئے اور بقیہ ربیع الاول اور تمام ربیع الثانی اور ماہ جمادی الاولی اسی سفر اور اقامت میں ختم فرمایا یہاں سے بھی بلا محاربہ و جنگ مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔

ماہ شعبان ۳ھ میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ خبر میں وارد ہے کہ وطن مالوف سے مدینہ طیبہ ہجرت کرنے والے مہاجرین مسلمانوں میں سب سے پہلا انتقال یہی ہے اور یہی قابل افتخار وہ صحابی ہیں جو سب سے پہلے بقیع الغرقد میں دفن کئے گئے۔

بقیع مدینہ طیبہ کا وہ مقدس و مشہور قبرستان ہے جس میں آج لکھوکھا مقبولان خدا آرام کی نیند پڑے سوتے ہیں اس مقدس گورستان میں دفن ہونے والے خاصان خدا کی شمار دشوار ہے جس زمانہ کا ہم تذکرہ کر رہے ہیں۔ اس وقت اس جگہ پر غرقد کے کانٹے دار درخت کثرت سے پھیلے ہوئے تھے مگر جب حضرت عثمانؓ بن مظعون رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اور صحابہ نے دینی شاہنشاہ سے دریافت کیا کہ باعزت مسلمان اور مقتدائے امت صحابی کو کہاں

دفن کریں تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثار پیارے دوست اور انتقال کر جانے والے مخلص صحابی کی پیشانی کا بوسہ لیا اور فرمایا کہ میدانِ بقیع میں دفن کرو چنانچہ غرقد درختوں کو کاٹ کر زمین نکالی گئی اور ایک قبر کی جگہ صاف کر کے قابلِ افتخار مہاجر کو مشفق و مہربان مادر گیتی کی گود کے حوالہ کیا گیا۔

یہ مقدس مشہد دارِ عقیل یعنی اس مقام سے جہاں اب حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کا قبہ قائم ہے پورب کی طرف ہے اور یہ جگہ وسط بقیع ہے جس کا نام رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اوحد رکھا تھا۔

ان ہر دلعزیز صحابی کی تجہیز و تکفین میں دینی شاہنشاہ شریک تھے بلکہ اپنے دستِ مبارک سے ایک وزنی پتھر اٹھا کر ان کی قبر پر رکھدیا تھا اور یوں فرمایا تھا کہ میں اپنے دوست کی قبر کا نشان اور علامت قائم کرنے کے لئے اس پتھر کو رکھتا ہوں تاکہ میرے اہل و عیال میں جس کا بھی انتقال ہو اس کو عثمان بن مظعون کے پہلو میں سلاؤں اور اسی جگہ دفن کروں۔ مگر افسوس یہ متبرک پتھر مروان بن حکیم والیٔ مدینہ نے اپنے عہدِ حکومت میں یہاں سے اٹھا دیا کہ میں نہیں چاہتا کہ عثمان بن مظعون کی قبر پر کوئی خاص ایسی علامت رہے جس سے ان کو امتیاز حاصل ہو اور گو بنو امیہ نے اس جفا کار حاکم پر ملامت بھی کی اور کہا ہائے افسوس جس پتھر کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے اٹھا کر رکھا تھا اس کو تو نے اٹھوا ڈالا۔ مگر اس نخوت پسند والیٔ مدینہ نے کچھ پرواہ نہیں کی اور صاف جواب دیدیا کہ ہمارا حکم زبان سے نکلے پیچھے واپس نہیں لیا جاسکتا۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر شریف سلطان زمین و زمن صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت سرا کے بالکل سامنے تھی یہانتک کہ اگر کوئی شخص اس مقدس مزار کی جگہ کھڑا ہوتا تھا تو اس کی نظر بے حجاب دولتسرا پر پڑتی تھی۔ اور اگر انصاف سے دیکھو تو فخر و ناز کے لئے یہی بہت ہے کہ اللہ کے پیارے پیغمبر نے اپنے جاں نثار محبوب کو انتقال کے بعد بھی نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیا اور اسرارِ معنوی کے فیضانِ باطنی کا تو ذکر نہیں مگر عاشق کی قبر بھی نگاہ کے سامنے ہی رکھی گئی۔

اسی مقدس مزار کے قریب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم سوتے ہیں اور یہیں آپ کی صاحبزادیاں حضرت رقیہؓ اور ام کلثومؓ اور حضرت زینبؓ آرام فرماتی ہیں کیونکہ حضرت نے وعدہ فرمایا تھا کہ اپنے انہیں و غمخوار صحابی کے پہلو میں اہل بیت کو جگہ دوں گا اور ان کے علاوہ چند مقتدا حضرات جن کے نام لینے سے روح کو تازگی حاصل ہوتی ہے اسی جگہ مدفون ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسی مشہد مقدس کے پاس حضرت سعد بن زرارہ انصاری رضی اللہ عنہ کا مزار ہے جو مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت ہجرت کے پہلے سنہ میں انتقال کر چکے تھے اور انھیں کے قریب حضرت خنیس بن حذافہ سہمی بدری کا مشہد ہے جو ام المومنین حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کے پہلے شوہر تھے اور حبشہ و مدینہ طیبہ کی ہجرت کا دوہرا اجر حاصل کئے ہوئے تھے یہ مشہور صحابی جنگ احد میں کاری زخم کھا کر ماہ شوال ۳ھ میں مدینہ طیبہ کے اندر راہیٔ ملک بقا ہوئے۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا سن وفات ہم نے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا لکھا ہوا بیان کیا ہے اگرچہ بعض قرائن اس کے خلاف ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کی وفات شعبان ۳ھ سے پہلے ہو مگر چونکہ اس کی تائید کسی معتبر روایت سے نہیں ملی اس لئے تحریر پر اکتفا کیا گیا۔ واللہ اعلم۔ بہرحال صرف تاریخ و سال کی تعین کا اختلاف ہمارے اصل مقصود کے لئے کچھ مضر بھی نہیں ہے۔

پھر اس کے بعد ماہ رمضان میں حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت خذیمہ سے نکاح کیا جو فقراء کو کثرت سے کھانا کھلانے کے باعث ام المساکین (محتاجوں کی ماں) مشہور تھیں۔ مگر اٹھارہ ہی دن کے بعد اور بروایتے دو ماہ اور بقولے تین ماہ بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسی سال نصف رمضان میں حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے بڑے صاحبزادے حضرت حسن علیہ السلام پیدا ہوئے اور شوال کے مہینہ میں حضرت زید بن حارثہ مقام ذی قرد کی جانب بھیجے گئے جنھوں نے قریش کے اس قافلہ پر حملہ کیا جس میں ابو سفیان بھی موجود تھا اور بہت سی چاندی لوٹ کر لائے اور مدینہ میں کامیاب واپس ہو کر مال غنیمت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھدیا۔

باب ۳ھ (۴۵)

کعب بن اشرف اور ابو رافع۔ اسی سال حضرت محمد بن مسلمہ کے ہاتھ سے کعب ابن اشرف یہودی مارا گیا جو اکثر مسلمانوں کی ہجو کیا کرتا تھا اور کشتگان بدر پر رویا کرتا تھا اور مشرکوں کو مسلمانوں سے لڑنے کی ترغیب دیا کرتا تھا یہودیوں کی دشمنی جو مسلمانوں کے ساتھ تھی اس کے سمجھنے کے لئے ابتدائی واقعات پر ذرا غور کرنا چاہئے کیونکہ جس دن رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں قدم رکھا اسی روز ان کے گمراہ دلوں میں حسد اور عناد نے عداوت کی آگ سلگا دی تھی یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے امتی مسلمانوں کی ہجو لکھتے اور آیات قرآنی کا مخول اڑاتے تھے کیونکہ اس طرح منہ ٹھہرا کر کے پڑھتے تھے جس سے برے معنی پیدا ہو جاتے تھے مثلاً جس لفظ کے معنی یہ ہیں کہ "مجھ پر رحم کی نظر سے دیکھئے اور رعایت کیجئے" اس کو اس طور سے پڑھتے تھے جس کے معنی یہ ہو جاتے تھے کہ "اے ہمارے چرواہے اور کمینہ" یہ عربی زبان کی وسعت کا باعث ہے کہ ایک لفظ کے ذرا لہجہ بدلنے یا حرکات کو بڑھا کر حروف پیدا کر لینے سے معنی میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے اور مطلب کچھ کا کچھ بن جاتا ہے جس کو اس مقدس زبان کے سمجھنے والے خوب سمجھتے ہیں۔

یہ بدطینت قوم اسی پر اکتفا نہیں کرتی تھی بلکہ اپنی چرب زبانی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بھی ایسے الفاظ کا زیادہ استعمال کرتی تھی جن کو سننے والا معمولی توجہ میں سمجھ بھی نہیں سکتا تھا مثلاً ملاقات ہوتی تو السلام علیکم کی جگہ السام علیکم کہتے تھے جس کے معنی ہیں "تم پر موت" اور اس لیاقت پر فخریہ خوش ہوتے اور

کہا کرتے تھے کہ اگر یہ سچے نبی ہیں تو ان حرکتوں سے ہم پر آسمانی عذاب کیوں نہیں نازل ہو جاتا۔؟

یہ شریر یہودی زیادہ تر تعلیم یافتہ اور ذہین ہونے کے باعث اس پر بھی قناعت نہیں کرتے تھے بلکہ مذہب اسلام کے لئے ایک بڑی مزاحمت کی جڑ قائم کر رہے تھے کیونکہ جب تک قوم کی حالت پوری ترقی پر نہیں آتی اس وقت تک شعر و شاعری اور نظم کے موزوں کلام سے وہی کام نکلتا ہے جو تہذیب کے زمانہ میں مہذب اخباروں اور لائق اڈیٹر کی مؤثر تقریر کے رسالوں سے نکلتا ہے چنانچہ اس وقت یہودی اپنی شعرگوئی کی لیاقت کے سبب اہل مدینہ کے دلوں پر گویا قبضہ کئے ہوئے تھے اور چاہتے تھے کہ جادو بیان اشعار اور سحر اثر نظم کے ذریعہ سے مسلمانوں کے درمیان تفرقہ ڈال دیں اور قریشی بت پرستوں کو مقابلہ کے لئے ہر وقت آمادہ اور برسر پرخاش رکھیں تاکہ ان کی قوت آپس ہی کی لڑائیوں سے ضعیف و کمزور ہو جائے اور ہم تک پہنچنے یا توجہ کرنے کا وقت نصیب نہ ہو۔

بدر کے میدان میں کافروں کی شکست کا افسوس اور رنج جیسا کچھ اہل مکہ کو تھا اسی کے قریب قریب یہودیوں کو تھا چنانچہ لڑائی کے بعد قوم نضیر کا ایک شخص جس کا نام کعب ابن اشرف تھا لشکر کفار کی ناکامیابی پر برملا افسوس ظاہر کرتا ہوا مکہ گیا اور دیکھا کہ اہل مکہ شکست پانے کی وجہ سے بہت مغموم ہیں اس لئے اس نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور اس ہزیمت خوردہ گروہ کا جوش بڑھانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اس نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ کی ہجو میں اشعار تصنیف کئے اور جو کفار میدان بدر میں مارے گئے تھے ان کا نوحہ و مرثیہ لکھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قریشی جماعت کی عداوت کی آگ اور زیادہ بھڑک اٹھی یہاں تک کہ اس عداوت کی آگ نے اپنا پورا زور اُحد کے میدان میں دکھلایا جس کا ذکر عنقریب ناظرین کے ملاحظہ سے گذرے گا۔

یہ دغاباز یہودی اس فرقہ میں داخل تھا جس نے معاہدہ کی شرائط کو قبول اور سند مصالحت کی دفعات کو منظور کر لیا تھا جب یہ ستمگار سرکار مدینہ میں پہنچا تو اپنے کردار کی سزا کو پہنچا کیونکہ اس بدطینت یہودی شاعر کی ایذا رسانی اور بدعہدی سے تنگ آ کر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ "ہے کوئی جو کعب بن اشرف کو قتل کر آئے"

چنانچہ یہ ارشاد سراپا رشاد سنکر فوراً حضرت محمدؓ بن مسلمہ انصاری کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ میں اس کام کے لئے حاضر ہوں البتہ اتنی اجازت چاہتا ہوں کہ کوئی تعریضی کلمہ جس کے ظاہری معنی سے کعب مجھ کو اپنا ہمخیال سمجھے اگر کہدوں تو معاف کر دیا جائے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے درخواست منظور فرمائی اور محمدؓ بن مسلمہ اپنے دوست ابونائلہ رض انصاری کو جو کعب کے دودھ شریک بھائی بھی تھے ساتھ لیکر اس محفوظ قلعہ اور مضبوط محل کی جانب روانہ ہوئے جس میں کعب بن اشرف رہا کرتا تھا۔

محمد بن مسلمہ نے کعب سے ملاقات کی اور میٹھی میٹھی باتیں بنانے لگے اثنار گفتگو میں کہا کہ "مدعی نبوت نے ہم کو

مصیبت میں ڈال دیا ہے ہمیشہ صدقات وخیرات کا مطالبہ رہتا ہے! یہ کلمات سُنکر کعب نے کہا کہ ابھی کیا ہے دیکھتے رہو کہاں تک نوبت پہنچتی ہے تنگ آؤ گے کہ گھبرا اٹھو گے۔ اس کے بعد محمد بن مسلمہؓ نے کہا کہ ہمارے یہاں تو آج کھانے کو بھی نہیں ہے کچھ اناج قرض دیدیجئے تاکہ چند روز گذارا کریں اس پر یہودی نے جواب دیا کہ ہاں قرض دے سکتا ہوں مگر اطمینان کے لئے کچھ گرو رکھدو۔ محمد بن مسلمہؓ نے جواب دیا کہ ہاں اپنا اطمینان ضرور کر لیجئے۔ کیا چیز آپ رہن رکھنی چاہتے ہیں؟ کعب نے کہا کہ اپنی عورتوں کو رہن رکھدو۔ محمد بن مسلمہؓ کو یہ کلمہ سُنکر طیش آیا مگر مصلحت وقت دیکھکر ضبط کر گئے اور جواب دیا کہ یہ تو نہیں ہوسکتا کیونکہ ایک خوبصورت اور وجیہہ وشکیل جوان آدمی کے پاس عورتوں کا رہن رکھنا شرم وحیا اور عزت وآبرو کے بالکل خلاف ہے کعب نے کہا کہ اچھا اپنی اولاد کو رہن کردو۔ محمد بن مسلمہؓ نے کہا کہ حمیت اس کو بھی گوارا نہیں کرسکتی کیونکہ اولاد کو ہمیشہ کے لئے اس طعنہ کا نشانہ بننا پڑے گا کہ تم وہی تو ہو جو تھوڑے سے غلہ میں رہن رکھے گئے تھے البتہ اپنی زرہ یا جنگ کے دوسرے ہتیار رہن کرسکتا ہوں جب تک آپ کے قرض سے سبکدوش نہ ہوجاؤں اس وقت تک اس سامان جنگ کو واپس نہ دیجئے۔ کعب بن اشرف نے منظور کر لیا۔ اور یہ اپنا سامان لانے کے بہانہ سے اپنے گھر روانہ ہوئے اور کہہ گئے کہ میں ابھی آتا ہوں۔

آفتاب غروب ہوگیا اور رات کی اندھیری چادر نے عالم کو ڈھانپ لیا اتنے میں محمد بن مسلمہ نے دروازہ آ کھٹکھٹایا۔ کعب بن اشرف نے قلعہ میں بیٹھنے کی اجازت دی اور باہر آنے کا قصد کیا کعب کی بی بی عقیلہ نامی یہودیہ کا ماتھا ٹھنکا اور اس کاہنہ نے آثار اچھے نہ پائے اس لئے چمٹ گئی اور دامن پکڑ کر کہا کہ رات کے وقت کہاں جاتے ہو مجھ کو تو ان پکارنے والوں کی آواز میں خون ٹپکتا نظر آتا ہے کعب نے کچھ توجہ نہیں کی اور یہ کہکر کہ میرا رضاعی بھائی ابونائلہ اور محمد بن مسلمہ ہے کوئی غیر نہیں ہے باہر آگیا دیکھا کہ محمد بن مسلمہ کے ساتھ چار آدمی ہیں یعنی ابونائلہ اور ابوعبس اور حارث بن اوس اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہم۔

ان چاروں ساتھیوں کو محمد بن مسلمہ نے سمجھا دیا تھا کہ میں اس منحوس یہودی کے سر میں پڑا ہوا خوشبودار تیل سونگھوں گا اور سر کو مضبوط پکڑ لوں گا جس وقت قبضہ کر لوں تم فوراً کام تمام کر دینا چنانچہ محمد بن مسلمہؓ نہایت خندہ پیشانی سے ملے اور آگے بڑھ کر کہا کہ "عزیز سردار کے بدن سے خوشبو کی لپٹیں دماغ معطر کئے دیتی ہیں کیسا خوشبودار تیل ہے جس کی تعریف نہیں ہوسکتی اگر آپ اجازت دیں تو قریب سے سونگھوں؟ کعب بن اشرف کو یہ خبر نہ تھی کہ موت سر پر آپہنچی ہے یہ پھولا نہ سماتا تھا کیونکہ اس کے عطر کی تعریف ہو رہی تھی اس لئے فوراً سر آگے کر دیا اور کہا کہ ہاں ہاں اچھی طرح سونگھئے محمد بن مسلمہ نے سونگھا اور خوب تعریف کی اور پھر کہا کہ دل سیر نہیں ہوتا ایک مرتبہ اور سونگھنے کی اجازت دیجئے اس نے سر کو پھر آگے سرکا دیا اور محمد بن مسلمہ نے خوب مضبوطی کے ساتھ سر پکڑ لیا اور بالوں کو ہاتھ کے شکنجہ میں دبا کر منہ اوپر اٹھایا اور للکار کر ساتھیوں سے کہا کہ "ہاں دیر نہ کرو" چاروں رفیق تو منتظر ہی بیٹھے تھے تلوار کا وار

گیا اور کمبخت یہودی کی گردن بجھتا سی کٹکر الگ جا پڑی محمد بن مسلمہ اپنے چاروں اصحاب کے ساتھ خوشی خوشی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا قصہ کہہ سنایا۔

کعب بن اشرف کے بعد خاندان بنی نضیر کا دوسرا یہودی بھی مارا گیا جس کا نام عبداللہ تھا اور ابو رافع کی مشہور کنیت سے پکارا جاتا تھا اس نے یہ کوشش کی تھی کہ آس پاس کی قوموں کو مسلمانوں کا دشمن بنائے چنانچہ اس کے قتل کرنے کے لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے چند انصار کو متعین کیا جن پر حضرت عبداللہ بن عتیک انصاری حاکم وسردار بنائے گئے تاکہ اس کو جہاں اور جس حال میں پائیں مار ڈالیں کیونکہ اس کے ایمان سے مایوسی ہو چکی تھی اور وحی آسمانی اور قرائن حال سے معلوم ہو چکا تھا کہ اس کی حالت اصلاح پر آنے والی نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ معہ اپنے ہمراہی جوانوں کے اس کے قلعہ کی جانب روانہ ہوئے اور راس اصطبل میں جا چھپے جو بڑے پھاٹک کے اندر رئیس یہودی کے آرامگاہ کے متقل و محفوظ مکان کے متصل واقع تھا شب کو اصطبل میں سے سواری کا گدھا چھوٹ گیا اور اس کے پکڑنے کے لئے جو ملازم سائیس قلعہ سے باہر نکلے ان میں حضرت عبداللہ رضؓ بھی شامل ہو گئے اور پھر اندر گھس آئے۔ اس فطرت کا یہ منشا تھا کہ قلعہ کے دربان نے یہ بھی نہ سمجھا کہ کوئی غیر آدمی اندر آگھسا ہے اس لئے اس نے مطمئن ہو کر پھاٹک بند کر لیا اور قفل لگا کر تمام مکانات کی کنجیوں کا گچھا سامنے والے طاق پر رکھ دیا جس کو عبداللہ رضؓ نے اچھی طرح دیکھ لیا اور جگہ کو ذہن میں جما لیا تھا۔ حضرت عبداللہ رضؓ اپنے ہمراہیوں سے علیحدہ ہو گئے تھے کیونکہ حیلہ و تدبیر سے تنہا اصطبل کے اندر آ چھپے اور رفقا پھاٹک کے باہر اپنے سردار کے محافظ و نگہبان اور کامیابی کی خوشخبری کے سننے کو ہمہ تن گوش بنے کھڑے رہے یہاں تک کہ جس وقت سب سو گئے اور سناٹا چھا گیا تو مسلمان بہادر سپاہی اٹھا اور کنجیاں طاق پر سے اٹھا کر دروازے کھولتا اور اندر کی جانب قفل لگاتا ہوا اس انتہائی بالاخانہ پر جا پہنچا جہاں ابو رافع اطمینان کے ساتھ مسہری پر لیٹ کر قصہ گو ملازموں سے دلچسپ کہانیاں سنا کرتا اور سنتے سنتے آرام کی نیند سو جایا کرتا تھا۔

حضرت عبداللہ نے خوابگاہ میں پہنچکر دیکھا کہ اندھیرا چھایا ہوا ہے اور ابو رافع یہودی اپنے اہل و عیال میں اس طرح پڑا سوتا ہے کہ پوری طرح شناخت نہیں ہو سکتی اور بآسانی یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ ان سوئے ہوئے لوگوں میں ابو رافع کونسا ہے تاکہ اس پر حملہ کیا جائے اور مقصود حاصل ہو اس لئے اندر داخل ہوئے اور آواز دی کہ "ابو رافع"۔ جواب ملا کون ہے؟" یہ آواز کی جانب قدم اٹھائے آگے بڑھے اور تلوار کا وار کیا مگر چونکہ اندھیرا چھایا ہوا تھا صورت نظر نہیں آتی تھی اس لئے وار خالی گیا اور ابو رافع حیران و پریشان مخبوط الحواس کی طرح پلنگ سے اٹھتا ہوا محسوس ہوا۔

حضرت عبداللہ کو اپنی ناکامی کا افسوس ہوا اور باہر نکل آئے تاکہ حیلہ کا دوسرا رخ بدل لیں، چنانچہ چند ہی لمحے گذرے تھے کہ پھر اندر قدم رکھا اور آواز بدل کر غمخوار غلام اور فریادرس مہربان کے لہجہ میں پوچھا کہ "ابو رافع کیا ہوا؟"۔

ابو رافع کو اپنے مددگار کی آواز سُنکر تسلی ہوئی اور کہا کہ "تیری ماں تجھ پر روئے کوئی شخص گھر میں گھس آیا ہے اس نے ابھی مجھ پر تلوار کا وار کیا تھا ذرا دیکھ اور اس کی خبر لے"

حضرت عبداللہ نے اتنی آواز سے اپنا مطلب پا لیا اور آواز کی طرف قدم بڑھائے جھپٹے چلے گئے اور لپک کر صیقلدار تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ قلعہ کا مالک اور رئیس یہودی چکر کھا کر گر گیا اور فوراً ہی اُس نے دیکھا کہ دشمن نے تلوار کی تیز نوک کو پیٹ پر رکھکر اتنا بوجھ دیا کہ کمر سے باہر نکل گئی اور روح پرواز کر گئی۔

حضرت عبداللہ رض قائز المرام واپس ہوئے اور مکان کے مقفل دروازے کھولتے ہوئے زینہ کی سیڑھیوں سے اترتے دکھائی دئے مگر افسوس ابھی ایک سیڑھی باقی تھی کہ پاؤں پھسلا اور گد سے زمین پر آ گرے۔ جس کی وجہ سے پیر میں موچ آ گئی اور قریب تھا کہ ہڈی ٹوٹ جائے کیونکہ آخری سیڑھی کو زمین کی سطح سمجھکر بے خبری میں پاؤں اس طرح پڑا تھا جس کی ضرب کے صدمہ سے اٹھنا مشکل پڑ گیا تھا مگر بہادر سپاہی نے کچھ پروا نہیں کی بلکہ فوراً سر کا عمامہ اتار پاؤں کو باندھا۔ اور دروازوں کے قفل کھولتے باہر آئے اور عین اس وقت روانہ ہوئے جب صبح ہوتے قلعہ کی اونچی دیوار پر اس شخص کی غمزدہ آواز سُن لی جو رئیس یہودی کی موت کا اعلان کر رہا اور پکار پکار کر چیخ رہا تھا کہ "ہائے افسوس آج حجاز کے مشہور تاجر ابو رافع کا انتقال ہو گیا"

حضرت عبداللہ رض بن عتیک یہ آواز سُنکر دشمن پر حملہ کرنے کے خاطر خواہ نتیجہ نکل آنے سے مطمئن ہو گئے اس لئے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ کامیابی پر خوش ہوتے ہوئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا قصہ کہہ سُنایا اللہ کے پیارے پیغمبر نے خوش ہو کر چوٹ کا صدمہ اٹھائے ہوئے پاؤں پر مبارک ہاتھ پھیرا۔ حضرت عبداللہ رض کہتے ہیں کہ موچ کی تکلیف اسی وقت جاتی رہی اور پھر کبھی اس پاؤں میں درد بھی نہیں اٹھا۔ ان دو دغا بازوں کے قتل اور قوم بنی قینقاع کے جلا وطن کئے جانے سے قوم بنی نضیر کی دشمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور بھی زیادہ بڑھ گئی اور وہ موقع ڈھونڈھنے لگے کہ اللہ کے پیغمبر کو شہید کریں یہانتک کہ ان پر بھی مسلمانوں کو محاصرہ کرنے کی ضرورت ہوئی اور غزوہ بنی نضیر واقع ہوا جس کا تذکرہ چند صفحہ بعد ناظرین کے ملاحظہ سے گذرے گا۔

باب (۴۶)

دوسری اسلامی جنگ یعنی غزوۂ اُحُد - یہ چھوٹی چھوٹی لڑائیاں جو مسلمانوں اور کافروں میں ہوا کرتی تھیں وہ آئندہ کی بڑی بڑی لڑائیوں کی بسم اللہ اور تمہید تھیں کیونکہ اُدھر کافر بدلا لینے کے لئے اپنے دلوں میں پیچ و تاب کھا رہے تھے اور ان کو خیال انتقام چین سے بیٹھنے نہیں دیتا تھا اور اِدھر مسلمان بھوکے شیر کی طرح شکار کے منتظر اور اِس پر آمادہ تھے کہ یا دین کو غلبہ ہو اور یا دنیا کی زندگی رخصت۔ چنانچہ کفار قریش نے دوسری لڑائی کے لئے خوب خوب تیاریاں کیں اپنے کامدار اور قاصدوں کو ہر جانب متفرق لوگوں اور مختلف قبیلوں کے پاس بھیجا کہ قومی اور وطنی ہمدردی

کریں اور مذہبی جنگ میں شریک ہوکر داد شجاعت دیں دو قومیں یعنی کنانہ اور تہامہ ان کے شریک حال ہوئیں اور سب ملاکر تین ہزار مسلح سپاہی جن میں سات سو زرہ بکتر سے آراستہ تھے اہل مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے مستعد ہوئے اور نہایت کروفر کے ساتھ مکہ سے نکلکر مدینہ کے اُتر اور پورب جانب جہاں پر احد کی پہاڑی واقع ہے ٹڈی دل کی طرح پھیل پڑے اور اسی جگہ سے کھیتوں اور کھجور کے باغوں کو برباد کرنا شروع کیا جس پر مدینہ کے باشندوں کا گذارا تھا۔

مسلمانوں میں ہل چل مچ گئی اور کثرت رائے اس جانب ہوئی کہ مدینہ سے باہر نکلکر لڑنا چاہئے اگر بعض تجربہ کار انصار نے کہا بھی کہ ہم نے بارہا دیکھا ہے جب کبھی کسی دشمن نے مدینہ پر حملہ کیا اور اہل مدینہ نے مدینہ ہی میں قائم رہکر مدافعت کی ہے تو لامحالہ فتح پائی ہے مگر کسی نے ان کی بات پر توجہ نہیں کی اور گو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی میلان خاطر اسی جانب تھا مگر جب اکثر رفقاء کو ایک خیال پر مصر پایا تو دولتکدہ میں جاکر سلاح جنگ زیب بدن کئے اور ہتھیار پہنکر باہر تشریف لے آئے اس وقت چند حضرات نے یہ سوچ کر کہ جناب رسالتمآب میں خلاف مرضی مبارک اصرار نامناسب تھا عرض بھی کیا کہ یا رسول اللہ اگر مرضی مبارک نہیں ہے تو مدینہ ہی میں ٹھیر کر لڑائی کی جائے مگر آپ نے فرمایا کہ اب میں ہتھیار نہیں اُتاروں گا کیونکہ اللہ کا پیغمبر جب سلاح جنگ بدن پر لگالے تو لڑنے سے پہلے آسمانی اجازت حاصل ہوئے بغیر اس کو ہتھیار کھولنے جائز نہیں ہیں چنانچہ ایک ہزار سواروں کا اسلامی لشکر مدینہ سے باہر نکلا اور جبل اُحُد کی جانب روانہ ہوا۔

عبداللہ بن ابی منافق اپنے تین سو آدمیوں کی جماعت کے ساتھ مسلمانوں سے عین وقت پر علیحدہ ہو گیا اور اس کمبخت کی اس دغابازی کے باعث ان مسلمانوں کی فوج صرف سات سو رہ گئی جن میں کل دو ہی سوار تھے باقی سب پیادے لیکن تاہم ان کی عالی ہمتیں اور جوشیلے خیالات ان کو دلیرانہ رفتار سے آگے بڑھائے لئے چلے گئے اور رات کو پہاڑی کے پاس مقیم رہ کر صبح کی نماز کے بعد میدان میں اتر آئے تاکہ فیصلہ کر دینے والی تلوار دو خیالوں کی باہمی منازعت کا تصفیہ کرے اور کاتب ازل نے لاکھوں برس پہلے آج کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ آنکھوں سے نظر آجائے۔

شوال کے مہینہ کی چوتھی تاریخ ہے اور اسلامی ہر دلعزیز سپہ سالار اپنے بھولے بھالے سپاہیوں کی صف بندی میں مشغول ہے یہ مختصر اور سادہ فوجی گروہ کیسا خوش قسمت اور صاحب نصیب ہے جس کا ترتیبی انتظام اللہ کے پیارے پیغمبر نے اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے اور کیا اچھی تقدیر ہے اس ریگستانی زمین اور پتھریلے پہاڑ کی جس کی تلہٹی میں اسلام کے پہلے جان نثار ہمیشہ کی میٹھی نیند سوجانے کے انتظار میں سرتاپا شوق بنے ہوئے کھڑے ہیں۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ کے نیچے کھڑے ہوئے اور اپنے عشاق کی جماعت کی صف بندی کردی اور پچاس تیرانداز جن پر حضرت عبداللہ بن جبیر افسر مقرر کئے گئے تھے فوج کے پیچھے کوہ عنین پر بٹھا دیئے گئے جو پہاڑی درّہ کے قریب واقع تھا اور چونکہ اندیشہ تھا کہ دشمن کی فوج ادھر سے نکلکر پشت کی جانب حملہ کر سکتی ہے اس لئے ان تیراندازوں کو سخت

تاکید کر دی گئی تھی کہ کچھ ہی کیوں نہ ہو فتح ہو یا شکست تم لوگ اپنی جگہ سے نہ ہلنا اور جو کافر اس درے سے حملہ کرنے کا قصد کرے اس کو تیروں کی بوچھار سے پسپا کرنا اور ناکامیاب رکھنا۔ اسی پہاڑی کا نام اسی مناسبت سے جبل رماۃ (تیر اندازوں کی پہاڑی) ابتک مشہور ہے۔ مابعد زمانہ میں اس مقدس پہاڑی پر ایک مسجد تیار کر دی گئی جو مسجد عینین کہلاتی ہے اور آجکل امتداد زمانہ کے باعث شکستہ اور منہدم ہو گئی ہے اور یہ مسجد مشہد سید الشہداء سے قبلہ کی طرف واقع ہے کہتے ہیں کہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسی مقام پر برچھی لگی تھی اور اسی پہاڑی پر اسلامی لشکر نے جنگ کے بعد مسلح نماز ظہر ادا کی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جنگ کا ہولناک منظر جھانکنے کے لئے آفتاب نے افق مشرق سے منہ نکالا اور جھلکتی ہوئی تلواروں نے پہاڑی اور ریگستانی نشیب کو خون کے فواروں اور انسان کے سرخ پانی سے لالہ زار بنانا شروع کیا کفار اپنی تعداد کثیر پر بھروسہ کئے ہوئے تکبر و نخوت میں بدمست آگے بڑھے ان کے دیوتاؤں کی مورتیں جن کو اپنے خیال میں فتح و نصرت کا ذریعہ سمجھے ہوئے تھے فوج کے بیچ میں تھیں اور سرداروں کی خوبصورت بیبیاں اور خوش الحان بیٹیاں رجز گاتی اور ڈھولک بجاتی تھیں تاکہ بہادرانہ مادہ میں ابال آئے اور اس فوری جوش میں جان کا دیدینا ننگ خاندان بننے سے بہتر سمجھا جائے۔ یہ قریش کا پہلا حملہ نہایت خوفناک تھا کیونکہ سردار لشکر ابوسفیان کے ان حسرتناک واقعات کے یاد دلانے پر ہوا تھا جو سال گذشتہ میدان بدر میں گذر چکے تھے مگر مسلمانوں نے نہایت بہادری سے حملہ روکا اور دشمنوں کو پیچھے ہٹا دیا۔

غنیم نے کئی مرتبہ پشت کے درے سے داخل ہونا اور مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہا مگر بہادر تیر اندازوں کی کارروائی سے پسپا ہونا پڑا اور درحقیقت کافروں کے جی چھوٹ گئے کیونکہ ان کو ہر طرف سے ناکامیابی کی بھیانک صورت نظر آتی تھی اور اس کی عار علیحدہ منہ کالا کر رہی تھی کہ خود ہمت باندھکر بڑھے اور ناکامیاب واپس چلے۔

اسلامی لشکر کے بہادر سردار حضرت امیر حمزہ رضہ نے دیکھا کہ آفتاب چڑھتا چلا جاتا ہے دھوپ کی تمازت بڑھتی جاتی ہے اور ابھی تک کوئی نتیجہ قابل اعتبار پیدا نہیں ہوا اس لئے للکارے اور شیر کی طرح کفار کے انبوہ میں گھسے چلے گئے جن کی دیکھا دیکھی ماتحت فوجی گروہ نے بھی غنیم پر حملہ کیا اور سمجھ لیا کہ بس جو ہونا ہے اس فوری اور جوشیلے حملے میں ہو جائے یا ہم شہید ہوں اور یا دشمن واصل جہنم ہوں۔ مسلمانوں کے اس خطرناک حملہ نے کافروں کی جمعیت میں انتشار ڈالدیا اور ہر شخص کو یقین ہو گیا کہ میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا کیونکہ کفار قریش کے پاؤں اکھڑ گئے۔ بددین دشمن منہ کی جگہ کمر پر زخم کھاتے ہوئے بے سروسامان جدھر سے آئے تھے ادھر کو بھاگے اور مسلمانوں نے مال پر قبضہ کرنا شروع کیا۔

اس وقت کافروں کو پوری شکست ہو چکی تھی اور اسلامی فاتح لشکر نے دشمن کو بھگا دیا تھا مگر افسوس کہ چند مفلس مسلمانوں کو مال غنیمت کی طمع اور حرص نے اپنے مہربان سپہ سالار کی ہدایت بھلادی اور کافروں کو بھاگتا دیکھکر وہ تیر انداز جوان بھی اپنی جگہ چھوڑ کر مال لوٹنے میں مصروف ہو گئے جو پشت کے درہ کی حفاظت کے لئے اونچی جگہ پر بٹھائے گئے تھے اور ہرچند

کہ ان کے سردار حضرت عبداللہ رضؓ بن جبیر نے ان کو روکا تھا مگر سوائے دس آدمیوں کے کسی نے ان کا کہنا نہ سُنا اور آخر کار مسلمانوں کو وہ بُرا وقت دیکھنا نصیب ہوا جس کا پہلے سے اندیشہ تھا یعنی قریشی سردار خالد بن ولید نے جو اس وقت تک کافر تھے بھاگی ہوئی فوج کو اس رُخ پر لا ڈالا جس طرف حضرت عبداللہ اپنی مختصر جماعت کے دس آدمیوں کے ساتھ درہ کی حفاظت کر رہے تھے یکدم حملہ کر دیا۔

خالد بن ولید کا بہادرانہ حملہ کوئی نہ روک سکا یہ تیر اندازوں کی مختصر جماعت شہید ہوئی اور اسلامی لشکر بے خبری کی حالت میں عین اس وقت جب کہ وہ خوش خوش دشمنوں کا چھوڑا ہوا مال لُوٹ رہے تھے یکایک سخت حملہ ہوا جس نے سب کو حیران بنا دیا۔

مسلمان اس دھوکہ کے اتفاقیہ حملہ کی تاب نہ لا سکے اور مسلمانوں کو جمنا مشکل پڑ گیا۔ لڑائی کا پہلو بالکل بدل گیا۔ کیونکہ یا تو ابھی کافروں کی عورتیں ایسی پریشان حال ہو کر بھاگی تھیں کہ سردار لشکر ابوسفیان کی پیاری بی بی ہندہ کی پنڈلیاں کھل گئیں اور لوگوں کو خلخال نظر آ گئے تھے اور یا اب وہ مسلمان بھاگنے لگے جن کا استقلال مشہور اور بہادرانہ ثابت قدمی مخلوق کی ورد زبان ہے آج میدان جنگ نے بہت ہی جلد رُخ پھیرا۔ یہ شاید اس کا نتیجہ ہے کہ اپنی رائے کو صائب اور بالکل درست سمجھ کر اللہ کے پیغمبر کو خلاف مرضی مبارک مدینہ سے باہر میدان جنگ میں لائے اور سال گذشتہ کی نمایاں فتح دیکھ کر اپنی قوت و بہادری پر نازاں تھے یہ نہ سمجھے کہ بے نیاز خدا کی بے پرواہ ذات کو کسی کا کوئی ناز اور گھمنڈ پسند نہیں ہے اور وہ چاہتی ہے کہ اس کے پیارے پیغمبر پر جان دینے والے مسلمانوں کی نظر ہر وقت ہماری قدرت و اعانت پر رہے اور رسولؐ کے منشا کی کسی طرح بھی مخالفت نہ ہو۔

اس پشت کی جانب کے سخت حملہ کے باعث سوائے چند اولوالعزم حضرات یعنی ابوبکرؓ و عمرؓ اور علیؓ و طلحہؓ جیسے بہادر اور ثابت قدم صحابہ کرام کے اور کوئی نہ جم سکا کیونکہ دو طرفہ فوج کا مقابلہ کرنا اس لئے سب میں تشویش پھیل گئی اور اکثر مسلمان ادھر اُدھر بھاگ نکلے بڑے بڑے جاں باز سپاہی کام آئے یعنی ستر صحابہؓ شہید ہوئے جن میں بہادر سردار حضرت امیر حمزہ رضؓ بھی داخل تھے اور حضرت جابر کے مہربان باپ حضرت عبداللہ بھی شامل تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس وقت کفار کی یہی کوشش تھی کہ جس طرح ہو اسلامی لشکر کے سپہ سالار پر حملہ کیا جائے چنانچہ عتبہ بن ابی الوقاص نے ایک پتھر کھینچ مارا جس کی ضرب سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے کا دندان مبارک شہید ہو گیا اور نیچے ہی کا ہونٹ زخمی ہوا جس میں سے خون بہنے لگا ابن قمیہ کافر آپ تک پہنچ گیا اور تلوار کا جی توڑ کر وار کیا جس کے صدمہ کی اللہ کے نازک پیغمبر تاب نہ لا سکے اور چونکہ جسم مبارک پر دو آہنی زرہ کا بوجھ تھا اس لئے آپ ایک غار میں گر گئے جس سے باہر نکلنا دشوار پڑ گیا۔ زرہ کی کڑیاں پیشانی مبارک میں گھس گئیں اور اللہ کے پیارے پیغمبر کا چہرہ خون آلود ہو گیا۔ راوی کا بیان ہے کہ چہرۂ مبارک کا زخمی کرنیوالا شخص عتبہ بن ابی وقاص زہری تھا جس نے بعد میں اسلام قبول کیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جنگ کی اس نازک حالت میں جو کچھ بھی مسلمانوں پر گذری اس کے بیان سے قلم لرزتا ہے حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلیمؓ جیسی عفت مآب شریف زادیاں اپنی نازک کمر پر مشکیزے بھر بھر کر لاتیں اور جان توڑنے والے زخمیوں اور تھکے ماندے سپاہیوں کے منھ میں پانی ڈالتی پھرتی تھیں مسلمان شربت شہادت نوش کرتے اور کٹ کٹ کر گرتے جاتے تھے۔ اسلامی سپاہ میں ایک سناٹا اور پریشانی کا عالم تھا کیونکہ اپنا مبارک جھنڈا نظر نہیں آتا تھا اور یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ہمارا مہربان سپہ سالار دنیا سے رخصت ہو گیا کہ یکایک حضرت کے چچا زاد بھائی علیؓ بن ابی طالب نے یہ سوچ کر کہ اپنی آنکھوں کے نور اور سینہ کی روح یعنی شفیق پیغمبر کے بغیر دنیا میں جینا سخت ناگوار ہے اپنے ماتحت سپاہیوں کو للکارا اور یکدم کافروں کے غول میں گھسے چلے گئے یہاں تک کہ دشمنوں کی فوج کو چیرتے پھاڑتے اور کافروں کو مارتے کاٹتے اس پہاڑی غار پر آ پہنچے جس کے کنارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کیونکہ حضرت طلحہؓ نے نیچے بیٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ آپ میرے کاندھوں پر پاؤں رکھ کر غار سے باہر نکل آویں چنانچہ حضرت نے منظور فرمایا اور اوپر چڑھ کر طلحہ کو جنت کی بشارت کا سچا اور کارآمد پروانہ مرحمت فرمایا۔

پیارے پیغمبر کے چہرۂ مبارک سے خون برابر جاری تھا زخموں سے چور اور ضعف سے نڈھال تھے رخسار مبارک میں زرہ کے آہنی حلقے گھس گئے تھے جن کو حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح نے اپنے دانتوں سے زور کر کے نکالا اور اپنے دو دانت اس خدمت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار کئے۔ حضرت علیؓ اپنی ڈھال میں پانی بھر کر لائے اور چہرۂ مبارک کا خون دھویا مگر جب خون کسی طرح بند نہ ہوا تو آپ کی پیاری بیٹی فاطمہ زہراؓ نے بوریہ کا ٹکڑا جلا کر ریشم کی جگہ زخم میں بھرا اور مسلمانوں کو یقین دلایا کہ ان کا ہونہار سپہ سالار زندہ اور شفیق و مہربان پیغمبر بدستور اپنی حمایت کا صحابہ کے سروں پر سایہ کئے ہوئے ہے۔ آپ نے اپنے صحابہ کے ساتھ ظہر کی نماز جبل عینین پر قنطرہ کے قریب پڑھی۔ کیونکہ اب سارے مسلمان سمٹ کر اپنے سردار کی زیارت کے شوق میں اسی جگہ آ گئے تھے۔ اور لڑائی کا زور کم ہو چکا تھا۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ جس جگہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی اب وہاں ایک مسجد تعمیر کر دی گئی ہے جس کا نام مسجد فسح ہے یہ مقام مسجد سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے مشہد سے شمال کی جانب جبل اُحد کی جڑ میں واقع ہے۔

زائرین مشاہد مقدسہ اور خوش نصیب مسلمان حاضر ہوں تو زیارت کرتے وقت سیہ کار مؤلف کو بھی دعا میں یاد رکھیں۔
مسلمانو! حق تعالیٰ کی بے نیاز شان کا نظارہ کرو اور ذرا آنکھیں کھول کر عبرت کی نگاہ سے دیکھو کہ اس کے چاہیتے محبوب اور پیارے پیغمبر پر کیا کیا زیادتیاں ہو رہی ہیں اور اس کی قادر و مختار سرکار سے دشمنوں کو کوئی فوری نتیجہ اور غصہ میں نیست و نابود کر دینے کا بدلہ نہیں دیا جاتا کیا یہ واقعات دیکھ کر بھی کہو گے کہ اللہ کے مقبول بندوں علماء و صوفیاء کرام کی شان میں گستاخی کرنا اور بیباکانہ جو چاہا کہہ دینا جیسا کہ اکثر جاہل اور خصوصاً نیچری خیالات کے

لوگوں کی عادت ہے اگر حق تعالیٰ کو ناپسند ہے تو کیوں نہیں منھ بند کر دیا جاتا اور اللہ پاک ناراض ہے تو کیوں نہیں سزا دی جاتی۔ خوب سمجھ لو کہ آج کا بویا ہوا آج ہی نہیں کاٹا جاتا اللہ کی بے پرواہ ذات نے تو اپنے سب سے پچھلے برگزیدہ رسولؐ پر حملہ کرنے والوں اور پیارے مقبول صحابہؓ کے خون بہانیوالوں کو بھی ایسی جلد سزا نہیں دی جس سے حق و باطل میں اسی وقت امتیاز کر دکھایا جائے درحقیقت وہ باتیں ہی اور ہیں جن سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ اور علیحدہ نظر آجاتا ہے مارنا پچھاڑنا غریب بنا دینا جلاوطن کر دینا دنیاوی مال و متاع چھین لینا یا اور کوئی دنیا میں تکلیف پہنچا ناصراط مستقیم کا موقوف علیہ یا سیدھی راہ معلوم کرنیکا مدار نہیں ہے ورنہ سب سے پہلے خدا جانے کس شدت اور سختی کی موت وہ شخص مارا جاتا جس نے ایسے نازک پیغمبر کے مبارک چہرہ کو آج زخمی بنایا ہے جس کو کافروں نے بھی خدا کے سامنے پیش کر کے دعا مانگی اور قحط سالی میں بارش کی درخواست کی ہے چنانچہ جس وقت آپ کے زمانہ طفولیت میں مکہ قحط سالی کے باعث تباہ ہوا اور ہڈیاں کھانے تک کی نوبت آگئی تو آپ کے چچا ابوطالب نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور میدان میں لے گئے پھر دو رکعت پڑھ کر وہ اشعار پڑھے اور بارش ہونے کی دعا مانگی جن میں ایک شعر یہ بھی تھا ؎

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ + ثمال للیتامی عصمۃ للارامل

"خداوندا ایک خوبصورت اور گوری شکل کے بچے کا چہرہ تیرے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور ایسے ہونہار بچہ کے طفیل میں بادلوں سے پانی مانگا جاتا ہے جو یتیموں کا پشت پناہ اور رانڈ بیوہ عورتوں کی عصمت ہے۔"

یاد رکھو جو کام برا ہے وہ بہر حال برا ہے اور جو شریعت محمدی میں حرام ہے وہ ضرور حق تعالیٰ کی مرضی کے خلاف اور عذاب وعتاب کا ذریعہ ہے خواہ دنیا میں سزا دی جائے یا نہ دی جائے بلکہ اگر یہاں عتاب نہ ہو تو یہ اور زیادہ اندیشہ کی بات ہے کیونکہ زہر کا پچنا اور ہضم ہو جانا موت سے بچا ہی نہیں سکتا یہ بھی غنیمت ہے کہ قے ہو جائے اور کچھ تنبیہ ہو کر علاج معالجہ یا مخالف دوائیں پیکر اصلاح کر لی جائے۔

مسلمانوں کا یہ فرار بہت تھوڑی دیر کا تھا کیونکہ فوراً ہی امیر حمزہؓ کی للکار سے بھاگتے ہوئے رک گئے اور لوٹ کے اپنی جانیں نثار کرنے میں مشغول ہو گئے تھے اس جنگ میں بائیس مشرک واصل جہنم ہوئے اور گو ابھی تھوڑی دیر ہوئی مسلمانوں کے سپید کپڑے پر شکست کا دھبہ لگ چکا ہے مگر یکجائی قوت نے کافروں کی جماعت کو بھی اس قابل نہیں رکھا کہ دل کا پورا حوصلہ نکالنے کی جرأت کریں اور اس قسم کو پورا کر کے دکھائیں جو مکہ سے کھا کر چلے ہیں۔ کفار قریش کو پھر حملہ کرنے اور کوہ اُحد پر چڑھ آنے کی ہمت نہ ہوئی اور مجبور ہو کر مسلمان شہیدوں کی نعشوں کے ساتھ بے ادبیاں کر کے اپنی فرودگاہ پر واپس چلے گئے۔ ابوسفیان کی بی بی ہندہ بنت عتبہ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے چچا حضرت امیر حمزہؓ کے جگر گوشہ کو چبا ڈالا کیونکہ اس کے باپ عتبہ کو سال گذشتہ کی جنگ بدر میں حضرت حمزہ ہی نے قتل کیا تھا۔ اور بے رحم قریشی عورتوں نے شہداء کے ناک اور کانوں کا ہار بنا کر پہنا۔ اس وحشیانہ حرکت کا نام

عربی زبان میں مثلہ ہے اور یہ وحشیانہ و بے رحمانہ حرکت حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ہوئی۔ یہ ظالمانہ حرکات دیکھکر مسلمانوں کو قریش سے سخت نفرت ہوئی یہانتک کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شدت رنج وغم کے باعث چاہا کہ قریشیوں کو اس کا بدلہ نعیین حرکتوں میں دیا جائے مگر جناب باری سے وحی نازل ہوئی جس میں اس کی ممانعت کی گئی کیونکہ اس کا مضمون یہ تھا کہ "ظلم کو صبر سے سہو" یہ ہے اسلامی شفقت اور دشمنوں کے ساتھ مہربانی و سلوک کا نمونہ جس کی نظیر کسی دوسری قوم میں نظر نہیں آتی کیونکہ یہودی جس کو قید کرتے تھے اُس کو زندہ جلا دیتے تھے اور یونانی اور رومی اور ایرانی بھی ایسا ہی سیکھے ہوئے تھے اور عیسائی بھی سولھویں صدی تک ایسا ہی عمل میں لاتے رہے چنانچہ کتب تواریخ نے ان تمام حالات کو کھول کھول کر واضح طور سے بیان کر دیا ہے۔

ہمیں اپنی مختصر کتاب کے طویل ہونے کا اندیشہ ہے ورنہ ہم ان مستند و معتبر تواریخ سے حوالہ دے دے کر بتلاتے جن کو مخالفین بھی صحیح مانتے ہوئے ہیں کہ مقدس مذہب اسلام نے ذرہ برابر ایذادہی تسلیم نہیں کی بلکہ ہمیشہ اور ہر موقع پر ظلم پر صبر کیا ہے اور زیادتی و تشدد پر اپنی حلیم طبیعت کو غالب رکھا ہے جس کی مثال چار دانگ عالم میں مل نہیں سکتی۔ خدا کی قسم جن مصائب اور سختیوں کو اہل اسلام نے شربت کے میٹھے گھونٹ کی طرح پیا ہے اگر کسی ایسی قوم پر پڑیں جن کو تحمل و بردباری کا دعویٰ اور اپنے انصاف و رحمدلی پر ناز ہے تو وہ بھی بھیل جائیں اور لغزش کھا کر بےچین و بیتاب ہو کر خدا جانے کیا کر دکھائیں مگر اللہ اکبر عقل حیران ہوتی ہے کہ ان حضرات میں کس بلا کا تحمل تھا کہ باوجود قدرت واختیار کے کبھی کوئی وحشیانہ حرکت کرنی جانتے ہی نہ تھے۔

چلتے وقت لشکر کفار کے افسر ابو سفیان نے اسلامی لشکر کی طرف مُنھ کر کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لیکر آواز دی مگر حضرت نے حکم فرمایا تھا کہ کچھ جواب نہ دو اس لئے کوئی کچھ نہ بولا پھر اس نے حضرت ابوبکر رضہ و عمر رضہ کو نام لیکر پکارا اور تینوں مرتبہ جواب نہ پاکر بولا کہ "معلوم ہوتا ہے یہ تینوں سردار مارے گئے" اس پر حضرت فاروق رضہ سے ضبط نہ ہوسکا اور جواب دیا کہ بحمداللہ تمہارا سر کچلنے کو تینوں صحیح و سلامت موجود ہیں۔ ابو سفیان نے کہا کہ اچھا سال آئندہ بمقام بدر ہماری تمہاری لڑائی پھر ہوگی اور جب تک زندہ ہیں سالانہ جنگ کرتے رہیں گے۔ اسلامی لشکر سے جواب ملا کہ ہمیں منظور ہے یہاں کوئی ڈرنے یا گھبرانے والا نہیں ہے ہم تو میدان ہی ہیں ہر وقت اور ہر جگہ جنگ کے لئے موجود ہیں کیونکہ ہمارا بھروسہ خدا پر ہے۔ پھر ابو سفیان نے دو تین کلمات طنز اور کفر کے کہے جن کا جواب توحید اور اسلامی عقائد میں دیا گیا۔ اس کے بعد ابو سفیان اپنے لشکر کو لیکر مکہ روانہ ہوا۔

باب (۴۷)

حضرت امیر حمزہ رضہ کی شہادت اور جنگ کا نتیجہ اسلامی لشکر پہاڑ سے نیچے اترا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مقتولین کی نعشوں میں اپنے پیارے چچا حضرت امیر حمزہ رضہ کو اس حالت میں دیکھکر نہایت غمگین ہوئے کہ سینہ چاک تھا

اور جگر نکال لیا گیا تھا ناک اور کان قطع کر لئے گئے تھے اور ہر قسم کی وحشیانہ حرکت کی گئی تھی پھر شہداء کو بے غسل و کفن ان ہی خون آلودہ کپڑوں میں دفن کر دیا اور ایک ایک قبر میں دو دو چار چار مردوں کو اس طرح لٹایا کہ جس کو قرآن شریف زیادہ یاد تھا اُس کو ذرا سرکا کر آگے رکھا اور فرمایا کہ میں ان کا قیامت کے دن شفیع اور جنت میں لیجانیکا ذمہ وار ہوں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اپنے پیارے باپ حضرت عبداللہ رض کے پاس بیٹھکر آنسو بہانے لگے کیونکہ کسی کافر کی تلوار نے دونوں باپ بیٹوں کو دنیا میں ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا تھا۔ باپ کے مُنھ سے کپڑا اٹھاتے اور دیکھ کر روتے تھے کیونکہ یہ نورانی صورت دنیا کی زندگی میں پھر نظر آنے والی نہ تھی اور ان کی پھوپھی فاطمہ رض بھی آنسو بہا رہی تھیں جن کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی دی اور فرمایا کہ رؤمت دیکھو اس وفادار شہید پر خدا کے فرشتے اپنے پروں کا سایہ کئے ہوئے ہیں اور وحی کے ذریعہ سے آپ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے حضرت عبداللہ کو اپنے حضور میں بلا کر بالمشافہ کلام کیا اور پوچھا کہ تمہیں کسی چیز خواہش ہو تو بیان کرو انھوں نے عرض کیا کہ بار آلہا سب کچھ موجود ہے البتہ اتنی خواہش ہے کہ اگر ایک مرتبہ دنیا میں بھیجدیا جاؤں تو تیرے راستہ میں شہید ہو کر پھر وہ مزہ پاؤں جو کوہِ اُحد کی تلیٹی میں جان دیتے وقت اٹھایا تھا" حضرت عبداللہ نے نو بیٹیاں چھوڑیں جن کی کفالت بھائی جابر رض نے کی اور درحقیقت حق ادا کر دیا کیونکہ انھیں بہنوں کے خیال سے اپنی شادی بھی کی تو ایک بیوہ عورت سے کی تاکہ ان ناسمجھ لڑکیوں کی غور و پرداخت کر سکے حضرت عبداللہ رض مقروض بھی تھے جس کو سعادت مند بیٹے نے ادا کیا جس وقت ان کے باغ میں چھوارے پک گئے اور توڑ کر خرمن لگا دیئے گئے تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو بے گئے کیونکہ اپنے مرحوم باپ کا پورا قرض ادا ہونے کے لئے اس کو ناکافی سمجھتے تھے اور خیال تھا کہ حضرت کے لحاظ سے قرض خواہ کچھ رعایت کر جائیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور خرمن لحد کے گرد تین بار چکر لگا کر برکت کی دعا فرمائی اور ان قرض خواہوں کو پیمانہ سے ناپ ناپ کر دینے کا حکم فرمایا جو طیش کھا رہے اور اس غصہ میں بھرے ہوئے خاموش بیٹھے دیکھ رہے تھے کہ اتنے سے چھوارے ہمارے قرض کو کیونکر بھر دیں گے مگر وہ تو پیغمبر خدا کی دعا ہو چکی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس وقت جب تمام قرض ادا ہو گیا ہے وہ خرمن سالم اور بھرپور نظر آ رہا تھا جس میں سے قرضہ ادا ہو رہا تھا یہ حالت دیکھکر حضرت جابر رض خوشی کے مارے پھولے نہ سمائے کیونکہ مال کا مال سالم بچ گیا اور باپ کے اُس قرض سے سبکدوش ہو گئے جس کے بار میں ایک ایک دن گراں گذر رہا تھا۔

انھیں شہداء میں حضرت مصعب بن عمیر پڑے سوتے تھے جن کے ابتدائی اور انتہائی حال کا فرق و امتیاز دیکھنے والوں کو بیتاب کئے دیتا ہے کیونکہ ایک دن وہ تھا جبکہ یہ حضرت نہایت متمول و مالدار اور اپنی قوم کے رئیس کہلاتے تھے نہایت عیش و آرام سے زندگی گذارتے تھے حالت کفر میں کوئی دنیاوی آسائش ایسی نہ تھی جو ان کو حاصل نہ ہو اور یا ایک یہ دن ہے کہ کفن کے لئے چادر بھی پاس نہیں ہے جس میں بدن چھپ سکے اگر سر ڈھانپا جاتا ہے

تو پاؤں کھل جاتے ہیں اور پاؤں چھپائے جاتے ہیں تو سر ننگا ہو جاتا ہے آخر کار سپہ سالار لشکر کے حکم سے چادر سر کی جانب سرکا دی گئی اور پاؤں پر وہ گھاس ڈال دی گئی جو اذخر کہلاتی ہے اور عرب کی ریگستانی زمین میں زیادہ تر یہی پیدا ہوتی ہے۔ اے مصعب بن عمیر تم کو مبارک ہو تمہارے زہد اور تمہاری وفاداری نے تمہارے نام کو آفتاب سے زیادہ روشن کر رکھا ہے تم نے اپنی آخرت کے بیش قیمت صلہ کے مقابلہ میں دنیا کے مال و متاع پر یہاں تک خاک ڈالی کہ پورا کفن بھی لینا پسند نہیں کیا۔ تمہارا ابھر پورا اجر تمہارے اس خدا نے تم کو مرحمت فرمایا جس سے ملنے کے شوق میں اُحد کی تلیٹی میں آئے تھے تم کو اُس حقیقی معشوق کا پائدار وصال مبارک ہو جس کی آرزو میں سر کٹائے لیتے ہو۔ تمہاری مبارک نعش پر کھڑے ہو کر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مسلمانو آؤ اور شہدائے اُحد پر سلام پڑھو جب تک آسمان و زمین قائم ہے جو شخص بھی ان پر سلام پڑھے گا یہ اللہ کی راہ میں گردن کٹانے والے شہید اس کو سلام کا جواب دیں گے چنانچہ ان حضرت کی قبور شریفہ پر کھڑے ہو کر سلام کرنے والوں نے بارہا جواب سلام سُنا ہے علی الخصوص سید الشہدا کے مزار مقدس سے جواب سلام کی آواز کا سُنائی دینا سلف کی خبروں میں کثرت سے وارد ہے جس کا جی چاہے تلاش کرے اور اہل باطن جو نور بصیرت رکھنے والا ہو تو تجربہ کر دیکھے۔

اس مقدس مذہب اسلام پر جان نثار کر دینے والے ستر شہیدوں میں کس کس کا ذکر کیا جائے۔ حضرت حذیفہ رضہ کے باپ حضرت یمان بھی انھیں میں داخل ہیں اور نضر کے بیٹے حضرت انس رضہ بھی انھیں میں شامل ہیں۔

یوں تو سب ہی اس قابل ہیں کہ ہر ایک کا جدا جدا تذکرہ کیا جائے اور آٹھ آٹھ آنسو رو یا جائے کیونکہ ان جان نثار شہیدوں نے بڑے مبارک زمانہ میں خدا اور خدا کے رسول پر گلے کٹوائے ہیں اور نہایت ضرورت کے وقت وہ ابدی حیات حاصل کی ہے جس کا اظہار حق تعالیٰ اپنے پاک کلام میں اس طرح فرماتا ہے کہ "جو لوگ خدا کے راستہ میں قتل کئے جاتے ہیں ان کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ تو زندہ ہیں ان کو ہمارے پاس سے رزق ملتا ہے اور اس دائمی نعمت میں ہشاش بشاش ہیں جو ان کو حق تعالیٰ نے مرحمت فرمائی ہیں" مگر سب سے زیادہ حسرتناک واقعہ حضرت حمزہ رضہ کی شہادت کا ہے جن کا سید الشہدار کا مبارک خطاب ابد الآباد تک مردہ مسلمانوں میں تازہ روح پھونکتا رہے گا ان مبارک شہیدوں کی پاک روحیں سبز جانوروں کے لباس میں جنت کے میوے کھاتی اور بہشتی نہروں پر پہنچکر پانی پیتی پھرتی ہیں اور اُن زریں قندیلوں میں جا کر ٹھیرتی ہیں جو عرش کے نیچے معلق ہیں انھیں کی درخواست کے موافق حق تعالیٰ نے ان کی اُخروی حیات و نعم کا تذکرہ کلام مجید کی آیت کے ذریعے پس ماندہ اولاد اور رشتہ دار اقارب کو سُنایا ہے اور آئندہ آنے والے مسلمانوں کو مژدہ پہنچایا ہے۔

سید الشہدار رضہ کا قاتل ایک سیاہ فام غلام حرب کا بیٹا ہے جس کا نام وحشی ہے وحشی اپنے آقا یعنی طعیمہ کے بھتیجے جبیر بن مطعم کی غلامی سے گھبرا گیا اور اپنے آپ کو آزاد کرانا چاہتا تھا جبیر بن مطعم اپنے چچا طعیمہ کے جنگ بدر میں

قتل ہو جانیکا اس قدر صدمہ اُٹھائے ہوئے تھا کہ اس کو کسی کروٹ چین نہ ملتا تھا۔ جبیر نے اپنے وفادار اور بہادر غلام وحشی کو بلا کر کہا کہ مجھے اپنے پیارے چچا کی مفارقت کا نہایت رنج ہے اور ان کے قاتل سے انتقام لینے کے خیال نے مجھے بیتاب بنا رکھا ہے کھانا زہر معلوم ہوتا ہے اگر تو میرا یہ خیال پورا کرے اور حمزہ رضؓ کو قتل کر دے تو فوراً آزاد ہو جائے اور قید غلامی سے سبکدوش ہو اور ادھر ابو سفیان کی بی بی ہندہ نے وحشی کو خاطر خواہ انعام دینے کا وعدہ کیا کیونکہ اس عورت کا شفیق باپ عتبہ بھی طعیمہ کے ساتھ حضرت امیر حمزہ رضؓ ہی کے ہاتھ سے جنگ بدر میں مارا گیا تھا چنانچہ وحشی کو اپنی آزادی کے شوق اور مال کی طمع نے اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے چچا پر اس نیزہ کا حملہ کرے جس کے بہادرانہ کرتب میں مشاق اور حجازی ریگستان میں مشہور تھا۔

کوہِ اُحد کے نیچے میدانِ کارزار جوش پر اور قتل کا بازار گرم ہو رہا تھا کہ ایک شخص کی آواز سُنائی دی وہ کہہ رہا تھا کہ "ہے کوئی جو مقابلہ پر آئے" یہ مغرور کافر عبدالعزیٰ کا بیٹا سباع تھا جس کی ماں اُم انمار مکہ میں ملکی رسم کے موافق عورتوں کی ختنہ کیا کرتی تھی یہ آواز حضرت حمزہؓ کے کان میں پڑی اور وہ شیر کی طرح جست مار کر اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے صرف یہ کہکر کہ "اے ام انمار کے بچے تجھ کو بھی اللہ ورسول کی مخالفت کا حوصلہ ہو گیا" ایک تلوار کھینچ کر ماری جس نے بچو کا کام تمام دیا کیونکہ وہ شخص جو ابھی بہادروں کی طرح للکارتا نظر آ رہا تھا خون آلودہ پڑا مچھلی کی طرح تڑپتا دکھائی دیا مگر افسوس جس جگہ یہ قصہ ہو رہا تھا وہیں پہاڑی پتھر سے چھپا ہوا دھوکہ باز وحشی بیٹھا تھا جو نیزہ ہاتھ میں لئے ہوئے اسی کا منتظر تھا کہ کب مسلمان بہادر کی نظر بچے اور کب میں حملہ کروں۔ محمدی کچھار کے شیر کو کچھ خبر نہ تھی کہ پتھر کے نیچے سے کیا ظاہر ہونیوالا ہے یہاں تک کہ وحشی کا نیزہ اُڑتے ہوئے سانپ کی طرح حضرت حمزہ رضؓ کی ناف کے نیچے آ لگا اور اپنا کام کرتا ہوا کئی انگشت نیچے اترتا چلا گیا۔ بہادر پہلوان نے کاری زخم کھا کر بھی اپنے دشمن پر جست کی مگر نیزہ کی تیز نوک نے ایسے نازک مقام کو زخمی کیا تھا جس سے سنبھلنا مشکل تھا چنانچہ حضرت حمزہ رضؓ دو چار قدم چل کر گر پڑے اور وحشی فرحاں وشاداں اپنے کارآمد حربہ کا نتیجہ دیکھنے کی غرض سے پاس آکر کھڑا ہوا حقیقت میں حربہ اپنا کام کر چکا تھا کیونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے چچا شربت شہادت کے لذیذ گھونٹ کا مزہ لے رہے تھے ستمگار عورت ہندہ بنت عتبہ بھی خبر پاتے ہی دوڑی آئی اور نعش پر بیٹھکر ناک کان قطع کئے اور پیٹ چیر کر جگر نکالا اور دانتوں سے چبا کر کہا کہ آج کلیجہ میں ٹھنڈک پڑی کیونکہ باپ کے قاتل کا خون پینے کو ملا ہے۔

اس جنگ میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے بھی ایک کافر مارا گیا جس کا نام اُبی بن خلف تھا اس قریشی سردار نے ایک گھوڑا پال رکھا تھا جس پر سوار ہو کر طنز کیا کرتا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتا تھا کہ اس گھوڑے کو اسی غرض سے پرورش کر رہا ہوں تاکہ اس پر سوار ہو کر ایک دن تم کو قتل کروں۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا تھا کہ انشاء اللہ میں ہی تجھ کو قتل کروں گا چنانچہ آج وہ وقت آیا کہ یہ بے ادب سوار اپنے کہے کی سزا پائے کیونکہ رسول مقبول

صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کے ہاتھ سے نیزہ لیکر اس کے گلے میں مارا ہے اور گو نیزہ بہت آہستگی کے ساتھ چھوایا گیا ہے جس کے اثر سے صرف خراش آگئی ہے مگر خدا کے پیارے پیغمبر کا مارا ہوا ہے اس لئے بیتاب و بےچین چیختا اور چلاتا ہوا بھاگا اور لشکر کی واپسی میں صف مقام پر پہنچکر روح ملک الموت کے حوالہ کی۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت مشہور ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس مقام پر پہنچکر جہاں اُبی بن خلف مرا تھا دیکھا کہ ایک شخص آگ کی زنجیروں میں بندھا ہوا چلا رہا ہے کہ "مجھے پانی پلا دو" مگر ایک شخص پاس کھڑا ہوا لوگوں کو منع کر رہا ہے کہ خبردار اس کو پانی نہ دینا کیونکہ یہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کا قتل کیا ہوا ابی بن خلف کافر ہے۔

مدینہ میں جنگ اُحد کے متعلق جو وحشتناک خبریں پہنچ چکی تھیں انھوں نے مدینہ کی مسلمان عورتوں اور ناسمجھ بچوں اور ضعیف و کمزور بوڑھوں میں ایک عجیب ہراس پیدا کردی تھی ہر شخص اسلام کے عالمتاب آفتاب کے نظارہ کا آرزومند اور اللہ کے پیارے پیغمبر کی خیریت مزاج کا مژدہ سننے کا متمنی و خواستگار تھا حالانکہ ان پس ماندہ باشندوں کے خاص رشتہ دار اور اکثر اقارب شریک جنگ تھے مگر کسی کو اپنے کسی عزیز کا اتنا خیال نہ تھا جتنا اپنے دینی سردار کے زندہ و سلامت دیکھنے کا فکر تھا یہاں تک کہ جب پندرہ شوال ۳ھ کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اسلامی لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو رافع کی عفت مآب بیٹی حضرت کلثومؓ دریافت حال کے انتظار میں بیتاب ہوگئیں اور یہ کہکر باہر نکل کھڑی ہوئیں کہ جب تک جمال مبارک اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں گی مجھے چین نہ آئے گا اور حالانکہ ان کے پیارے بیٹے عمرؓ بن معاذ بھی جنگ اُحد میں شریک تھے اور شربت شہادت نوش فرما چکے تھے مگر اس مستقل مزاج پاکباز عورت نے اُف نہیں کی بلکہ جس وقت جھپٹ کر راستہ میں پہنچیں اور جمال مبارک دیکھا تو بیساختہ بول اٹھیں کُلُّ مُصِیبَۃٍ بَعْدَکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ جَلَلٌ کہ آپ کی خیریت کے بعد ہر مصیبت محض بے حقیقت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہید بیٹے کی تعزیت فرمائی اور بشارت دی کہ خوش ہو اے بنت رافع تمہارا لخت جگر جنت میں پہنچا۔

باب ۳۴ (۴۸)

ثمرۃ الاسلام۔ جنگ اُحد میں جن صحابہ سے بھاگنے اور پیارے رسولؐ کا ساتھ چھوڑنے کی خطا صادر ہوئی چونکہ ان کا قصور حق تعالیٰ نے معاف فرما دیا اس لئے وہ لوگ مخلص جان نثار سمجھے جاتے ہیں کیونکہ بمقتضائے بشریت ہوگیا تھا اس کی معافی کا پروانہ اللہ کے سچے کلام قرآن مجید میں موجود ہے۔ اسی طرح قریشی لشکر کے کافروں میں جو لوگ اللہ کے پیارے پیغمبر پر حملہ کرنے کو چڑھکر آئے تھے ان میں سے بھی ایسے ایسے بہادر جوان آئندہ زمانہ میں مسلمان ہوگئے ہیں جنھوں نے اس جنگ اُحد میں مسلمانوں پر بےطرح زیادتیاں اور ظلم کئے تھے چنانچہ وحشی بھی مسلمان ہوئے جنھوں نے امیر حمزہؓ جیسے

سردار کو شربتِ شہادت پلایا تھا اور اس کی تلافی میں اسلام کے بعد مسیلمہ کذاب کو قتل کیا جس نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا۔ کیا عجب ہے کہ مسلمان سردار کے خون کی تلافی اس جھوٹے مدعی نبوت اور مفتری و کذاب و دغاباز کے خون سے حق تعالیٰ نے منظور فرمائی ہو بلکہ وہ خالد بن ولید بھی مشرف باسلام ہوگئے ہیں جن کی بہادرانہ ہمت نے یہ نتیجہ دکھایا تھا کیونکہ یہی تھے جو کافروں کے بھاگے ہوئے لشکر کو ہمت دلا کر پشت کے پیچھے پہاڑی درہ سے مسلمانوں پر چڑھا لائے تھے اور اسلام کے بعد یہ وہ کارنمایاں کر کے دکھائے جن کا قابلِ فخر و ناز تذکرہ کسی طرح صفحہ روزگار سے محو نہیں ہوسکتا اس لئے جنگ کی کارروائیاں اور لڑائی کے واقعات دیکھ کر بے تکان کسی کے بارہ میں کوئی لفظ نکالنا آسان بات نہیں ہے البتہ اس مبارک تذکرہ سے یہ بات خوب ظاہر ہوگئی کہ یہ بات جو عوام میں مشہور ہے کہ "شب برات کا حلوا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تقلید ہے کیونکہ آپ نے دندان مبارک شہید ہونے کی وجہ سے حلوا کھایا تھا" محض بے اصل اور لغو بدعت ہے کیونکہ جنگ اُحد ماہ شوال کے شروع میں واقع ہوئی ہے اور شب برات پندرھویں شعبان کی شب کا نام ہے۔

اللہ جل جلالہ نے شہداء احد کی تعریف میں کئی آیتیں نازل فرمائیں گویا ان جان دینے والوں کے پسماندہ اقارب اور کنبہ کے رشتہ داروں کی تعزیت فرمائی اور نیز ان شکستہ دل مسلمانوں کی ڈھارس بندھائی جن کو اس اتفاقیہ شکست اور یکایک پیش آجانے والی ہزیمت کا سخت صدمہ تھا کیونکہ جو وحی نازل ہوئی اس کا یہ مضمون تھا کہ "حق تعالیٰ کو تمہارا امتحان لینا اور اپنے مقبول اور پیارے بندوں کو شہادت کا اجر دینا مقصود تھا اور یہ بات جتانی منظور تھی کہ دنیا کے محبوب مال اور مرغوب متاع پر ریجھنا اور رسول کا کہنا نہ ماننا دنیا میں بھی برا نتیجہ دکھاتا ہے خیر جو ہوا وہ معاف کر دیا گیا۔ شہید ہوجانے والوں کو مردہ نہ سمجھو وہ زندہ ہیں اور ہمارے دربار سے رزق پاتے ہیں۔"

شوال کے مہینہ کی سولہ تاریخ تھی اور ابوسفیان مع لشکر کفار مکہ کے قریب پہنچ لیا تھا مسلمان سپاہی مدینہ میں سفر کی ماندگی اور جنگ کی صعوبتوں کے باعث تھکے ماندے پڑے ہوئے تھے کہ شہر میں منادی ہوئی اور معلوم ہوا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم قریشی لشکر کا تعاقب کیا چاہتے ہیں اور صرف انھیں صحابہ کو ہمراہ لیجائیں گے جو جنگ احد میں شریک تھے کیونکہ یہ خبر سنی گئی تھی کہ ابوسفیان میدانِ جنگ سے واپس ہو کر پشیمان ہوا اور مقام روحا میں پہنچکر ساتھیوں سے کہنے لگا کہ غلبہ تو خاطر خواہ ہم کو حاصل ہوچکا تھا پھر محمد کو کیوں نہ قتل کیا چلو پھر واپس چلیں اور دل کا غبار نکال کر پوری طرح کامیاب ہو کر مکہ آئیں اس لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسب سمجھا کہ کافروں کا تعاقب کیا جائے تاکہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ مروانِ دین نے ضعف و شکستگی کا اثر قبول کرلیا۔

اسلامی لشکر اگرچہ خستہ و زخمی تھا مگر فوراً آمادہ و تیار ہوگیا کیونکہ اپنے سپہ سالار کی اطاعت انکو اپنی جانوں سے

بدرجہا عزیز تھی چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بہادر سپاہیوں کو ہمراہ لیکر مدینہ سے آٹھ میل باہر مقام حمرا الاسد تک پہنچے اور تین روز قیام فرمایا مگر ابو سفیان کی جرأت نہ ہوئی کہ واپس ہو کیونکہ وہ تھکے ماندے مسلمانوں کا یہ دلیرانہ کام دیکھکر ڈر گیا اور سمجھ گیا کہ اب تو فتح کا نام حاصل ہو چکا ہے ایسا نہ ہو کہ بات پلٹ جائے کیونکہ جنگ کے میدان کو رخ بدلتے اور پلٹا کھاتے دیر نہیں لگتی اس لئے وہ سیدھا مکہ پہنچا اور مدینہ کی جانب رخ پھیر کر بھی نہ دیکھا اسلامی لشکر باشوکت وعظمت مدینہ واپس آیا اور ہتھیار اتار کر تکان رفع کرنے اور آرام پانے میں مشغول ہوا۔

مسلمانوں کا یہ مبارک سفر محض اس لئے تھا کہ قریشی دشمن مسلمانوں کی عارضی شکست اور اتفاقیہ ہزیمت پر نازاں نہ ہوں اور یہ خیال نہ کریں کہ اس جنگ میں غلبہ پانے سے مسلمانوں کے دل پر دھاک بیٹھ گئی اور محمدی جرار کے شیر دل سپاہیوں کی ہمتیں پست ہو گئی ہیں کیونکہ اگر خدانخواستہ ایسا ہوتا تو غنیم کے میدانِ کارزار میں لوٹ آنے پر بھی کسی کو باہر نکلنے کی جرأت نہ ہوتی چہ جائیکہ تعاقب میں آٹھ میل کا سفر کرنا اور سخت لڑائی کے اگلے ہی دن مدینہ سے باہر نکل کھڑا ہونا یہ تو صاف بتلا رہا تھا کہ روز گذشتہ کا فرار محض بمقتضائے بشریت اور نظم و تدبیر جنگ میں خلل واقع ہو جانے کا نتیجہ تھا جس کو مدبر ہوشمند بہادر اور لڑائی کے ہولناک منظر دیکھے ہوئے سپاہی بھی قابلِ اعتبار نہیں سمجھتے اور نہ وقعت کی نظر سے دیکھتے ہیں جس کا نام بہادری ہے وہ کوئی دوسری چیز ہے اور جس کو جرأت وشجاعت کہا جاتا ہے وہ کچھ اور ہی بات ہے ؂

گرتے ہیں شہ سوار ہی میدانِ جنگ میں + وہ طفل کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے

ان واقعات پر غور کی نظر ڈالئے اور معتبر کتابیں کھول کر دیکھئے معلوم ہو جائے گا کہ مسلمانوں نے کبھی جنگ میں ابتدا نہیں کی اور جبتک اپنے دینی ارکان میں کسی کو خلل انداز نہیں پایا اس وقت تک ہاتھ نہیں بڑھایا البتہ جب مجبور ہو گئے اور دشمن سر پر چڑھ آیا تو اپنے جان و مال کی حفاظت اور دین و ایمان کے قائم رکھنے میں میدان کے اندر نکلنا پڑا اور ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ جس وقت کسی کی جان یا آبرو پر آن بنے تو سوائے جان دیدینے یا دشمن کو مار کر اطمینان حاصل کرنیکے کوئی سبیل نظر نہیں آتی اور فی الحقیقت مقدس مذہب اسلام نے تلوار کے زور سے ترقی نہیں کی بلکہ اس کا عروج ان عمدہ خصائل اور پاک اصول کے ذریعہ سے ہوا ہے جن کو اسلامی سپہ سالار کے شمائل ظاہر کر رہے ہیں یہ پاک شریعت اس خونخوار دھبہ کو پاس نہیں آنے دیتی کہ لوگوں کے گلے پر چھری رکھکر اپنا محکوم بنایا جائے ہاں البتہ اگر متین وسنجیدہ مسافر کو اپنی سیدھی راہ پر چلتے چلتے دامن پکڑنے والی جھاڑیاں یا الجھانے والے خاردار درخت روکنا چاہیں گے تو مجبوراً انکو کاٹنا پڑیگا اور شارع عام کو صاف اور بے اندیشہ بنا دینے کیلئے سدِ راہ اور حائل و مانع الجھاؤ کو دور کرنا ضروری ہوگا تاکہ دوسرے چلنے والوں کو تکلیف نہ اٹھانی پڑے باقی میدانِ کارزار کی فتح وشکست خدا کے قبضہ واختیار میں ہے اور یہ

بھیانک منظر کا غلبہ ایک کنوئے کا ڈول یا رہٹ میں بندھا ہوا مٹی کا لوٹا ہے کہ کبھی اوپر نظر آتا ہے اور کسی وقت نیچے۔

دنیا عالم الاسباب ہے اور یہاں اکثر موجودات کا وجود کسی ظاہر یا مخفی سبب پر موقوف رکھا گیا ہے ایسی یہ سمجھنا عقلمندی سے نہایت بعید ہے کہ مسلمانوں کو شکست کیوں ہوئی کیا فرشتے اعانت کو موجود نہ تھے یا احکم الحاکمین حق تعالیٰ کی مدد ناکافی تھی کہ اسلامی لشکر کے مقدس حضرات کو بھی ہزیمت اٹھانی پڑی۔

پیارے مسلمانو! یہ تو دنیاوی واقعات ہیں جن میں قریب قریب سب کو اسباب کے اختیار کرنیکا حکم دیا گیا ہو اور جیسے اسباب و ذرائع جمع کئے جائیں یا تدبیر و نظم و نسق سے پیش آجائیں ان پر انہیں کے موافق نتائج اور مسببات متفرع ہوجاتے ہیں اگر خرق عادت اور محض قدرت بلا واسطہ سے ہر وقت کام لیا جائے تو پھر اسلام پر وہی الزام واقعۃً اس موجود ہے کہ اسلام لانے پر لوگوں کو مجبور کیا گیا اور فرشتوں یعنی غیبی مخلوق کے ہاتھوں پریشان و تنگ کرکے ایسا بنایا گیا ہے اور ہم کہہ چکے ہیں کہ ہرگز نہیں ہرگز نہیں ہمارے پاک مذہب نے تو اپنی ذاتی خوبیوں اور مقدس اصول و ارکان کی بدولت سچ ہوا مخالفوں کے دلوں میں گھر کیا اور دشمنوں کو دلی دوست بنایا ہے یہی تو وہ مذہب ہے جس میں صاف ارشاد ہے کہ دین میں کچھ جبر و اکراہ نہیں ہے ہدایت و گمراہی ظاہر ہو چکی ہے جس کو نجات پانی ہو وہ لپکے اور آگے قدم بڑھائے اور جس کو آخرت کی ابدی ہلاکت میں رہنا پسند ہے وہ جہاں چاہے بھٹکتا پھرے البتہ یہ ضرور ہے کہ دوسروں کا سد راہ نہ بنے ورنہ ناقص عضو کی طرح لائق و ہوشیار طبیب کے ہاتھوں قطع کر دیا جائے گا۔

اسی سال میں امام حسن علیہ السلام کی ولادت کے پچاس دن بعد ان کے چھوٹے بھائی حضرت حسین شہید کربلا رضی اللہ عنہ صلب علی رض سے بطن فاطمہ زہرا رض میں آئے۔

باب (۴۹)

میدان رجیع اور وہاں کے گرفتار مصیبت مسلمان۔ ابو سفیان اپنے ماتحت لشکر کفار کو لیکر مکہ پہنچا تو خالد کا بیٹا سفیان چند آدمی قبیلہ عضل اور قارہ کے اپنے ہمراہ لیکر قریش کو فتح کی مبارکباد دینے کی غرض سے مکہ میں پہنچا اور سنا کہ سعد کی بیٹی سلافہ نے اشتہار دیا ہے کہ جو شخص مجھ کو اس مسلمان سپاہی کا سر لادے جس کا نام عاصم بن ثابت ہے قوم میں اس کو سو اونٹ انعام دوں گی کیونکہ عاصم نے میرے دو بیٹوں کو جنگ احد میں مارا اور ہمیشہ کے لئے مجھ کو ان سے جدا کر دیا ہے اور اس صدمہ کے باعث میں نے منت مانی ہے کہ عاصم رض کے کاسہ سر میں شراب پیوں گی سفیان کو سو اونٹوں کی طمع نے اکسایا اور اس پر آمادہ کیا کہ جس طرح ہو سکے سلافہ کو عاصم رض کا سر حوالہ کرے اور مشتہرہ انعام لیکر باقی زندگی آرام کے ساتھ گذارے اس لئے اس نے اپنے مکان پر واپس ہو کر قبیلہ عضل اور قارہ کے سات ۷ آدمیوں کو مدینہ کی جانب اس غرض سے روانہ کیا تاکہ مسلمان واعظوں کو یہ کہکر کہ ہمارے ملک میں وعظ کہنے چلو شاید وہاں کے لوگ مسلمان ہوجائیں یہاں لے آئیں اور اس کی کوشش پوری طرح کریں کہ ثابت کا بیٹا عاصم رض بھی آنیوالے واعظوں میں

شامل ہو چنانچہ یہ ساتوں دغاباز مسلمانوں کی صورت بنا کر مدینہ میں پہنچے اور خاص حضرت ثابت رضی کے مکان پر ٹھیر کر رسول ؐ کے مخلص معتقد ہونے کا اظہار کیا اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ یا رسول اللہ ؐ چند آدمی ہمارے ساتھ کر دیجئے تاکہ ہماری قوم کو قرآن مجید پڑھائیں۔ دینی تعلیم دیں اور کیا اچھا ہو کہ ہمارے دوست عاصم بن ثابت بھی ہمارے ساتھ بھیجے جائیں کیونکہ ان کے با اثر وعظ اور خوش الحان قرأت سے جلد کامیابی کی امید ہے۔

ان دھوکہ بازوں نے حضرت عاصم ؓ کی منت و سماجت اور خوشامد میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا انتہا درجہ کی محبت اور خالص الفت کا اظہار کیا اور آخر کار رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دس مسلمان واعظ ان لوگوں کے ساتھ کر دیئے جن پر حضرت عاصم ؓ بن ثابت کو افسر بنایا اور یہ حضرات پیارے پیغمبر سے رخصت ہو کر تھیلی میں مدنی کھجوریں زاد راہ کے طور پر رکھ کر مکہ کی جانب روانہ ہوئے اثنا راہ میں جس وقت قبیلہ ہذیل کی آبادی کے اس موضع کے پاس پہنچے جس کا نام رجیع ہے تو تصویر کا رخ بدلا ہوا پایا کیونکہ ان سات دغابازوں میں سے ایک شخص نے سفیان بن خالد سے مخبری کر دی تھی اور یہ بد طینت حریص سو تیر اندازوں کی جماعت کو ہمراہ لیکر مدنی کھجوروں کی گٹھلیاں پڑی دیکھتا اور پاؤں کے نشان لیتا ہوا یہاں آ پہنچا تھا اور مسافر و بے خانماں واعظوں کو زندہ گرفتار کرنیکی نیت سے اور غلام بنا کر اہل مکہ کے ہاتھ فروخت کرنیکی غرض سے چڑھ آیا تھا کہ قریشی کا فر میدان بدر میں قتل کئے ہوئے اپنے رشتہ داروں کا ان بیچاروں سے انتقام لیں اور دل کی سوزش بجھائیں

حضرت عاصم ؓ غنیم کی بدنیتی سے واقف ہو کر ہوشیار ہو گئے اور دسوں ہمراہیوں کو لیکر اس اونچے ٹیلہ پر جا چڑھے جسکو فدفد کہتے ہیں اور تیر و کمان سامنے کر لئے اور جب دشمن قریب آ پہنچے تو عاصم ؓ نے اپنے ساتھیوں کو للکار کر کہا کہ پیارے دوستو شہادت کو غنیمت سمجھو تمہارے ساتھ دھوکہ کیا گیا مگر کچھ گھبرانے کی بات نہیں ہے تمہارا پیارا محبوب ہر وقت تمہارے ساتھ ہے جنت کی حوریں تمہاری منتظر اور راہ دیکھ رہی ہیں لو ہوشیار ہو جاؤ اور ہمیشہ کیلئے آرام کی نیند پڑ کر سونیکو مستعد و تیار ہو جاؤ"

سفیان بن خالد چونکہ مال کا حریص تھا عاصم کا کاسہ سر سلافہ کی شراب کا پیالہ اور دوسرے واعظوں کو اہل مکہ کا زر خرید غلام بنانیکی طمع میں یہاں تک پہنچا تھا اس لئے بولا کہ لے لا مذہب واعظو لڑنے کا قصد نہ کرو تمہاری مختصر جماعت ہمارا کچھ بھی نہیں کر سکتی اگر تم مان جاؤگے تو ہم امان دینے کے ذمہ دار ہیں اور نہ مانوگے تو کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ کر ڈالدیئے جاؤگے اپنی جوانی پر رحم کھاؤ اس میدان کو اپنے خون سے سرخ نہ بناؤ کمانوں کو ہٹاؤ اور قیدی بنکر نیچے اتر آؤ۔

مگر حضرت عاصم ؓ نے جواب دیا کہ مجھے کافر کی پناہ میں آنا گوارا نہیں ہے ہاں مارے جانیکا کوئی خوف نہیں کیونکہ ہمارا سر خدا کی نذر ہے جس وقت اور جہاں چاہے وہ ہم خدا کی اس امانت کو خوشی کے ساتھ ادا کرنے کیلئے ہر وقت موجود ہیں" یہ کہکر کمان پر ہاتھ ڈالا اور کفار کی جانب تیر پھینکے مار دھاڑ ہونے لگی اور تیر اندازوں نے تیروں کی بوچھاڑ سے غبار اڑانا شروع کیا۔

حضرت عاصم ؓ نے خدا کی جانب توجہ کی اور اپنے نامہربان آقا کی جناب میں التجا کی کہ میں نے سنا ہے کہ سلافہ میرے کاسہ سر میں شراب پینا چاہتی ہے یا اللہ میرا سر تیرے راستہ میں کاٹا جاتا ہے تو ہی اس کا محافظ و نگہبان ہے میرا جسم

کافروں کے حوالہ نہ کیجیو یا اللہ تو ہمارے حال کی اپنے مقبول پیغمبر کو خبر دے کہ تمہارے شیدائی چند کافروں کی دغابازی کے باعث اپنے سے کئی گونہ زیادہ جماعت سے لڑ رہے ہیں۔"

حضرت عاصمؓ نے دل کھول کر سفیان کا مقابلہ کیا تیر ختم ہو جانے کے بعد نیزہ ہاتھ میں لیا اور جب نیزہ بھی ٹوٹ گیا تو تلوار کے پے در پے وار کیے یہاں تک کہ گر پڑے اور شہادت کا میٹھا شربت پیتے ہوئے جاں بحق تسلیم ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ سفیان نے چاہا کہ ان کا سر کاٹ لے تاکہ سلافہ کے نذر کرے مگر اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کا لشکر بھیج دیا جنھوں نے اس مستجاب الدعا شہید وفا کے مبارک بدن کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور ایسا جھرمٹ باندھا کہ کسی کافر کو پاس پھٹکنے کی جرأت نہ ہوئی اور جب رات ہوئی تو ایک سیلاب آیا جو حضرت عاصمؓ کی نعش کو بہالے گیا اور کافروں کو اس بہادر مقتول کا پتہ بھی نہ لگا کہ کہاں گئے۔

سفیان کی حرص کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا کیونکہ جس وقت اس قاتل نے انعامی سو اونٹ کے مطالبہ کو بھیجا تو سلافہ نے صرف اتنا جواب دیکر مایوس بنا دیا کہ میری شرط پوری نہیں ہوئی تم انعام کے مستحق اس وقت ہو سکتے تھے جب عاصم کا سر لاتے یا اس کو زندہ گرفتار کرکے میرے پاس پہنچا دیتے۔ حضرت عاصمؓ کی دونوں دعائیں قبول ہوئیں کیونکہ جس وقت رجیع میں یہ واقعہ گذر رہا تھا اسی وقت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ سے مدینہ میں ذکر فرما رہے تھے کہ عاصمؓ معہ اپنے ہمراہیوں کے دغاباز منافقوں کی فتنہ پردازی سے گرفتار مصیبت اور مبتلائے قتال ہیں۔ عاصمؓ کے چھ ہمراہی بھی انھیں کے ساتھ شہادت میں شریک ہوئے اور اب صرف تین آدمی یعنی خبیبؓ بن عدی اور عبداللہؓ بن طارق اور زیدؓ بن دثنہ باقی رہ گئے جنھوں نے اپنے آپ کو کمزور پاکر مقابلہ سے عاجز سمجھا اور مجبور ہتھیار ڈال کر کافروں کی پناہ میں آگئے رضی اللہ عنہم۔

جس وقت یہ تینوں حضرات قد فد کے بلند ٹیلے سے نیچے اترے فوراً کافروں نے اپنے قبضہ میں لے لیا اور کمانوں کے چلّے اتار کر ان بیچاروں کے ہاتھ باندھنے لگے۔ حضرت عبداللہؓ کا اُن کی بد عہدی دیکھکر چہرہ تمتمایا اور کہا کہ "اے حیلہ ساز دغابازو جب ابھی سے تمہاری بے ایمانی ہے تو آئندہ کیا امید ہے"۔ یہ کہکر چلّے سے اپنے بندھے ہوئے ہاتھ کھول لئے اور تلوار کھینچکر سامنے کھڑے ہو گئے اور للکارے کہ اے غدر کرنے والے بدنصیب کافرو میں تمہارا قیدی بننا نہیں چاہتا۔ سفیان کی جماعت اس بہادر مسلمان سپاہی کا شیرانہ حملہ دیکھکر حیران ہو گئی اور جب کسی طرح قابو نہ پایا تو پتھروں کا مینھ برسا کر حضرت عبداللہؓ کو شہید کیا یہ بھی اپنے ساتوں رفیقوں کے پہلو میں جاکر سو گئے اور دونوں مسلمان قیدیوں کو لیکر سفیان مکہ کی جانب روانہ ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سفیان نے سلافہ کے مشتہرہ انعام سے مایوس ہو کر ان دونوں قیدیوں کو مکہ کے بازار میں بھیجدیا حضرت خبیبؓ کو حارث بن عامر کے بیٹوں نے سو اونٹ دیکر خرید لیا تاکہ اپنے باپ حارث کے معاوضہ میں قتل کریں کیونکہ انھیں حضرات

نے جنگِ بدر میں حارث کو قتل کر کے ان بچوں کو یتیم بنایا تھا جن کی غلامی میں آج آئے ہیں اور حضرت زید کو پچاس اونٹ کے بدلے صفوان بن امیہ نے مول لے لیا تاکہ اپنے باپ عتبہ کے بدلے میں ان کو قتل کرے کیونکہ عتبہ کے قاتل یہی حضرت زید تھے۔

باب (۵۰)

سولی اور اُس کا انجام ۔ یہ زمانہ ان بزرگ مہینوں کا تھا جن میں عرب کے باشندے قتل و قتال کو حرام سمجھتے تھے اس لئے دونوں قیدیوں کا قتل ملتوی رکھا گیا اور ماہ حرام گذر جانے کے بعد دونوں مسلمان حرم مکہ سے باہر اس جگہ لائے گئے جہاں مسجد تنعیم بنی ہوئی ہے اور عمرہ کا بنائے احرام اہل مکہ وہیں سے باندھکر آتے ہیں۔

اس میدان میں پھانسی گڑی ہوئی ہے اور لوگوں کے اژدہام میں دونوں مسلمان قیدی ہشاش بشاش نظر آتے ہیں۔ حالانکہ یہ سولی دینے کی غرض سے لائے گئے ہیں مگر ان کے چہرے پر کسی قسم کے خوف یا ہراس کا اثر نہیں ہے کیونکہ ایک قیدی جن کا نام خبیبؓ ہے کافروں سے مسکرا کر کہہ رہے ہیں "مجھ کو اتنی مہلت دو کہ میں دو رکعت نماز پڑھ لوں اور اپنے محبوب سے راز و نیاز کی دو باتیں کر لوں کیونکہ وصال کا وقت قریب آ پہنچا ہے اور میں اپنے مہربان آقا کے حضور میں پاک صاف ہو کر جانا چاہتا ہوں"

جس شخص کو سولی دی جاتی ہے مرنے سے پہلے اُس کی جو درخواست ہوتی ہے پوری کی جاتی ہے بشرطیکہ نقصان دینے والی نہ ہو اس لئے خبیبؓ کو اجازت مل گئی اور یہ وضو کر کے خدا کے حضور میں ہاتھ باندھکر کھڑے ہوگئے دو رکعت پر سلام پھیر کر کہنے لگے کہ شاید تم یہ سمجھو کہ خبیبؓ موت سے ڈرتا ہے اور وقت ٹالتا ہے اس لئے میں دو ہی رکعت پر اکتفا کرتا ہوں ورنہ ضرور عبادت کی پوری لذت حاصل کرتا۔ لو اب جو کچھ کرنا ہے کر گذرو۔

خبیبؓ نے ایک رباعی پڑھی جس کی پوری لذت اصل زبان کے سمجھنے والے عربی داں حاصل کر سکتے ہیں اور اُردو کے ترجمہ میں کسی طرح وہ ذائقہ آ نہیں سکتا۔

ولست ابالی حین اقتل مسلماً — علیٰ ایِّ شقٍّ کان اللہ مصرعی

وذلک فی ذات الالٰہ وان یشأ — یبارک علیٰ اوصال شلوٍ ممزّعٍ

"جبکہ میں بحالتِ اسلام قتل کیا جا رہا ہوں تب مجھے کچھ پروا نہیں کہ خدا واسطے میرا پچھڑنا کس کروٹ کے بل ہو۔ اور آج میرا قتل ہونا محض اللہ کے لئے ہے اگر خدا چاہے تو میرے پارہ پارہ کئے ہوئے عضو کے ٹکڑوں میں برکت عطا فرمائے"

تماشائیوں کے مجمع نے حضرت خبیبؓ کو تعجب کی نگاہ سے دیکھا کیونکہ ایسا مستقل مزاج آدمی دیکھنے میں کبھی نہیں آیا تھا اور پھر پکڑ کر سولی پر چڑھا دیا اس وقت حضرت خبیبؓ کا منہ جبراً قبلہ کی طرف سے پھیر دیا گیا تھا جس کی اس شہید وفا مسلمان نے کچھ بھی پروا نہیں کی اور کہا کہ "فاینما تولوا فثم وجہ اللہ جدھر بھی منہ پھیرو اُدھر اللہ موجود ہے"

ایک کافر نے کہا کہ اے خبیبؓ اگر مذہب اسلام کو چھوڑ دو تو ہم تم کو چھوڑ دیں اور اگر پسند کرو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے بدلہ سولی پر چڑھائے جائیں تو اس شرط پر بھی تم اپنے گھر کو واپس جا سکتے ہو مگر رسولؐ کے وفادار صحابی نے جواب دیا کہ اگر روئے زمین کی سلطنت بھی دو گے تب بھی پیارا اور پاک مذہب اسلام نہ چھوڑوں گا۔ اور یہ تو ممکن ہی نہیں کہ میرے سردار رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں کانٹا چبھے اور خبیبؓ گھر میں بیٹھا رہے چلو اپنا کام کرو ایسے ناگفتہ بہ کلمات سے آخری وقت میں میرا دل نہ دکھاؤ۔

جنگ بدر میں قتل ہونے والے قریشی کافروں کے رشتہ داروں میں سے چالیس کافروں نے نیزے ہاتھوں میں لیکر خبیبؓ کو ہر طرف سے گھیر لیا اور مارنا شروع کیا اس وقت بہادر مسلمان کا منہ قبلہ کی طرف ہو گیا اور یہ کلمات زبان سے نکلے "خدا کا شکر ہے جس نے میرا منہ اُس قبلہ کی جانب پھیر دیا جو اس نے اپنے رسول اور اُن کے خادم مسلمانوں کے لئے پسند فرمایا ہے یا اللہ اس وقت میرا سوائے تیرے کوئی دوست نہیں ہے جو تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا اسلام پہنچا دے میری آخری التجا یہی ہے کہ کسی طرح میرا آخری سلام میرے دینی سردار کو پہنچا" اس کے بعد جان بحق تسلیم ہوئے۔

جس وقت تنعیم کے میدان میں یہ حادثہ ہو رہا تھا اسی وقت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے آثار نمودار ہوئے تھے چنانچہ آپ نے اپنا چہرہ مبارک اٹھا کر غائب شخص کے سلام کا جوابی کلمہ یعنی وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہا اور صحابہؓ سے فرمایا کہ جبریلؑ امین کھڑے ہوئے ہیں اور خبیبؓ کا سلام پہنچاتے ہیں جن کو کافروں نے سولی پر چڑھا دیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت خبیبؓ کے بعد حضرت زیدؓ سولی پر چڑھائے گئے اور وہی باہمی گفتگو اور سوال و جواب ہوئے جو حضرت خبیبؓ کے ہوئے تھے اور پھر حضرت خبیب کی نعش چالیس سپاہیوں کے پہرہ میں سولی پر لٹکا دی گئی تاکہ دیکھنے والوں کو عبرت ہو۔ یہ ان بے رحم کافروں کی عادت تھی کہ انتقال کے بعد بھی اپنے کینہ ور قلب کو ٹھنڈا نہیں پاتے تھے اور اسی نجس اور پلید خصلت کے باعث نعش کے ساتھ بے ادبی اور ظالمانہ کارروائی کیا کرتے تھے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا تھا کہ "ہے کوئی جو خبیبؓ کی نعش کو سولی سے اُتار لائے" چنانچہ حضرت زبیرؓ اور مقدادؓ روانہ ہوئے اور دونوں چھپتے راتوں چلتے اس جگہ پہنچے جہاں مسلح سواروں کے پہرہ میں خبیبؓ کی نعش سولی پر لٹک رہی تھی۔ دونوں بہادروں نے آہستہ سے نعش کو اُتارا اور گھوڑے کی پشت پر رکھ کر چلے اس وقت حالانکہ حضرت خبیبؓ کو قتل ہوئے چالیس دن گذر چکے تھے لیکن بدن ایسا ہی تازہ تھا گویا ابھی قتل ہوئے ہیں بدن کے زخموں سے خون ٹپک رہا تھا اور مشک کی خوشبو آ رہی تھی۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاءؔ

صبح ہوئی اور قریشی کافروں نے اپنے مردہ قیدی کی نعش کو گم پایا کہ مدینہ کی راہ پر ستر سوار دوڑا دیئے تاکہ ایسی حرکت کرنیوالوں کو گرفتار کر لائیں اور وہی سزا دیں جو پہلے مجرم قیدی کو دی گئی چنانچہ سانڈنی سوار دوڑے اور ان دونوں بہادر سپاہیوں کو پکڑ لیا جو خبیبؓ کی نعش کو مدینہ کی جانب لئے جا رہے تھے۔

حضرت زبیرؓ نے دیکھا کہ کافر پکڑنے کے لیے آپہنچے اس لیے نعش کو فوراً زمین پر رکھدیا اور سنبھل کر تیر کمان ہاتھ میں لے لی اور جب سانڈنی سوار پاس آگئے تو للکار کر بولے کہ میں مکہ کے سردار عبد المطلب کی بیٹی صفیہ کا بہادر بیٹا زبیر ہوں اور یہ میرے رفیق حضرت مقداد بن الاسود ہیں تمہارا جی چاہے تو تیروں سے لڑو اور کہو تو نیچے اتر کر تلوار اور نیزہ سے لڑیں غرض جس طرح چاہو دل کا حوصلہ نکال لو۔ اور اپنا بھلا چاہو تو جس طرف سے آئے ہو اسی طرف واپس چلے جاؤ۔"

حضرت خبیب رضؓ کی مبارک نعش کو زمین نے اپنی سطح پر پاتے ہی نگل لیا گویا مہربان ماں نے چالیس دن کے بچھڑے ہوئے سعادتمند اور پیارے بیٹے کو آغوش میں دبا لیا اور کافروں کو گھدی لگہا یعنی نعش پر حملہ کرنے کی جرات نہ ہوئی اسلئے وہ خائب و خاسر مکہ کی جانب اور یہ حضرات مدینۃ الرسول کی طرف روانہ ہوئے اور تمام ماجرا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا اسی وجہ سے حضرت خبیبؓ کو بلیع الارض (زمین کا نگلا ہوا) کہتے ہیں۔ حضرت جبریل امینؑ نے مجلس نبوئ میں حاضر ہوکر عرض بھی کیا تھا کہ آپ کے دونوں یاروں کی فرشتوں میں تعریف ہو رہی ہے۔

کیا کوئی شریف طبیعت اس دغا بازی کی مذموم خصلت کو گوارا کرسکتی ہے کہ اپنی مخالف جماعت کے چند سپاہیوں کو دھوکہ دیکر وطن سے باہر نکالا جائے اور سنسان میدان میں ایک ایک کے مقابلہ پر دو دو بلکہ اس سے بھی زیادہ چڑھ آئیں بھلا کوئی پوچھے کہ کونسی بہادری ہے جس پر مسرت اور خوشی کی جائے کہ پردیسی مسافروں کو قتل کرکے دل کے پھپھولے پھوڑے اور بیچارے واعظوں کے خون سے میدان کے ریت کو رنگدیا اگر قومی شرافت کا خیال نہ رہا تھا تو انسانی مروت ہی کا لحاظ کیا ہوتا تو نہایت چھچھورا اور سفلہ پن ہے کہ میدان میں قتل کئے ہوئے بہادروں کا انتقام یوں لیا جائے جس کو سنکر ہر شریف طبیعت آدمی کی زبان سے نفرین نکلتی ہے۔ اے کاش کوئی ان کو سمجھاتا کہ یہ مکرو فریب کی حرکت تو ذاتی نجابت اور شجاعت کی اس جدّی میراث کے بھی بالکل مخالف ہے جس پر ناز کیا کرتے اور بھرے جلسوں میں فخریہ اشعار اور قصیدے پڑھا کرتے ہو۔ آج وہ حمیت اور عالی ظرفی کہاں گئی کہ مظلوم قیدیوں کو سولی پر چڑھا کر احد یا بدر میں مارے جانیوالوں کا انتقام لیا جاتا ہے۔ ہائے افسوس اس پر بھی اکتفا نہ کیا گیا اور نعش کو دار پر بے گور وکفن لٹکا کر دل کا غبار نکالا گیا۔ پیارے مسلمانو! یہ ہیں وہ بے رحمانہ واقعات جن کی تلافی وانتقام کیلئے مسلمانوں کو تلوار ہاتھ میں لینی پڑی اور ایسے معاملات پیش آئے جن کو بظاہر سختی پر محمول کیا جاتا ہے ورنہ اس عنوان کا نام لئے بغیر اسلام جو کچھ ترقی کرتا اس کو بھی عالم نظر حیرت سے دیکھتا اور تعجب کرتا مگر اس پر بھی جو منصف نگاہ طرفین کے حالات کو سامنے رکھکر مقابلہ کرے گی وہ بیشک بول اٹھیگی کہ درحقیقت اسلام نے انتقام لینے میں بھی عدل وانصاف اور تدبیر و سلیقہ کو ملحوظ رکھا ہے۔

باب چھٹا (۵)

سفیان کا قتل اور بیر معونہ۔ حضرت عاصم اور ان کے ہمراہیوں کا اس طرح غدر و فریب سے مظلومانہ شہید ہو جانا ایسا حادثہ نہ تھا جسکا صدمہ اور رنج رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ہوتا حضرتؐ اس جانکاہ حادثہ کو سنکر بیچین ہو گئے

اور عبداللہ بن انیس انصاری کو سفیان ملعون کے قتل کرنے کے لئے مامور فرمایا اور چونکہ حضرت عبداللہ نے سفیان کو کبھی دیکھا نہیں تھا اس لئے شناخت کے لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کا حلیہ بتایا اور یہ علامت ارشاد فرمائی کہ اسکو دیکھتے ہی تمھارے دل میں خوف پیدا ہوجائے گا۔ جاؤ بسم اللہ کرو اور ہوشیاری کے ساتھ کام کر لاؤ۔

حضرت عبداللہ رضؓ تلوار لیکر روانہ ہوئے اور اس کی اجازت لے لی کہ ظاہری طور پر باتیں بنانے میں کوئی شرعاً ناجائز کلمہ زبان سے نکلے تو چونکہ مصلحت وقت ہے اس لئے مواخذہ کا باعث نہ ہو۔

یہ مسلمان صحابیؓ منازل قطع کرتے ہوئے میدان عرفات کے اُس نشیب میں پہنچے جس کا نام بطن عرنہ ہے اور وہیں سفیان کو دیکھکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی نشان دہی کے موافق پاکر آگے بڑھے اور اس کے پاس جا کھڑے ہوئے سفیان نے دریافت کیا کہ تم کون ہو اور کیوں آئے ہو؟ حضرت عبداللہ نے جواب دیا کہ میں قوم خزاعہ کا ایک مسافر شخص ہوں میں نے سُنا تھا کہ آپ محمدؐ سے جنگ کی تیاری کر رہے ہیں اس لئے حاضر ہوا ہوں تاکہ میں بھی شریک ہوکر بہادری دکھاؤں کیونکہ مجھے فوجی معاملات سے زیادہ دلچسپی ہے۔

سفیان مطلب کی باتیں سُنکر نہایت محظوظ ہوا اور عبداللہ کو اپنے خیمہ میں لے گیا تاکہ جو کچھ موجود ہو اپنے نووارد مہمان کے سامنے رکھے اور حق ضیافت ادا کرے حضرت عبداللہ خیمہ میں گئے اور چکنی چپڑی باتوں سے سفیان کو بہلاتے پھسلاتے اور اپنے آپ کو معتمد اور معتبر مددگار جتلاتے رہے یہانتک کہ موقع پاکر تلوار سے اس کا سر کاٹ لیا اور مدینہ کی جانب روانہ ہوئے۔ راستہ میں ایک تنگ و تاریک غار میں جا چھپے کیونکہ اس کا قوی اندیشہ تھا کہ سفیان کے رشتہ دار میری تلاش میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑیں گے اور درحقیقت یہ خیال بالکل صحیح تھا کیونکہ غار میں گھستے ہی ان لوگوں کے پاؤں کی آہٹ اور گھوڑوں کی ہنہناہٹ سُنائی دی جو حضرت عبداللہ رضؓ کے تعاقب میں روانہ ہوچکے تھے مگر غار ثور کی طرح حق تعالیٰ نے اس غار کی بھی حفاظت فرمائی یعنی مکڑی نے غار کے مُنھ پر جالا پور دیا جس کے باعث تعاقب کرنیوالے جاسوسوں کو غار میں جھانکنے کی جانب توجہ بھی نہیں ہوئی اور اسی طرح چاروں طرف جھپٹ جھپٹا کر تھک گئے اور تمام نیت کی گم شدگی سے مایوس ہوکر واپس ہوگئے۔ حضرت عبداللہ غار سے نکلکر روانہ ہوئے اور منازل قطع کرتے ہوئے مدینہ پہنچے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سفیان ملعون کا دھڑ سے جدا کیا ہوا سر پائے مبارک کے نیچے ڈال دیا۔

سفیان کو اپنی دغا کا معاوضہ مل گیا مثل مشہور ہے " کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے " اگر اس پر بھی نظر انصاف ڈالو تو ایک آدمی کا مقابلہ ایک ہی شخص کر رہا ہے اور وہ بھی دشمن کے گھر پہنچکر۔ بھلا مقابلہ ہی کر دیکھو کہ اس قتل اور رجیع کے معرکہ میں کتنا فرق ہے؟ یہاں پہل دشمن کا ایک شخص مقابل تھا اور وہاں دس مظلوم و مغضوب پر سو تیر انداز جوشیلا حملہ تھا یہاں انتقام تھا اور وہاں ظلم کی ابتدا اور پہلی زیادتی یہاں مقتول کے مددگاروں اور کنبہ میں واقعہ قتل ہوا اور وہاں سنسان جنگل میں بے یار و مددگار مسلمانوں کو قدفد کے ٹیلہ پر تیروں کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ کیسا تفاوت رہا ان دونوں باتوں میں

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کامیابی پر نہایت مسرت ہوئی اور آپ نے اس صلہ میں بہادر صحابی کو ایک عصا مرحمت فرمایا اور جنت کی بشارت دیکر فرمایا کہ تو اس لاٹھی کو جنت کے وسیع باغ کی سیر کے وقت ہاتھ میں رکھیو۔ یہ عصا ہر وقت حضرت عبداللہ رضہ کے ساتھ رہتا تھا یہانتک کہ انتقال کے وقت اپنے ساتھ کفن میں رکھوا لیا اور مرنے کے بعد بھی اس کی علیحدگی پسند نہیں کی۔

اسی سال میں دوسرا جانکاہ حادثہ پیش آیا جس میں ایک جھرنے کے پاس جس کا نام بیر معونہ ہے ستر مسلمان صحابی شہید کر ڈالے گئے جن کو قرّا کہتے ہیں کیونکہ یہ تمام حضرات قرآن مجید پڑھے ہوئے تھے اور سوائے چند مہاجرین کے اکثر انصار تھے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان منتخب اور بزرگ اصحاب کے ساتھ نہایت محبت تھی کیونکہ یہ لوگ رات بھر نماز اور ذکر الٰہی اور قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول رہتے تھے اور دن کو نبی کی ازواج مطہرات کے حجروں میں لکڑی اور پانی پہنچایا کرتے تھے۔

ان مقبول صحابہ کو نجد کا رہنے والا قوم بنی عامر کا ایک شخص دھوکہ سے اپنے ساتھ لے گیا تھا جس کا نام عامر بن مالک تھا اور ابو براء کی کنیت سے زیادہ مشہور تھا جس وقت یہ دغاباز ظالم مدینہ میں پہنچا اور اسلام کی تبلیغ سنی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا کہ مجھے اسلام سے محبت ضرور ہے مگر اپنی قوم کے خوف سے ایمان لاتا ہوا ڈرتا ہوں اگر آپ کچھ سمجھدار واعظ میرے ساتھ کر دیں تو جو میرے وطن میں وعظ کہیں اور میری معزز قوم بنی عامر کو اس پاک شریعت کی رغبت دلائیں تو کیا عجب ہے کہ یہ بہادر قوم بھی اخروی نجات حاصل کرے اور ایک دن آپ کی مددگار بنکر بت پرستوں کا مقابلہ کرے اور اس کا میں ذمہ لیتا ہوں کہ ان قاصد واعظوں کو کسی قسم کی ایذا نہیں پہنچے گی کیونکہ یہ سب میری پناہ میں ہوں گے اور میرے امن دئے ہوئے لوگوں کو بُری نظر سے دیکھنا ہمارے قول شرافت کے بالکل خلاف ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر صحابہ پر حضرت منذر بن عمر کو امیر بنا کر اسکے ہمراہ کر دیا اور نجد کے رؤسا و معزز باشندوں اور قوم بنی عامر کے نام ایک نامہ لکھدیا جس میں پاک مذہب اسلام کی ترغیب اور سچے دین کی دعوت تھی۔

مسلمان واعظوں کی مختصر جماعت مکہ اور عسفان کے درمیان اس جھرنے کے پاس ٹھیر گئی جسکا نام بیر معونہ ہے اور حضرت حرام بن ملحان دو رفیقوں کو اپنے ہمراہ لیکر عامر بن طفیل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک پہنچانے قوم بنی عامر کی جانب روانہ ہوئے اور قریب پہنچکر اپنے ہمراہیوں سے کہا تم یہیں ٹھیرو پہلے میں جاتا ہوں اگر امان ملی اور کسی قسم کی دغا نہیں کی گئی تو تم بھی چلے آنا ورنہ یہیں سے واپس ہو جانا کیونکہ تین کے مارے جانے سے ایک کا مارا جانا بہتر ہے۔

عامر بن طفیل نجدی اس عامر بن مالک کا حقیقی بھتیجا تھا جو ان ستر صحابہ کو لیکر یہانتک آیا ہے اسکو مسلمان کی صورت سے نہایت نفرت تھی اور اہل اسلام کے ساتھ خاص عداوت رکھتا تھا۔ غرض حضرت حرام رضہ بن ملحان آگے بڑھے اور پکار کر کہا کہ میں قاصد ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پیغام پہنچانے آیا ہوں اگر امان پاؤں تو پیغام پہنچاؤں۔"

یہ الفاظ زبان سے نکلے ہی تھے کہ ایک بدبخت ظالم نے پیچھے سے آکر ایسا نیزہ مارا کہ پار نکل گیا اور حضرت حرام صرف اتنا کہکر کہ "فُزْتُ بِرَبِّ الْکَعْبَۃِ" یعنی قسم ہے خدائے کعبہ کی کہ میرا مقصود حاصل ہو گیا" زمین پر گر پڑے اور جان بحق تسلیم ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

عامر بن طفیل نے اپنی قوم بنی عامر کو لڑائی پر آمادہ کیا اور بھڑکایا کہ ان مسلمانوں کو زندہ نہ جانے دو مگر کسی نے حامی نہ بھری کیونکہ اس مختصر جماعت کو عامر کے چچا ابو البراء کی امان و پناہ میں سمجھے ہوئے تھے اس لئے عامر بن طفیل نے اِدھر اُدھر قاصد بھیجے اور گرد و نواح کے کافر قبیلوں سلیم و عصیہ اور رعل و ذکوان کے بہادر سپاہیوں کو بلا بھیجا اور پوری جمعیت لیکر بیر معونہ کو آگھیرا جہاں قرار کا چھوٹا سا گروہ پڑا ہوا تھا۔ غرض دونوں فریق آمادہ جنگ ہوئے اور لڑائی شروع ہو گئی یہانتک کہ واعظوں کی ساری جماعت شہید ہو گئی البتہ دو آدمی بچ گئے جن میں سے ایک کا نام حارث رضؓ بن صمہ تھا اور دوسرے کا نام عمر بن امیہ کیونکہ یہ دونوں رفیق اپنی جماعت کے اونٹوں کو چرانے کے لیے جنگل لے گئے تھے اور اس میدانِ جنگ میں موجود نہ تھے۔ جس وقت یہ دونوں بہادر سپاہی اونٹوں کو لیکر لوٹے ہیں اُس وقت لڑائی کے گھمسان میں غبار اُڑ رہا اور کافروں کے سوار ننگی تلواریں خون آلودہ ہاتھوں میں لئے ہوئے اِدھر اُدھر پھر رہے تھے۔ اس لئے دونوں وہیں رُک گئے اور مشورہ کرنے لگے کہ کیا کرنا چاہیے؟ عمرؓ بن امیہ نے کہا کہ چلو مدینہ واپس چلیں اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بدعہدی و غدر کی اطلاع کریں مگر حضرت حارث نے جواب دیا کہ خبر سب ہو رہیگی آج شہادت مفت ملتی ہے اس کو چھوڑنا گوارا نہیں ہے چلو قدم بڑھاؤ اور کوچ کر جانے والے قافلہ کے رفیقوں میں جا ملو" الغرض نعرہ بخدا دونوں جانباز پہلوان آگے بڑھے اور میدانِ کارزار میں کود پڑے حضرت حارث رضؓ نے دو کافروں کو قتل بھی کیا مگر افسوس کہ دونوں دینی بھائی قید کر لئے گئے اور زندہ گرفتار رہ گئے اس پر بھی حضرت حارث رضؓ کو شوقِ شہادت نے چین نہیں لینے دیا انھوں نے ہاتھ پاؤں چلائے اور دو کافروں کو اس حالت میں بھی جہنم میں پہنچایا اور خود شربت شہادت کا ذائقہ وار گھونٹ پیکر آرام کی نیند پڑ کر سو گئے۔

ان ستر صحابہ میں سے صرف ایک قاری زندہ بچے جن کا نام عمرؓ بن امیہ تھا اور عامر بن طفیل کی قید میں آچکے تھے اور چونکہ عامر بن طفیل کی ماں کے ذمہ کسی بات پر ایک غلام کا آزاد کرنا ضروری تھا اس لئے عمر بن امیہ کو چھوڑنا اُس منت کے ایفا میں محسوب ہوا اور حضرت عمرؓ قیدِ غلامی سے آزاد ہو کر مدینہ کی جانب روانہ ہوئے مگر ان کی پیشانی کے بال کاٹ لئے گئے تاکہ رسم کے موافق بردہ کی آزادی کا نشان ہو جائے۔

انھیں شہدا میں حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کے وہ وفادار غلام بھی شہید ہوئے تھے جن کو ابتدار اسلام میں حضرت صدیق رضؓ نے خرید کر آزاد کر دیا تھا ان کا نام حضرت عامرؓ بن فہیرہ تھا اور یہ ہجرت کے وقت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور مہربان آقا حضرت صدیق رضؓ کے رفیق بھی رہے ہیں۔ اس میدان میں شہید ہوتے وقت ان کی یہ کرامت

نمایاں ہوئی کہ ان کی نعش کو فرشتے آسمان کی جانب اٹھا کرلے گئے اور یہ بات کافروں نے بھی دیکھی۔ ان کے قاتل یعنی جابر بن سلمیٰ کا بیان ہے کہ جب ان کی نعش کو میں نے آسمان پر اڑتے ہوئے دیکھا تو حیران ہو گیا اور جس وقت میں نے نیزہ مارا ہے تو وہ عامر کے پار ہو گیا اور زمین پر گرتے وقت بہادر مقتول کی زبان سے میں نے ایک کلمہ سنا جس کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں نہ آیا یعنی عامر نے کہا "فزت واللہ" کہ بخدا میں نے پالیا۔ میں حیران تھا کہ کس چیز کو پالیا اور مرتے وقت ایسی کونسی شئی ہاتھ آئی جس پر خوشی کا اظہار ہے مگر جب ضحاک بن سفیان سے اس کا مطلب پوچھا اور انھوں نے بتایا کہ جنت کا پالینا مراد ہے۔ تو میرے قلب میں ایمان کے نور کی شعاعوں نے اپنا رنگ جمایا اور میں مسلمان ہو گیا۔

حضرت عمر کی عمر جس وقت شہید ہوئے چالیس سال کی تھی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی عامر کے غدر اور قبیلہ رعل وذکوان اور عصیہ کی بدعہدی اور خلاف معاہدہ کفار کی اعانت کرنے پر نہایت افسوس ہوا اور آپ نے صبح کی نماز میں چالیس روز تک قنوت پڑھی جس میں ان چاروں قبائل کے حق میں بد دعا کی کیونکہ اگرچہ بنی لحیان سے معاہدہ نہ تھا مگر ان کے تینوں مددگار قبائل سے عہد و پیمان تھا۔

ابوالبراء کو اس قصہ سے نہایت رنج پہنچا کیونکہ اس کے بھتیجے نے چچا کے ذمہ اور پناہ میں فتور ڈالا اور اس کو اس قابل نہیں رکھا کہ کسی کو منہ دکھائے اس رنج و صدمہ نے اس کے قلب پر اتنا اثر کیا کہ یہ جاں بر نہ ہو سکا اور انھیں دنوں میں مر گیا۔ عامر بن طفیل کے بر سر مجلس ربیعہ بن ابی براء نے نیزہ مارا جس کو اس سنگدل ظالم نے جھیل لیا مگر چند روز بعد مرض طاعون میں مبتلا ہوا اور طاعونی گلٹیوں سے جان نہ بچا سکا اور حسرت و ارمان بھرا ہوا دل لے کر دنیا سے رخصت ہوا اس بدنصیب احمق نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں کہلا کر بھیجا تھا کہ "مجھ کو چھوٹا آدمی نہ سمجھو یا تو ملک بانٹ دو۔ نرم زمین یعنی دیہات و جنگل پر تم قبضہ رکھو اور شہر میرے حصے میں دیدو یا اپنے انتقال کے بعد مجھ کو خلیفہ بنا جاؤ ورنہ ایک سخت لڑائی کے لئے تیار ہو جاؤ کیونکہ میرا ارادہ تم پر غطفان کے بہادر جنگجو کی جماعت سے زبردست لشکر کشی کا ہے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بد دعا دی اور یہ فرمایا کہ "اللھم اکفنی عامراً" یعنی یا اللہ تو خود ہی عامر کو سلٹ لے مجھ تک نوبت بھی نہ آئے اور اس کا کام تمام ہو جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور طاعون کے مہلک مرض میں مر گیا۔

باب (۵۳)

بنی نضیر پر چڑھائی۔ ہم بتا چکے ہیں کہ بیر معونہ کے شہداء میں حضرت عمر بن امیہ ضمری زندہ بچے تھے جن کو عامر بن طفیل نے قید کر کے چھوڑ دیا تھا یہ حضرت مدینہ کو لوٹتے آرہے تھے کہ راستہ میں اسی قوم بنی عامر کے دو مشرک عربوں کو دیکھا جس نے ان شہداء صحابہ کے ساتھ غدر کیا تھا اس لئے ان کو تاب نہ رہی اور ظالم و جفاکار عامر بن طفیل

سے انتقام لینے کے جوش نے ان کی آنکھوں میں خون اتار دیا چنانچہ انھوں نے تلوار نکالی اور آگے بڑھ کر ان دونوں مسافروں کو دشمن سمجھکر مار ڈالا مگر افسوس ان کو یہ خبر نہیں تھی کہ یہ مشرک مسافر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے راہ داری کا پروانہ اپنے ساتھ رکھتے تھے یہانتک کہ جس وقت حضرت عمر مدینہ منورہ میں پہنچے اور تمام قصہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو کہہ سنایا تو حضرت نہایت مغموم ہوئے اور فرمایا کہ وہ دونوں مسافر تو میری پناہ اور محافظت میں تھے تم نے ان کو کیوں مار ڈالا؟ حضرت عمر نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ میں اس حال سے واقف نہ تھا بے خبری میں ایسا کر بیٹھا اور اب اس کی تلافی کچھ ہو نہیں سکتی۔

بنی عامر نے اپنے دونوں مقتول مسافروں کی دیت مانگنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آدمی بھیجا اور چونکہ اس قتل خطا میں دیت کا مال بھرنا ضروری بھی تھا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تشویش ہوئی کہ یہ مال کس طرح ادا کیا جائے۔ چونکہ آپ سمجھتے تھے کہ کل وہ لوگ جنھوں نے تحریری سند اور معاہدہ کو قبول کیا ہے اور ہر مسلمان بلکہ تمام اہل مدینہ کا یہ فرض ہے کہ خون بہا کا روپیہ جمع کریں اس لئے آپ سب سے پہلے اپنے کئی صحابیوں کے ساتھ قوم بنی نضیر کے پاس گئے اور ان سے روپیہ طلب کیا کیونکہ بنی عامر کے ان دونوں مقتول عربوں کے خون بہا کی بڑی رقم کے ادا کرنے میں معاہدہ کے بموجب سب ہی کو مدد کرنی ضرور تھی۔ یہودی بنی نضیر نے ظاہراً قبول کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھیرنے کے لئے کہا کہ آپ تشریف رکھیں ہم لوگ کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر باہم مشورہ کرلیں اس کے بعد اس امر کا قطعی جواب دیں گے جس کے لئے آپ نے یہاں تشریف لانے کی تکلیف گوارا فرمائی ہے۔

چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جان نثار اصحاب حضرت صدیق و فاروق اکبر اور شیر خدا وغیرہ حضرات کو لیکر ایک دیوار کے نیچے بیٹھ گئے اور ادھر یہودی بنی نضیر نے مشورہ کیا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوار کے اوپر سے پتھر گرا کر شہید کردیں مگر آپ وحی کے ذریعہ سے ان دغا باز مکاروں کی بدنیتی سے واقف ہوگئے اور وہاں سے اٹھکر چلے گئے۔

ہماری گذشتہ تحریر سے معلوم ہو چکا ہے کہ کعب بن اشرف اور ابو رافع کے قتل ہونے اور یہودی قینقاع کے جلاوطن کئے جانے سے قوم بنی نضیر کے دل میں عداوت کی آگ بھڑک اٹھی تھی اور وہ صرف موقع ڈھونڈتے تھے کہ مسلمانوں کا بیج اکھاڑ پھینکیں مگر حق تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی موت و حیات کا اختیار کسی بشر کے ہاتھ میں نہیں دیا اور نہ مذہب اسلام کا ہونہار پھلدار درخت کسی کے کاٹے کٹ سکتا تھا اس لئے یہ ظالم یہودی کچھ نہ کر سکے اور سوائے اپنی دنیا و آخرت تباہ کرنے کے کوئی خوش آیند پھل نہ پا سکے۔

اب اس وقت قوم بنی نضیر نے اپنی حالت کو بالکل ایسا بنا لیا تھا جیسا کسی گذرے ہوئے وقت میں بنی قینقاع کے بدنصیب یہودیوں کا حال تھا وہی دغا بازی تھی اور وہی فریب و جعل سازی وہی شرائط عہدنامہ کی مخالفت تھی اور وہی پیارے پیغمبر کی عداوت و دشمنی اس لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں واپس آتے ہی ان کو بھی وہی حکم

کہلا بھیجا جو بنی قینقاع کو کہلا بھیجا تھا یعنی یہ کہ "یا اسلام لے آؤ یا مدینہ چھوڑ دو" مگر افسوس اس بدنصیب قوم بنی نضیر نے بھی ویسا ہی گستاخانہ جواب دیا جیسا پہلی قوم نے دیا تھا کیونکہ ان کو عبداللہ ابن ابی اور دوسرے منافقوں کی مدد پہ پورا بھروسہ تھا اور سمجھے ہوئے تھے کہ عبداللہ اپنے خفیہ طور پر کئے ہوئے وعدوں کو ضرور پورا کرے گا لیکن انکی جو امید تھی وہ بر نہ آئی اور وقت پڑے پر کسی نے مدد کا نام بھی نہ لیا۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی غدر و خیانت اور بدعہدی دیکھکر اور گستاخانہ جواب سنکر لشکر کشی کی اور ربیع الاول ۴ھ ہجری میں انکی اس گڑھی کو جا گھیرا جس میں یہ قوم آباد تھی اور کامل چھہ روز محاصرہ میں ان کو محصور رکھا ان کی مرغوب جائیداد یعنی قریب وجوار کے باغات میں آگ لگادی اور درختوں کو کاٹ ڈالا تاکہ روح پر صدمہ کھاکر اور رات و دن کی قید سے گھبرا کر تنگ آئیں اور نیچے اتر کر قصہ طے کریں آخر کار یہود گھبرا اٹھے اور صلح کی درخواست بھیجی جس پر حکم ہوا کہ "ہتیار جس قدر بھی ہوں سب چھوڑ جاؤ اور باقی اشیاء منقولہ میں سے جو کچھ لیجا سکو لیکر مع اہل وعیال چلے جاؤ" اس طرح پر قوم بنی نضیر بھی جلاوطن ہوگئی۔ اور مدینہ سے نکلتے وقت اپنے مکانوں کو صرف اس نیت سے توڑ ڈالا کہ مسلمانوں کا قدم ان کے مکانات میں نہ آنے پائے اور اہل اسلام ان ٹوٹے پھوٹے کھنڈروں میں آرام نہ پائیں البتہ کڑی تختہ اور کواڑ وچوکھٹ میں کوئی کوئی چیز ایسی بھی تھی جس کو بیش قیمت یا خوبصورت وکار آمد سمجھکر اپنے چوپایوں پر لادکر ساتھ لے گئے۔

یہ بھی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ترحم اور عالی ظرف متحمل پیغمبر کا دشمنوں کے ساتھ مہربانی وعنایت کا احسان وسلوک تھا جس کی وجہ سے دشمن یہودیوں کی جائیداد منقولہ تک پر قبضہ نہیں کیا گیا ورنہ کونسی خودمختار سلطنت ہے کہ وہ اپنے دشمن و مفسد قوم پر فتح پائے اور یوں مال اسباب لیجانے دے ہمارا خیال تو یہ ہے کہ گستاخ اور مکار دشمنوں کو علی الخصوص ایسے مفسد وسرکش یہودیوں کے ساتھ جو مار آستین بنے ہوئے اسلام کی بیخ کنی میں ہروقت مشغول ہوں سوائے رسالت مآب کی محسن ذات کے کوئی حاکم یا سلطنت کا پادشاہ ایسی رعایت نہیں کرسکتا

اس محاصرہ کے زمانہ میں جس جگہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے چھہ دن تک نماز پڑھی ہے اُس جگہ مسجد تعمیر کردی گئی ہے جس کا نام مسجد شمس ہے اسی مسجد کے قریب اسلامی سپہ سالار کا مبارک قبہ نصب کیا گیا تھا۔ یہ چھوٹی سی مسجد طولاً و عرضاً تخمیناً گیارہ گز مربع سیاہ پتھروں سے بنی ہوئی بلاچھت مسجد قبا کے قریب پورب کی جانب اونچی زمین واقع ہے۔ اس کا پہلا نام مسجد فضیخ ہے مگر اب مسجد شمس ہی کے نام سے زیادہ مشہور ہے اگرچہ اس جدید نام کی وجہ تسمیہ سوائے اس کے اور کوئی سمجھ میں نہیں آتی کہ بہ نسبت ان دوسرے مکانات کے جو اس کے قریب واقع ہیں اس مسجد کا مکان مرتفع اور بلند ہے طلوع شمس اس پر پہلے ہوتا ہے اور آفتاب کی شعاعیں سب سے اول اسی پر پلکوں کی جھاڑو دیتی ہیں مگر پہلا نام یعنی مسجد فضیخ کچھ عجب نہیں کہ اس وجہ سے رکھا گیا ہو کہ حضرت ابوایوب

انصاری معہ اپنے رفقاء اور احباب کے اس مقام پر فضیخ کا استعمال کرتے تھے جو مشروبات میں سے ایک قسم کا نشی شربت سمجھنا چاہیئے اور شروع اسلام میں حلال تھا مگر جس وقت شراب کی حرمت نازل ہوئی اور ان کے کان تک پہنچی تو مشکیزوں کے منھ کھولدیئے اور جس قدر فضیخ جلسہ کے لئے منگائی گئی تھی سب گرادی اس مناسبت سے جس وقت اس جگہ پر مسجد تعمیر ہوئی تو اس کا نام بھی مسجد فضیخ رکھا گیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ان یہودیوں کی زمین وجائیداد اور لڑائی کا تمام جنگی سامان جس کو وہ اپنے ساتھ نہ لیجا سکے تھے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی رضامندی سے مہاجرین صحابہ میں تقسیم کر ڈالا کیونکہ اس زمانہ تک تمام مہاجرین اہل مدینہ کے انصار رض کی سخاوت وامداد کے سہارے پر بسر اوقات کرتے تھے اور اگرچہ مہاجرین وانصار کے درمیان بڑی محبت تھی مگر پھر بھی مہاجرین کو اپنی عالی ہمتی کے باعث انصار پر زیادہ بار ڈالنا گوارا نہ تھا اس لیئے انصار نے یک زبان ہوکر نہایت خوشی کے ساتھ عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہودیوں کا سارا مال ہمارے مہاجرین بھائیوں کو دیدیجیے بلکہ ہم لوگ بھی ان کو کچھ اپنے پاس سے دیتے ہیں تاکہ ہماری طرح اطمینان کی زندگی بسر کرسکیں بغرض اس طرح پر مہاجرین کے بار معیشت سے انصار کو سبکدوشی حاصل ہوگئی اور بنی نضیر کے خانمان خراب یہودی زیادہ تر خیبر کے پاس جابسے اور کچھ ادھر ادھر ملک شام اور ضمیر کی طرف چلے گئے۔

اسی محاصرہ کے وقت شراب کی حرمت نازل ہوئی اور اسی سال شوال کے مہینہ میں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں کیونکہ ان کے خاوند ابو سلمہ کا انتقال ہوچکا تھا اور انھوں نے یہ حدیث سنکر اپنے ہر دلعزیز پیارے شوہر کے مرتے وقت کلمہ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ ؕ پڑھا تھا کہ جو شخص کسی مصیبت پر اس آیت کو پڑھیگا اس کو دنیا میں بھی نعم البدل ضرور ملے گا۔ اس کے بعد یہ اس انتظار میں تھیں کہ ابوسلمہ سے بہتر کون ہے جس کی زوجیت کا مجھکو فخر حاصل ہو اور اس کو مرحوم خاوند کا نعم البدل سمجھوں چنانچہ وہ خیال آج پورا ہوا اور فرمان سراپا اذعان کی تصدیق ہوئی کہ دین ودنیا کے سردار نے زوجیت میں قبول فرمایا۔

اسی سال ام المومنین حضرت زینب رض بنت خزیمہ کا انتقال ہوا اور اسی سال میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی والدہ فاطمہ بنت اسد نے وفات پائی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ ؕ۔

اسی سن میں حضرت زید بن ثابت نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یہود کی اصل زبان کی خط وکتابت سیکھنی شروع کی تاکہ ان کے مخفی معاملات اور اسرار ورموز کو معلوم کرسکیں اور اسی سال یہودی ویہودیہ کی سنگساری کا قصہ پیش آیا جس کو اختصار کی غرض سے چھوڑا جاتا ہے۔

باب (۵۳) چہارم

بدر صغریٰ اور ذات الرقاع۔ ہم بیان کرچکے ہیں کہ قریشی لشکر کا سردار ابوسفیان جنگ احد سے واپس ہوتے

وقت کہہ گیا تھا کہ سال آئندہ بدر کے میدان میں ہماری تمہاری لڑائی پھر ہوگی چنانچہ جب وہ زمانہ قریب آیا تو ابوسفیان کو اپنا وعدہ یاد آیا مگر اتنی جرأت کہاں سے لاتا کہ وعدہ وفا کرتا اور میدان جنگ میں قدم دھرتا لیکن اس کے ساتھ ہی اس کو اپنی مطعونیت کا بھی اندیشہ ہوا کہ سننے والے بزدل اور بے وفا کہیں گے اس لئے اس نے چاہا کہ مسلمانوں کو خوف زدہ بنائے اور ایسا حیلہ کرے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کسی طرح بدر میں نہ آئیں۔ اور جو کچھ ہونا ہو اسلامی لشکر کے سر دھر کر ہو تاکہ میری بدنامی نہ ہونے پائے اور تجارت نہ اٹھانی پڑے چنانچہ اس نے نعیم بن مسعود کو بیس قراضہ زر دینے کا وعدہ کیا اور کہا کہ "تم مدینہ جاؤ اور اسلامی لشکر کو خوف دلاؤ کہ ابوسفیان نے تمہارے مقابلہ کیلئے بڑا بھاری لشکر جمع کیا ہے اور بدر میں آیا چاہتا ہے اس ٹڈی دل بہادر لشکر کا تم سے مقابلہ ہرگز نہیں ہوسکے گا اگر تم بدر میں گئے تو نیست و نابود کر دیئے جاؤ گے" نعیم مدینہ میں آیا اور اہل اسلام کے دلوں میں خوف اور ہیبت پیدا کرنی چاہی مگر یہ مسلمان وہ مسلمان نہ تھے جن کو دشمن کی فوج کے زیادہ ہونے سے ہول و ہراس ہوتی یا ڈرتے اور گھبرا جاتے اس لئے نعیم کا منشا پورا نہ ہوا اور اس نے جس مسلمان سپاہی سے یہی سنا یہی سنا کہ "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيل" ہمیں اللہ کافی ہے اور وہی بہتر کام سنوارنے والا ہے۔

چوتھے سنہ ہجری کا ماہ ذی قعدہ شروع ہوا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایفائے وعدہ کی غرض سے بدر کے میدان میں پہنچنے کی تیاری شروع کر دی ڈیڑھ ہزار بہادر سپاہیوں کا اسلامی لشکر اپنے مہربان سپہ سالار اور حق تعالیٰ کے سچے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ماتحتی میں مقام بدر پہ پہنچا جہاں ابوسفیان سے مقابلہ کا وعدہ تھا مگر میدان بالکل خالی نظر آیا کیونکہ یہ تو محض دھمکی ہی دھمکی تھی اور خلاف وعدہ و بزدلی کے دھبہ سے بچنے کے لئے ٹٹی کی اوٹ شکار کھیلنا مقصود تھا ورنہ کافروں کے دلوں میں جو خوف بیٹھا ہوا تھا اس نے تو مکہ سے قدم بھی باہر نکالنا دشوار کر دیا تھا۔ الغرض رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مع اسلامی لشکر کے چند روز وہاں قیام فرمایا اور پھر سالماً غانماً مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔

ہجرت کا پانچواں سال آگیا اور محرم کے مہینہ میں غزوہ ذات الرقاع ہوا اس غزوہ کا نام ذات الرقاع (چیتھڑوں والی لڑائی) اس لئے ہوا کہ صحابہ کے پیادہ پا اور ننگے پاؤں ہونے کی وجہ سے پاؤں زخمی اور ناخن ٹوٹ گئے تھے اس لئے پاؤں میں چیتھڑے لپیٹ لئے تھے کیونکہ سات سات سپاہیوں میں ایک سواری تھی جس پر باری باری سوار ہوتے اور چڑھتے اترتے چلے جاتے تھے اسی غزوہ میں صلوٰۃ خوف شروع ہوئی ہے کیونکہ یہاں محاربہ وقتال کچھ نہیں ہوا صرف فریقین نے ایک دوسرے کو اپنی جماعت اور بہادرانہ ہمت دکھا کر ڈرایا تھا بعض روایتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ غزوہ خیبر کی ساتویں جنگ کے بعد ہوا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ذات الرقاع اس غزوہ کا نام ہے جو نجد کی جانب ہوا ہے اور چونکہ نجد کی جانب اسلامی لشکر کو کئی دفعہ سفر کرنیکا اتفاق پیش آیا ہے اس لئے ممکن ہے جو راوی جنگ خیبر کے بعد کا واقعہ لکھ رہے ہیں وہ دوسرا سفر ہو اور یہ غزوہ نجد

کی جانب پہلی مرتبہ سفر کرنے کا واقعہ ہو اور یہ بھی ضرور نہیں کہ وجہ تسمیہ صرف ایک ہی ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ ایک نام کئی کئی وجہ سے رکھا جائے چنانچہ ذات الرقاع ایک مقام کا نام بھی ہے جس کی زمین پر پڑے ہوئے ریت میں کئی کئی رنگ ہیں گویا پیوند معلوم ہوتے ہیں اور رقاع عربی زبان میں رقعہ کی جمع ہے جس کے معنی رنگ کے اختلاف اور پیوند کے ہیں اسی طرح ذات الرقاع اس سفر اور لشکر کشی کے غزوہ کا بھی نام ہو سکتا ہے جس میں مختلف رنگ کے گھوڑے موجود ہوں۔ بہرحال یہ تینوں وجوہ کتابوں میں نظر سے بھی گذرے ہیں اور یہ بھی معتبر تواریخ سے ثابت ہے کہ نجد کی جانب تین مرتبہ اسلامی لشکر کو سفر کرنے کا اتفاق پیش آیا اس لیئے قیاس اور قرینہ اسی بات کو چاہتا ہے کہ جنگ خیبر کے بعد وہ سفر پیش آیا جس کی انتہا مقام ذات الرقاع تک تھی اور یہ قضیہ جنگ خیبر سے قبل ۵ھ ہجری میں پیش آیا ہو جس کو ننگی پاؤں کے چیتھڑوں کی مناسبت سے ذات الرقاع کہا گیا ہے۔ بہرحال جو کچھ بھی ہو غزوہ ذات الرقاع اور اسی میں صلوٰۃ خوف کی بطریق مشہورہ امام کے پیچھے ایک ایک رکعت میں شرکت جس طرح کتب فقہ میں مذکور ہے مشروع ہوئی اور تاریخ و سنہ کا واقعی اور سچا علم سب سے بہتر حق تعالیٰ کو ہے۔

اس غزوہ میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام مقام نخل میں جو مدینہ سے دو یوم کی مسافت ہے اُس وادی میں ہوا تھا جس کا نام شدخ ہے۔

واپسی میں اسلامی لشکر کا گذر ایک کانٹے اور جھاڑیوں کے جنگل میں ہوا جس میں دوپہر کا وقت ہو جانے کی وجہ سے مسلمانوں نے پڑاؤ کیا اور تھوڑی دیر پڑ کر سو رہنے اور آرام لینے کی غرض سے اِدھر اُدھر دیکھکر سایہ دار درختوں کے نیچے منتشر ہو گئے اور قیلولہ کرنے لگے۔ اسلامی سپہ سالار یعنی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خیمہ سے کچھ دور ایک کیکر کے درخت پر تلوار لٹکا دی اور اُسی کے نیچے آرام کی نیند پڑ کر سو گئے یکایک آنکھ کھلی اور دیکھا کہ ایک کافر بدوی تلوار سونتے سر ہانے کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اب بتاؤ کون ہے جو اس وقت تمہاری جان بچائے؟ سب جانتے ہیں کہ تیز رفتار گھوڑے گھوڑدوڑ کے وقت اور بہادر پہلوان امتحان کے وقت پہچانے جاتے ہیں اور وقت پڑے پر ہی اندازہ ہو سکتا ہے کہ توکل کس کا نام ہے اور قدرتی استقلال و شجاعت کس کو کہتے ہیں۔ یہ ایسا وقت تھا کہ بڑے بڑے بہادر اور ہمت والے دلیر سرداروں پہ ہیبت چھا جاتی اور پاؤں لڑکھڑا جاتے ہیں کیونکہ تنہائی کا عالم تھا اور ہاتھ خالی دشمن سر پر کھڑا تھا اور تلوار سونتے ہوا تھا کون ہے جس کو اپنی پیاری جان عزیز نہیں۔ مگر یہاں تو اُن تمام خوبیوں کا مجسم نمونہ تھا جو ہر دلعزیز اور قابل تعریف مرد میں ہونی چاہئیں اس لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر مطلق بھی خوف کا اثر نہیں ہوا اور آپ نے نہایت استقلال کیساتھ جواب دیا کہ "خدا بچائیگا" اس سچے جواب اور با اثر لفظ کا دشمن پر ایسا اثر ہوا کہ خوف کے مارے تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ پڑی اور بدن کپکپانے لگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گری ہوئی تلوار کو اُٹھا لیا اور اس کے سامنے کھڑے ہو کر پوچھا کہ اب تو بتلا کہ اس

وقت تیرا بچانے والا کون ہے؟ اس نے کہا "افسوس کوئی نہیں" آپ نے فرمایا کہ رحیم ہونا مجھ سے سیکھ اور یہ فرما کر تلوار کو نیام میں کر لیا گویا آپ نے اپنی فضیلت و برتری کی کھلی سند اس کو دکھلا دی اور بتلا دیا کہ درحقیقت شفقت رحمدلی اور خدا پر بھروسہ واعتماد خدا کے پیغمبر ہی سے سیکھنا چاہیئے اس ارشاد وسراپا رشاد کا اس بدو کے دل پر اتنا بڑا اثر ہوا کہ وہ مسلمان ہو گیا اور آئندہ یہ حضرت بڑے پکے دینداروں میں شمار کئے گئے جن سے مخلوق کو بہت فیض پہنچا اور مشہور ہوئے۔

اسی ہجری کے پانچویں سنہ میں صلوٰۃ خسوف شروع ہوئی اور اسی سال حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سے گرے اور ران میں چوٹ آئی تھی جس کے صدمہ سے پانچ روز تک دولتسرا کے اندر نماز بیٹھ کر ادا کی اور مسجد نبوی میں تشریف نہ لا سکے اور اسی سال حج کی فرضیت نازل ہوئی مگر چونکہ یہ فرض ہوقت نہیں ہے کہ فوراً ادا کیا جائے اس لئے آپ نے اداؔ نویں سال میں کیا ہے جو حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے اور بعض روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ فرضیت و مشروعیت بھی بعد ہی میں ہوئی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

باب ششم (۵۴)

اسلام کی تیسری جنگ مریسیع۔ پانچویں سنہ ہجری کے مبارک مہینہ ربیع الاول میں غزوہ دومۃ الجندل واقع ہو چکا تھا جس میں قبیلہ بنی کلب کے ان کافر بدوؤں کا سر کچلنے کے لئے اسلامی فوج روانہ ہوئی تھی جو دومۃ الجندل کے پاس رہتے تھے اور اہل مدینہ پر کئی مرتبہ حملہ کر چکے اور ڈاکہ ڈال چکے تھے مگر بھگوڑے کافر سامنے نہیں پڑے اور بلا مقاتلہ و حرب مسلمانوں کو واپس ہونا پڑا۔

شعبان کی دوسری تاریخ کو غزوہ مریسیع واقع ہوا جس کا دوسرا نام "بنی المصطلق کا غزوہ" ہے یہی وہ مشہور جنگ ہے جس میں حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگائے جانے کا مشہور واقعہ گذرا ہے جس کو امت محمدیہ قیامت تک بھی نہیں بھول سکتی اسی اسلامی جنگ میں حارث کی بیٹی حضرت جویریہؓ قید ہو کر کے لائی گئی تھیں جن کا پہلا نام برہ ہے اور جن کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم آزاد کر کے اپنے نکاح میں لائے اور پیغمبر کی زوجیت کا شرف مرحمت فرمایا تھا۔

مریسیع ایک چشمہ کا نام ہے جو قبیلہ خزاعہ کے بدوؤں کا کہلاتا ہے اور مقام فرع سے ایک دن کی مسافت پر واقع ہے اور مصطلق جذیمہ بن سعد کا لقب ہے جس کی برادری سے یہ جنگ ہوئی تھی۔

ایک مؤرخ کا یہ بھی بیان ہے کہ تیمم کی آیت اسی غزوہ میں نازل ہوئی تھی کیونکہ راستے میں ایک ایسے مقام پر اسلامی لشکر نے چھاونی ڈالی تھی جہاں پانی کا نام نہ تھا نہ کوئی کنواں قریب تھا نہ کسی چشمہ کی سرسراہٹ تھی اس جگہ زیادہ ٹھیرنے کا باعث صرف حضرت عائشہؓ کی گردن کا ہار تھا جو گم ہو گیا تھا اور اس کو تلاش کیا جا رہا تھا نماز کا بھی وقت آ گیا اور پیاس کی تکلیف نے بھی مسلمانوں کو پریشان کر دیا مگر گم شدہ ہار نہ ملا حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنی

لخت جگر اور پیاری بیٹی حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس آئے اور خفا ہو کر کہنے لگے کہ اس تکلیف کا سبب تم ہی بنی ہو تم نے ذراسی بے احتیاطی اور غفلت سے ہار کھو دیا اور اسلامی لشکر کو ایسے لق و دق میدان میں لا ڈالا جہاں پانی ملتا نہیں اور مسلمانوں کو تشنگی کے علاوہ نماز کی سخت حیرانی ہے۔ باپ کا بیٹی پر یہ غصہ ہو ہی رہا تھا کہ آثار وحی نمودار ہوئے اور جبریل امین وحی ربانی لیکر اُترے اور تیمم کی آیت حوالہ کی۔ حضرت اسید بن حضیر انصاریؓ یہ آسمانی نعمت اور حق تعالیٰ کی اپنے مسلمان بندوں پر شفقت دیکھکر کہنے لگے کہ اے ابو بکرؓ کی اولاد یہ بھی تمہاری برکتوں میں سے ایک برکت ہے جس کی بدولت مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے آسانی حاصل ہوگئی اور اذن مل گیا کہ جہاں بھی پانی نہ ملے یا خوف ہو وہاں زمین پر دو مرتبہ ہاتھ مارکر ہاتھوں اور منہ پر پھیر لو اور وضو کے قائم مقام سمجھو۔

تھوڑی دیر بعد محمل اُٹھایا گیا تو گم شدہ ہار بھی مل گیا کیونکہ اس تھوڑی دیر کی پریشانی میں تو حق تعالیٰ کو حضرت صدیقہؓ کا تمام مسلمانوں کی گردن پر اس سہولت و رخصت کا احسان ہی رکھنا منظور تھا جس سے امت محمدیہ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

چونکہ اس غزوہ کا سب سے زیادہ مشہور واقعہ قصہ افک ہے یعنی حضرت عائشہ پر بہتان کا باندھا جانا اس لئے اسی کو بیان کرکے آگے چلتے ہیں۔ البتہ اس مقام پر اتنا بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مذہب اسلام کے ابتدائی محققین اور بعض مؤرخین نے اس غزوۂ مریسیع اور قصۂ افک کو ہجری کے چھٹے سال کا قصہ بیان کیا ہے اور چونکہ غزوات اور اسلام کے ابتدائی واقعات کی تاریخ و سال کے تقرر میں بہت ہی کچھ اختلاف ہے اس لئے اشارۃً اس اختلاف کے بیان کر دینے میں ہم معذور بھی ہیں۔

جو شخص فن تاریخ کے لکھنے یا انتخاب کرنے کی صعوبت سے واقف ہے اور پھر اس کے ساتھ ہی مقدس مذہب اسلام کے ان واقعات پر نظر ڈالے جو ایسے وقت میں ہوئے ہیں جبکہ کسی کو کتابت و تدوین کی جانب توجہ نہ تھی اور سال و مہینہ کا یاد رکھنا کوئی قابل اعتبار بات نہیں سمجھی جاتی تھی اور نہ فن تاریخ کو کسی نے مفید یا کارآمد کام سمجھا تھا وہی شخص خوب اندازہ کر سکتا ہے کہ سچے قصوں کا تذکرہ کس قدر مشکل ہے اور اس وقت مؤرخ کو کن کن دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور کیسی کیسی دماغی قوت سے کام لینا پڑتا ہے اس لئے کہ یہ واقعات وہ تاریخی کہانیاں نہیں ہیں جن میں جس طرح چاہا بے باکانہ قلم اُٹھا دیا اور جب چاہا دل میں بیٹھے ہوئے من گھڑت مضمون کا ناول بنا کر لکھ دیا اور بچوں کو سلانے کیلئے لوریاں دینے اور تھپکنے کے عوض یا ضعف دماغ کے باعث زیادہ جاگنے والے کو میٹھی نیند سلانے کیلئے رات کو مسہری پر لیٹ کر سنا دیا۔ یہاں مؤرخ کو روک روک کر قلم چلانا پڑتا ہے اور اسکو متعدد احادیث اور کئی کئی معتبر و مستند کتابوں کی تحریر پر نظر ڈالنی پڑتی ہے اور ہر قول سیاق و سباق کو ملحوظ رکھنے اور مختلف روایتوں اور متفرق اقوال میں تطبیق دینے اور مناسبات و اشارات سے خلاصہ کے طور پر اپنا مطلب اخذ کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔

اس وقت میری نظر کے سامنے صحاح احادیث کی معتبر کتابیں اور مغازی و سیر کی کئی تاریخیں رکھی ہوئی ہیں جنکو

متعدد بیانات پر میری نظر ہے اور جن تاریخ و سنہ کے اختلافات ہیں جس وقت گھبرا اٹھتا ہوں تو خلجان رفع کرتے وقت اپنے مستند شیخ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرکے ان کی تحریر اور ترجیح پر کاربند ہوتا ہوں باقی اس میں شک نہیں کہ صحیح اور سچا علم تو اللہ کا ہے اور وہی سب سے بہتر جاننے والا ہے انسان جو کچھ جانتا اور سمجھتا یا لکھتا اور سنتا ہے اپنی سعی اور کوشش کے مطابق اور لیاقت و قابلیت کے موافق اسی بحر زخار سے اپنا برتن لبریز کرتا ہے جس کے کنارہ کا آج تک کسی کو پتہ نہیں لگا اور نہ قیامت تک لگ سکے:

باب (۵۵)

حضرت عائشہؓ پر بہتان۔ اس مشہور واقعہ کا نام قصہ افک ہے کیونکہ افک کے معنی کسی پر بہتان باندھنے اور جھوٹی تہمت لگانے کے ہیں اور اس قصہ میں منافقوں نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی سب میں زیادہ پیاری بی بی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو زنا کی تہمت لگائی تھی اور چند مسلمان بھی نادانی و ناواقفیت کے باعث ان کے ہمزبان ہو گئے تھے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ سفر کے وقت ازواج مطہرات کے ناموں پر قرعہ ڈالتے تھے اور انھیں کو ساتھ لیجاتے تھے جن کے مبارک نام پر قرعہ نکلتا تھا چنانچہ حسب دستور غزوہ مریسیع کے سفر کے وقت بھی قرعہ ڈالا گیا اور حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ کے نام نکلا اور یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ گئیں۔

جنگ سے فراغت ہو چکی اور اسلامی لشکر نے واپسی میں ایک پڑاؤ پر قیام کیا جہاں صبح ہوتے حضرت صدیقہؓ قضائے حاجت کو جنگل میں ذرا فاصلہ پر نکل گئیں اور جھٹ پٹے کا وقت تھا صبح صادق نے اچھی طرح روشنی کی جھلک نہیں دکھائی تھی کہ ان کی واپسی میں گلے کا ہار ٹوٹ گیا اور راستہ میں گم ہو گیا جس کی خبر ان کو اس وقت تک بھی نہیں ہوئی جبتک کہ اپنے خیمہ کے پاس نہ پہنچ لیں۔ آکر کھڑی ہوئی تھیں کہ گلے پر ہاتھ جا پڑا اور ہار گم پاکر حیران ہو گئیں اور اس کی تلاش میں الٹے پاؤں اسی جنگل کی جانب لوٹیں جہاں قضائے حاجت کے لئے ابھی تشریف لے گئی تھیں گم شدہ ہار کی تلاش میں دیر لگ گئی اور آکر دیکھا تو قافلہ کوچ کر چکا تھا اور سوائے دور سے گرد و غبار نظر آنے کے ہمراہیوں میں سے کسی کا اسباب بھی نہیں رہا تھا کیونکہ عرصہ ہوا کوس رحلت ہوتے ہی کارواں اٹھ کھڑا ہوا تھا اور حضرت صدیقہؓ کا خالی محمل بھی اس غلط گمان سے اونٹ پر لاد لیا گیا تھا کہ حرم محترم اس کے اندر بیٹھی ہوئی ہیں اور چونکہ عفت مآب خاتون کم عمر اور نہایت دبلی پتلی ہلکی پھلکی عورت تھیں اس لئے محمل اٹھانے والے کو خالی اور بھرے ہوئے میں مطلق امتیاز نہ ہوا اور اس جانب وہم و خیال بھی نہیں گیا کہ شاید بی بی عائشہؓ کسی ضرورت کیلئے باہر گئی ہوئی ہوں

حرم محترم نے گم شدہ ہار تو پالیا مگر یہ دیکھکر کہ میں لق و دق میدان میں تن تنہا کارواں سے بچھڑی ہوئی کھڑی ہوں حیران و پریشان ہو گئیں اور مجبوراً اس خیال سے اسی جگہ بیٹھ گئیں کہ اگلے پڑاؤ پر جس وقت میرے پیارے

شوہر مجھکو گم پائیں گے تو ضرور میری تلاش میں کسی آدمی کو بھیجیں گے اور ضرور ہے کہ وہ آدمی پہیں آئے گا جہاں میرا محمل اتارا گیا تھا اور درحقیقت کوئی ہونہار عفت مآب کم سن دنیا تجربہ کار عورت بیبات اس سے زیادہ عقلمندی اور ہوشیاری کی تدبیر ایسے وقت کر بھی نہیں سکتی جبکہ پاؤں میں چلنے اور دوڑ کر اس کا تعاقب کرنے کی طاقت نہ پائے اور بچھڑے ہوئے مسافر کو اپنے قافلہ کے ہمراہیوں میں جا شامل ہونے کی قوت وقدرت نہ ہو اس لئے بی بی عائشہؓ نے چاروں طرف سے چادر سمیٹ کر اپنا سارا بدن اچھی طرح چھپالیا اور کپڑا اوڑھ کر منہ سر لپیٹے وہیں پڑ کر سو گئیں۔

ہر تجربہ کار قافلہ کے پیچھے ایک ہوشیار سپاہی اس غرض سے رکھا جاتا ہے کہ قافلہ کی گری پڑی چیز اٹھاتا رہے اور کچھ فاصلہ پر رہے تاکہ کوچ کر جانے والے قافلہ کے پڑاؤ پر کارواں کی روانگی کے تھوڑی دیر بعد جا پہنچے اور قافلہ کا اسباب ضائع نہ ہونے دے چنانچہ اس قافلہ کے وہ نیک دل بہادر سپاہی جو اس خدمت پر تعینات تھے ایک سادہ لوح پکّے دیندار مسلمان تھے جن کا نام صفوان بن معطل تھا۔

حضرت صفوان اپنی مقررہ خدمت کی سرانجامی کے لئے ادھر ادھر نظر دوڑاتے اونٹنی پر سوار چلے آتے تھے کہ ایک گٹھری سی پڑی ہوئی نظر پڑی اور یہ اس کی جانب قافلہ کا گرا ہوا سامان سمجھکر لپکے اور پاس آ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ نظر نے غلطی کی کیونکہ یہ کپڑوں یا اسباب سفر کی گٹھری نہ تھی بلکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری بی بی حضرت عائشہؓ تھیں جو منہ لپیٹے پاؤں سکیڑے پڑی تھیں اور جن کو پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کبھی کبھی صفوان نے دیکھا بھی تھا اور یہی وجہ اس وقت اس قدر جلد پہچان لینے کی بھی ہوئی۔

حضرت صفوان کی آنکھوں کے تلے اندھیرا چھا گیا اور بکمال حسرت وافسوس کے لہجہ میں یہ چلّا اٹھے کہ "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" اس آواز نے بی بی عائشہؓ کو جگا دیا اور وہ بیدار ہو کر فوراً اٹھ کھڑی ہوئیں اور چادر سے منہ چھپا لیا کیونکہ پردہ کا حکم نازل ہوئے پیچھے کسی نامحرم مرد کو دیکھنا یا چہرہ دکھانا حرام تھا۔

صفوانؓ اپنی اونٹنی سے نیچے اتر پڑے تھے اور مہار تھامے کھڑے کہہ رہے تھے کہ آپ اس پر سوار ہو جائیں تاکہ نیازمند غلام سواری کی مہار تھام کر لپکا ہوا چلے اور اپنے سپہ سالار کی حرم کو قافلہ میں تشویش وفکر لاحق ہونے سے پہلے پہنچا دے چنانچہ حضرت عائشہؓ اونٹنی پر سوار ہوئیں اور دوپہر سے پہلے پہلے اپنے پیارے شوہر اور دینی ودنیاوی سردار سے آ ملیں۔

بات تو صرف اتنی تھی جو ہم نے بیان کی مگر منافقوں کو زبان درازی کا موقع ہاتھ آ گیا اور ان بے حیا اور بدنصیب لوگوں نے عفت مآب خاتون کو نیک نیت ایماندار مسلمان حضرت صفوانؓ کے ساتھ بری حرکت سے متہم کیا اور اس افواہ کو مدینہ کے کوچہ و بازار میں بہت جلد پھیلا دیا جدھر دیکھو یہی چرچا پھیلا ہوا تھا اور جہاں سنو اسی لغو اور بے اصل قصہ کا تذکرہ تھا اس بلا میں تین مخلص مسلمان بھی مبتلا ہو گئے تھے جن میں دو مرد تھے یعنی حضرت حسان بن ثابتؓ اور مسطح

بن اثاثہ رضؓ اور ایک عورت تھیں جن کا نام حمنہ رضؓ بنت جحش تھا۔

بیچاری حضرت عائشہ رضؓ کو کچھ خبر نہ تھی کہ مدینہ میں ان کے متعلق کیا مشہور ہو رہا ہے اور منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی نے کیا افترا باندھا ہے۔ ان کو سفر سے واپس آ کر بخار چڑھ آیا تھا جس کی اکثر اوقات تیزی کے باعث بیہوش پڑی رہتی تھیں اور اس حال میں اپنے پیارے شوہر کا رُخ بدلا ہوا پا کر رنج کے باعث اور زیادہ نڈھال ہو گئیں تھیں کیونکہ دیکھتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محبت سے بات نہیں کہتے اور کبھی تشریف بھی لاتے ہیں تو عیادت کرتے وقت خطاب ہی نہیں فرماتے صرف پاس بیٹھنے والی تیمار دار سہیلیوں سے اتنا پوچھکر تشریف لیجاتے ہیں کہ "ان کا کیا حال ہے؟"

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خبرِ بد نے نہایت صدمہ پہنچایا اور اس افواہ کی شہرت نے سمندِ ناز پر تازیانہ کا کام دیا۔ آپ نے اپنے معتمد صحابہ سے مشورہ بھی لیا اور سب نے عفت مآب خاتون کی پاکدامنی کا اظہار کیا البتہ چند حضرات نے خاطر عاطر کا صدمہ دیکھکر یہ بھی عرض کیا کہ اگر حضرت کو رنج زیادہ ہے تو چھوڑ دیجئے۔ دوسری پاکدامن عورتیں اس فخر کو حاصل کرنے کیلئے موجود ہیں۔ مگر جو رنج رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بدشہرت پر ہوا تھا وہ کسی طرح رفع نہ ہوا اور آپ نے یک لخت محبت کے وہ علاقے قطع کر دیئے جو حضرت صدیقہ رضؓ کے ساتھ وابستہ تھے اور آپ نے اس بے تعلقی سے ثابت کر دیا کہ آپ کو بی بیوں کیساتھ جو کچھ بھی محبت ہے وہ محض اللہ واسطے اور صرف اس غرض سے ہے کہ نصف دین جو انسان کے نوعی آدھے ٹکڑے یعنی عورتوں کی صنف کے ساتھ تعلق رکھتا ہے وہ متعدد بی بیوں کے ذریعہ سے پورا ہو جائے۔ اور اس کے علاوہ تعدد ازدواج سے کوئی دنیاوی غرض مقصود نہیں ہے جیسا کہ دشمنوں کا خیال ہے ورنہ اس قصہ کا خیال نہ کرنا اور نفس کے مقتضا کے موافق اصل محبت کا قائم رکھنا کوئی بڑی بات نہ تھی۔

اس قصہ سے یہ امر اچھی طرح ظاہر ہو گیا کہ آپ کسی بشر کی محبت میں مجبور نہیں ہیں اور نہ آپ کو کسی صحابی یا رشتہ دار یا پیاری اور چاہیتی بی بی کے ساتھ ایسا انسیت کا علاقہ ہے جو دینی مضبوط علاقہ پر غالب آجائے اور محبوب کے عیوب و نقائص کو بھی محاسن و خوبیاں بنا کر دکھانے لگے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضؓ کی معتمد اور نگران حال باندی حضرت بریرہ کو بھی علیحدہ بلا کر حالات کی تفتیش کی اور اس دیندار سچی عورت سے پوچھا کہ عائشہ رضؓ کے چال چلن اور امورات کے متعلق بے کم و کاست قصہ خدا کو حاضر ناظر جان کر سچ سچ بیان کرو تاکہ مجھے اپنے پریشان خیالات کو یکجا کرنے کی تائید ہاتھ آئے۔

چنانچہ حضرت بریرہ نے قسم کھا کر عرض کیا کہ بجز اس کے کہ بھولی بھالی اور ناتجربہ کار بچی ہیں خدانخواستہ اور کوئی عیب نہیں ہے۔ مزاج میں بچپن اور بے پروائی البتہ موجود ہے۔ آٹا رکھا ہوا ہو تو خبر نہیں لیتیں پڑ کر سو جاتی ہیں۔ خمیر گوندھ کر رکھدیتی ہیں بکری آئے اور کھا جائے تب بھی کچھ پرواہ نہیں کرتیں۔ خانہ داری کے معاملات میں چھل بل

اور ہوشیاری و فطرت کا مادہ بیشک کم ہے اور اس کے سوائے خدا کی قسم کوئی ایسی بات نہیں ہے جس پر بدگمانی کیجائے یا کسی کو شبہ کا موقع ہاتھ آئے۔ مگر اس پر بھی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بی بی عائشہؓ کی طرف سے صاف نہیں ہوا اور آپ منتظر تھے کہ جب تک علام الغیوب اور دلوں کے مخفی حالات کا جاننے والا خدا آسمانی وحی کے ذریعہ سے اس قصہ کو طے نہیں فرمائے گا اس وقت تک میں اس عورت سے کوئی ربط و ضبط کا علاقہ نہ رکھوں گا جس کے متعلق مدینہ میں ایسی بری خبر مشہور ہو چکی ہے۔

بی بی عائشہؓ مرض کی نقاہت کے علاوہ اس رنج میں گھلی جاتی تھیں کہ پیارے شوہر کی وہ محبت بھری نظریں بالکل پھری ہوئی ہیں جو ہمیشہ سے ان پر قائم رہی ہیں اور وہ لطف و کرم اور الفت کا برتاؤ نام کو بھی نہیں جو چند روز پہلے تھا خدا جانے کیا سبب ہے جس کی وجہ سے یوں کایا پلٹ گئی یہاں تک کہ ایک روز مرض سے کچھ افاقہ ہوا اور حضرت عائشہؓ اپنی سہیلی یعنی مسطح کی والدہ کے ساتھ قضائے حاجت ضروری کے لئے جنگل روانہ ہوئیں کیونکہ اس وقت تک آبادی میں گھروں کے اندر پاخانہ اور قدمچہ بنانے کا بالکل رواج نہ تھا اور تمام شریف زادیوں کو شب کے وقت یا اندھیرے منھ صبح کے جھٹ پٹے کے وقت روزانہ بضرورت جنگل جانا پڑتا تھا۔

گھر کو واپس ہوتے وقت راستہ میں مسطح کی والدہ کا پاؤں چادر میں الجھا اور انھوں نے جھٹکا کھاتے وقت اپنے بیٹے کا نام لیکر ایسا کلمہ کہا جو کوسنا اور بد دعا ہے یعنی "تعس مسطح" (مسطح ہلاک ہو جیو)

اس نازیبا کلمہ کو حضرت عائشہؓ نے سُنکر کہا کہ ایسے شخص کو کوسنا کب جائز ہے جو بدر کی مشہور جنگ اور اسلام کی پہلی لڑائی میں شریک ہوا ہے۔ جس کے جواب میں اس مہربان ساتھن نے ٹھنڈا سانس بھرا اور کہا تمھیں کیا خبر کہ تم پر کیا تہمت لگائی گئی ہے اور مدینہ کے کوچہ و بازار میں کیسا طوفان بدتمیزی اٹھا ہوا ہے جس میں مسطح بھی شریک ہے اللہ اُس پر رحم کرے اس کو ایسا مناسب نہ تھا۔

حضرت عائشہؓ کے مسطح کی والدہ سے تمام قصہ سُنکر ہوش اڑ گئے آنکھوں کے نیچے اندھیرا چھا گیا دنیا نظر میں تاریک معلوم ہونے لگی بخار زیادہ چڑھ آیا اور رنج و صدمہ کے مارے گھر پہنچنا مشکل پڑ گیا کیونکہ پاکباز حرم کو ایسا واقعہ سُننے کا کیوں اتفاق ہونے لگا تھا۔ غرض افتاں وخیزاں مکان پر آئیں اور روتے روتے بُرا حال کیا۔ آنسوؤں کے تار تھے کہ ٹوٹنے ہی میں نہیں آتے تھے اور آنکھوں سے پانی کی لڑی جاری تھی جس کا کنارہ ہی معلوم نہ ہوتا تھا تمام شب اسی بے چینی و صدمہ میں گذر گئی۔ کروٹیں بدلتے بدلتے رات ختم ہوگئی اور تارے گنتے گنتے صبح نے اپنا مُنھ دکھایا۔

جس وقت حسب عادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دولتکدہ میں تشریف لائے اور اُسی بے التفاتی سے بیمار کو پوچھا کہ "اب ان کا کیا حال ہے" تو بی بی عائشہؓ نے اپنے میکے جانے کی اجازت چاہی اور عرض کیا کہ میں اپنے ماں باپ کے گھر جانا چاہتی ہوں۔ چنانچہ حضرت نے بے تکلف فوراً اجازت دیدی اور بی بی عائشہؓ صدمہ بھرا دل ہاتھوں سے تھام کر

روتی ہوئی اپنے گھر روانہ ہوئیں اور میکے پہنچکر اپنی مہربان ماں سے چمٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ ماں نے
چھاتی سے لگالیا اور ہر چند تسلی و تشفی کی مگر اس کے بیقرار دل کو کس طرح صبر آسکتا تھا جس کا اضطراب ایسے
ناشدنی بہتان اور ناگفتنہ بہ افواہ اور لغو و بے اصل تہمت کے باعث پیدا ہوا ہو جس کا بیان کرتے ہوئے قلم کا پنپنا

باب ۵۶

قصہ کا نتیجہ اور بہتان کا انجام۔ حضرت عائشہؓ صدیقہ کو رات دن سوائے رونے اور منہ سر لپیٹے
پڑے رہنے کے کوئی کام نہ تھا ان کو اپنی کسی سہیلی کا آنا اچھا نہیں معلوم ہوتا تھا کوئی بیمار پرسی کے لئے بھی آتا تو
ناگوار گذرتا تھا اور اگرچہ ماں باپ بہتیرا سمجھاتے اور تسلی دیتے تھے مگر بیقرار دل کو قرار نہ آتا تھا کلیجہ تھا کہ منہ کو
چلا آتا تھا اور حالت یہ تھی کہ یہ لحظہ غیر ہوتی جاتی جو عورت بھی آتی تھی ان کو روتے دیکھکر خود بھی رونے لگتی تھی اور
اس بیہودہ افواہ کے صدمہ نے ان کا یہ حال بنا دیا تھا۔ کامل ایک دن اور دو شب اسی حال میں گذر گئیں کہ
آنکھوں سے آنسو نہیں تھمے یہانتک کہ ایک دن رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان کو روتا دیکھ
افسوس کرنے لگے اور پاس بیٹھکر فرمانے لگے کہ "اے عائشہؓ اگر تم بے گناہ ہو تو حق تعالیٰ تمہارا بے قصور اور پاکدامن ہونا
ظاہر کردے گا اور اگر تم سے خطا ہوگئی ہے تو توبہ کرو اور حق تعالیٰ سے معافی چاہو۔ اس کی ذات غفور رحیم ہے ہم
اپنے گنہگار بندوں کا بخشنا اور توبہ کرنے والوں کی توبہ کا قبول کرنا محبوب و پسندیدہ ہے۔" اس وقت حضرت
عائشہؓ کی والدہ بھی بیٹھی ہوئی تھیں اور پیارے باپ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ بھی گھر ہی میں موجود تھے اور ایک
انصاری عورت بھی اسی قصہ پر بیٹھی رو رہی تھیں۔

حضرت عائشہ رضؓ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سُنا اور باپ کی طرف منہ کرکے کہا کہ اس کا جواب
دیجئے مگر حضرت صدیق رضؓ نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ بھلا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بات کا میں کیا جواب دوں
آپ جو کچھ فرماتے ہیں سچ فرماتے ہیں میری کیا مجال دخل دے سکوں۔ اس کے بعد حضرت صدیقہ رضؓ نے اپنی ماں سے
کہا کہ آپ ہی کچھ جواب دیں۔ مگر ماں نے بھی وہی جواب دیا جو ابھی ان کے خاوند دے چکے تھے اور جب دونوں سے
مایوس ہوگئیں تو مجبور خود بولیں اور کہا کہ "میں کم عمر بچی ہوں مجھے قرآن مجید بھی زیادہ یاد نہیں ہے بخدا مجھے معلوم ہے
کہ جو کچھ تم لوگوں نے اس قصہ کے متعلق سنا ہے یہاں تک کہ تم کو یقین آگیا ہے اور ناشدنی بہتان تمہارے دلوں میں جگہ کر چکا ہے اسلئے
اب اگر میں کہوں بھی کہ بے قصور ہوں بے گناہ ہوں تو تم کو ہرگز یقین نہیں آئیگا اور اگر ایسے گناہ کا اقرار کرلوں جس کو خدا جانتا ہے
سے میرا دامن بالکل پاک ہے اور خدا ہی خوب جانتا ہے کہ میں بری اور بے خطا ہوں مگر تم کو یقین نہ آئے گا۔ واللہ
میں اپنی اور تمہاری کوئی مثال نہیں پاتی جو بیان کروں بجز اس کے کہ یوسف کے باپ کی طرح یوں کہوں فَصَبْرٌ
جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ "صبر ہی بہتر ہے اور تمہاری بنائی ہوئی باتوں پر اللہ ہی کی مدد چاہئے

جس وقت بی بی عائشہؓ یہ تقریر کر رہی تھیں اس وقت غصہ کے مارے کپکپا رہی تھیں آنکھ سے آنسو تھم گئے تھے اور رنج و صدمہ کے جوش و خروش کے باعث تن بدن کا بھی ہوش نہ تھا اور رنج و غم ہی کا باعث تھا کہ اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کا مشہور نام بھی یاد نہ رہا اور مجبور یوسف کے باپ کا کلمہ نکالا اور اس لقب کے اظہار سے بڑی مشکل کے ساتھ بیتاب ہو ہو کر اپنا ما فی الضمیر ادا کیا مگر اتنا جواب دیکر بستر پر جا پڑیں کیونکہ غم کی گھٹا چھائی ہوئی تھی اور ایک مہینہ کے مرض کی نقاہت کے علاوہ صدمہ کے باعث کھانا پینا چھوڑ دینے سے نڈھال ہو رہی تھیں تین دن سے روتے روتے بُرا حال تھا اور رنج نے گھن کی طرح اندر ہی اندر چر لیا تھا خدا جانے اتنی بات بھی کس جوش میں زبان سے ادا ہو گئی ورنہ سلام کا جواب دینا اور اٹھکر بیٹھنا بھی دشوار ہو گیا تھا۔

ابھی گھر کا مجمع بدستور موجود تھا اور سب بحالت خود سکتہ کے عالم میں خاموش بیٹھے ہوئے تھے کہ آثار وحی نمودار ہوئے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ مدہوشی طاری ہوئی جو اکثر جبریل امین کے وحی ربانی لاتے وقت ہوا کرتی تھی پیشانی مبارک پر عرق آگیا اور آسمانی حکم کی شدت کے باعث پسینہ آنے لگا کیونکہ ایسے وقت پر ہمیشہ مصدر و مہبط وحی کی ایسی حالت ہو جاتی تھی جس سے لوگ نزول وحی کو پہچان جاتے تھے اور بسا اوقات جاڑے کے موسم میں بھی حضرت پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے چنانچہ جبریل امین آئے اور سورہ نور کی وہ اٹھارہ آیتیں لائے جن میں حق تعالیٰ نے بڑے زور و شور اور نہایت شد و مد کے ساتھ بی بی عائشہؓ کی برأت اور پاکدامنی کا اظہار فرمایا ہے اور اس بہتان کے باندھنے والوں اور غلط افواہ کے پھیلانے والوں کو دھمکایا اور سزا کا مستوجب بنایا ہے۔ وحی کے ختم ہونے پر جب حالت اصلی نے عود کیا تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی آسمانی کو سنایا اور مسکرا کر فرمایا کہ خوش ہو اے عائشہؓ حق تعالیٰ نے تمہارے عزت و عصمت کا اظہار فرمایا اور تمہارا بے گناہ ہونا قرآن مجید کی آیتوں میں سنایا ہے جو قیامت تک مصحف سے جدا نہیں ہو سکتیں اور نہ قیامت تک پیدا ہونیوالا کوئی حافظ قرآن مسلمان ان کو بھول سکتا ہے۔

حضرت عائشہؓ سے ان کی والدہ نے کہا کہ لو اٹھو ہنسو اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ بی بی عائشہؓ خوشی کے مارے پھولی نہ سماتی تھیں اور جتنی غمزدہ تھیں اس سے زیادہ خوشی کی خبر یک لخت کانوں میں پڑی تھی اس لئے کہنے لگیں کہ کیوں جاؤں میں تو خدا ہی کا شکریہ ادا کروں گی جس نے مجھ پر یہ بیشمار احسان فرمایا ہے بی بی عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میرا یہ خیال ہرگز نہ تھا اور نہ ایسی امید تھی کہ حق تعالیٰ حرم نبوی کی اتنی قدر کریں گے اور اس خبر بد کے دور کرنے میں قرآن کی تلاوت ہونے والی آیتوں کو نازل فرمادیں گے البتہ یہ یقین تھا کہ مجھ بے قصور کا بے گناہ ہونا ضرور ثابت ہوگا اور سچی خواب یا الہام کے ذریعہ سے نبیؐ کا دل صاف کر دیا جائیگا تاکہ میرا پاکدامن ہونا متحقق ہو جائے۔ اور پھر وہی مہر کی نظر ہونے لگے جو ابتدا سے ہے مگر در حقیقت اللہ پاک کو بی بی عائشہؓ

کی ایسی پاسداری تھی کہ اس قرآن پاک میں برات اتاری جس کو بے وضو ہاتھ لگانا بھی حرام ہے شاید اس میں یہ بھی مصلحت ہو کہ یہ قصہ اس برحق مصحف میں موجود رہے تو بہتر ہے جس کا برحق ہونا یقینی ہے اور جس کی حفاظت کا ذمہ ہے اور جسکی ایک آیت کا بھی کوئی مسلمان انکار نہیں کرسکتا تاکہ آئندہ مسلمانوں اور اسلام کے آنیوالے فرقوں میں کسی قوم کو بھی شبہ کا موقع اور حرم نبوی پر اشتباہ یا بدگمانی کا وقت نہ ملے مگر افسوس جسکی خاطر حق تعالیٰ کو اسقدر عزیز ہو مسلمانوں کا ایک فرقہ شیعہ پھر اسکی منزلت کو نہ سمجھے اور عین دوپہر کے وقت کھلے آفتاب پر غبار ڈالنا چاہے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ممبر پر چڑھکر خطبہ پڑھا اور مسلمانوں کے بھرے مجمع میں سورۂ نور کی ان آیتوں کو پڑھ کر سنایا اور حق تعالیٰ کے فرمان واجب الاذعان کی بموجب اس طوفان کے برپا کرنیوالوں کو بلاکر حد قذف لگوائی یعنی اس سزا میں اسی اسی درے مارے۔ جو منکوحہ مسلمان شریف زادیوں پہ بہتان باندھنے والوں کے لئے اسلامی شریعت میں مقرر ہے۔

مسطح بن اثاثہ رضا اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ میں قرابت و رشتہ داری کا بھی تعلق تھا اور حضرت صدیق رض ہمیشہ مسطح کے ساتھ سلوک اور مالی اعانت کیا کرتے تھے مگر چونکہ افک کا قصہ مشہور کرنے والوں میں یہ بھی ایک رکن بنے تھے اس لئے رنج و غصہ کی وجہ سے حضرت صدیق رض نے ہاتھ کھینچ لیا اور ان کا مقررہ نفقہ بند کردیا لیکن اللہ پاک نے وحی کے ذریعہ سے اطلاع دی کہ "جو لوگ اللہ کی مغفرت و خوشنودی کے طالب ہیں انکی خطاؤں سے درگذر اور معاف کرنے کی عادت اختیار کرنی چاہیے" یہ آیت سنکر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت مسطح پر مقررہ سلوک پھر نافذ کردیا اور کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت کو ہر طرح ترجیح دیتا ہوں اور اس تمنا سے کسی طرح مستغنی و بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

بخاری کی تحریر سے ظاہر ہوگیا کہ اس ایک غزوہ میں حضرت عائشہ رض کا ہار دو مرتبہ گم ہوا ایک دفعہ آیت تیمم کی نازل ہونے کا سبب ہوا اور دوسری مرتبہ اس قصۂ افک اور برأت و عفت کا واقعہ مگر بعض مورخین نے لکھا ہے کہ اس غزوہ میں قصۂ افک ہی واقع ہوا ہے۔ اور تیمم کے نازل ہونے اور اس وقت میں ہار کھوئے جانے کا قصہ غزوہ ذات الرقاع یا کسی دوسرے سفر میں پیش آیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

باب (۵۷)

مذہب اسلام کی چوتھی جنگ یعنی خندق کی تیاری۔ اس درمیان میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن بھی غافل نہ تھے بلکہ اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ ایک دفعہ ادھر ادھر کے عام بہادر بدوؤں کو جمع کریں اور مدینہ پر یکدم یورش کرکے دلوں کا حوصلہ نکال لیں تاکہ امنگ باقی نہ رہے اور ایک دفعہ کو دل کی آرزو پوری ہو جائے چنانچہ ان بدنصیبوں نے اپنے قاصدوں کو چاروں طرف روانہ کیا تاکہ گرد و نواح کی قوموں اور مختلف قبیلوں کے

بت پرستوں کو مسلمانوں کے خلاف پر برانگیختہ کریں اور اس مرتبہ ہزار ہا ہزار سپاہیوں کی فوج اسلامی مختصر لشکر پر اس غرض سے چڑھ جائے کہ اس نئے مذہب کی جڑ و بنیاد اکھیڑ پھینکے۔ ادھر قبیلہ بنی نضیر کے چند یہودی جوان جو خیبر کے پاس جا کر رہے تھے وہ الگ مسلمانوں سے لڑنے کے لئے لوگوں کو بھڑکا اور بہکا رہے تھے انھیں میں سے ایک مفسدہ پرداز یہودی یعنی اخطب کا بیٹا حیی تقریباً بیس یہودیوں کو اپنے ساتھ لیکر مکہ گیا ہوا تھا اور اپنی کثیر جماعت کی مدد اور فتح کی مفید و کارآمد تدابیر کے بھروسہ پر کفار قریش کو لشکر کشی کے لئے آمادہ کر رہا تھا چنانچہ اس کو اپنے خیال میں کامیابی ہوگئی اور ان یہودیوں کا کفار قریش سے اس یورش کے متعلق معاہدہ مستحکم و مضبوط ہوگیا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ فوراً کفار قریش کے سردار ابوسفیان نے چار ہزار مسلح سپاہیوں کا لشکر مرتب کیا۔

ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے کہ بنی نضیر کے یہودی ایک اٹل اور باوقعت حکم سے جلاوطن ہوئے اور نہایت بے سروسامانی کے ساتھ مدینہ سے نکال باہر کئے گئے تھے اس ذلت و خواری کے ساتھ وطن کو مجبور ہو کر چھوڑنے سے ان کی عداوت مسلمانوں کی طرف سے بہت بڑھ گئی تھی اور یہی وجہ تھی جس نے ان کو مضطرب و بے چین کر رکھا تھا اور وہ عرب کی پہاڑیوں کے بدوؤں کی خوشامدیں کرتے حرص و طمع دلاتے ان کے آباواجداد کے مشہور اور بہادرانہ کارنامے سناتے اور گذشتہ خونریزی کے واقعات یاد دلاتے پھرتے تھے تاکہ یہ وحشی و دہقانی بہادر ایک مرتبہ پھر مجتمع ہو کر جس طرح ممکن ہو یکجائی قوت کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کر بیٹھیں چنانچہ یہ چاروں طرف پھرنے والے مفسد یہودی قبیلہ غطفان کے بت پرست سردار کے پاس بھی گئے اور اس لالچ پر کہ خیبر کی سال بھر کی پیداوار تم کو ملے گی اور اس قطعہ کے لذیذ چھوارے برس دن میں جس قدر بھی پیدا ہوں تمھارے پاس پہنچا دیئے جائیں گے ان کو بھی اپنا ہمخیال بنا لیا اور اس سردار کی کوشش سے اپنے ہم عہد اور حلیف قبیلوں کے سپاہیوں کو ہمراہ لیکر مقام مرالظہران میں اس لشکر سے آملے جو ابوسفیان کی ماتحتی میں مکہ سے چل پڑا تھا اور اب یکجا ہو کر دس ہزار کافروں کی جماعت مدینہ کی جانب روانہ ہوئی۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری خبریں پہنچ رہی تھیں اور آپ کی عاقلانہ تدبیر اور بیدارانہ دوراندیشی نے تاربرقی سے زیادہ کام دے رکھا تھا کیونکہ آپ اپنے اللہ کے حکم کی اطاعت اور مقدس مذہب اسلام کی ترقی اور اہل شہر کی بہبودی و خیر خواہی سے ایک لمحہ بھی غافل نہ تھے اور چونکہ آپ ہر معاملہ میں اپنے جان نثار صحابہ کی رائے اور خیال لیکر کام شروع کیا کرتے تھے اس لئے جس وقت اس ٹڈی دل کے مکہ سے چلدینے کی خبر آپ کو ملی اسی وقت آپ نے صحابہ کو جمع کیا اور مشورہ لیا کہ کیا کرنا چاہئے

جان نثار صحابہ میں سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ چونکہ میں ملک عجم کا رہنے والا ہوں اس لئے فارسی سلطنت کے انتظام و تمدن اور ریاست و ملک گیری کی تدبیروں سے واقفیت رکھتا ہوں میری

رائے یہ ہے کہ مدینہ کے گرد ایک گہری خندق کھود لی جائے اور اسلامی لشکر کو خندق کے احاطہ میں رہ کر شہر پناہ پر کھڑے ہو کر اپنے وطن کی حفاظت کرنی چاہئے۔ اور یہ ثابت کر دکھانا چاہئے کہ ہمارا دشمن حریف کسی طرح بھی ہمارے وطن اور دارالامن پر قبضہ نہیں کرسکتا اور نہ غنیم کی یہ مجال ہے کہ وہ مسلمانوں کے محفوظ اور آباد شہر میں قدم رکھ سکے چنانچہ یہ صائب رائے سب نے پسند کی اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بہ نفس نفیس معہ اپنے دلدادہ گروہ کے مدینہ کی اس سمت میں خندق کھودنا شروع کیا جدھر کوہ سلع واقع ہے کیونکہ اس کے علاوہ شہر کی دوسری جانبیں آبادی کے مکانات کی مستحکم تعمیر اور امرائے شہر کے مضبوط قلعوں کی فصیل اور شہر پناہ کی دیوار سے بھی محفوظ تھیں اسی وجہ سے اس غزوہ کا نام غزوۂ خندق ہے اور دوسرا نام جنگ احزاب بھی ہے۔ کیونکہ عربی زبان میں حزب کے معنی گروہ اور جماعت کے ہیں۔ اور اس مرتبہ بُت پرست کافروں کی کئی جماعتیں مسلمانوں پر چڑھ کر آئی تھیں۔

انصار و مہاجرین کے ناز پروردہ مسلمانوں اور اس بھوکی پیاسی مختصر جماعت کو گہری خندق کے کھودنے میں جو دقت پیش آئی ہوگی اور جس مصیبت و تکلیف کا سامنا کرنا پڑا ہوگا اس کا اندازہ وہی لوگ خوب کرسکتے ہیں جنھوں نے کبھی بھوک کے پیٹ پر پتھر باندھ کر بلیا ڈھوئی ہو یا کدال اور پھاوڑہ لیکر پہاڑ کے پتھر کاٹے ہوں گے۔ ہم بالاخانوں کے رہنے والوں اور تجارت و حرفت کی معمولی محنت سے فارغ ہو کر دونوں وقت پیٹ بھر کر کھا لینے والوں کو اس کی کیا قدر معلوم ہوسکتی ہے اور کیا سمجھ سکتے ہیں کہ ہمارے دینی سرداروں اور حامئ اسلام پیشواؤں نے اس مقدس مذہب کے قائم رکھنے اور ہم تک پہنچانے میں کیا کیا مشقتیں اٹھائی ہیں۔ اور کیسے کیسے جفاکش مزدوروں کے سے کام کئے ہیں جن کی نظیر دنیا کے پردے پر ملنی محال ہے۔

اللہ کے پیارے پیغمبر کے مبارک اور نازک ہاتھوں میں بھی پھاوڑا اور کدال موجود ہے جس کی بدولت زمین و آسمان نے خلعتِ وجود پہنا ہے اور مسلمانوں کا وہ محسن شفیق اور مربی و روحانی باپ بھی خندق کھودنے میں مشغول ہے جس کا پیارا نام لینے سے روح تازہ ہوتی ہے اور قلب میں ٹھنڈک پہنچتی ہے مگر بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا ہے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فاقہ کی تکلیف سے کمر کو پٹی باندھ کر کس لیا ہے تاکہ کسلمندی نہ معلوم دے اور خالی معدہ ہاتھ پاؤں میں ضعف کا اثر نہ پیدا کرے کیونکہ مدینہ کی سخت اور پتھریلی زمین کے کاٹنے میں بڑی قوت درکار ہے اور گہرا خندق کھودنے میں سخت محنت کی ضرورت ہے۔

یہ وہ دینی بادشاہ اور مسلمانوں کے سرتاج سپہ سالار ہیں جن کی طرف ہم اور تم سب منسوب ہیں اور اس نسبت پر فخر کرتے ہیں اور درحقیقت فخر بجا ہے کیونکہ اسی ایک بندہ کی خاطر ساری مخلوق پیدا ہوئی اور انھیں کے وجود باجود کے طفیل ہم سب دنیا میں انسان بنکر آئے ہیں انھیں کے مبارک قدموں کے نیچے جنت ہے اور انھیں کی سنت کے اتباع میں وہ اخروی نجات منحصر ہے جس کی طلب و آرزو ہر شخص کو ہے گو اس کا سیدھا اور واقعی

راستہ اختیار کرنے میں بہتیروں نے غلطی کھائی ہے۔
فاقہ کش مسلمانوں اور کسی وقت کے بھوکے جواں مرد بہادر سپاہیوں نے اسی حالت میں تمام دن گذار دیا ان اللہ والوں کو زمین کھودنے اور مٹی نکال نکال کر باہر ڈالنے میں اس کا بھی ہوش نہیں کہ فاقہ مست بچے کہاں ہیں اور دوست نگر پردہ نشین عورتیں کدھر اور کیا کر رہی ہیں۔ یکایک ایک عاشق رسول صحابی حضرت جابر کی نظر اسلامی لشکر کے سپہ سالار پر جا پڑی اور اس شفقت پر پیٹ سے بندھا ہوا پتھر دیکھکر بیتاب ہو گئے۔ اور جلدی سے اپنے گھر آکر بیوی سے کہنے لگے کہ میرے روحانی باپ اور پیارے سردار کو فاقہ ہے اور پیٹ سے پتھر بندھا ہوا ہے جو کچھ گھر میں موجود ہو جلدی نکالو اور پکا ریندھ کر تیار کرو تاکہ میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو بلالاؤں اور سب سے علیحدہ بٹھا کر کھانا کھلا دوں۔
حضرت جابرؓ کی بی بی بھی تو اُسی رسول کی شیدا تھیں جس پر جابرؓ فریفتہ تھے اس لئے بیچین ہوگئیں اور فوراً گھر کی پلی ہوئی بکری کے گلے پر چھری پھیر دی اور ذبح کر کے گوشت ہانڈی میں ڈال چولھے پر چڑھا دیا۔ جَو کا پونے چار سیر آٹا جو اس وقت موجود تھا سب گوندھ کر خمیر کر دیا اور حضرت جابرؓ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت سراپا برکت میں حاضر ہو کر آہستہ سے عرض کیا کہ میں نے کھانا پکوایا ہے حضور تنہا تشریف لے چلیں اور ماحضر تناول فرمالیں لشکر کے سپہ سالار کو یہ بات کب گوارا تھی کہ میرا پیٹ بھرے اور جفاکش سپاہی بھوکے رہیں۔ اس لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باآواز بلند پکار دیا کہ "اے خندق کھودنے والے فاقہ مست سپاہیوں جابرؓ نے تم سب کی دعوت کی ہے چلو کھانا کھالیں اور سیر ہو کر پھر کام میں مصروف ہوں" اور جابرؓ سے فرمایا کہ تم چلو اور گھر میں ہدایت کر دو کہ میرے آنے تک ہانڈی چولھے سے نیچے نہ اتاری جاوے میں ابھی آتا ہوں اور دیکھو آٹا بھی میرے سامنے ہی پکایا جائے۔
حضرت جابرؓ بمقتضائے بشریت گو نہ پریشان ہوئے اور بی بی سے آکر کہا کہ تم نے کھانا ایک شخص کے قابل پکایا ہے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سارے لشکر کو ہمراہ لاتے ہیں بھلا اس میں کیا ہوگا۔
جابرؓ کی بی بی نہایت مستقل مزاج اور پارسا عورت تھیں کہنے لگیں کہ گھبراتے کیوں ہو کیا حضرت کو یہ معلوم نہیں ہے کہ ہماری حیثیت کس قدر ہے تم اپنا کام کرو اور دیکھو کہ حق تعالیٰ کی قدرت اور مقبول رسولؐ کے قدموں کی برکت کیا نتیجہ دکھاتی ہے۔ اتنے میں دینی سردار آپہنچے اور اندر تشریف لاکر گوشت کی چولھے پر چڑھی ہوئی ہانڈی اور خمیر کئے ہوئے آٹے میں دہن مبارک کا لعاب ڈالدیا اور کہدیا کہ ایک روٹی پکانے والے کو اور بلالو اور کھانا اُتارنا شروع کرو۔ روٹی پکتی جائے اور مہمان سیر ہو کر کھاتے جائیں۔ چنانچہ جابرؓ پیالوں میں بھر بھر کر گوشت نکالنا اور مہمانوں کو کھلانا شروع کیا۔ ایک ہزار مہمان سیر ہو کر کھا چکے اور ہانڈی چولھے پر بدستور جوش مارتی رہی

آٹا اسی قدر نظر آیا جتنا مخلص و عقیدتمند عورت نے خمیر کیا تھا اور گوشت بھی اسی قدر موجود تھا جتنا ہانڈی میں چڑھایا گیا تھا۔ یہ برکت دیکھکر حضرت جابر متحیر ہو گئے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مع اسلامی لشکر کے پھر خندق کھودنے میں جا مصروف ہوئے۔

مقبول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار اصحاب خندق کھود رہے تھے کہ ایک سخت پتھر نمودار ہوا جو نہ کدال سے ٹوٹ سکا نہ پھاوڑے سے نکل سکا بہادر پہلوان اور طاقتور آ گئے اور ہمت والے زبردست مسلمان گھبرا گئے۔ کیونکہ ہر چند کوشش کی اور زور آزمائے مگر پتھر کو نہ ہلنا تھا نہ ہلا اور کسی کی زور آور سپاہیوں کے زور کرنے سے بھی پتھر نے اپنی جگہ سے جنبش نہ کی مجبور ہو کر صحابہ کرام اپنے سپہ سالار کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ایک پتھر نے تھکا دیا ہے نہ نکالے نکلتا ہے نہ توڑے ٹوٹتا ہے بہتیرا زور کرتے ہیں مگر نہیں ٹوٹ سکتا نہیں ذرا تشریف لے چلئے اور فرمائیے کہ کیا تدبیر کی جائے۔

ہمارے دینی سردار نے کدال ہاتھ میں لی اور وہاں تشریف لائے جہاں بیسیوں پہلوان زور آزما چکے تھے اور پھر ہمت باندھکر اور بسم اللہ کہکر ایک چوٹ ماری جس سے تہائی پتھر ٹوٹ کر الگ جا پڑا اور بجلی کی طرح ایک چمک پیدا ہوئی جو سب نے دیکھی مگر اس روشنی سے ملک شام کی عمارتیں صرف اللہ کے پیارے پیغمبر کو نظر پڑیں جو گویا اشارہ کر رہی تھیں کہ چشم بد دور ان باہمت بازوؤں کے قبضہ میں ایک دن ہم کو بھی آنا ہے اور اسی عالی حوصلہ لشکر کا عالمگیر مبارک جھنڈا اس ملک میں بھی بہت جلد لہرانیوالا ہے۔ چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا اور اللہ اکبر کہکر صحابہ سے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ملک شام مجھ کو مرحمت فرمایا اور پھر پتھر پر دوسری ضرب ماری جس کے صدمہ سے نصف پتھر ٹوٹ گیا اور اس مرتبہ روشنی کی چمک میں ملک فارس کی عمارتیں دکھائی دی گئیں اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اس کی بھی بشارت دی یہانتک کہ تیسری چوٹ میں پتھر کے ٹکڑے اڑ گئے اور بجلی کی سی چکا چوند میں ملک یمن کے مکانات نظر آئے اور پھر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح مژدہ سنایا جس طرح پہلے سنایا تھا۔ غرض پتھر پاش پاش ہو گیا۔ اور اللہ کے رسول کی تینوں پیشین گوئیوں کا پورا ظہور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مبارک زمانہ میں اس وقت ہوا جب کہ ملک یمن و ملک شام اور ملک فارس پر مسلمانوں کا پورا قبضہ و تسلط ہو گیا اور ان زبردست سلطنتوں اور زرخیز ولایتوں کے مستحکم قلعوں کی اونچی دیواروں پر اسلامی پھریرا ہوا میں مستانہ جھونکے لیتا اور ناز و انداز کے ساتھ خراماں حرکت کرتا ہوا دکھلائی دیا۔

جفاکش اور محنتی سپاہیوں کی کوشش پوری ہوئی اور خاطر خواہ خندق کھد گیا جس پر اسلامی لشکر تعینات ہو گیا۔ اتنے میں غنیم کا لشکر بھی آ پہنچا اور مسلمانوں نے شہر پناہ کی دیواروں پر کھڑے ہو کر دشمن کی مدافعت

اور شہر کی حفاظت میں سرگرمی دکھائی کیونکہ دس ہزار کافروں کے مقابلہ کے لئے مسلمان صرف تین ہزار آدمی جمع کر سکے اور ایسی حالت میں مصلحت وقت و تدبیر کا بھی یہی اقتضا تھا کہ باہر میدان میں نکل کر مقابلہ نہ کیا جائے۔

باب (۳۵)

جنگ اور اس کا نتیجہ۔ اوّل تو مسلمانوں کی تعداد ہی کم تھی دوسرے ان میں سے بھی منافقین کے نفاق کا الگ خوف تھا اس لئے یہی مناسب سمجھا گیا کہ اسلامی لشکر اپنے بال بچوں کو محفوظ مکانوں میں چھوڑ کر خود شہر سے باہر خیمہ زن ہو اور خندق کے اندر اندر رہ کر دشمن کے حملہ کو روکے اور سپہ سالار کی رائے کے مطابق وقت دیکھکر جیسا بھی مناسب حکم دیا جائے اس کی تعمیل کرے چنانچہ ذی قعدہ کے مہینہ کی دوسری تاریخ کو بُت پرستوں کا ٹڈی دل نظر آیا اور مسلمانوں نے ہوشیاری کے ساتھ اپنے شہر کی حفاظت میں اپنا اپنا متعلقہ کام انجام دینا شروع کیا۔ چونکہ خندق مرتب ہو چکی تھی اس لئے لشکر کفار کو شہر کے باہر ہی رُکنا پڑا اور ان بد بخت شریروں نے اپنے آپ کو خندق عبور کرنے سے مجبور پا کر وہیں خیمے نصب کئے اور چھاونی ڈالدی۔

اس وقت مدینہ کے یہودیوں میں صرف ایک قوم یعنی بنی قریظہ مدینہ میں باقی رہ گئی تھی اور اسی پر مسلمانوں کو اعتماد بھی تھا کہ یہ کافروں کی شریک نہ ہوگی اور اپنے معاہدہ پر پابند رہکر حسب وعدہ وقت پر ہماری مدد کرے گی لیکن افسوس یہودیوں میں وفا کا نام بھی نہ تھا اور اس بد نصیب قوم کے ہر فرد بشر میں غداری و فریب کوٹ کوٹ کر بھر اگیا تھا ان کو وقت پر دغا دینا اور اپنی مصیبت کے وقت مسلمانوں کی خوشامد کر لینا نہایت ہی آسان تھا یہ کمبخت اس وقت بھی اپنی خباثت سے باز نہ آئے۔ قصہ مختصر جب مسلمانوں نے دیکھا کہ کافروں نے ان یہودیوں کو بھی جن کے قبضہ میں چند قلعے تھے اپنی طرف ملا لیا ہے۔ کیونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ظاہری خیال کے موافق جس وقت ان کے پاس مدد کے لئے بلانے کو آدمی بھیجا اور حضرت کے فرستادہ قاصد حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما ان کے پاس گئے تو انھوں نے صاف جواب دیدیا اور ایسے انجان بن گئے گویا کچھ جانتے ہی نہیں سخت کلامی سے پیش آئے اور یوں جواب دیا کہ "ہم نہیں جانتے کہ محمد کون ہیں اور خدا کے رسول کون ہیں ہم کسی کے غلام نہیں ہیں جس کی تابعداری کریں اور ہم لوگوں کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہے جس کا پاس یا لحاظ رکھیں جاؤ اپنا کام کرو"

یہ سارا فتور حیی بن اخطب یہودی کا مچایا ہوا تھا کیونکہ یہ راستہ ہی میں ابو سفیان سے علیحدہ ہو کر بنی قریظہ کو اپنا ہمخیال بنانے کے لئے اس محلہ میں پہنچکر اپنی فطرتی سازش کا رنگ جما گیا اور ان بد نصیب یہودیوں کو مکر و فریب کی باتوں سے بہلا کر اور حرص و طمع کا سبز باغ دکھا کر کفار کی موافقت اور مسلمانوں کی مخالفت پر مستحکم بنا چکا تھا جس کا نتیجہ آج ظاہر ہوا اور مسلمانوں کو نہایت قلق و رنج کے علاوہ پریشانی بھی لاحق ہوئی کیونکہ

یہ ہموطن یہودی مسلمانوں کی پوشیدہ جگہوں اور خطرے کے مقاموں سے پورے واقف تھے اور یہ گھر کے بھیدی یہودی مخالف بنکر کافروں کو پوری طرح مدد دے سکتے تھے مگر اس خدا پر بھروسہ کرنے والی مسلمان قوم کا فکر چونکہ بالکل عارضی اور محض بمقتضائے بشریت ہوتا تھا جس کو پائیداری یا استقلال ہرگز نہ تھا اس لئے اسلامی لشکر نے اس خدشہ کا خیال کیا اور نہ منافقوں کی دغا بازی کا اندیشہ و ڈر بلکہ اسی استقلال کے ساتھ لشکر کفار سے جنگ کے لئے آمادہ ہوئے جو حق تعالیٰ نے ان کو مسلمان ہوتے ہی مرحمت فرما دیا تھا۔

کافروں کو دس ہزار سپاہیوں نے یہودیوں کے مشورے سے مسلمانوں کا محاصرہ کر لیا اور بیس دن تک ان کو چاروں طرف سے گھیرے پڑے رہے مگر جب برابر کامیابی نصیب نہ ہوئی آخر کار جب ریگستان کے میدان میں بیکار پڑے پڑے اکتا گئے اور دیکھا کہ مسلمان میدان میں آتے ہی نہیں تو مجبور خود حملہ کرنے کا ارادہ کیا اور کوشش کی کہ کسی طرح خندق کے پار اتریں مگر اپنے ارادہ میں ناکام رہے کیونکہ مستعد مسلمانوں کے تیروں کی بوچھار اور پتھروں کی بارش نے قدم آگے نہیں بڑھانے دیا اور اس عظیم الشان لشکر کو پسپا ہو کر پیچھے لوٹنا پڑا۔

حق تعالیٰ کی مدبر و حکیم ذات کے قدرت والے ہاتھ نے اسلامی مختصر جماعت پر سایہ کر رکھا تھا پھر غنیم کی کیا مجال تھی کہ اپنے بُرے خیال میں کامیاب ہو سکے اور چونکہ بے نیاز خدا کی خفیہ تدبیروں اور قدرت کی غالص مصلحتوں نے کسی وقت میں مسلمانوں کا ساتھ نہیں چھوڑا اس لئے جنگی تدبیر کا رنگ بدلنا شروع ہوا اور سب سے پہلی بات جو کافروں کے حق میں مضر ثابت ہوئی وہ یہ ہوئی کہ ان میں سے ایک شخص اسلامی لشکر میں آکر مشرف باسلام ہو گئے۔ اور کافروں میں پھوٹ ڈالنے اور باہم تفرقہ پیدا کرنے کے باعث ہوئے یہ بزرگ شخص قبیلہ غطفان کے معزز رئیس تھے جن کا نام نعیم بن مسعود تھا۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کفار کی مختلف جماعتوں میں مخالفت پیدا کرنے کی یہ تدبیر سوچی تھی کہ خرمائے مدینہ کی ثلث پیداوار عرب کے دو زبردست قبیلوں یعنی غطفان و فزارہ کو دیدی جائے اور ان حریص قوموں کو اس طمع اور لالچ سے اس بات پر آمادہ کر دیا جائے کہ ابوسفیان کی مدد نہ کریں اور اس لشکر کفار کا ساتھ چھوڑ کر اپنے وطن کو واپس ہو جائیں مگر انصار رضی اللہ عنہم نے اس کو منظور نہیں کیا اور مؤدبانہ طریقے سے اپنے آقا کی خدمت میں عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ جس وقت ہم مشرک و کافر تھے اس وقت بھی ان حریص طماع بدوؤں کی اتنی ہمت نہیں ہوئی کہ ہم پر دباؤ ڈال کر کچھ لیجائیں یا ہم شرفاء عرب خوف زدہ ہو کر اپنے مال و زر ان کے حوالہ کریں اور آج تو ہم کو مقدس مذہب اسلام کی غیبی تائید حاصل ہے اب ان خبیث کافروں کی کیا حقیقت ہے کہ مدینہ کے چھواروں پر دندان طمع دراز کریں ہم سے مسلمان بنکر یہ ذلت گوارا نہیں ہو سکتی ہمارے پاس ان دشمنان دین و ایمان کے لئے سوائے تلوار کے کچھ نہیں ہے آئندہ حضور کو اختیار ہے جو رائے عالی ہو غلاموں کے

سر تابعداری کے لئے جھکنے کو ہر وقت موجود ہیں۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی رائے کو قبول فرمایا اور کہا کہ میرا خیال اس تدبیر سے ان میں تفرقہ [illegible] کا تھا کیونکہ اس وقت سارا عرب ایک ہو کر تم پر یورش کرنے آیا ہے اگر تمہاری رائے نہیں ہے تو کچھ ضرورت [illegible] مجھ کو بھی تمہاری رائے سے اتفاق ہے۔ اللہ پاک ہماری فتح و کامیابی کی دوسری سبیل پیدا فرمائے گا۔

اس قریشی لشکر میں عرب کا مشہور پہلوان عَبدِ وُدّ کا بیٹا عمر نامی بھی موجود تھا جس کو اہل عرب ایک ہزار آدمیوں کا مقابلہ کرنے والا کہا کرتے تھے اور اس کی شجاعت و دلیری کا آوازہ تمام حجاز کے پہاڑی خطہ میں گونج رہا تھا کیونکہ ایک مرتبہ جبکہ قریشی قافلہ پر قزاق آ پڑے تھے اور راہزن ڈاکو بدوؤں کی بہادر جماعت نے اس مال سے لدے ہوئے کارواں کو لوٹنا چاہا تھا تو اس ایک بہادر نے تن تنہا ان پچاس راہزنوں کا مقابلہ کیا اور سب کو پسپا کر کے بے نیل و مرام بھگا دیا تھا اور یہ مشہور قصہ بچہ بچہ کی زبان پر جاری تھا جس نے اس بہادر کو عرب کے ملک میں رستم سے زیادہ شہرت دے رکھی تھی مگر افسوس خدا جانے وہ شجاعت و بہادری اسلامی لشکر کے مقابلہ میں کہاں چلی گئی یہی تو وہ پہلوان تھا جس نے بدر کی لڑائی میں کئی زخم کھائے تھے اور خیال انتقام کے غصہ میں قسم کھائے بیٹھا تھا کہ جب تک بدلہ نہ لے لوں گا اس وقت تک سر میں تیل نہ ڈالوں گا اور اسی خیال خام اور موہوم امید پر آج ابو سفیان کی ماتحتی میں خندق پر آیا ہوا ہے۔

عرب کا مشہور پہلوان عمر کوشش کر رہا ہے کہ سر میں تیل ڈالے ہوئے مدت گذر چکی ہے آئے ہوئے وقت کو جانے دینا حماقت ہے جس طرح بن پڑے خندق کو عبور کرنا چاہیے اور اپنی قسم پوری کر لینی چاہیے کیونکہ سوکھے ہوئے بالوں نے پریشان ہو ہو کر تنگ کر دیا ہے مگر چونکہ اہل عرب نے کبھی یہ صورت دیکھی نہ تھی اور وہ جانتے ہی نہ تھے کہ خندق کیسی ہوتی ہے اور کیوں کھودی جاتی ہے اس لئے عمر بار بار یورش کرتا تھا مگر تیر و سنگ کی بوچھار سے پسپا ہو کر پیچھے ہٹ آتا اور اپنے قصد میں ناکام رہتا تھا یہاں تک کہ ایک مرتبہ خندق کی تنگ جگہ پا کر جرأت کے ساتھ حملہ کر بیٹھا اور اندر گھس کر للکارا کہ "ہے کوئی جو مقابلہ پر آئے"

اس مشہور پہلوان کے مقابلہ کے لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حیدر کرار شیر خدا حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو طلب فرمایا اور اپنے دست مبارک سے وہ صیقلدار تلوار جس کا نام ذوالفقار ہے ان کی کمر میں باندھی اور دعائے فتح و نصرت دے کر جلد رخصت کیا کیونکہ غنیم کا مبارزت اور مقابل طلب کرنا اور کسی کا سامنے نہ آنا عرب کے نزدیک نہایت معیوب بات اور بزدلی بیبت کی دلیل سمجھا جاتا تھا اس لئے حضرت اسد اللہ نہایت عجلت کے ساتھ سامنے آ کھڑے ہوئے اور للکار کر کہا کہ "سنبھل اے دشمن خدا سنبھل اور دیکھ کہ کیا بکتا ہے۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ چونکہ کم عمر نوجوان تھے اس لئے اپنا مقابل دیکھ کر عمر مسکرایا اور بولا کہ "اے

لڑکے تو میرے دوست ابو طالب کا بیٹا ہے میں تجھ کو اپنے بھتیجے کی برابر سمجھتا ہوں اور تجھ جیسے بچہ کو قتل کرتا ہوا شرماتا ہوں جا اپنی جوانی پر رحم کر اور اس خیال خام سے درگذر کیونکہ تیرے جوان خون سے اس پتھریلی زمین کو لالہ زار بناتے مجھ کو رنج ہوتا ہے۔

شیر خدا کو اتنی تاب کہاں تھی کہ فضول گفتگو میں وقت ضائع کریں اس لئے صرف اتنا کہکر کہ "میں تو حق تعالیٰ کی رضا میں تجھ کو قتل کرنا چاہتا ہوں تو چاہے یا نہ چاہے" نے محمد کچھار کے شیر کا حملہ روک" جھپٹکر حملہ کر دیا دونوں پہلوانوں میں لڑائی شروع ہو گئی اور جنگ کے ہتیار اپنا اپنا کرتب دکھانے لگے۔

عمر حیران تھا کس بلا کا بہادر اور پھرتیلا جوان ہے جس پر کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی اور مجھ جیسے شیر کے پنجوں کے قابو سے باہر ہوا جاتا ہے کیونکہ عمر دانت پیس پیس کر حملہ کرتا اور غصہ میں سرخ ہو ہو کر جھپٹتا تھا مگر پھر نا کام رہ جاتا تھا اس لئے غصہ اور تپش میں بیتاب ہو گیا اور شرم و ندامت کے فوری جوش میں بے رحمانہ حملے کرنے لگا جن کو حضرت اسد اللہ نے بڑی عقلمندی و چالاکی سے روکا اور اپنے حریف مقابل کو بار بار نادم و پشیمان بنایا۔ یکایک کافر پہلوان کو جوش آیا اور جی توڑ کر پوری قوت کے ساتھ شیر خدا کے سر پر تلوار کا آخری وار کیا جس کو حضرت علیؓ نے سپر پر روکا مگر افسوس کمبخت کا کیسا زور آور ہاتھ پڑا تھا جس کے صدمہ سے ڈھال کٹ گئی اور سر میں بھی کچھ زخم پہنچا مگر اس وار نے غضب کیا کیونکہ اسلامی سبزہ زار کے رہنے والے بہادر شیر کو تاب نہ رہی اور جواب میں اس زور کی تلوار ماری کہ قریشی پہلوان کا سر تن سے جدا ہو گیا۔ اور گردن کٹ کر اس طرح الگ جا پڑی جیسے کوئی کاشتکار پکے ہوئے بھٹے کو اپنے کھیت میں توڑ کر ڈال دیتا ہے۔

اس تلوار کے حملہ نے دشمن کا بہت جلد کام تمام کر دیا اور عمر جیسا مشہور پہلوان پراگندہ بال ہمیشہ کے لئے دنیا سے رخصت ہو گیا جس کا اظہار شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نعرۂ اللہ اکبر سے کیا گویا اُن منتظر مسلمانوں کو اپنا مظفر و منصور ہونا جتا دیا جو میدان مبارزت میں اُڑنے والے گرد و غبار کی وجہ سے کچھ دیکھ نہ سکے اور اپنے بہادر شیر کے دلیرانہ حملہ کا نتیجہ دیکھنے یا سننے کے انتظار میں سراپا شوق بنے ہوئے اِدھر اُدھر کھڑے تھے۔

ادھر تو ان دو پہلوانوں کی کشتی نے مسلمانوں کی روح تازہ کرنے کے ساتھ ہی کافروں کے لشکر کی کمر توڑ دی کیونکہ اس مرنے والے پہلوان کا عرب کے وسیع ملک میں ثانی اور مثل نہ تھا اور ادھر نو مسلم حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کی عاقلانہ تدبیر نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے قریشی کافروں اور یہودی مددگاروں میں پھوٹ ڈال دی اور ایسا تفرقہ ڈالا کہ بنی قریظہ نے ابو سفیان کو اپنی مدد سے بالکل مایوس بنا دیا اور کہلا بھیجا کہ "تم اپنا ستیاناس کر چکے اب ہم کو تباہ و برباد کرنے آئے ہو ہم تمہارے ساتھی نہیں ہیں تمھیں ہماری اعانت کا خیال رکھنا بالکل حماقت اور بے وقوفی ہے جاؤ اپنا منہ کالا کرو اور ہم سے اس امر میں کوئی گفتگو نہ کرو۔" اس تفرقہ نے ابو سفیان

کی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا اور اس کو ہر طرف سے مایوسی کی گھنگھور گھٹائیں اُمنڈتی نظر آنے لگیں۔

دانشمند و سمجھدار صحابی اور عقیل و مدبر نومسلم نے اپنی دور اندیش تدبیریں پوری کامیابی حاصل کی اور اس کا اس قدر جلد نتیجہ اس وجہ سے پیدا ہوا کہ ابھی تک یہودیوں اور کافر قریشیوں کو انکا مسلمان ہو جانا معلوم نہیں ہوا تھا وہ یہی سمجھے ہوئے تھے کہ نعیم ہمارا قدیمی رفیق اور خیر خواہ شفیق ہے جس کی عاقلانہ رائے پر پورا اعتماد و بھروسہ ہے۔

جس زمانہ میں یہ جنگ ہوئی تھی سرما کا موسم تھا دن بدن جاڑے کی شدت بڑھتی جاتی تھی اور لق ودق میدان میں پڑا ہوا قریشی لشکر تباہ ہو رہا تھا محاصرہ کئے بیس دن گذر چکے تھے آپس میں پھوٹ پڑ گئی تھی باہمی مخالفت و تفرقہ نے مایوس بنا دیا تھا۔ مدینہ کے یہودیوں کی بے وفائی سے دل سرد ہو چکا تھا بلا پر بلا اور مصیبت پر مصیبت یہ نازل ہوئی کہ یکایک شب کو ایک تُند و تیز پروائی ہُوا چلنی شروع ہوئی اور سخت آندھی آئی جس نے خیموں کی رسیاں توڑ ڈالیں میخوں کو اکھیڑ پھینکا سپاہیوں کے مسافرانہ چولھے اور ہانڈیاں توڑ ڈالیں اور چھاونی میں ایک طوفان بے تمیزی برپا کر دیا جس نے رہا سہا ارادہ بھی ملیا میٹ کر دیا اور تکبر و نخوت کے نشہ میں مست و سرشار کافروں کو سوائے بھاگنے اور اپنا سا منھ لیکر ذلیل و خوار اور ہزیمت خوردہ جہاں منہ سر سمائے چلدینے کے کوئی صورت نظر نہ آئی غرض صبح ہوتے وہ میدان بالکل خالی نظر آیا جہاں دس ہزار جوان پڑے دکھائی دیتے تھے اور گھوڑوں کی ہنہناہٹ سے کان پڑی آواز سُنائی نہیں دیتی تھی اور جب عالمتاب آفتاب نے افق مشرق سے مُنھ نکال کر جھانکا ہے تو اس سبزہ زار کو ہُو کا عالم اور ایک سناٹا برستا ہوا پایا جہاں مغرب میں مُنھ چھپاتے وقت کچھ عجیب چہل پہل کا سماں دیکھکر رخصت ہوا تھا

اس غزوہ میں چھ مسلمان شہید ہوئے اور تین کافر مارے گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ عظیم الشان جماعت جو دنیاوی اسباب پر نظر ڈالنے والوں کے نزدیک درحقیقت مسلمانوں کو نیست و نابود کر ڈالنے کے لئے کافی تھی محض خدائے کارساز کی قدرت سے جاڑے کی سرد ہوا اور اندھیاؤ کی اندرونی مصیبتوں سے پریشان و تباہ ہو کر اور طوفان و بارش کی مسلط بلا سے گھبرا کر خائب و خاسر واپس ہو گئی اور مسلمان ہنسی خوشی اطمینان کے ساتھ اپنے شہر میں داخل ہوئے۔

باب شصت (۵۹)

مسجد فتح اور مقدس غار۔ مدینہ منورہ حاضر ہونے والے مسلمانوں نے دیکھا ہوگا کہ کوہ سلع سے پچھاں کی جانب ایک اونچی سی مسجد ہے جس کی سیڑھیاں مشرق اور شمال کی طرف واقع ہیں۔ یہی وہ مسجد فتح ہے جس کا ہم مختصر تذکرہ کرنا چاہتے ہیں اس مبارک مسجد کو مسجد الاحزاب اور مسجد اعلیٰ بھی کہتے ہیں۔ اس مقدس جگہ پر جہاں یہ مسجد تعمیر کی گئی ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ خندق کے ایام میں نماز بھی پڑھی ہے اور پے درپے تین دن یعنی دوشنبہ سہ شنبہ چہار شنبہ کو فتح و نصرت کی دعا بھی مانگی ہے چنانچہ معتبر روایتوں سے ثابت ہے کہ یہاں اللہ کے پیارے پیغمبر ایک دو قدم چل کر کھڑے ہو گئے اور دونوں دستِ مبارک آسمان کی جانب اتنے اونچے اُٹھائے کہ شانہ سے ردائے مبارک

زمین پر گر پڑی اور نہایت عاجزی وزاری کے ساتھ یوں دعا مانگی "اے میرے اللہ تیرا شکر ہے تو نے مجھے گمراہی سے نکال کر ہدایت پر قائم کیا جس کو تو نے گھٹایا اُس کا کوئی بڑھانے والا نہیں۔ اور جسے تو نے بڑھایا چڑھایا اسکو کوئی گھٹانے والا نہیں۔ جسے تو ذلیل کرے اس کو کوئی عزت نہیں دے سکتا اور جس کو تو عزت دے اُسے کوئی ذلیل نہیں بنا سکتا جسے تو نے شکست دی اس کا کوئی مددگار نہیں اور جس کا تو مددگار رہے اس کو کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ جس کو تو ہی نہ دے اس کو کوئی دینے والا نہیں۔ اور جس کو تو عطا فرمائے اس کا کوئی روکنے والا نہیں جس کو تو محتاج بنائے اس کو کوئی رزق نہیں دے سکتا اور جس کو تو رزق مرحمت فرمائے اس کو کوئی محتاج نہیں بنا سکتا۔ جس کو تو نے نیچا دکھایا اُسے کوئی اونچا نہیں کر سکتا اور جس کو تو رفعت بخشے اس کو کوئی نیچا نہیں بنا سکتا۔ جسکی پردہ پوشی تو نے فرمائی کوئی اس کی پردہ دری نہیں کر سکتا۔ اور جس کی پردہ دری تو نے کر دی اس کا کوئی پردہ پوش نہیں۔ جس کو تو نے دُور کر دیا اس کو کوئی قریب کرنے والا نہیں۔ اور جسے تو نے قریب کیا اس کو کوئی دُور کرنے والا نہیں۔ اے غمگینوں کے فریاد رس اور اے بیکس و لاچار بندوں کی دعا قبول فرمانے والے خدا میرے رنج و غم اور تکلیف و کرب کو دُور فرما دے تو میری حالت اور میرے صحابہ کی حالت دیکھ رہا ہے ہم بیکسوں کی مدد فرما۔"

تیسرے روز یعنی چہار شنبہ کے روز دعا کی قبولیت کے آثار نمودار ہوئے اور اللہ کے مقدس فرشتے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے پیغام پہنچایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی درخواست منظور فرمائی اور آپ کو اور آپ کے صحابہ کو دشمن کے غلبہ اور ہول و ہراس سے محفوظ فرما کر امن و عافیت بخشی۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم یہ بشارت و مژدہ سنتے ہی دو زانو بیٹھ گئے اور دستِ مبارک پھیلا کر نگاہ نیچی فرما کر جناب باری میں عرض کیا (شکراً کما رحمتنی و اصحابی) میں شکر ادا کرتا ہوں جیسا کہ تو نے رحم فرمایا مجھ پر اور میرے اصحاب پر۔"

شیخ ابن زبالہ اسلامی مؤرخ فرماتے ہیں کہ غزوۂ احزاب کے دن رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد فتح میں فقط دعا فرمائی ہے غنیم کے خوف اور دشمنوں کی ہول و ہراس اور نیز خندق کے اہتمام اور کھدائی کے انصرام کے باعث ظہر و عصر و مغرب کی نماز کے پڑھنے کی فرصت نہیں پائی اور بعد مغرب سب نمازیں قضا کیں بہرحال اس متبرک مقام پر دعا کا مانگنا محقق ہے اور دعا مانگنے کی جگہ اس مسجد کا بیچ والا ستون ہے لیکن چونکہ اب عمارت میں تغیر کر دیا گیا ہے اس لئے اس مقدس جگہ کی زیارت کرنے والوں کو اجر و ثواب حاصل کرنے کے لئے صحن مسجد میں محراب کے مقابل کھڑا ہونا چاہئے البتہ دوسری روایتوں کو ملا کر یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا کھڑا ہونا مغرب کی جانب زیادہ قریب تھا اور اوپر تشریف لیجانے کا اتفاق شمالی سیڑھیوں کی طرف سے ہوا تھا اور دو قدم چل کر اللہ کے چاہیئے نبی کے کھڑے ہونے کی وہ جگہ ملتی ہے جو مشہور و معروف ہے۔

معتمد روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز پڑھنے کا بھی اس جگہ اتفاق ہوا ہے اگرچہ ہول و ہراس کے وقت

صرف دعا مانگی گئی ہے اور نماز قضا ہوگئی لیکن دوسرے ایام اور قضا نمازوں کے پڑھنے کا ثبوت تو موجود ہی ہے پھر کیا عجب ہے کہ اللہ کے پیارے رسول اور صحابہ کرام کی نماز ادا کرنے کا بھی اعزاز اسی جگہ کو حاصل ہوا ہو۔

حضرت معاذ بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد فتح میں نماز پڑھی ہے اور جتنی مسجدیں اس کے نیچے واقع ہیں سب میں نماز پڑھی ہے وہ پہلی مسجد جو مسجد فتح کے قریب قبلہ کی جانب واقع ہے مسجد سلمان فارسیؓ کہلاتی ہے اور دوسری مسجد جو اس کے پیچھے ہے اس کا نام مسجد علیؓ ہے اور پہاڑ کی جڑ میں قبلہ کی طرف سب سے چھوٹی مسجد کا نام مسجد ابوبکرؓ ہے اگرچہ وجہ تسمیہ کسی صریح اور صاف روایت سے معلوم نہیں ہوئی مگر بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ احزاب کے دن یہ حضرات انہیں مقامات پر ٹھیرے ہوں گے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے رونق افروز ہو کر نماز پڑھی ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سب سے پہلے ان مساجد کو حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانۂ حکومت میں تعمیر کرایا اور جب امتدادِ زمانہ کے باعث یہ مقدس مسجدیں منہدم ہوگئیں تو عبیدیہ ملوک مصر کے مشہور وزیر سیف الدین بن ابی الہیجا نے ۵۷۵ھ میں اوپر والی مسجد کی تجدید کی اور اس کے بعد ۵۷۶ھ میں دو مسجدیں اور بنائیں پھر ۸۷۶ھ میں امیر مدینہ زین الدین ضیغم منصوری نے مسجد علی مرتضیٰؓ کو نئے سرے سے بنایا لیکن اس مسجد کی جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب تھی کسی نے تجدید نہیں کی عرصہ دراز تک منہدم اور ویران پڑی رہی آخرکار ۱۲۹۹ھ میں بعض اہلِ دل اور نیک خیال حضرات کو اس مقدس مسجد کے تجدید کی بھی توفیق ہوئی اگرچہ مسجد فتح خاص وہی سیڑھیوں والی مسجد ہے جو سب سے اونچی جگہ پر واقع ہے مگر اب اس کے آس پاس کی وہ ساری مسجدیں جو قبلہ کی سمت واقع ہیں سب مساجد فتح کہلاتی ہیں۔

غزوۂ احزاب میں قریشی لشکر سے حفاظت کے لئے جو خندق کھودا گیا تھا وہ کوہ سلع سے پچھاں کی جانب مصلائے عید تک اور مساجد فتح سے ذباب تک تھا مگر اب سوائے اس مقام کے جس کی زیارت کے لئے زائرین جاتے اور تبرک حاصل کر کے واپس ہو جاتے ہیں خندق کا نشان بھی باقی نہیں ہے۔

مسجد ذباب۔ وہ مسجد ہے جو مدینہ منورہ سے ملک شام کی راہ پر جانے والے مسافر کے داہنی جانب اس اونچی پہاڑی پر پڑتی ہے جس کا نام کوہ ذباب ہے اس مسجد کی پہلی تعمیر بھی عمر بن عبد العزیزؒ کے ہاتھوں ہوئی ہے اور پھر منہدم ہونے کے بعد ۸۶۱ھ یا ۸۶۲ھ میں امرائے مدینہ مطہرہ میں سے کسی معزز شخص نے اس کی تجدید کی ہے۔ اس مسجد ذباب اور مساجد فتح کے مابین وہی کوہ سلع حائل ہے کیونکہ اس کے پچھاں کی طرف مساجد فتح واقع ہیں اور پورب کی جانب یہ مقدس مسجد ایک اونچے مکان پر واقع ہے جہاں سے شہر مدینہ طیبہ اور حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا قبہ مطہرہ بھی صاف نظر آتا ہے۔ اس مبارک جگہ پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے اور غزوۂ تبوک سے واپسی

کے وقت آپ کا خیمہ مبارک بھی اسی کوہ ذباب پر نصب ہوا تھا اور بعض روایتوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جنگ خندق کے ایام میں بھی خیمہ عالیہ اسی مقدس پہاڑی پر منصوب تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد ذباب کا نام بدل گیا ہے اور یہ مقدس مسجد آج کل مسجد الرایہ کے نام سے مشہور ہے۔ تاریخی سلسلہ اور واقعات کے تذکرہ میں ان مقامات متبرکہ کا ذکر بظاہر بے موقع معلوم ہوتا ہے لیکن صرف اس غرض سے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے والے مسلمان اور حضرت کے شیدائی عشاق کو ان جگہوں سے بھی خاص النسبت اور محبت ہوتی ہے جہاں پیارے محبوب کے قیام و سکون یا مجاہدہ و ریاضت یا نماز و دعا کا اتفاق پیش آیا ہو اس لئے خلاف عادت اس مقام پر یہ بیان مختصر طور پر ناظرین کی پیشکش کر دیا گیا تاکہ تقدیر یاوری کرے اور آستانہ عالیہ کی حاضری نصیب ہو تو ان مقدس مشاہد پر حاضر ہوتے وقت ان واقعات کو یاد کر لیں اور دعا مانگتے وقت گناہگار مؤلف کو بھی فراموش نہ کریں۔

مدینہ منورہ سے مسجد فتح کو جاتے ہوئے نصف راستہ پر جبل سلع کی گھاٹی میں داہنے ہاتھ پر مسجد بنی حرام واقع ہے جس کی فقط چار دیواری باقی رہ گئی ہے اور اس گھاٹی کے قریب ایک غار ہے جس کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام غزوہ خندق میں رونق بخشی ہے اور خلوت میں اپنے حقیقی محبوب کے ساتھ راز و نیاز کے لئے بعض اوقات یہاں شب باش ہوئے ہیں۔ چنانچہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے شوق میں گھر سے باہر نکلا اور امہات المومنین کے حجروں میں ڈھونڈھ پھرا لیکن اپنے محبوب کو موجود نہ پاکر بیتاب ہو گیا اور ناچار اس کوچہ کی طرف متوجہ ہوا جدھر اکثر اوقات حضرت تشریف لے جایا کرتے تھے غرض لوگوں سے پوچھتا اور پتہ لیتا ہوا کوہ سلع تک جا پہنچا۔ اور اوپر چڑھ کر دائیں بائیں اس طرح نگاہ کرنے لگا جیسے کوئی دلدادہ عاشق اپنے بچھڑے ہوئے معشوق کو ڈھونڈھتا پھرتا ہے یکایک ایک غار کے اندر میری نظر جا پڑی اور دیکھا کہ مقتدائے عالم پیارے پیغمبر سر بسجود ہیں اور خلوت و تنہائی میں اپنے پاک پروردگار سے راز و نیاز اور مناجات میں مشغول ہیں میرا مقصود حاصل ہو گیا اور پریشان حال طالب کو مطلوب تو مل گیا لیکن ہیبت کی وجہ سے اتنی جرأت نہ ہوئی کہ اوپر چڑھوں اور پاس جا بیٹھوں یا آواز دیکر اپنا حاضر ہونا جتاؤں بلکہ رسالت خداوندی اور اس خاص حالت کے رعب کی وجہ سے وہاں بھی نہ ٹھیر سکا جہاں کھڑا تھا اس لئے فوراً نیچے اتر آیا مگر اس انتظار میں کھڑا ہو گیا کہ فارغ ہو کر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں اور نیچے اتریں گے تو ہمرکابی کا فخر حاصل کر دوں گا۔

تھوڑی دیر ہو گئی اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی دہشت و پریشانی اور انتظار کی تکلیف نے بے چین و بے صبر بنا دیا اس لئے پھر اوپر چڑھے اور جھانک کر دیکھا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تک سجدہ میں پڑے ہوئے ہیں اور چونکہ اس حالت کو عرصہ گذر چکا تھا اس لئے ان کو گمان پیدا ہوا کہ شاید ہمارے دینی سردار نے دنیا سے رحلت

فرمائی مثل مشہور ہے کہ اپنے پیارے کی جانب بدگمانی جلد پیدا ہوتی ہے اس لئے حضرت معاذ رضؓ اس خیال و وہم سے پریشان ہوگئے یکایک رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدے سے سر مبارک اٹھایا اور اپنے جان نثار صحابی کو کھڑا دیکھکر یوں خطاب فرمایا کہ اے معاذ جبریل امین نے میرے پاس آکر کہا کہ اے محمد حق تعالیٰ نے سلام کے بعد ارشاد فرمایا ہے کہ تم کو کچھ خبر بھی ہے کہ قیامت کے دن تمھاری امت کے ساتھ ہمارا معاملہ کیونکر ہوگا اس کے جواب میں میں نے عرض کیا کہ بار الہا تیرا علم سب سے زیادہ اور تیری قوت نہایت زبردست ہے غیب کی خبریں تجھ ہی کو سزاوار ہیں مجھے کیا علم ہوسکتا ہے کہ اس بیچاری امت مرحومہ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے گا چنانچہ اس کے بعد جبریل امین دوبارہ آئے اور یہ مژدہ سنایا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محمد تم اپنا دل خوش اور خاطر عاطر مطمئن رکھو ہم تمھاری امت کے ساتھ وہ برتاؤ نہ کریں گے جو تمھاری دل آزاری کا باعث ہو۔ یہ روح بخش بشارت سنکر میں سجدہ میں گر پڑا اور اس نعمت عظمیٰ کا شکریہ ادا کیا۔ اے معاذ رضؓ جو حالتیں بندے کو اپنے مہربان پروردگار سے نزدیک بناتی ہیں ان سب میں بہتر سجدہ ہے"۔

یہی وہ مبارک غار ہے جس میں اس فرحت انگیز مژدہ کا شکریہ ادا ہوا جس کو ہم نے بیان کیا ہے اور زائرین مدینۃ الرسول نے غالباً زیارت بھی کی ہوگی۔

پیارے مسلمانو! اس مختصر رسالہ میں زیادہ تر مشہور واقعات اور غزوات و سریات کا تذکرہ مقصود ہے اس لئے اپنے سردار پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ محبت و عنایت جو تمھارے حال پر رہی اور ہے اور ہمیشہ رہیگی بیان میں نہیں آسکتی۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت اور گناہگار امت مرحومہ پر شفقت و مہربانی کے متعلق واقعات بیان کئے جائیں تو اس سے زیادہ ضخیم کتاب تیار ہو جتنی مشہور و معروف قصص و واقعات کے تذکرہ میں مرتب ہوئی ہوگی افسوس ہمیں اس مبارک بیان کی اس رسالہ میں گنجائش نہیں ملتی اور کہیں کہیں اشارۃً ایک دو واقعہ اس کے متعلق بیان کے سلسلہ میں آ بھی جاتا ہے تو اس کا خوف رہتا ہے کہ ہمارے معزز ناظرین بے محل نہ سمجھیں اور یہ نہ کہیں کہ سوانحعمری میں وعظ و نصیحت سے کیا علاقہ۔ مگر ہاں چونکہ اپنے مہربان و کرم گستر طبیب روحانی اور مشفق و محسن دینی باپ کی محبت اپنی نجات کا ذریعہ ہے اس لئے سلسلہ بیان میں کنایۃً اور اختصاراً اس کا بیان بھی اجر و ثواب سے خالی نہیں۔

باب (۶۰)

اسلام کی پانچویں جنگ (بنی قریظہ)۔ ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے کہ حق تعالیٰ کی غیبی نصرت اور فرشتوں کی جماعت نے قریشی لشکر کی ایسی خبر لی کہ کہیں پتہ تک نہ لگا سب کے سب بھاگ نکلے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مژدہ سنا کر مدینہ کو واپس فرمائی کہ اب ان کو ہم پر چڑھکر آنا کبھی نصیب نہ ہوگا ان کی ترکی تمام ہو چکی اب آئندہ ہم ہی ان پر چڑھیں گے اور اُن کو نیست و نابود کریں گے۔ چنانچہ درحقیقت ایسا ہی ہوا کیونکہ اسکے بعد کبھی کافروں کو اتنی جرأت نہ ہوئی کہ اسلامی لشکر پر ابتداءً حملہ کریں بلکہ مسلمانوں ہی کو لشکرکشی کا موقع ملا اور اسلام کی روح پھونکنے والی مقناطیسی

قوت نے چند سال بعد مکہ پر اور خیبر رفتہ رفتہ خدا کی وسیع زمین کے کناروں تک اپنا قبضہ کر لیا۔

مسلمانوں کے نزدیک یہ فتح ابھی کامل نہ تھی کیونکہ ابھی تک ان کی ایک مخالف جماعت یعنی یہود بنی قریظہ کی بد طینت قوم مدینہ ہی میں موجود تھی جن کے مکر و فریب سے مسلمان کسی طرح مطمئن نہ تھے کیونکہ ان کے معاہدہ اور قسم کھانے کا بھی اعتبار نہ رہا تھا اور معلوم ہو چکا تھا کہ یہ دغاباز گروہ آستین کا سانپ اور گھر کا بھیدی دشمن ہے اس کی ظاہری چاپلوسی اور خوشامد اس زہریلے خوشنما سانپ کی طرح نظر میں مرغوب معلوم ہوتی ہے جس کی کھال کے خوبصورت رنگین بیل بوٹے دل کو لبھائیں اور منہ میں بھرا ہوا زہر جو ہر وقت اگلنے کے لئے موجود ہے ہلاک کرنے کو آمادہ و تیار رہے۔ اس لئے مناسب یہی تھا کہ یہودیوں پر ان کے حملہ کرنے سے قبل ہی حملہ کیا جائے اور اس مفسد تخم سے مدینہ کی مقدس زمین ہمیشہ کے لئے خالی اور صاف کر لی جائے تاکہ اطمینان کی زندگی نصیب ہو۔

جب اسلامی لشکر کے سپہ سالار نے جنگ خندق سے فارغ ہو کر دولتخانہ میں قدم رنجہ فرمایا تو جنگ کے ہتیار کھول کر غسل فرمانے کے لئے خلوت کے مکان میں تشریف لے گئے ہنوز آپ غسل خانہ میں تھے اور مبارک سر میں ایک ہی طرف شانہ کیا تھا چاہتے تھے کہ غسل کامل کر کے جسم شریف سے سفر کی مشقت اور جنگ کی کلفت کو دور فرما دیں کہ یکایک مکان کے دروازہ کی جانب نظر جا پڑی اور اللہ تعالیٰ کے مقدس فرشتے حضرت جبریل امین کو دیکھا کہ آسمانی گھوڑے پر سوار ہو کر سامان جنگ سے مسلح اور تیار زرہ پہنے غبار آلودہ کھڑے عرض کر رہے ہیں کہ ہم نے تو ابھی ہتیار کھولے نہیں اور آپ ابھی سے مطمئن ہو گئے ہتیار سنبھالئے اور تشریف لے چلئے کیونکہ حق تعالیٰ کا حکم ہے کہ بہت جلد یہود بنی قریظہ پر حملہ کیا جائے اس لئے کہ ان بدنصیبوں کا وقت برابر ہو چکا اور مسلمانوں کی کامل فتح کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔

غرض یہ شاہنشاہی فرمان رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے کان میں پڑا اور آپ نے اسی وقت اسلامی لشکر کو قطعی اور واجب التعمیل حکم دیدیا کہ کوئی مسلمان عصر کی نماز بنی قریظہ کے محلہ سے ورے نہ پڑھے کیونکہ ابھی مسلمان سپاہیوں کو ایک بڑی مہم درپیش ہے جس کا انتظام نہایت ضروری ہے۔

ظاہر ہے کہ اس افسری فرمان کا یہ منشا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو محلہ بنی قریظہ میں جلد پہنچنا چاہئے مگر باوجود عجلت کے جب راستہ میں آفتاب غروب ہونے لگا تو رسول کے جان نثار اصحاب میں اس مسئلہ کے اندر اختلاف ہوا کہ عصر کا وقت نکلا جاتا ہے نماز پڑھ لیں یا حکم اقدس کے ظاہری الفاظ پر عمل کریں اور مقام معہود پر پہنچنے سے پہلے نماز ہی نہ پڑھیں ان میں سے چند حضرات نے تو نماز پڑھ لی اور کہا کہ حضرت کے ارشاد کا منشا یہ نہیں ہے کہ نماز کا وقت نکل بھی جائے تب بھی نماز نہ پڑھی جائے مگر بعض اصحاب نے نماز قضا کر دی اور بنی قریظہ کے اس مضبوط قلعہ کی دیوار کے نیچے جا کر مغرب کے وقت میں عصر کی نماز پڑھی جس کا محاصرہ کرنا مقصود تھا۔ یہ واقعہ سنکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں فریق کی تعریف کی اور کسی پر عتاب نہیں فرمایا کیونکہ ہر ایک کی نیت بخیر تھی۔

مگر اس قصہ سے یہ بات ضرور سمجھ میں آگئی کہ سمجھدار دیندار وں اور مطلب کی تہہ پر پہنچنے والے مجتہد اماموں کا کوئی سمجھا ہوا کام جو بظاہر کسی حدیث کے الفاظ سے مخالف نظر آئے تو اس کو خلاف نہ سمجھنا چاہیے کیونکہ مقصود اطاعت اور اصل منشار کا سمجھ لینا اور ماننا ہے اور اسی پر عمل کر لینا خدا کے رسول کو پسند اور حق تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہے۔ اجتہادی خطا پر مواخذہ نہیں ہے۔ اور اسی اجتہاد سے اگر متناقض اور مخالف نتیجہ بھی پیدا ہو تب بھی دونوں حق اور صواب پر کہے جا سکتے ہیں اور یہ پوری دلیل ہے ان چاروں اماموں کے مختلف اقوال کے برحق اور درست ہونے کی جن کی مقلد مسلمان تقلید کئے ہوئے ہیں اور سمجھے ہوئے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کا امام کے پیچھے الحمد پڑھنے کو حرام سمجھنا اور امام شافعیؒ کا قرأۃ فاتحہ خلف الامام کو فرض کہنا بعینہٖ ایسا ہے جیسا بعض صحابہ کا غروب آفتاب کے قریب عصر کی نماز کا پڑھ لینا اور دوسرے حضرات کا محلہ بنی قریظہ میں پہنچکر نماز کا قضا پڑھنا۔

بہرحال تاریخی سلسلہ میں ہمارا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خاص جھنڈا مرحمت فرماکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدمۃ الجیش بنایا اور اسلامی لشکر نے بنی قریظہ کے قلعہ پر حملہ کیا اور گڑھی کو چاروں طرف سے گھیر لیا تاکہ یہ بھی تنگ آکر بنی نضیر کی طرح نیچے اتر آئیں اور اس کے بعد جو کچھ اسلامی سپہ سالار کا حکم ہو وہ عمل میں لایا جائے۔

جس دن یہ حملہ کیا گیا تھا اس روز ماہ ذیقعدہ کے ختم ہونے میں سات دن باقی رہ گئے تھے اور کامل پچیس ۲۵ روز تک مسلمان ان یہودیوں کا محاصرہ کئے پڑے رہے آخر کو یہودی تنگ آگئے اور مصالحت کا پیام وسلام شروع ہوا۔

غالباً ہم ایک مقام پر بیان کر چکے ہیں کہ بنی قریظہ کے یہودیوں کو مدینہ کے انصار میں قبیلہ اوس کے ساتھ زیادہ تعلق تھا کیونکہ یہ دونوں قومیں باہم حلیف بھی تھیں اور آپس میں اس بات پر عہد و پیمان کئے ہوئے تھیں کہ ایک دوسرے کا معین و مددگار رہوگا اس بنا پر ان بدنصیب یہودیوں نے قبیلہ اوس کے دانشمند اور معزز مسلمان حضرت ابولبابہ سے مشورہ لیا اور کہا کہ ہم گڑھی میں محصور رہتے رہتے تنگ آگئے ہیں چاہتے ہیں کہ قلعہ کا دروازہ کھول دیں اور اس بات پر نیچے اتر آویں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ہمارے لئے حکم فرماویں وہ ہم کو منظور ہے تم ہم کو اپنے مہربان سپہ سالار کے حضور میں لیچلو اور عذر خواہی کر کے جان بخشی کرا دو۔ یہودی بچے اور یہودنیں حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر گر پڑے اور گریہ وزاری شروع کر دی۔ [illegible] گڑگڑانے اور منت وسماجت کرنے سے [illegible] کو ترس آگیا اور خیر خواہی کا وعدہ کر لیا کہ میں ایسا کر دوں گا۔

حضرت ابولبابہ مسلمان تھے اور کفر و اسلام کا فرق ہوتے ہوئے [illegible] محبت کا پاس [illegible] [illegible] مسلمان کو مناسب نہ تھا کہ وہ جواب دیتے جو رسولؐ کی منشا کے موافق ہو اور ایسا کلمہ زبان سے [illegible] کسی [illegible] کا اظہار [illegible] قابل [illegible] اس کا اعلان ہو مگر افسوس ان کو پرانے تعلق کا خیال آگیا اور انھوں نے اپنی حلق

کی جانب اشارہ کرکے جواب دیا گویا مشورہ لینے والے یہودیوں کو سمجھا دیا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ تمھارے قتل کر دینے کا ہے اگر تم نیچے اتر آئے تو یقیناً مارے جاؤ گے اور تمہارا خون گلے کاٹ کاٹ کر اسی گڑھی کے نیچے بہا دیا جائے گا چنانچہ بنی قریظہ نے پلٹا کھایا اور اس شرط پر نیچے اترنا منظور کیا کہ معاذ کے بیٹے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سر پنچ بنائے جائیں اور جو کچھ بھی وہ حکم دیدیں اس کو فریقین منظور کرلیں اس کے خلاف کرنے کی کوئی جرأت نہ کرے ورنہ عہد کو توڑنے والا غدار سمجھا جائے گا۔

حضرت سعد بن معاذ بھی اُسی قبیلہ اوس کے معزز سردار تھے جو یہود بنی قریظہ سے قسماً عہدی کئے ہوئے تھا مگر غزوۂ خندق میں زخمی ہوئے پڑے تھے اتنی طاقت نہ تھی کہ پاؤں چل کر مجلس میں آسکیں اور سر پنچ بنکر قطعی فیصلہ کا حکم سُنا دیں کیونکہ اس جنگ احزاب میں عرفہ کے بیٹے جہاں قریشی کا تیر ان کے ہاتھ کی رگ میں ایسا آکر لگا تھا کہ رگ کا مُنھ کھل گیا اور خون برابر جاری تھا کسی طرح بند ہونے میں نہیں آتا تھا اور یہ پڑے ہوئے دعا کر رہے تھے کہ "اے رب العزت اگر جہاد کے متعلق مجھ سے ابھی کچھ اور کام لینا باقی ہے تو مجھ کو صحت دے کہ دل کھول کر کافروں سے لڑوں اور اگر جنگ ختم ہو چکی ہے تو اسی تکلیف میں مجھ کو موت مرحمت فرما تاکہ شہیدوں کے دفتر میں نام لکھا جائے البتہ اگر اتنی مہلت ملجائے کہ یہود بنی قریظہ کا انجام اور اسلامی لشکر کے محاصرہ کا نتیجہ دیکھ لوں تو تیرا کرم ہے کیونکہ ایک بد عہد اور مکار قوم کی سزا کو آنکھوں سے دیکھ لینے کی تمنا باقی ہے جس کا پورا کرنا تیرے اختیار میں ہے۔"

جس وقت فریقین نے حضرت سعدؓ کا سر پنچ ہونا منظور کیا ہے اُن کے زخمی ہاتھ کا خون بند ہو چکا تھا اس لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی طلبی کے حکم سے اپنی سواری کے گدھے پر سوار ہو کر فوراً عام مجمع میں آئے اور ہر دو طرف کے آدمیوں کی مشتاق و امیدوار نظریں اس انتظار میں ان کی جانب اٹھیں کہ دیکھئے کیا حکم دیتے اور کیا فیصلہ زبان سے کرتے ہیں کیونکہ درحقیقت اس وقت سیکڑوں جانوں کی دنیاوی زندگی کا تصفیہ ان کی زبان کے ایک کلمہ پر موقوف تھا اور ہزاروں امیدیں اس لفظ سے وابستہ تھیں جو ان کی زبان کی حرکت سے پیدا ہونے والا تھا۔

اس وقت یہود بنی قریظہ کا عجیب حال تھا کیونکہ وہ اپنی سزا کا پورا اختیار حضرت سعدؓ بن معاذ کے ہاتھ میں دے چکے تھے اور یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ہمارے پُرانے رفیق اپنی رفاقت کا حق ضرور ادا کریں گے اور جس طرح ہمارے دینی بھائیوں یعنی یہود بنی نضیر کی جان ان کے قدیمی دوست یعنی قبیلہ خزرج کے انصار کا معزز رئیس اُبی کا بیٹا عبداللہ منافق بچا چکا ہے اسی طرح ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا جائے گا مگر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے مجلس میں آتے ہی ان کی ساری امیدوں اور آرزوؤں پر یک لخت پانی پھیر دیا اور سر پنچ بنکر فیصلہ کا قطعی حکم یوں سُنایا کہ "ان دغاباز یہودیوں کے تمام مرد یعنی لڑنے کے قابل آدمی مار ڈالے جائیں اور عورتیں ولڑکے مع کل مال و اسباب مسلمانوں کے حوالہ ہوں تاکہ مسلمان ان کو لونڈی غلام بنائیں اور اپنے مالی ضعف کا جبر نقصان کریں۔"

شرائط کی پابندی کے بموجب سرپنچ منصف انصاری مسلمان کا یہ حکم عمل میں لا یا گیا اور آج مدینہ منورہ قوم یہود کے لڑنے والے شیروں سے بالکل خالی ہو گیا کیونکہ باقی ماندہ قوم بنی قریظہ میں جتنے مرد تھے وہ سب قتل کر دیئے گئے اور مال وجائداد ضبط ہو کر مسلمانان مدینہ کے قبضہ میں آیا اور نابالغ بچے غلام بنائے گئے اور یہودنیں باندیاں بنکر اہل اسلام کے تحت تصرف میں داخل ہوئیں چونکہ حضرت سعدؓ بن معاذ کی منھ مانگی دعا قبول ہو چکی تھی اس لئے دولت خانہ پر واپس پہنچتے ہی زخم کا انگور پھٹ گیا بندھا ہوا خون سینہ کے زخم سے جو قریب قریب اچھا ہو گیا تھا دوبارہ پھر جاری ہوا جس کی اطلاع مسلمانوں کو اس وقت ہوئی جبکہ بنی غفار کے اس خیمہ تک خون بہتا ہوا پہنچ لیا جو مسجد میں منصوب تھا جس وقت سرخ ندی لوگوں نے دیکھی تو باہم کہنے لگے کہ دیکھو یہ خون کہاں سے آرہا ہے چنانچہ چند آدمی ادھر ادھر تفتیش کرنے لگے اور جس وقت پاس والے مکان میں گئے تو معلوم ہوا کہ پانچویں اسلامی جنگ کے سرپنچ و حکم بحالت جاں کنی دنیاوی تعلقات کو منقطع اور اپنے محبوب حقیقی کے وابستہ علاقہ کو یکسو کر رہے ہیں۔ آخر کار یہ خون بند نہ ہوا اور حضرت سعدؓ شربت شہادت نوش فرما کر راہی ملک بقا ہوئے انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جان نثار مستجاب الدعا صحابی کے جنازے کی نماز پڑھی اور حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کے احاطہ کے پاس جو گلی گئی تھی اس گلی کے ایک طرف اقصٰی بقیع میں انھیں کے مکان کے پاس دفن فرمایا۔ اسلامی معتبر مورخ کا بیان ہے کہ اس مقدس مزار کی پوری تحدید اس قبہ کی جگہ پر صادق آتی ہے جو حضرت فاطمہ بنت اسد کی جانب منسوب ہے۔ غالب یہی ہے کہ یہ مزار حضرت سعدؓ ہی کا ہے اور قبر فاطمہ بنت اسدؓ اس کو کسی ایسے شبہ کی وجہ سے کہتے ہیں جس کا سبب معلوم نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

باب (۶۱)

ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ۔ زائرین مدینہ طیبہ نے مشاہد مقامات متبرکہ کی زیارت کے وقت اس مسجد کی بھی زیارت کی ہوگی جو تمام باغات کی انتہا پر حرۂ شرقیہ کے پاس مسجد شمس کے مشرق کی جانب واقع ہے اور مسجد قریظہ کے نام سے مشہور ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس محاصرہ میں اسی جگہ قیام فرمایا تھا چنانچہ بعد میں اس مقدس مقام پر مسجد تعمیر کر دی گئی تاکہ آنے والی نسلیں زیارت سے مستفیض ہوں۔

اس مقام کے جوار میں ایک عورت کا گھر بھی واقع تھا جس میں اللہ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی اور جس کو ولید بن عبدالملک نے اس مسجد کی بنا کے وقت مسجد میں شامل کر دیا ہے وہ متبرک جگہ مسجد کے شمال کی طرف پچھاں کے کونے پر واقع ہے۔ اس جگہ عمارت قدیم میں ایک منارہ تھا جو خصوصیت قائم رکھنے کے خیال سے مسجد قبا کے منارے کی وضع پر بنایا گیا تھا مگر ایک زمانہ کے بعد منارہ گر گیا اور سن سات سو کے قریب تک اس کا کچھ اثر بھی باقی رہا اس کے بعد اُس جگہ پر ڈیڑھ قد آدم اونچا ایک چبوترہ بنا دیا گیا جو اب تک موجود ہے

اس مسجد کی قدیمی عمارت چھت اور ستون اور منارہ وغیرہ کے اعتبار سے بالکل مسجد کی سی تھی مگر اب صرف ایک چار دیواری باقی ہے جس کی وسعت قبلے سے شام کی طرف تخمیناً پچیس گز اور مشرق سے مغرب کی جانب تینتالیس گز ہے

اس محاصرہ میں حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے جو جو کچھ خطا سرزد ہوئی اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے البتہ یہ ہم ضرور کہہ سکتے ہیں کہ ان سے جو قصور ہوا وہ ازراہ بشریت یہودیوں کا جزع فزع دیکھ کر سرزد ہوا اس لئے جب جنگ و محاصرہ سے اسلامی لشکر نے فراغت پائی تو حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو اپنے جرم و قصور پر تنبہ ہوا اور سمجھے کہ مجھ سے خدا اور رسول کے حق میں خیانت صادر ہوئی اور میں نے ناجائز طریقہ سے اللہ کے نافرمان اور بدنصیب یہودیوں کا خیرخواہ بن کر ایسا کیا ہے اس لئے مجھ کو ضرور توبہ کرنی چاہیے۔

کامل و مکمل پیغمبر اور سید المرسلین پیشوائے امت کی مقدس صحبت کے فیضان نے ان خوش قسمت حضرات کو کچھ ایسا پاک طینت اور صاف دل بنا دیا تھا کہ کسی گناہ کی تلویث اور جرم کی خفیف نجاست بھی فوراً کھٹکتی اور طہارت و پاک دلی کی جانب مشغولیت ہو جاتی تھی کیونکہ ان کے قلوب اس دھلے ہوئے سپید کپڑے کی مثال ہو گئے تھے جس پر چاول برابر سیاہی کا دھبہ بھی فوراً نظر آتا اور بدنما و بدزیب بنکر دیکھنے والوں کو اوپری معلوم ہوتا تھا۔

حق تعالیٰ کی معصیت جس کا نام گناہ یا قصور ہے اخروی حیات کے برباد کرنے کے لئے زہر ہلاہل کی خاصیت رکھتا ہے جس کا ہضم ہو جانا گویا موت کی خبر لانا اور ہلاکت کی اطلاع دینا سمجھا گیا ہے اس لئے زہے تقدیر ان گنہگار بندوں کی جن کو گناہ کرتے ہی ندامت و حیا آئے اور اس کے تدارک و تلافی میں جہانتک ممکن ہو جلدی کریں تاکہ سم قاتل اپنا اثر کرنے سے پہلے بے نیل و مرام خارج ہو جائے۔

توبہ میں تعویق و تاخیر یا اس امید پر گناہ کی جرأت و معصیت کا ارتکاب کہ کل توبہ کر لیں گے ایسا مہلک مرض ہے جس سے نجات بڑی دشوار ہے اور درحقیقت ایسا خیال اس کی دلیل ہے کہ حق تعالیٰ کو اس بندہ کے ساتھ کوئی خاص قسم کا معاملہ فرمانا مقصود ہے جس کی بنا پر توبہ کی توفیق نہیں دی جاتی اور ناپائیدار زیست اور موہوم حیات میں اچانک اس کو بے توبہ دنیا سے اٹھا لینا منظور ہے اور اس کے مؤید و مثبت واقعات دنیا میں بھی ہزارہا ملیں گے جن کو تجربہ کار اور آخرت کے متعلق عقل و سمجھ رکھنے والے صاف دل مسلمانوں نے اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ بھلا زہر کھائے پیچھے قے کرتے ہیں، ایک گھنٹہ کا وقفہ بھی کیا مضر ثابت نہیں ہوا اور کیا اتنی بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جو شخص دو دن کا پیدا ہوا درخت نہیں اکھاڑ سکتا وہ کل کو جبکہ اس درخت کی جڑ آج کی بہ نسبت زیادہ مضبوط ہو جائے گی کیونکر اکھاڑ سکے گا۔ یہ حیلہ حوالہ نامرد و ضعیف اور مکر و دغاباز لوگوں کا کام ہے جس مسلمان سے کوئی خلاف شرع کام آج نہیں چھوڑا گیا وہ کل جبکہ اس کی لذت زیادہ ہو گئی ہے اس کو کس طرح چھوڑ دیگا ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو اور فکر و تدبیر کی میزان میں تولو کہ تمہارے زبردست پیشواؤں نے عفو تقصیر

میں کس قدر عجلت اور جفاکشی و محنت سے کام لیا ہے حالانکہ ان کی حسنات کا پلہ سیات و جرائم کے وزن سے بدرجہا بڑھا ہوا تھا مگر چونکہ سمجھے ہوئے تھے کہ بے نیاز خدا کی بے نیازی خدا جانے کس قصور پہ گرفت کر بیٹھے اس لئے اتنا بھی گوارا نہ ہو سکتا تھا کہ اپنے شفاف لباس ایمان پر گناہ کی سیاہی کا دھبہ ایک دو دن بھی قائم رکھیں۔

ممکن تھا کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمنشین احباب اور جان نثار اصحاب سے کوئی قصور صادر نہ ہوتا اور معصوم رکھے جاتے مگر چونکہ آنے والی امت کے لئے اس ابتدائی سلسلہ میں ہر قسم کا نمونہ قائم کرنا ضرور تھا اس لئے دکھادیا گیا کہ مجرم و قصوروار مسلمان کو توبہ و استغفار میں جہانتک ممکن ہو عجلت کرنی چاہئے۔ اور کم سے کم فکر و تشویش اور انتظام و تدبیر میں اتنی کلفت و کوشش ضرور اٹھانی چاہئے جتنی سہو ونسیان میں زہر یا سنکھیا کھا لینے والے کو استفراغ یا اسہال کے علاج میں سعی و عجلت سے کام لینا پڑتا ہے۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ اپنے کئے ہوئے قصور کو یاد کرکے بے چین ہوگئے اور فوراً مسجد نبوی میں حاضر ہو کر اس تقصیر کی عذر خواہی میں اپنے آپ کو اس لکڑی کے ساتھ بھاری زنجیر سے باندھ دیا جو زمانہ رسالت سراپا برکت میں اس ستون کی جگہ تھی جس کو آجکل اسطوانہ توبہ کہا جاتا ہے اور نیز اسطوانۂ ابی لبابہ کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت ابولبابہ رض کو کامل دس روز اسی حالت پر گذر گئے کہ اپنی ناشائستہ حرکت پر نادم اور توبہ کی قبولیت کے مستدعی رہے ہر وقت گریہ و زاری میں مشغول اور آہ و بکاہ میں مصروف تھے نہ کھانے کا ہوش تھا نہ پینے کی خبر تھی یہانتک کہ بھوک کی شدت اور رونے پیٹنے کی کثرت کے باعث قوت سامعہ اپنے کام سے جاتی رہی اور سماعت میں فتور آگیا تھا۔ جسم لاغر ہو گیا ہڈیاں نظر آنے لگیں اور بینائی نہایت درجہ کمزور ہوگئی تھی۔

حق تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ و مخلص بندوں کی آزمائش میں کبھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں فرمایا اور جب تک اچھی طرح جھٹر جھڑا کر نہیں جانچا اس وقت تک کامیابی کی سند اور قابل قدر دستاویز مرحمت نہیں فرمائی اسلئے جب ابولبابہؓ کو بھوکے پیاسے روتے دھوتے اتنا زمانہ گذر لیا کہ قریب تھا قوت بصارت بھی جاتی رہے تو اسوقت مہربان خدا کا بحر رحمت جوش زن ہوا اور توبہ کی قبولیت میں آیت مقدسہ نازل ہوئی:

حضرت ابولبابہؓ نے قسم کھائی تھی کہ میں اس بھاری زنجیر کی قید سے نہ کھلوں گا جبتک کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے نہ کھولیں گے اور نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا یہانتک کہ اسی نازک حالت میں یا مرجاؤں گا اور میرا گناہ بخشدیا جائے گا چنانچہ جس وقت سید الکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمانے لگے کہ اگر ابولبابہ پہلے ہی میرے پاس آجاتا تو میں اس کے واسطے شرط استغفار بجا لاتا لیکن جب اس نے اپنے آپ کو حق تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کے لئے باندھ دیا اور زنجیروں میں جکڑ لیا ہے تو میں مجبور ہوں جبتک حق تعالیٰ کا حکم نازل نہ ہو گا اس وقت تک میں ہرگز کھولنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

حضرت ابو لبابہ رضؓ نے اپنی قسم کو پورا کر دیا کیونکہ پورے دس دن تک سوائے گریہ وزاری کسی بات سے سروکار نہیں رکھا البتہ نماز اور قضائے حاجت کے وقت ان کے صاحبزادے آکر اپنے گناہگار باپ کو کھول دیتے تھے اور فراغت کے بعد پھر اسی زنجیر میں جکڑ دیتے تھے یہاں تک کہ جب آزمائش ختم ہو لی اور مستقل مزاج و ثابت قدم بندۂ خدا نے اپنی ندامت و استغفار کو عبودیت کی کسوٹی پر پرکھا دیا تو آیۂ کریمہ "یا ایہا الذین آمنوا لا تخونوا اللّٰہ والرسول" حضرت جبریل امین بارگاہ رب العزت سے لیکر نازل ہوئے اور توبہ قبول ہوئی۔

جس وقت یہ مژدۂ روح افزاء دنیا میں پہنچا ہے صبح کا سہانا وقت تھا اور مصدر روحی یعنی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف رکھتے تھے اور اگرچہ اسی وقت اس مبارک اطلاع کا مسجد نبوی میں اعلان ہوا جس کو سنتے ہی حضرت ابو لبابہ رضؓ کے کھولنے کے لئے ان کے احباب اور وہ یار دوست لپکے جو اپنے دینی بھائی کو بھاری زنجیر میں جکڑا ہوا دیکھکر تڑپ جایا کرتے تھے مگر بات کے پورے اور قول کے پکے مستقل مزاج صحابی نے کہا کہ "ہٹ جاؤ میرے کھولنے کا ہرگز قصد نہ کرو کیونکہ میں قسم کھا چکا ہوں کہ رسالتمآب ہی اپنے دست مبارک سے کھولیں تو کھلوں گا ورنہ اسی حالت پر مرجانا ہزار زندگی سے بہتر سمجھوں گا" آخرکار رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اپنے جان نثار اور خدا ترس صحابی کو ستون سے کھولا۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سجدۂ شکر بجالائے اور عہد کیا کہ مدت العمر کبھی اس کوچہ میں قدم نہ رکھونگا جہاں مجھ سے گناہ ہوا ہے اور کبھی محلہ بنی قریظہ میں نہ جاؤں گا کیونکہ اس جگہ مجھ سے اللہ و رسول کے حق میں خیانت صادر ہوئی ہے۔ یہی وہ مبارک ستون ہے جس کے پاس رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر نفل نماز پڑھی ہے۔ اور فجر کی نماز کے بعد جلوہ فرما ہوا کرتے تھے کیونکہ اس کے گرد ضعفاء و مساکین صحابہ اور اصحاب صفہ زاہد و خدا پرست مسلمان بیٹھے رہا کرتے تھے جن کے پاس اٹھنا بیٹھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ محبوب رہا ہے۔

یہ مقدس ستون منبر شریف کی طرف سے چوتھا اور حجرہ منیفہ کی جانب سے تیسرا ستون ہے اور مشہور ہے کہ اس ستون اور قبر شریف کے درمیان صرف بیس گز کا فاصلہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

باب (۶۲)

بنی لحیان اور غابہ۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا چھٹا مبارک سال شروع ہوگیا۔ مقدس شہر مدینہ دغاباز یہودیوں سے خالی ہو چکا ہے۔ مگر کافر لٹیروں کی شرارتیں اور مکار مگر بھگوڑے بدوؤں کی دست اندازیاں برابر چلی جاتی ہیں اور گو قریشی بت پرستوں نے مسلمانوں کی بربادی کے لئے جتنی کوششیں کیں ان سب میں خدا نے ناکامیاب رکھا اور ان کا ایک داؤ بھی نہیں چلنے دیا لیکن اس پر بھی ریگستان کے ڈاکو لوٹ سے باز نہیں آتے اس لئے ضرور ہوا کہ ان کی سرکوبی کا پورا انتظام کیا جائے اور ان کے دبانے کی پوری کوشش عمل میں لائی جائے۔

چنانچہ ان پر کئی حملے کئے گئے لیکن یہ بھگوڑی قوم مسلمانوں کے ہاتھ نہیں آئی۔

قبیلہ بنی لحیان نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ شہید کی مختصر دس آدمیوں کی جماعت کے ساتھ رجیع کے میدان میں فدفد کے ٹیلہ پر جو دغابازی کی تھی اُس کو زیادہ زمانہ نہیں گذرا اس لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مظلوم شہداء کا انتقام لینے کے لئے دو سَو سوار کا لشکر ہمراہ لیکر ان جفاکار بدووں اور ستم شعار دغابازوں پر حملہ کیا اور غطفان کی وادی کے قریب جا ڈیرے ڈالے مگر یہ لٹیرے اسلامی لشکر کی آمد سُنکر پہاڑوں میں جا چھپے اور ناچار مسلمانوں کو مدینہ واپس ہونا پڑا اسی سفر میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ آمنہ خاتون کی قبر پر جو راستہ میں پڑتی تھی بیٹھکر بہت روئے اور صحابہ نے بھی آنکھوں سے آنسو بہائے کیونکہ بچپن میں انتقال کر جانے والی مہربان ماں کی مادرانہ شفقتیں اور وہ محبت کا تعلق یاد آگیا جو ہر بشر کو اس عفت مآب ماں سے ضرور ہونا چاہئے جس کے بطن سے پیدا ہوا اور جس کی آرام دینے والی گود میں کئی برس پرورش پائی ہو۔

ہم آمنہ خاتون کے ایمان کی بابت ہاں یا نہ کا کوئی کلمہ نہیں نکال سکتے کیونکہ یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں خود سلف کے مقتدر امام بھی خلاف کر چکے ہیں اور ہمیں اپنے پیشوا حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک جو درحقیقت نہایت ہی پسندیدہ ہے اختیار کرنا ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان کے متعلق سکوت اور خاموشی نہایت مناسب ہے، اور درحقیقت جس مسلمان کو کفر و ایمان کی حقیقت معلوم ہے اور جو ایماندار شخص ان دونوں لفظوں کے اطلاق کا مطلب سمجھ سکتا ہے وہ اس متوسط اور اچھے مسلک کو نہایت وقعت کی نظر سے دیکھیگی بشرطیکہ طبیعت میں احتیاط کا مادہ بھی ہو اور زبان سے ایسے بھاری لفظ کو بیباکانہ نکالنا پسند نہ کرتا ہو کیونکہ جس طرح مسلمان کو کافر سمجھنا کفر ہے اسی طرح کافر کو مسلمان سمجھنا حرام اور شرعاً ناجائز ہے۔

اس واقعہ کے تھوڑے دن بعد قبیلہ غطفان کا ایک ڈاکو اُس میدان چراگاہ میں جس کا نام ذات القرد ہے مویشیوں پر حملہ آور ہوا اور بہت سے اونٹوں کو جو مدینہ سے باہر جنگل میں چر رہے تھے ہانک کر لے گیا مسلمان سپاہی یعنی حضرت سلمہ بن اکوع کو سب سے پہلے اس کی خبر ملی اور یہ جھپٹ کر اس لٹیرے پر آپڑے جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ان اونٹنیوں کو ہنکائے لئے جا رہا تھا اور انھوں نے شیر کی طرح حملہ کر کے اس سے اونٹ چھین لئے غرض ڈاکو قزاق بھاگ گیا اور تیس خوبصورت چادریں بھی حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آئیں جو اس لٹیرے کی جماعت سے چھین لی گئی تھیں آخرکار حضرت سلمہ مظفر و منصور مدینہ کو واپس آرہے تھے کہ راستہ میں تقریباً پانچسو مسلمانوں کے اُس لشکر سے ملے جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ماتحتی میں اسی ڈاکو کی گرفتاری کے لئے مدینہ سے چل کھڑا ہوا تھا مگر چونکہ مقصود حاصل ہو چکا تھا اس لئے سب وہیں سے واپس ہو گئے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کو اپنی عضباء اونٹنی پر پشت کے پیچھے سوار کر لیا اور فرحاں و شاداں مدینہ میں داخل ہوئے۔

اس غزوہ کا نام غزوۂ ذی قرد بھی ہے اور ایسا واقعہ یعنی مدینہ کے مویشیوں پر لٹیروں کا حملہ کرنا اور چراگاہ میں چرتے ہوئے اونٹوں کا ہنکا لیجانا کئی مرتبہ واقع ہوا ہے چنانچہ غزوۂ خیبر سے تین دن قبل بھی ایسا ہی قضیہ پیش آیا مگر مسلمانوں کو ڈاکوؤں سے اپنا مال چھین لینے میں ہمیشہ اور ہر دفعہ کامیابی حاصل ہوئی لیکن جو قصہ ہم نے بیان کیا ہے وہ جنگ حدیبیہ سے پہلے کا واقعہ ہے اور اس کا دوسرا نام غزوۂ غابہ بھی ہے۔ اور اسی عنوان کو ہم نے اپنے تذکرہ میں لیا ہے جیساکہ باب کی سُرخی سے ظاہر ہے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں پر تلوار ہی کے زور سے فتح حاصل نہیں کی بلکہ زیادہ تر اس مشہور خُلق اور رحمدلی سے اپنے دشمنوں کے دلوں پر غلبہ پایا ہے جس پر آپ پیدا کئے گئے تھے اور جس کی نظیر دنیا کی وسیع سطح پر ملنی محال اور ناممکن ہے بلکہ سچ یہ ہے کہ صرف آپکی بہترین خصلتوں اور نرم مزاجی نے دشمنوں کو دوست اور مخالفوں کو جان نثار موافق بنا کر دکھا دیا اور اسی لطف و کرم اور عدل و انصاف کے ہر دلعزیز خصائل نے صیقلدار سے زیادہ نمایاں کام کر کے دکھائے کیونکہ ہر شریف انسان اُس آدمی کی طرف عزت اور عظمت کی نظر سے دیکھتا ہے جو باوجود قدرت و اختیار کے بُرائی کے بدلہ میں بُرائی نہ کرے بلکہ غصہ کے وقت استقلال کو کام میں لائے اور معافی و شفقت کے سخت امتحان میں کامیاب ہو۔ دنیا بھر کی تاریخیں ٹٹول دیکھئے اور زمین کے کنارے چھان مارئیے ان اخلاقِ حمیدہ کی مثال نہیں ملیگی جو اللہ کے پیارے اور سچے عربی رسول کے ہروقت ساتھ رہتے تھے اور بے تکلف حجازی خطہ کے شریف و بہادر دشمنوں کے قلب پر قبضہ کرتے چلے جاتے تھے اور یہی پاک خیالی و نیک طینتی کا وہ پاک جوہر ہے جس کا اقرار ہر زمانہ اور ہر وقت میں مذہب اسلام کے دشمن اور مخالف گروہوں کو بھی کرنا پڑا اور یہی وہ سفید و شفاف لباس ہے جس پر کوئی نکتہ چیں اور عیب بیں کافر بھی کسی قسم کے نقص کا سیاہ دھبہ نہیں لگا سکا۔

سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ملک پر با اختیار حاکم تھے مگر اس پر بھی آپ نے اپنے بڑے سے بڑے دشمن کو رحمت و مہربانی کی نظر سے دیکھا اور سخت مجرموں کی سزا دینے میں بھی عدل کو پوری طرح برتا ہے اور ثابت کر دکھایا ہے کہ رحم و عدالت کا جو مادہ آپ کی سرشت میں رکھا گیا ہے وہ آپ کی کامیابی کا ایسا اعلیٰ درجہ کا نمونہ ہے جس کے قریب قریب پہنچنا بھی ترقی کے زینہ کی سب سے اونچی سیڑھی پر قدم رکھنا ہے۔

قوم حنیفہ کا ایک سردار جن کا نام ثمامہ ابن عثال تھا گرفتار ہو کر مسلمانوں کی قید میں آئے اور انہیں [illegible] پہنا کر مسجد کے اس ستون میں باندھ دیئے گئے جو سرکش مخالفوں کی بندش کے لئے تجویز ہوا تھا مگر اُن کی عزت [illegible] کے متعلق کسی قسم کی تکلیف گوارا نہیں کی گئی اور جب کبھی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف ہو کر گذرے مسکرا کر یہی فرمایا کہ کہو کیا حال ہے؟ اس شریف نسل کے سردار نے آپ کی رحمانی صفتوں کو کئی دفعہ امتحان کی کسوٹی پر کسا اور تین مرتبہ اس رحمدلی کے سوال کا جواب سختی کے ساتھ دیا یعنی مقدس مذہب اختیار کرنے سے انکار کیا آخر کار

[illegible] اسلامی لشکر کے سپہ سالار اور مدینہ کے مقتدر و با اختیار حاکم کی شفیق و مہربان خصلت نے [illegible] حاکم ہو [illegible] اور ثمامہ کی [illegible] عطا کردی گئی مگر اس وقت جبکہ ان کے قلب پر اس کرم گستری نے اپنا پورا اثر جما لیا اور نور ایمان کی شعاعوں کو پوری طرح چاروں طرف پھیلا چکا تھا کیونکہ اس بہادر سردار نے رہا ہوتے ہی اس درخت کے پیچھے جا کر غسل کیا جو مسجد کے پاس واقع تھا اور فوراً واپس ہو کر باآواز بلند مسجد میں کلمۂ توحید پڑھا جس سے مسجد گونج اٹھی اور ثابت کر دکھایا کہ بیشک رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پسندیدہ عادتیں جو خدا اپنے پیارے نبی کو مرحمت فرمایا کرتا ہے دنیا پر قبضہ کر لینے کو کافی ہیں اور کیوں نہ ہوں جس پیغمبر کو تمام دنیا کی جانب دفعتاً ہی عالم بھیجا جاتا ہے وہ ایسی ہی رحم و عدل کے شمائل حسنہ کا مظہر ہوا اور یہی آپ کی سرشت میں رکھے گئے تھے۔

حضرت ثمامہ بن اثال جس وقت مسلمان ہو کر اپنے ملک کو واپس گئے تو مذہبی عصبیت اور اسلامی محبت کی بنا پر کافروں کے ساتھ اعانت و سلوک کا کوئی تعلق قائم رکھنا گوارا نہ سمجھا اس لئے جو غلہ یمامہ سے مکہ کو جایا کرتا تھا اسے روک دیا اور کہدیا کہ ہمارے ملک کی پیداوار میں اس قوم کا ذرہ برابر بھی حصہ نہیں ہے جو اللہ کے سچے رسول کو دشمن سمجھتی ہو اور پیٹ بھر بھر کر دین اسلام کا مقابلہ کرنے کے لئے مدینہ پر چڑھ چڑھ کر آتی ہو اور اس کے بعد ہر چند اہل مکہ نے کوشش کی کہ قبیلہ بنی حنیفہ کو راضی کرلیں کیونکہ اس غلہ کی آمد بند ہو جانے سے انکو سخت تکلیف پیش آئی تھی مگر ان کی تمام کوششیں بیکار گئیں اور حنیفہ کسی طرح ان سے نہ ملے۔

غرض جب مایوس ہو گئے تو مصیبت زدہ اہل مکہ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں ایک عرضی بھیجی اور مراحم کریمانہ کے اس طرح مستدعی ہوئے کہ "اے مخلوق پر رحم کرنے والے مدعی نبوت اور اے رانڈ بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں پر ترس کھانے والے محمود خصلت و ہر دلعزیز سردار تمہاری کرم گستری اور رحمدلی شہرۂ آفاق ہے اور تمہاری نرم مزاجی و غربا نوازی کا ہر چھوٹا و بڑا معترف ہے تم اپنے پہلے ہموطن اہل مکہ کے نازک حال پر کیونکر ترس نہ کھاؤ گے اس بے آب و گیاہ خطہ کے باشندوں کا گذارا ادھر ادھر کے سبز و شاداب ممالک کی پیداوار پر موقوف ہے اور اب چونکہ اس میں کمی آگئی اس لئے قحط سالی و گراں فروشی سے تمہارے عزیز رشتہ دار اور قریشی کنبہ پر فاقہ کشی کی نوبت ہے ہے خدا کے واسطے ہم محتاجوں پر رحم کرو اور بنی حنیفہ کا حسب سابق آنے والا غلہ جاری کرا دو تاکہ اس مسدود دروازہ کے کھلجانے سے ہم کو دوبارہ زندگی حاصل ہو۔"

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم خُلق اور عام کرم کسی قوم کے لیے خاص نہ تھا بلکہ آپ اپنے ہر دشمن پر رحم کرنا چاہتے تھے اس لئے اہل مکہ کی حالت پر بھی آپ کو افسوس آیا اور آپ نے حضرت ثمامہ رض کے نام حکم بھیجدیا کہ مکہ جانے والا غلہ حسب دستور جاری کرے چنانچہ فوراً تعمیل کی گئی اور قحط زدہ مکہ کے لوگ پھر فارغ البال ہوئے۔

باب (۶۳)

قصۂ عرنیین۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل و انصاف کے بیش قیمت موتی پر بھی پورا قبضہ رکھا اور مجبور ہو کر اُس وقت تلوار سنبھالی جب دیکھ لیا کہ یہ متعدی مرض دوسرے تندرستوں کو بھی مریض بنا رہا ہے اور اس متعفن و غلیظ مادہ کا کاٹنا ہی بہتر ہے جس سے دوسرے صحیح و سالم اعضا میں بھی فساد اور عیب پیدا ہونے کا اندیشہ ہے کیونکہ حاذق طبیب اور ہوشیار ڈاکٹر جس وقت سمجھ لیتا ہے کہ زخمی مریض کا علاج محض مرہم پٹی کی حد سے تجاوز کر گیا ہے تو مجبوراً اُس کار آمد ہاتھ یا پاؤں کو جڑ سے کاٹ دیتا ہے جس کو کسی وقت میں محبت کی نظر سے دیکھا کرتا تھا اور اس وقت تعدیہ کے اندیشہ سے رحم و نرم مزاجی کو تدبیر و مصلحت کے پردہ میں چھپا کر عاقلانہ قطع و برید سے کام لیتا ہے اگر اس خیر خواہ طبیب کو ظالم و بے رحم نہیں کہہ سکتے تو بیشک سچے رسول پر بھی سخت دلی اور زیادتی کا الزام عائد نہیں ہو سکتا کیونکہ ڈاکٹر کی تدبیر ظنی اور صرف اپنے خیال کی تعمیل کا ثمرہ ہے اور اُن دور اندیش سمجھدار روحانی طبیب کی طبابت میں اُس علام الغیوب کی تعلیم کا بھی اثر غالب ہے جس کو ہر مرض کی مصلحت اور ہر قلب کی اندرونی حالت سے پوری واقفیت و آگاہی حاصل ہے۔

ایک دفعہ قبیلہ عکل اور عرینہ کے چند بدو مدینہ میں آ کر مسلمان ہوئے اور کہنے لگے کہ ہمیں مدینہ کی آب و ہوا موافق نہیں آئی ہم بیمار پڑے جاتے ہیں کیونکہ ہمارا گذارا اپنے وطن میں اونٹ اور بکری کے دودھ پر تھا اور یہاں غلہ اور اناج کھانے کے لیے زیادہ تر ملتا ہے اس لئے مناسب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو شہر سے باہر رہنے کی اجازت دیں اور اُن اونٹنیوں کا دودھ پینے کو بتلا دیں جو متمول مسلمانوں نے صدقہ و خیرات میں دی ہیں اور جنگل میں چرا کرتی ہیں چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی درخواست منظور فرمائی اور یہ بیمار بدو مدینہ کے باہر اُس چراگاہ میں جا پڑے جہاں اُونٹ چرا کرتے تھے۔

دنیا میں اللہ کی مخلوق نے ہر قسم کی طبیعت پائی ہے مگر ایسے لوگ زیادہ ہیں جن کو اپنے محسن کا پاس و لحاظ کم ہے اور کفرانِ نعمت کے عادی و خوگر زیادہ ہیں چنانچہ احسان فراموش دہقانیوں نے تندرست ہو کر انھیں اونٹوں پر حملہ کیا جن کے دودھ پی پی کر تندرست ہوئے تھے اور بیچارے چرواہے کو مار ڈالا اور اونٹوں کو ہنکا لیگئے۔

ان دغاباز بدوؤں نے غریب چرواہے حضرت یسار رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایسا بے رحمانہ برتاؤ کیا کہ جس کے تصور سے بدن لرزتا ہے یعنی ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے اور زبان اور آنکھوں میں کانٹے چبھا دیئے اور ناک کان کاٹ کر تپتی ہوئی ریگستانی پتھریلی زمین پر ڈالدیا یہاں تک کہ انتقال کر گئے اور صرف اس وجہ سے شہید ہوئے کہ انھوں نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیوں کے ہنکاتے وقت ان ناشکرے قزاق جنگلی بدوؤں کا مقابلہ کیا تھا اور اس غدر و بے ایمانی سے مانع ہوئے تھے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مرتد ڈاکوؤں کی طلب میں سپاہی بھیجے اور اُن کو پکڑوا بلوایا اور چونکہ غریب چرواہا ایک ظالمانہ حرکت سے قتل کیا گیا تھا اس لئے ان کو بھی وہی سزا دی گئی اور گرم ریت پر ڈلوا دیا گیا۔ یہانتک کہ دھوپ کی تپش سے جھلس گئے اور آفتاب کی تمازت سے جھلس کر دنیا سے رخصت ہوئے مگر اس قصہ کے بعد آپ کی رحم صفت جو تمام نیک خصلتوں پر غالب تھی جوش پر آئی اور آپ نے ہمیشہ کیلئے حکم فرمادیا کہ آئندہ کسی مجرم کو کیسا ہی سخت جرم کیوں نہ کرے ایسی بے رحمی کی مصفانہ سزا نہ دی جائے کیونکہ وحشیانہ حرکتوں کا استعمال قصاصاً ہی کیوں نہ ہو مسلمانوں کے قابل ہرگز نہیں ہے اور یہی وہ نافذ حکم ہے جس نے مذہب اسلام میں ہمیشہ کیلئے مُثلہ کو حرام کر دیا ہے یہ قضیہ عرنیین کے نام سے مشہور ہے اور اسی سال کے ماہ شوال میں گذرا تھا جس کا ہم تذکرہ کر رہے ہیں۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور تیئیس سال کے واقعات ایسے محدود واقعات نہیں ہیں جن کو بیان یا تحریر کے حصر میں لانا ممکن ہو کیونکہ آپ کے تمام حرکات و سکنات سے ہر وقت و ہر لحظہ ایسی نئی حالت ظاہر ہوتی تھی جو نیک خصائل اور خدا کا مقبول بندہ بننے کی کوشش کرنے والے کو اس سیدھے راستہ کی رہنمائی کرتی تھی جس پر پڑ جانے والا کبھی بھٹک نہیں سکتا۔

آپ نے خلق میں کرم میں دیانت میں رحم میں اپنا نظیر نہیں چھوڑا عبادت میں ریاضت میں قناعت میں عدالت میں کوئی ثانی نہیں رکھا آپ کی غربا نوازی بندہ پروری شجاعت سخاوت زہد اتقا توکل تواضع تدبیر ملکی سیاست۔ غرض ہر وہ صفت جس کو انسان کی زبان حیز بیان میں لا سکے اُس کمال کے درجہ پر پہنچی ہوئی تھی جس کی تقلید و اتباع وہ طریقہ تعلیم کرتی ہے جس سے آخرت کی پائدار زندگی کے علاوہ دنیا کی چند روزہ حیات بھی ایسے آرام سے گذرتی ہے جو بڑے سے بڑے مدبر حاکم اور ہفت اقلیم کے زبردست سے زبردست بادشاہ کو حاصل ہونی مشکل ہے ہر نیک اور فائدہ مند مشغلہ میں مصروف ہونے والے کو آپ کے دلچسپ حالات سے وہ سبق حاصل ہو سکتا ہے جس کا وہ متلاشی ہے اور ہر بہتر خصلت کے ڈھونڈھنے والے طلبگار کو اپنے مقصود کا وہ بلند سے بلند درجہ آپ کی مقدس ذات میں ضرور ملے گا جس تک اُس کا خیال بھی نہ پہنچا ہو۔ ہم وہ الفاظ نہیں لا سکتے جس سے اس ستودہ خصائل پیغمبر کی سچی محمود صفتوں کو بیان کریں خدا کی قسم ان پیارے عربی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ پاک نے محض نمونہ بنا کر بھیجا تھا کہ ان قابل حمد و ثنا اوصاف کے لوگ لگ بھگ بنکر بھی ہمارے پاس آؤ گے تو نجات پاؤ گے مگر افسوس آج مسلمانوں میں ان حالات کے سُننے کی دلچسپی بھی نہیں رہی اور ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر چاہتے ہیں کہ اپنے رسول کی مخالفت کریں۔ یہ فقرہ بظاہر بہت سخت ناگوار گذرنے والا ہے اور بالکل لغو بے موقع معلوم ہوتا ہے لیکن اگر میں اور تم اپنے دن بھر کے کاموں پر غور کی نظر ڈالیں گے یا مدعی محبت رسول مسلمانوں کے اعمال و افعال کو جانچیں گے تو آہستہ آہستہ تصدیق ہوتی چلی جائے گی کیونکہ اعمال و افعال تو کیا صورت و لباس میں بھی مشابہت گوارا

نہیں ہے اور چاہتے ہیں کہ پہننے کے کپڑوں کی وضع اور قطع و برید میں بھی تشابہ [illegible]
ورنہ ہم اتنا ضرور کہتے کہ اگر درزی کو کسی خاص وضع کی اچکن کا نمونہ دکھا کر کپڑا دیا جائے اور تاکید کر دی جائے
کہ اس جیسی اچکن سی لاؤ لیکن خیاط باوجود اس تاکید کے صرف ایک آستین فقط ایک گرہ چھوٹی کر دے تو دیکھو تمہارے
غصہ اور پیچ و تاب کا کیا حال ہوتا ہے مگر اللہ کے بھیجے ہوئے نمونہ میں ایک بالشت بھی موافقت گوارا نہیں اور پھر
دعویٰ ہے کہ ہم نمونہ کے موافق بنکر اللہ کے حضور میں حاضر ہوتے اور جنت کے وارث بنا چاہتے ہیں اور حال یہ ہے کہ موت
میں، غمی میں، ولادت میں، نکاح میں، عقیقہ میں، ولیمہ میں غرض سب امور میں اپنی گھڑی ہوئی رسموں کو دخل ہے۔
صورت ہے تو دوسری وضع کی اور لباس ہے تو نئے فیشن کا۔ حق تعالیٰ نے بلا اختیار داڑھی کے بال بڑھا کر موافقت
پیدا کرنی چاہی تو وہ بھی ناگوار گذری۔ چنانچہ صاف کرانے کی ہر ہفتہ تدبیر کی جاتی ہے گویا ہر لحظہ و ہر آن کوشش
ہے کہ بھول کر بھی پیغمبر کی موافقت نہ ہو جائے۔ مُردوں کا ایصال ثواب ہے تو نرالا اور اپنا گھڑا ہوا۔ ذکر خیر ہے
تو نوایجاد رسومات سے بھرا ہوا۔ تلاوت قرآن ہے تو اپنی مرضی کے طریقہ پر۔ غرض ہر ادا نرالی اور ہر وضع بیگانہ
ہے۔ جن مسلمانوں کو ان امورات سے دلچسپی ہی نہیں وہ تو ہمارے خطاب سے بھی خارج ہیں مگر جن طالب دین حضرات
کو اسلام کی مقدس صورت کا پاس و لحاظ ہے اُن کی خدمت میں ضرور التماس ہے کہ خدا کے واسطے یہ تو دیکھو کہ جن
بدعتوں کے مرتکب ہو رہے ہو ابتدائی شریعت میں ان کی کچھ اصل بھی ہے یا نہیں اگر غور کرو گے تو تیجا، دسواں
چہلم وغیرہ فاتحہ خوانی کی رسم اور بحث و مقابلہ کی راگنی میں مدح خوانی اور اس کے علاوہ شادی و غمی کے متعلق بہتیری باتیں
ایسی پاؤ گے جن کا چھوڑنا ضروری ہے کیونکہ بانیٔ اسلام اور مقتدائے دین کی ابتدائی تاریخ میں کوئی بات نہ تھی ان بیجا
مخترعات اور خلاف شرع رسومات نے مسلمانوں کے دین و دنیا دونوں کو تباہ کر دیا مگر انھیں کچھ خبر نہیں کچھ ایسی
غفلت کی میٹھی نیند سوتے ہیں کہ جگائے جاگتے ہی نہیں۔ خدا کرے کہ میری اور تمہاری دونوں کی اصلاح پذیر حالت ہو جائے اور
ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو کر احکم الحاکمین کی پیشی میں سُرخ روئی نصیب ہو اور اس نمونہ کے حسب منشا اور کامل
و مکمل ہونے کی خبر اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی دیدی ہے بس کا یہ منشا ہے کہ صحابہ و تابعین کی اقتدا کے بعد کسی ملکی رسم
یا خاندانی رواج کی تعمیل جائز نہیں ہے۔

باب (۴۶)

حدیبیہ کا سفر اور بیعت رضوان ۔ چھ برس گذر گئے تھے کہ مکہ کے پردیسی مسلمان اپنے اصلی وطن کو چھوڑ کر صرف
ایمان کی وجہ سے جلاوطن ہوئے اور اب ان کے درمیان وہ محبت و اتفاق اور برادرانہ سلوک تھا جس کا وہ لوگ
پہلے خیال تک نہیں کر سکتے تھے مگر اس مالوف وطن کی محبت جس میں وہ پیدا ہوئے اور نشو و نما پائی تھی کبھی کبھی
بے چین بنا دیتی تھی اور اس بیت اللہ کے طواف اور زیارت کا شوق بسا اوقات بیتاب کر دیتا تھا جو ابتداء سے

اہل حجاز کا محترم اور قریب قریب دنیا بھر کا قابل عظمت مقام سمجھا جاتا تھا۔

مسلمانوں کو حج بیت اللہ سے محرومی کا نہایت افسوس تھا اور خود رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی خواہش تھی کہ کعبہ شریف کی زیارت کریں کیونکہ کعبہ تمام عرب کا محترم اور معبد سمجھا جاتا تھا کسی خاص شخص کی ملکیت تھی اہل قریش صرف اس کے محافظ تھے انکو یہ اختیار ہرگز نہ تھا کہ اپنے دشمنوں کو بھی کعبہ کے طواف سے روکیں چہ جائیکہ ان مسلمانوں کو روکنا جو اپنے معبود خدا کو ایک سمجھے ہوئے اور جھوٹے معبودوں یا ہاتھوں کی گھڑی ہوئی پتھر کی مورتوں کی شرکت سے منزہ ہونے کے معترف تھے مگر قریش کی مذہبی مخالفت اور ایمان کی عداوت کچھ اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ وہ مسلمان نامی ایک شخص کو بھی حج یا عمرہ کرنے کے لئے مکہ میں آنے دینا گوارا نہیں کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ ان کو کعبہ کی زیارت بھی نصیب نہ ہو۔

مدینہ میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ اپنے صحابہؓ کے ہمراہ مکہ تشریف لے گئے اور عمرہ ادا کرنے کے بعد کسی نے بال منڈوائے اور کسی نے کتروائے گویا شرعی رسم حلق یا قصر کی ادا کی۔

پیغمبر کی یہ سچی خواب سنکر مسلمانوں کا دبی ہوئی آگ کی طرح چھپا ہوا شوق یکدم بھڑک اٹھا اور خانہ کعبہ کی زیارت نے ان کو ایسا بے چین بنایا کہ سفر کی تیاری کئے بغیر نہ رہ سکے چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار سے زیادہ آرزومند صحابہؓ کو ہمراہ لیکر عمرہ ادا کرنے کی نیت سے مکہ کی جانب روانہ ہوئے اور اللہ کے مخلص بندوں کا یہ گروہ فرحاں وشاداں اس امید پر کہ خواب کی تعبیر اور غیبی بشارت کے پورا ہونے کا یہی وقت ہے اطمینان کے ساتھ مدینہ سے باہر نکل کر خراماں خراماں مکہ کی سڑک پر ہو لئے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تیز رفتار ناقہ قصوا چلتے چلتے راستہ میں ٹھٹکی اور بظاہر بلاوجہ بیٹھ گئی اور ہرچند صحابہؓ نے اٹھانے کی کوشش کی مگر نہ اٹھی اور نہ اٹھی تو اس وقت جبکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مخاطب ہو کر یوں فرمایا کہ "چھوڑ دو علیحدہ ہٹ جاؤ میری اونٹنی خدا کی مطیع و فرمانبردار ہے اس کا چلنا اور بیٹھنا سب اللہ کے حکم کی اطاعت میں ہے اس کا بلاوجہ بیٹھنا خالی از حکمت نہیں ہے میں خوب جانتا ہوں کہ اصحاب فیل کے محمود نامی ہاتھی کی طرح اس کا گھٹنے ٹیک دینا خانہ کعبہ کی تعظیم کی نیت اور ہتک حرمت کے اندیشہ اور تادیب کی غرض سے ہے تو اے میرے پروردگار میں وعدہ کرتا ہوں کہ میرے اور تیرے دشمن خانہ کعبہ کی تعظیم کے متعلق جو کچھ بھی چاہیں گے میں اس کے پورا کرنے میں ہرگز کوتاہی نہ کرونگا اور حتی الوسع تیرے مقدس گھر کی عظمت وجلال کا حق ملحوظ رکھونگا اور ہتک نہ ہونے دونگا"

اس وعدہ کے اظہار ہوتے ہی فوراً ناقہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اسلامی لشکر نے اس میدان میں خیمے نصب کئے جس کا نام حدیبیہ ہے۔ حدیبیہ اگرچہ کنوئیں کا نام ہے مگر اس جگہ کو بھی اس مناسبت سے حدیبیہ کہدیتے ہیں جو اس کنوئیں کے آس پاس واقع ہے۔

عرب کی ریگستانی زمین میں پانی کی قلت اور دقت مشہور ہے کہ اس خشک اور گرم ملک میں سیکڑوں مسافر

پانی کی پیاس سے تباہ ہو گئے چنانچہ سب سے پہلی تکلیف اسلامی لشکر کو بھی یہی پیش آئی کہ ایک مرتبہ کھینچا تانی ہونے سے چاہ حدیبیہ سوکھ گیا اور اس میں اتنا پانی بھی نہیں رہا کہ مسلمان ایک وقت بھی سیراب ہو سکیں اس لئے صحابہ نے اپنے سپہ سالار سے حالت عرض کی اور پانی کی شکایت زبان پر لائے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن میں پانی منگایا اور کنوئیں کے کنارے بیٹھ کر اور وضو کر کے دہن مبارک کے لعاب سے رلی ہوئی کلی اس میں ڈال کر حکم دیا کہ "تھوڑی دیر صبر کرو چند منٹ تک کوئی سپاہی پانی نہ کھینچے۔" غرض حکم کی تعمیل ہوئی اور آپ کی دعا کی برکت سے چاہ حدیبیہ میں اس قدر پانی آ گیا کہ سارا لشکر معہ سواریوں کے جانوروں کے سیراب ہو گیا اور جبتک اس جگہ قیام رہا اسی پانی کا استعمال کرتے رہے۔ مگر اسکا پانی ختم ہونا کیا معنی ایک قطرہ کم بھی ہوتا معلوم نہ ہوتا حالانکہ چودہ سو پندرہ سو کے درمیان اسلامی لشکر کی تعداد تھی۔

مسلمانوں کو جس بات کا پہلے سے خدشہ تھا وہی پیش آئی کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے سامنے غدیر اشطاط پر پہنچے اور بسر بن ابوسفیان کو جاسوس بنا کر قریش کا حال اور خیال دریافت کرنے کو بھیجا تو معلوم ہوا کہ قریش نے مکہ کے باہر قوم احابیش کی ایک قوم قائم کی ہے تاکہ مسلمانوں کو مکہ میں نہ آنے دیں اور نیز قریشی بت پرستوں نے بدیل بن ورقا خزاعی کو اسلامی لشکر میں بھیجکر کہلا بھیجا کہ "آگے قدم نہ رکھنا ورنہ اللہ کا مقدس حرم سیکڑوں بہادروں کے خون سے لالہ زار ہو جائے گا اور ایسی سخت جنگ ہو گی جس کی نظیر عرب کی تاریخی لڑائیوں میں مشکل سے ملے گی۔"

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بھیجے ہوئے جاسوس کی خبر سنکر صحابہ سے مشورہ لیا اور کہا کہ میرے خیال میں اگر ان دشمنان خدا اور رسول نے مقابلہ کیا تو اپنی سزا کو پہنچیں گے اور ذلیل و خوار کشتوں کے پشتے لگا دیئے جائیں گے اور اگر سنبھل گئے اور مانع نہ آئے تو ہم بے لڑے جھگڑے اپنا وہ عمرہ پورا کر کے واپس ہو جائیں گے جس کا احرام مقام ذی الحلیفہ سے باندھ چکے ہیں مگر حضرت صدیق رضؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ بیت اللہ کی زیارت اور طواف کے قصد سے تشریف لائے ہیں کسی سے لڑنے یا قتل کرنے کی نیت سے نہیں روانہ ہوئے اس لئے جنگ مناسب نہیں معلوم ہوتی جہانتک ہو معاملہ رفع فرمایئے۔ البتہ جو شخص سدِ راہ بنے اسکو ضرور دفع کرنا اور ہٹانا چاہئے۔ چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے قریشی قاصد کی معرفت کہلا بھیجا کہ ہم لڑنے کو نہیں آئے صرف کعبہ کی زیارت و طواف کو آئے ہیں ہمیں نہ روکو اور عمرہ پورا کر لینے دو مگر قریش نے نہ مانا اور مسعود ثقفی کے بیٹے عروہ کو بھیجا کہ اس معاملہ میں جس طرح مناسب سمجھیں گفتگو کریں۔

قریش کا قاصد عروہ بن مسعود اسلامی لشکر میں آیا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ مختصر جماعت جو تمہارے ساتھ ہو گئی اور اپنی مدد کے بھروسہ پر تم کو ابھارے پھرتی ہے

ہرگز ہرگز اعتماد کے قابل نہیں ہے تم اپنے آپ کو خطرہ میں نہ ڈالو۔ اگر وقت پڑا تو ان میں سے کوئی بھی تمہارا ساتھ نہ دیگا حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو جو اپنے سپہ سالار کے پاس کھڑے ہوئے تھے عروہ کا یہ کلمہ نہایت ناگوار گذرا اور غصہ سے بیتاب ہو کر ایسا سخت جواب دیا کہ عروہ اپنا سا منہ لیکر رہ گیا اور اپنے قدیمی محسن کی جانب دیکھ کر چپ ہو رہا کیونکہ گذرے ہوئے زمانہ میں حضرت ابوبکر رضؓ عروہ پر ایسے احسان کر چکے تھے جن کے بوجھ سے عروہ کی گردن جھکی ہوئی تھی اور کسی طرح اوپر اٹھ نہیں سکتی تھی۔

عروہ اپنے ملکی رسم اور قومی رواج کے موافق رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کرتا جاتا تھا اور بار بار ریش مبارک پر ہاتھ لگاتا جاتا تھا جس کا منشا مخاطب کو صرف اپنی جانب متوجہ رکھنے اور کان لگا کر کلام سننے کا تھا لیکن جان نثار صحابہ کو ایسے شخص کی یہ حرکت کسی طرح پسند نہ تھی جس کو اپنا دشمن سمجھے ہوئے تھے اور کفر کی نجاست کے باعث پیغمبر کی مقدس ریش کو ناپاک ہاتھ کا لگنا گوارا نہ کرسکتے تھے اس لئے حضرت مغیرہ رضؓ ہر دفعہ اس کے ہاتھ پر اپنی صیقلدار تلوار کی کوتھی مارتے اور کہتے جاتے تھے کہ "اپنا ہاتھ دور رکھ اور ادب کے ساتھ پرے ہٹ کر بات کر"

عروہ نے اسلامی لشکر کے فرماں بردار سپاہیوں کا اپنے سپہ سالار کے سامنے گردن جھکائے رکھنا اور ہر حکم کی تعمیل میں فوراً دوڑنا اور ہر صحابی کا امتثال امر میں پیش قدمی کرنا نہایت تعجب کی نظر سے دیکھا اور مکہ واپس آکر قریشی گروہ سے بیان کیا اور کہا کہ میں زبردست بادشاہوں کی درباری حالت اور بڑے بڑے حکمران افسروں کی فوج اطاعت دیکھے ہوئے ہوں مگر جو حالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثار صحابہ کی دیکھتا ہوں وہ کہیں خواب میں بھی نظر نہیں آئی یہ لوگ اپنے سردار کے پسینہ گرنے کی جگہ پر خون گرانے کو موجود ہیں اور سخت سے سخت حکم کی تعمیل کو اپنا فخر و اعزاز سمجھے ہوئے ہیں میں نے دیکھا کہ آپ کے وضو کا بچا ہوا پانی اُن لوگوں نے تبرک سمجھ کر لڑ لڑ کر آپس میں تقسیم کیا اور کسی کو قطرہ نصیب نہیں ہوا تو دوسرے کے تر ہاتھ کو چھو کر نمی سے اپنی آنکھوں اور سینہ کو مل لیا ایسی تابعدار جماعت اور متفقہ قوت کا مقابلہ کرنا آسان بات نہیں ہے اور مجھے ہرگز امید نہیں کہ یہ ٹڈی دل جس لشکر پر پڑے اس کا پتہ باقی چھوڑے کیونکہ جس فوج کی یہ حالت ہو کہ سپہ سالار کے سامنے بلند آواز سے بات بھی نہ کرسکے اور زبان سے حکم نکلتے ہی تعمیل کے لئے ہر ایک جھپٹ پڑے غنیم پر اس کی یورش کسی کے روکے رُک نہیں سکتی"

ادھر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ہٹ دھرم کافر اپنی ہٹ سے باز آتے معلوم نہیں ہوتے اور کسی طرح امید نہیں ہے کہ جھگڑا ہوئے بغیر معاملہ کی اصلاح ہو اس لئے تدبیر و دوراندیشی سے کام لیا اور دل میں ٹھان لیا کہ چونکہ اللہ کے مقدس گھر کی عظمت اس بات کو مقتضی ہے کہ باہم مصالحت ہو جائے اس لئے اسلامی لشکر میں سے ایک معتمد سفیر کے روانہ کرنے اور سہولت کے ساتھ معاملہ روبراہ ہو جانے کی تدبیر کے لئے مکہ بھیجنے کی ضرورت ظاہر فرمائی چنانچہ حضرت عثمان غنی رضؓ اس اہم کام کے لئے تجویز ہوئے کیونکہ قریشی لشکر میں ان کے رشتہ دار زیادہ تھے اور

وہ کعبہ کے شرا ئط زادے اپنی برادری کا زیادہ لحاظ کرتے تھے۔

حضرت عثمانؓ روانہ ہوئے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام جا پہنچایا مگر افسوس ہے کہ قریش اپنی ضد سے باز نہیں آئے اور حضرت ذو النورین کو بھی یہی جواب دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تو ہم کبھی مکہ میں داخل ہونے دیں گے البتہ تمہیں طواف کرنے کی اجازت ہے۔ اگر چاہو تو باطمینان عمرہ پورا کرو اور واپس ہو جاؤ۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سمجھے ہوئے تھے کہ عثمان میری مفارقت ہرگز گوارا نہ کریں گے اور ان کو یہ بات کسی طرح پسند نہ آئے گی کہ مجھے دیکھ بغیر خود عمرہ پورا کریں اور درحقیقت ایسا ہی ہوا کیونکہ حضرت عثمان نے قریش کو صاف جواب دیدیا کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم دیکھا کریں اور میں عمرہ ادا کروں اگر عمرہ ادا کروں گا تو اپنے پیشوا کی معیت میں ادا کروں گا ورنہ اسی طرح واپس ہو جاؤنگا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جو صورت عمل میں لائیں گے میں بھی وہی صورت اختیار کرونگا مگر چونکہ اس مباحثہ و مکالمہ میں وقفہ پیش آیا اس لئے اسلامی لشکر میں تشویش پھیل گئی اور یہ افواہ مشہور ہو گئی کہ اسلامی سفیر قتل کر دیا گیا اور بظاہر حضرت عثمانؓ کے توقف اور التوا کے باعث اس افواہ کی تائید ہو گئی اور ان خارجی قرائن کے باعث مسلمانوں کو قریب قریب یقین آ گیا کہ بیشک کافروں کی طرف سے مسلمانوں کے قاصد کے ساتھ دغا کی گئی اور حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خبر بد نے سخت صدمہ پہنچایا اور آپ رنج و قلق کے باعث بے چین ہو گئے اور حدیبیہ کے میدان میں ایک کیکر کے درخت کے نیچے آ کر کھڑے ہو گئے اور تمام موجودہ مسلمانوں سے اس عہد و پیمان پر بیعت لے لی کہ جب تک جان میں جان ہے کافروں سے لڑیں گے اور بھاگنے یا پیٹھ پھیرنے کا نام بھی نہ لیں گے گویا محمدی کچھار کے شیروں اور اسلامی دنیا کے ابتدائی پہلوانوں نے کسی ہونے والی سخت جنگ کا بالجزم عزم کر لیا اور جانوں پر کھیلنے کے لئے آمادہ و مستعد ہو گئے۔

اس مبارک بیعت کا نام بیعت الرضوان ہے کیونکہ اللہ و رسول کی خوشنودی کے لئے اسلامی لشکر نے نہایت رضامندی کے ساتھ اس معاہدہ کا اعزاز حاصل کیا تھا اور اس اعزاز میں حکماً حضرت عثمانؓ بھی شامل تھے کیونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بایاں ہاتھ اپنے ہاتھ پر رکھ کر یوں فرمایا تھا کہ "یہ ہاتھ عثمانؓ کے لئے اور یہ بیعت عثمان کی بیعت ہے کیونکہ عثمان خدا ہی کے کام کے لئے باہر گئے ہوئے ہیں اور یہی نیک کام اس وقت ان کے یہاں موجود نہ ہونے کا سبب ہے"

اس بیعت کے صلہ میں حق تعالیٰ نے اپنی خوشنودی کا پروانہ اس پاک کلام میں نازل فرمایا ہے جس کو قرآن مجید کہا جاتا ہے اور اسی پروانہ میں عنقریب ہونے والی فتح کا مژدہ سنایا ہے جس سے مراد خیبر کی فتح ہے جس میں اسلامی لشکر کو خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی اور امید و خیال سے زیادہ مال غنیمت کے علاوہ دشمنوں کی ہزیمت و

خواری اور قتل و بربادی کے باعث اطمینان کی زندگی نصیب ہوئی۔

فتح خیبر اس بشارت کاملہ کے آگے پیچھے بلا فصل ہی حاصل ہوئی ہے کیونکہ اس حدیبیہ کے قصہ کے بعد غزوہ خیبر ہی واقع ہوا ہے۔ جس کا مفصل قصہ عنقریب آپ کی نظر سے گذرے گا۔

باب (۶۵)

باہمی مصالحت کا معاہدہ اور اس کی پابندی جب قریشی بت پرستوں کو بیعت الرضوان اور اسلامی لشکر کے موت پر معاہدہ کی خبر ہوئی تو گھبرا اٹھے اور چاہا کہ کسی طرح مصالحت ہو جائے اور جنگ کی نوبت نہ آنے پائے کیونکہ ان ولدادہ جوانمردوں کی بہادری و ظفر پناہ جمعیت کی فتحمندی سے کوئی کان ناآشنا نہ تھا اس لئے فوراً بغرض مصالحت سفارت و وکالت کی تدبیر سوچی گئی اور ایک مدبر وکیل اور سمجھدار و عقیل سفیر یعنی عمر کے بیٹے سہیل کو اسلامی لشکر میں بھیجا گیا تاکہ مصالحت کرائیں مگر چونکہ اپنی بات کا اونچا رکھنا اور دشمن کو دبا ہوا ظاہر کرنا ہر شخص اپنی عزت آبرو کی حفاظت کا ذریعہ سمجھے ہوئے ہے اس لئے سہیل کو باوجود اپنے خوف زدہ اور مغلوب و پسپا ہونے کے یہ سمجھا دیا گیا کہ اس کا خیال رکھیں کہ اہل مکہ کا پہلو دبا ہوا نہ رہے بلکہ جہانتک ممکن ہو مسلمانوں پر تنگی اور دباؤ ڈالکر ان کو مجبور کیا جاوے کہ اس سال بے نیل و مرام واپس ہو جائیں اور آئندہ سال اس عمرہ کی قضا کرلیں جس کو ادا کرنے آئے ہیں چنانچہ سہیل آیا اور مصالحت کی شرائط کا پیام و سلام ہونے لگا۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ اپنا وعدہ یاد تھا جو ناقہ قصوار کے یکایک بیٹھ جانے پر حق تعالیٰ سے کیا تھا اور درحقیقت آپ کو جنگ و قتال اور حرم محترم کی تعظیم کا ہتک کسی طرح گوارا نہ تھا اس لئے آپ نے یہی مناسب سمجھا کہ مسلمان اور قریشیوں کا جھگڑا رفع ہو جائے اس لئے آپ نے اس ظاہری چڑھاؤ پچڑھاؤ کا کچھ خیال نہ فرمایا اور بے محابہ و بلا تکلف آپ نے اپنی رضامندی ظاہر فرمائی کہ اہل مکہ جو شرط مناسب سمجھیں پیش کریں حتی المقدور ہمیں منظور کر لینے میں عذر نہ ہوگا بشرطیکہ حق تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہو باقی یہ ظاہر ہے کہ خدا کے غالب بنائے ہوئے گروہ کو ظاہری طور پر دب جانے سے مغلوبیت یا ذلت نہیں ہو سکتی جس کا خیال قابل وقعت یا لائق لحاظ ہو۔ سہیل نے جو شرائط صلح پیش کیں اُن کو عالی حوصلہ اور ولدادہ مسلمان کسی طرح گوارا نہیں کر سکتے تھے مگر صرف رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی دور اندیشی اور انجام بینی ہی تھی جس نے کسی کو مخالفت کی جرأت نہیں دلائی اور کوئی مسلمان کسی قسم کا عذر پیش نہ کر سکا ورنہ ممکن نہ تھا کہ مصالحت ہو کیونکہ ان شرائط میں مسلمانوں کو ہر پہلو سے دبایا گیا تھا اور کوئی صورت نہ تھی جس سے اہل اسلام کو خوشی نصیب ہو یا اپنے غلبہ و شوکت کی بنا پر بات اونچی رہنے کا اعزاز حاصل ہو۔ وہ شرائط یہ تھیں مسلمان بلا عمرہ کئے یہیں سے واپس ہو جائیں اور اس سال مکہ میں داخل نہ ہوں البتہ دوسرے سال آسکتے ہیں مگر اس وقت بھی صرف تین دن رہ کر واپس چلا جانا ہوگا اور مسلمانوں کو صرف میان بند تلواریں لانا ہوگا۔ وہ بھی نیام میں

دس برس تک ہم لوگوں میں لڑائی موقوف رہے گی اور قریش کا جو شخص بغیر اجازت اپنے سردار کے مدینہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائے وہ واپس کر دیا جائے اگرچہ مسلمان ہو کر گیا ہو لیکن جبر اً پھر بت پرستوں کے حوالہ ہو اور اگر کوئی مسلمان مدینہ سے مکہ چلا آئے تو مدینہ والوں کو واپس نہ ملے گا اور اس دس سال کے میعادی صلحنامہ کی جو شخص پابندی نہ کرے گا وہ بدعہد سمجھا جائے گا اور سزا کا مستحق ہوگا۔

اس طرح پر دب کر صلح کرنے سے اکثر صحابہ کو رنج و قلق ہوا مگر چونکہ کوئی کان نہیں ہلا سکتا تھا اس لئے سب خاموش تھے۔ آخر کار حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فریقین کا صلحنامہ لکھنے کے لئے قلم اٹھایا اور اسلامی قاعدہ کے موافق شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ کر کتابت شروع کی مگر قریش کے ضدی وکیل کی منازعت و بیجا اصرار کی اسی پر بسم اللہ ہوئی کیونکہ اس نے یہ الفاظ دیکھتے ہی کہا کہ "میں نہیں جانتا کہ رحمٰن کون ہے اس لفظ کو مٹاؤ اور عرب کے رواج کے موافق وہی باسمک اللہم لکھ کر شرائط صلح کی دفعات لکھو جو اس ملک میں دستاویز کے مستند کاغذات اور خطوط کی باعزت تحریرات کے عنوان پر ہمیشہ لکھنے کا قاعدہ اور دستور ہے۔ کوئی شخص کسی قوم اور کسی قبیلہ کا بھی ہو خالف ہو یا موافق زبردست ہو یا زیردست اتنی بات ضرور سمجھ سکتا ہے کہ راضی نامہ کے درخواست دہندہ لوگوں کو زوائد امور اور خارجی معاملات میں دخل انداز ہونا زیبا نہیں ہے اور ایک صلح پسند شخص کی ذات سے یہ امر نہایت بعید ہے کہ مد مقابل گروہ پر بے محل و بے موقع دباؤ ڈالے یا اس قسم کے اصرار کرے جو عقل وتحمل دونوں پاکیزہ خصلتوں پر عیب لگاتا ہے بھلا اگر حریف بھی ضد اور اصرار کو شعار بنائے تو پھر وہ مصالحت جس کی سعی کوشش عمل میں لائی جا رہی ہے کیونکر قائم ہو سکتی ہے مگر ان کافر بت پرستوں کو اس کا کیونکر خیال ہو سکتا تھا انھوں نے عبادت ہی کے محل و موقع کو نہ سمجھا اور اپنی جہالت کی بدولت پیشانی جیسے باعظمت عضو کو ہاتھوں کے بنائے ہوئے بتوں کے سامنے رکھدیا اور دعا قبول کرنے والا سمجھ لیا اس لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جاہل اور کم سمجھ بد اندیش لوگوں کو معذور سمجھا اور اپنے حلم وکرم کی قابل یادگار خصلت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا بلکہ نہایت نرمی و سہولیت سے فرمایا کہ بہتر ہے جو کچھ بھی لکھواؤ ہمیں منظور ہے ہمارے سچے معبود کے ایک کم سو نام ہیں اور ایک سے ایک اعلیٰ اور بہتر ہے۔ اگر تم بیجا اصرار کے عادی و خوگر ہو تو ہم اس کے مصلح و پردہ پوش اور صلح جو مسلمان بندے ہیں جن کا شعار حق کی اطاعت اور امر واقعی کا اتباع کرنا ہے معانی رس اور نکتہ سنج سمجھداروں کو الفاظ کے اختلافات اور صورتوں کے تغیر و تبدل سے کچھ تعلق نہیں ہے۔

غرض باسمک اللہم لکھنے کے بعد فریقین کے نام و پتہ لکھنے کا نمبر آیا کیونکہ مقدمہ کے ہر دو فریق جن میں مصالحت و معاہدہ ہو مضمون کے شروع میں سب سے پہلے ظاہر کئے جاتے ہیں تاکہ دستاویز کا دیکھنے والا کاغذ پر نظر ڈالتے ہی یہ سمجھ جائے کہ کس معاملہ کے متعلق کن لوگوں کا فیصلہ ہے۔

چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے لکھا کہ "یہ صلحنامہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان بشرائط مفصلہ ذیل طے ہوا ہے:"

یہیں تک لکھا گیا تھا کہ ضدی وکیل کے دوسرے بیجا اصرار پر چلتا ہوا قلم پھر رو کا گیا اور کان لگا کر سنا گیا تو معلوم ہوا کہ اللہ کے پیارے پیغمبر کے آسمانی عطیہ اور سرکاری باوقعت خطاب کی تحریر پر اعتراض ہے کیونکہ سہیل نے کہا ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول نہیں سمجھتے اگر ایسا سمجھتے تو مخالفت ہی کیوں کرتے اس لئے اس لفظ کو بھی محو کرو اور عبداللہ کے بیٹے محمدؐ کے نام کے عنوان سے عبارت لکھو تاکہ ہمارے منشا کے خلاف نہ ہو

یہ دوسری ضد ایسی جہالت آمیز اور دلشکن ضد تھی جس نے سیکڑوں کو رنج پہنچایا کیونکہ دینی سردار کا یہ مبارک لقب کوئی ایسا معمولی لقب نہیں تھا جس کی مسلمان دلوں میں خصوصیت کیساتھ وقعت نہ ہو یہی وہ سچا اور واقعی آسمانی خطاب تھا جس نے مسلمانوں کے دلوں کو تازگی بخش رکھی تھی اور یہی وہ محترم وباعزت لقب تھا جس نے ہزارہا کافروں کو تہہ تیغ کرایا اور یہانتک نوبت پہنچائی تھی یہی مبارک الفاظ اسلام کا جزو تھے اور اسی جزو کے اقرار وتصدیق پر نجات ابدی کا انحصار تھا اس لئے مسلمان کاتب اور جان نثار مخلص صحابی کو ہرگز گوارا نہ ہوا کہ یہ مبارک خطاب اور اللہ پاک کا عطا کیا ہوا لقب لکھنے کے بعد کاغذ سے علیحدہ کیا جائے چنانچہ سہیل کے نامناسب اصرار کو سنکر حضرت علیؓ نے صاف انکار کر دیا اور کہدیا کہ خواہ صلح ہو یا نہ ہو مگر میں ان الفاظ کو ہرگز نہیں مٹا سکتا۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی پروا نہیں کی اور فرمایا کہ کسی کے انکار کرنے اور نہ سمجھنے سے کیا ہوتا ہے جس کو حق تعالی نے جو عزت دی ہے وہ کسی کے چھپائے چھپ نہیں سکتی میں اللہ کا رسول بھی ہوں اور عبداللہ کا بیٹا بھی ہوں دونوں باتیں اپنے موقع پر صحیح ہیں مجھے اللہ کا پیغمبر ہوئے پیچھے ان کے اندھے بنکر انکار کرنیکی کوئی پروا نہیں ہے اگر انکا منشا نہیں ہے تو کاغذ لاؤ اور بتاؤ یہ لفظ کہاں لکھا ہے میں خود اپنے ہاتھ سے قلم زد کئے دیتا ہوں چنانچہ آپ نے کاغذ ہاتھ میں لیا اور اس مبارک لقب پر قلم پھیر دیا تاکہ جھگڑا رفع ہو اور صلحنامہ کی کتابت پوری ہو جائے۔

صلحنامہ ابھی پورا نہیں لکھا گیا تھا کہ اسی قریشی وکیل سہیل بن عمر کا بیٹا ابوجندل مسلمان ہو کر مکہ سے بھاگا اور اس حالت سے اسلامی لشکر میں آپہنچا کہ قید کی رسیاں پاؤں میں پڑی ہوئی زمین پر گھسٹتی آرہی تھیں اور چہرہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں مگر افسوس رحمدل مسلمان اس مظلوم نومسلم کی اعانت نہ کرسکے کیونکہ یہ حال دیکھکر سہیل نے نامکمل دستاویز ہاتھ سے ڈال دی اور کہا کہ پہلے شرط صلح کی بموجب میرا مفرور بیٹا میرے حوالہ کردو اس کے بعد صلحنامہ کی تکمیل ہوگی اور ہرچند مسلمانوں کی طرف سے یہ عذر پیش کیا گیا کہ ابھی دستاویز ناتمام ہے شرائط کی پابندی اس کی تحریر کے ختم ہونے پر فریقین کے ذمہ ہوسکتی ہے لیکن سہیل نے نہ مانا اور مجبوراً مسلمانوں کو اس ستم رسیدہ نومسلم ابوجندل کا ہاتھ پھر کافروں کے ظالم پنجوں میں دیدینا پڑا۔

اس دلگداز حادثہ سے مسلمانوں کے نرم دلوں پر جو کچھ صدمہ پہنچا ہوگا اس کا اندازہ وہی رقیق القلب مسلمان کر سکتے ہیں جن کو کسی بیکس نوجوان مسلمان کو اپنے سخت دل اور بے رحم باپ کی وحشیانہ سزا اور گمبیر لا دینے والی قید میں مصیبت اٹھاتے دیکھنے کا اتفاق پڑا ہو۔ مگر کچھ عجیب گومگو کا معاملہ اور سناٹے کا عالم تھا کسی کو چون وچرا کرنے کی مجال نہ تھی سب دم بخود تھے اور حضرت ابوجندل مظلوم کی رحم دلانیوالی نازک حالت دیکھ کر خون کے گھونٹ پی پی کر رہ جاتے تھے آخر کار رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مدد واعانت کے امیدوار نو مسلم کا ہاتھ ظالم باپ کے ہاتھ میں دیکر فرمایا کہ لو لیجاؤ۔ اور گو ستم رسیدہ قیدی اور گرفتار مصیبت مسلمان نے آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا کر عرض بھی کیا کہ "میری امیدوں پر پانی پھر گیا۔ ہائے افسوس میں اسلام کی وجہ سے پھر اسی عذاب وتکلیف کے جیلخانہ میں بھیجا جاتا ہوں جس سے تمہارے رحمدل قلب کے ترحم اور شفقت کی امید پر بہزار کوشش بھاگ کر آیا تھا" مگر اسلامی لشکر کے سپہ سالار نے کچھ توجہ نہیں فرمائی اور صرف یہ فرما کر ابوجندل کو مکہ واپس بھیجدیا کہ "صبر کرو اور خدا پر نظر رکھو وہی تمہارے لئے کوئی سبیل نکالے گا کیونکہ اسکی برابر دنیا میں کوئی کارساز نہیں مل سکتا"

مظلوم ابوجندل جن کی صورت شاہد حال تھی اور دیکھنے والوں کو آٹھ آٹھ آنسو رلاتی تھی اپنے دشمن باپ اور کافر والد کی قید میں مکہ واپس آگئے اور صلح کی شرائط پر فریقین کے دستخط ہو کر صلحنامہ کی تکمیل ہو چکی۔ اسلامی لشکر نے حرم میں قربانی کی نیت سے ہمراہ لائے ہوئے جانوروں کو مجبوراً اسی میدان میں ذبح کر دیا اور بیت اللہ کی زیارت کئے بغیر مدینہ واپس آئے چند ضعیف مسلمانوں کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھی ہوئی خواب کی تعبیر بالفعل ظاہر نہ ہونے سے بمقتضائے بشریت فوری شبہ بھی پیدا ہوا مگر بہت جلد زائل ہو گیا کیونکہ ان کے راہ نما قلب نے سمجھا دیا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت کا تعین نہیں فرمایا تھا اور سچی خواب کے لئے یہ ضرور نہ تھا کہ ابھی سر کے بالوں کا حلق و قصر نصیب ہو جائے البتہ ایسا ہونا ضروری ہے اور بہت جلد آنکھوں سے نظر آجائے گا کہ اسلامی لشکر کس اطمینان کے ساتھ بیت اللہ کا حج کر رہا ہے اور ایمان کا سفید جھنڈا حرم شریف میں لہرا رہا ہے۔

اس دبی ہوئی صلح کرنے سے کئی جلیل القدر صحابہ کو بھی رنج تھا علے الخصوص صلحنامہ کی اس دفعہ کا تو نہایت ہی قلق تھا کہ قریشی کافر اپنے ملک کے آدمی کو مسلمانوں کے ہاتھ سے واپس منگا سکتے ہیں مگر مسلمانوں کو ایسا اختیار حاصل نہیں ہے لیکن رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط کو صرف مان ہی نہیں لیا تھا بلکہ برت کر دکھا بھی دیا کیونکہ مصالحت کے بعد قریش میں سے جو کوئی بھی مسلمان ہو کر مدینہ میں آیا۔ دینی سردار نے بلا عذر اس کو واپس کر دیا اور گو چند مسلمانوں کو رنج ہوا مگر آپ نے کچھ پروا نہیں کی اور صلحنامہ کی شرط کے خلاف اس مانگے ہوئے نو مسلم کو پناہ دینا گوارا نہیں فرمایا۔ البتہ چونکہ یہ معاہدہ مردوں کے لئے مخصوص تھا اس لئے عورت ذات جو کوئی مسلمان ہو کر مدینہ میں پناہ گزین ہوئی وہ واپس نہیں دی گئی اور نہ مکہ کے قریشی کافروں نے اس کا مطالبہ کیا۔ انھیں ہجرت کر کے مکہ چھوڑ آنے والی مسلمان عورتوں

ہیں عقبہ بن ابی معیط کی جوان بیٹی حضرت ام کلثومؓ بھی ہیں جن کے اسلام کا باقاعدہ امتحان لے لیا گیا اور مدینہ میں رکھ لیا گیا اور ان کو ظالم قریشیوں کے پنجہ سے نجات ملی۔

باب (٦٦)

ابو بصیرؓ کا گروہ۔ حق تعالیٰ کی مخفی حکمتوں کا سمجھنا آسان نہیں ہے اور اللہ پاک کے اختیاری افعال کے چھپے ہوئے اسرار و رموز سے آگاہ ہونا ہر بشر کا کام نہیں ہے کیونکہ اُس مدبر و حکیم قادر مطلق کی حکیمانہ مصلحتوں کا انحصار کوئی کر نہیں سکا اور نہ یہ ممکن ہے کہ تمام خدائی بھید کوئی شخص سمجھ سکے وہی ناگوار شرط کہ مدینہ میں پناہ لینے والا مسلمان قریش کو واپس دیدیا جائے ایک عجیب رنگ لائی اور اس بہتر نتیجے اور عمدہ انجام کا سبب و ذریعہ بنی جس کا اس سے پہلے کوئی خیال بھی نہیں کر سکتا تھا اور نہ انسانی وہم و گمان کی اس قدر پرواز تھی کہ اس مصلحت کی بلند چوٹی پر پہنچے اور چونکہ انکی قصہ میں اس وجہ سے ایک دلچسپی ہے کہ فتح و نصرت کی ابتدا اسی سے ہوئی اور انجام کار اسلامی غلبہ کی تمہید یہی قرار پایا اس لئے خصوصیت کے ساتھ اس کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوا تاکہ ایمانداروں کا ایمان بڑھے اور ہر مسلمان جان جائے کہ جس خدائی کام کی صورت ناگوار ہے اُس کا بہتر انجام اگر پہلے سے معلوم ہو جائے تو وہ ناگواری و رنج یقیناً مسرت و خوشی سے بدل جائے اور لاکھ بار سے زیادہ شکریہ ادا کرنے کی ضرورت ہو۔

ایک شخص ابو بصیرؓ نامی مسلمان ہو کر مکہ سے فرار ہوئے اور مسلمانوں کی اعانت و ہمدردی اور قومی رفاقت مذہبی یگانگت کے بھروسہ پر مدینۃ الرسول میں داخل ہوئے مگر ابھی اطمینان کے ساتھ قیام کرنے بھی نہ پائے تھے کہ دو قریش قاصد اخنس بن شریق کا خط لیکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جو ابی بصیرؓ مفرور مسلمان کے مطالبہ کی درخواست میں لکھا گیا تھا اور جس کا مختصر مضمون یہ تھا کہ "شرائط صلح نامہ کی بموجب شخص مذکور کو فوراً روانہ کر دیجیے" چنانچہ ابو بصیرؓ دونوں فرستادہ قاصدوں کے ساتھ کر دیئے گئے اور مکہ جانے کیلئے مدینۃ الرسول سے باہر نکلے۔

مدینہ منورہ کے قریب ایک جگہ ہے جس کا نام ذی الحلیفہ ہے یہی وہ مقام ہے جو اہل مدینہ کا میقات ہے اور اسی جگہ پر اس راستہ سے مکہ معظمہ جانے والے حج یا عمرہ کا احرام باندھتے ہیں جس وقت مسلمان قیدی دو کافروں کی حراست میں اس مقام پر پہنچے تو کھانا کھانے کے لئے مسجد ذی الحلیفہ میں آبیٹھے اور تینوں مسافروں نے مطمئن ہو کر کھانا شروع کیا

ابو بصیرؓ نے اپنے ہمسفر سپاہیوں میں سے ایک شخص کی تلوار پر نظر ڈالی جو نیام میں چھپی ہوئی اُس کے پاس رکھی تھی اور تعجب کے ساتھ کہا کہ آپ کی تلوار تو بیش قیمت اور نہایت عمدہ معلوم ہوتی ہے ذرا مجھے دکھائیے میں بھی اس کے جوہر غور کی نگاہ سے دیکھوں۔

نگہبان قریشی سپاہی نے بے تکلف اپنی تلوار ابو بصیرؓ کے حوالہ کر دی کیونکہ اُس کو اپنی آنے والی موت اور سر پر کھیلنے والی اجل کا مطلق خیال نہ تھا اس کافر سپاہی کو کیا خبر تھی کہ آخری وقت آپہنچا ہے اور اب مکہ جانا نصیب

نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ بے بس قیدی جس کو پکڑے لئے جا رہے ہیں اپنی رہائی کی فکر میں مشغول ہے اور مکہ جانے یا کافروں کی ایذا میں مبتلا ہونے سے بہتر اپنی جان کا خدا کے حوالہ کر دینا سمجھے ہوئے ہے۔

ابو بصیرؓ نے اپنے محافظ سپاہی کی تلوار کو ہاتھ میں لیکر ادھر ادھر گھمایا اور الٹ پلٹ کر تھوڑی دیر تک غور سے دیکھا نگہبان سپاہی کو غافل دیکھکر وقت کو غنیمت سمجھا اور موقع پاکر اپنے حریف پر جست کی اور اسی تلوار کا ایک وار ایسا زبردست کیا جس سے تلوار کا اصلی مالک جانبر نہ ہو سکا اور چند منٹ تڑپ کر دو تین کروٹیں بدل کر راہی ملک عدم ہوا۔

نو مسلم ابو بصیرؓ نے ایک جانب سے مطمئن ہو کر دوسرے سپاہی پر حملہ کیا اور اسکو بھی ساتھی کے پاس ہمیشہ کی نیند سلانا چاہا تاکہ دونوں رفیقوں میں موت زندگی کی معیت قائم رہے مگر چونکہ کاتب ازلی نے دونوں موتوں میں چند روزہ فاصلہ قائم کیا تھا اس لئے کامیابی نہ ہو سکی اور مرنے والے محافظ کا رفیق ابو بصیرؓ کے غیظ و غضب اور قتل کے قصد و نیت کو محسوس کرتے ہی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور چونکہ جان ہر شخص کو عزیز ہوتی ہے اس لئے ٹھیر بھی نہ سکا بلکہ بھاگ گیا اور فرار ہو کر اپنی جان بچائی۔

خوف زدہ سفرور سپاہی سیدھا مدینہ پہنچا اور لرزتا کانپتا مسجد نبوی میں جا گھسا اس کی پریشان حالت کہے دیتی تھی کہ غنیم کی صیقل دار تلوار دیکھکر عزیز اور پیاری جان بچانے کی امید پر بھاگا اور دار الامن میں پناہ گزیں ہوا ہے۔ چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اس کی صورت دیکھتے ہی پہچان گئے کہ کوئی جدید سانحہ پیش آیا ہے اس لئے آپ نے صرف یہ کہا کہ ڈرا ہوا معلوم ہوتا ہے اور خاموش ہو رہے اس کے بعد اس پراگندہ بال وحشت زدہ شخص نے ذی الحلیفہ کی مسجد میں پیش آنے والا قصہ خود ہی بیان کیا اور کہا کہ میرا رفیق قتل کر دیا گیا اور میرا بھی یہی حال ہونے والا تھا کہ میں بھاگ کھڑا ہوا اب خدا کے واسطے میری جان بچاؤ۔ اور خونخوار قیدی سے میرا پیچھا چھڑاؤ۔

کچھ ہی دیر گذری تھی کہ نو مسلم ابو بصیرؓ بھی آ پہنچے کیونکہ اپنے حریف دشمن کے تعاقب میں بھاگے ہوئے پیچھے پیچھے چلے آ رہے تھے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بصیرؓ کو دیکھا اور فرمایا کہ "عجب لڑائی کا بھڑکانے والا شخص ہے اگر کوئی مددگار ہوتا تو خدا جانے کیا کرتا" حضرت ابو بصیرؓ نے اس جملہ سے اپنا مطلب پالیا اور سمجھے کہ مجھے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم صلحنامہ کے خلاف مدینہ منورہ میں پناہ دینا پسند نہیں فرماتے مناسب ہے کہ میں یہاں سے نکل جاؤں اور مکہ و مدینہ کے راستہ میں کسی جگہ ٹھیر کر ان گرفتار مصیبت نو مسلم مردوں کو وہیں روکتا جاؤں جو امن و پناہ کے بھروسہ پر کفار قریش کی ایذا رسانی سے تنگ آکر مدینہ روانہ ہو جاتے ہیں اور درحقیقت ستائے ہوئے مسلمانوں اور بد دین کافروں کے ہاتھوں گھبرائے ہوئے مسلمانوں کو اس سے بہتر کوئی سبیل نہ تھی کہ مدینہ میں نہ آئیں اور جان بچانی ہو تو راستہ ہی میں کسی جگہ قیام و سکونت اختیار کر لیں کیونکہ اللہ کے سچے رسول کو شرائط مصالحت کی ذرہ برابر مخالفت گوارا نہیں تھی اور عہد نامہ کے بموجب کسی نو مسلم کو مسلمان مدینہ میں رکھ نہیں سکتے تھے۔ اس لئے ابو بصیرؓ فوراً الٹے پاؤں پیچھے پھرے اور اس گذرگاہ پر جا ٹھیرے جدھر سے قریشی قافلے اور مالی کارواں آیا جایا کرتے تھے۔

ابو بصیر کے اس مقام پر سکونت اختیار کرنے کے بعد جو شخص بھی مکہ میں مسلمان ہوا اور مدینہ منورہ جانے کی نیت سے باہر نکلا وہ یہیں رکتا گیا یہاں تک کہ آہستہ آہستہ ستر آدمیوں کی جماعت ہو گئی اور اس مختصر گروہ نے اپنی یکجائی سکونت کو اس مقام پر ایسا غنیمت سمجھا کیونکہ وہ آب و دانہ جس کا ہر انسان محتاج ہے یہاں ان کو بآسانی مل سکتا تھا۔ اور اپنی جان و ایمان کے دشمن کافروں کا مال چھین جھپٹ کر کھا لینا بھی مباح و حلال سمجھے ہوئے تھے اس لئے انھوں نے قریش کے آنے جانے والے قافلوں پر حملہ کرنا شروع کیا اور جو بھی کارواں اُدھر سے گذرا کافروں کو قتل کر دیا اور مال اسباب لوٹ کر آپس میں بانٹ لیا گویا اسی کو اپنی معاش اور گذارے کا بہتر ذریعہ سمجھا کیونکہ ان خانہ بدوش نومسلموں کو ادھر اُدھر کسی شہر میں پناہ ملنے کی امید نہ رہی تھی۔

قریشی وکیل یعنی سہیل کے نومسلم بیٹے حضرت ابو جندل بھی انھی میں آشامل ہوئے جو صلح ہوتے وقت میدان حدیبیہ سے اپنے ظالم باپ کے ساتھ واپس کر دیئے گئے تھے۔ یہاں تک کہ ایک مؤرخ کی روایت ہے کہ ابو بصیرؓ کا گروہ تین سو مسلمانوں کا تھا جن کی لوٹ مار سے قریشی سردار گھبرا اُٹھے کیونکہ اس سوکھے ملک اور خشک خطہ کے باشندوں کا گذارا اُسی باہر سے آنے والے اناج پر تھا جس پر ابو بصیرؓ کے خارجی گروہ کا قبضہ ہوتا چلا جاتا تھا اور کوئی مالی کارواں ایسا نہ تھا جو صحیح و سالم بچ نکلے یا لدا پھندا مکہ پہنچ کر منڈی میں فروخت کے لئے اُتارا جائے۔

اہل مکہ بصیری جماعت کے ہاتھوں تنگ آ گئے اور ہر چند چاہا کہ کچھ انتظام کریں مگر نہ کر سکے کیونکہ خیالات و عقائد کا تخالف اور ایذا رسانی و ظلم رسانی کا تنفّر پیدا ہوئے پیچھے مصالحت کا کوئی طریق باقی نہ رہا تھا رشوت و مالی طمع پر کامیابی محال ہو چکی تھی اور جنگل میں رہنے والے خانہ بدوش بدوؤں کو ریاست و حکومت کے رعب یا حملہ و جنگ کے اندیشناک خطرات کی دہشت سے امن و چین مل گیا تھا اس لئے مایوس ہو کر اور چاروں طرف سے امید کا رہ آری کے دروازے مسدود دیکھ کر اُسی کریم گستر رحمۃ للعالمین کی ستودہ صفات ذات کی جانب ملتجی ہوئے جس کو حق تعالیٰ نے صلح کامل اور سہرہ لعزیز بنا کر بھیجا تھا اور خلعتِ نبوت کے ساتھ یہ شرف بھی مرحمت فرمایا تھا کہ دنیاوی سیاست و انتظام اور عامہ رفاہیت و خیر خواہی کی لگام پر پورا قبضہ رکھے۔

اہل مکہ کچھ ایسے ناسمجھ نہ تھے کہ اس آنے والی مصیبت اور ناگہانی بلا و آفت کا سبب نہ سمجھیں انکو خوب معلوم تھا کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عہد صلح میں دباؤ ڈالنے اور اپنی بات کے اونچا رکھنے کا خمیازہ ہے خود کردہ را چہ علاج" مگر فاقہ زدگی کے بے چین کر دینے والے زمانہ کا تصور باندھکر پریشان ہو گئے اور بارگاہِ رسالت میں اس مضمون کی عرضی بھیجی کہ "اے فاقہ مست قوم کے فریادرس اور اے کنبہ پرور حلیم و بردبار سردار اپنے ہموطن اہل مکہ کی قابل رحم نازک حالت پر ترس کھاؤ ہم اہل مکہ اپنی شرط صلح سے درگذرے ہماری زندگی کا شیریں پھل تلخ ہو گیا۔ ہماری جان و مال ہر وقت معرضِ خطر میں ہے۔ خدا کے واسطے رحم کرو اور اس راہزن

جماعت کو اپنے پاس بلا لو جو ابو بصیر کی ماتحتی میں رانگذر پر پڑی ہوئی ہے اور ہمارے آنے جانے والے مسافروں کے توشے اور کارواں کے مال و اسباب کو لوٹ کر اپنی گذر اوقات کر رہی ہے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھی کہ میں صلحنامہ کی مخالفت کرنی نہیں چاہتا اور کسی مکہ کے نومسلم مفرور شخص کو مدینہ میں پناہ دینی گوارا نہیں کرتا۔ علی الخصوص ایسی شرط کو توڑنا پسند نہیں کرتا جس کو زور دے کر تم ہی نے منظور کرایا اور مسلمانوں پر دباؤ ڈالنے کی غرض سے ضد باندھ کر اہلِ اسلام کا دل دکھایا ہو مگر قریشی کافر چونکہ ابو بصیر کے ہاتھوں تنگ آگئے تھے اس لئے خوشامد کرنے لگے اور کہا کہ ہمارے تشدد اور سختی پر لحاظ نہ فرمایئے پرانی رشتہ داری اور ہموطنی کا پاس کیجئے آپ کی کرم گستر اور مہربان ذات کی عنایت و مہربانی سب کے لئے عام ہے۔ پھر اہلِ مکہ اُس کے فیضان سے کیوں محروم رکھے جائیں اللہ واسطے ہمارے حال پر ترس کھایئے اور اس گروہ کی لوٹ مار سے ہم کو نجات دلوایئے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود تو دنیا کیلئے باعث رحمت تھا اور آپ کے ستودہ خصائل چاہتے نہ تھے کہ کسی کی تکلیف رفع نہ کی جائے آپ اپنے اُن دشمنوں پر احسان کرنے کے عادی تھے جن کی طرف سے ابتدائی ایذائیں اٹھائیں اور تکلیفیں سہی تھیں یہ گفتگو بھی محض جتانے اور کم سمجھ کی نادانی کا اظہار کرنے کے لئے تھی اس لئے ابو بصیرؓ کے نام فوراً گرامی نامہ لکھوا بھیجا کہ مع اپنی جماعت کے فوراً مدینہ میں چلے آؤ مگر افسوس جس وقت نامۂ مبارک پہنچا ہے ابو بصیرؓ اس وقت نزع کی حالت میں اپنے مہربان پروردگار سے راز و نیاز کی باتیں کرنے میں مشغول تھے۔

پیارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک خط اسی حالت میں ابو بصیرؓ کے پاس پہنچا اور انھوں نے فوراً آنکھیں کھولدیں ہاتھ بڑھایا اور اپنے چاہیتے دینی سردار کا عنبر شمامہ ہاتھ میں لے لیا۔ مگر افسوس کھول کر دیکھنے کی بھی نوبت نہ آئی اور جان بحق تسلیم ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مقدس مذہب اسلام کے مبارک نام پر فدا ہونے والے حضرت ابو بصیرؓ دنیا سے انتقال کر گئے اور ان کی تابع کی ہوئی جماعت ارشاد سراپا ارشاد کی تعمیل کے لئے گردن جھکائے مبارک نامہ کو فخر و عزت کے ساتھ ہاتھ میں لئے ہوئے روانہ ہوئی اور مدینۃ الرسول میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر آگر پڑی اس وقت سے صلح نامہ کی ناگوار شرط منسوخ ہوگئی اور اس کے بعد جو کوئی بھی نومسلم مکہ کے تکلیف رساں موذی کافروں کے ہاتھوں تنگ آیا وہ سیدھا مدینہ چلا آیا اور اپنی دینی اصلاح کے لئے اسلامی سپہ سالار کی خدمت میں آپڑا۔

ان حضرات کے مناقب اور فضائل کے بیان کرنے میں قلم کو حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح اُس مقدس جماعت کی فضیلت ظاہر کرے جن کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کا مبارک خطاب مرحمت ہوا ہے۔ پیارے مسلمانو! ان پاک طینت حضرات کی محبت درحقیقت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے اور اہلِ حق کا اس بات پر اتفاق ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک چہرہ پر ایمان اور محبت کے ساتھ ایک مرتبہ نظر ڈالنے سے ان کو وہ مدارج حاصل ہوتے ہیں جو چالیس برس کے مجاہدہ سے بھی حاصل نہیں ہو سکتے پھر بھلا ان بزرگواروں کے تقدس اور تقرب کا کیا ٹھکانا ہے جنھوں نے مہینوں اور برسوں آستانہ علیہ کی خاک بوسی کا فخر حاصل کیا ہے اور سیکڑوں دفعہ اللہ کے چاہیتے پیغمبر کے نورانی چہرہ پر محبت بھری نظریں ڈال کر روح کو تازگی بخشی ہے۔ خدا کی قسم ایک مرتبہ بحالت اسلام حاضر خدمت ہو جانے والے صحابی کے پاؤں کے نیچے کی خاک نصیب ہو جائے تو آنکھوں کا سرمہ بنانے کی عزت حاصل ہو جائے پیارے مسلمانو! ذرا اپنے دلوں کو ٹٹولو اور دیکھو کہ مذہب اسلام کے پہلے جان نثار اور ابتدائی حامی و مددگار سلف کی محبت تم کو کس قدر ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ یہی محبت تمھاری نجات کا باعث ہے بھلا کوئی دوسرا ولی یا شیخ ان حضرات کی برابر کس طرح ہو سکتا ہے جن کی بابت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا یوں ارشاد ہے کہ کوہ احد کی برابر سونا بھی کوئی شخص خیرات کرے گا تو صحابہ کے آدھ سیر جو کی خیرات کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔ اور درحقیقت یہی بات ہے کیونکہ انھوں نے اپنی جان کو اللہ کے نام پر اس وقت قربان کیا ہے جبکہ مقدس مذہب اسلام کو اس کی ضرورت اور سخت حاجت تھی۔ انھوں نے اپنے مال رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر نچھاور کر دیئے ان کا مبارک پیسہ وہ تھا جو اللہ کے چاہیتے پیغمبر کے تصرف میں آیا۔ ان کا بابرکت مال حق تعالیٰ کے محبوب پر نثار ہونے کا فخر حاصل کیے ہوئے ہے جو ان کے بعد کسی دوسرے شخص کو کبھی میسر نہیں آسکتا۔ الٰہ العالمین ان بزرگواروں کی محبت عطا فرما تاکہ مجھ گنہگار کا بھی انھیں کے ساتھ حشر ہو کیونکہ تیرے مقبول پیغمبر نے فرمایا ہے کہ "قیامت کے دن آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا تھا۔" زہے نصیب کہ اس مقدس گروہ کی ہم رکابی میسر آئے اور زہے تقدیر اگر ان حضرات کی محبت میں ایمان کے ساتھ خاتمہ بخیر ہو جائے۔

بعض اسلامی مورخین کی رائے یہ ہے کہ غزوہ بنی مصطلق اور حضرت جویریہؓ بنت الحارث کا گرفتار ہو کر آنا اور بی بی صادقہ حضرت عائشہؓ پر تہمت کا لگانا جس کو ہم ۵ھ کے واقعات میں بیان کر چکے ہیں۔ اسی چھٹے سال میں ہوا ہے واللہ اعلم بالصواب

باب (۶۷)

<u>انگوٹھی اور چاہ اریس</u>۔ سفر حدیبیہ سے مدینہ منورہ واپس آنے کے بعد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کے سچے دین کی اشاعت اور مقدس مذہب اسلام کی تبلیغ کے لئے آس پاس کی قوموں اور سلاطین آفاق کی جانب قاصدوں کو روانہ کیا تاکہ نامہ ہائے رسالتمآب پہنچائیں اور بادشاہوں کو دین اسلام کی طرف بلائیں مگر چونکہ عجمی ملوک اور دنیاوی سلاطین کسی خط یا تحریر کو بلا مُہر ثبت ہوئے معتبر نہ سمجھتے تھے اس لئے صحابہؓ نے مشورۃً عرض کیا کہ یا رسول اللہ اسم مبارک کی ایک مُہر تیار ہونے کا حکم فرمائیے تاکہ جو خط کسی کی جانب روانہ کیا جائے اس کو نام نامی کی مُہر سے مزین و آراستہ کیا جائے چنانچہ مہر تیار ہوئی جس پر اللہ کے چاہیتے پیغمبر کا مبارک نام مع اس آسمانی خطاب کے کندہ ہوا جو حق تعالیٰ

نے اپنی عالی سرکار سے مرحمت فرمایا تھا یعنی "محمد رسول اللہ" اس طرح (محمد رسول اللہ) کہ اللہ پاک منزہ اسمہ کا نام اوپر اور لفظ رسول درمیان میں اور مبارک اسم گرامی اس کے نیچے جیسا کہ ہمارے لکھے ہوئے نقشہ سے ظاہر ہے۔

مہر مبارک چاندی کی انگوٹھی میں تھی اور انگوٹھی کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں پہنتے تھے جس کا نگینہ ہتھیلی کی جانب رہتا تھا۔ مورخین محققین کا اس امر میں اختلاف ہے کہ نگینہ کس چیز کا تھا کسی قسم کا حبشی پتھر اور عقیق وغیرہ تھا یا چاندی ہی کا تھا۔ مگر رجحان اس جانب ہے کہ نگینہ بھی چاندی ہی کا تھا اور صنعت ونقش کے باعث حبش کی جانب منسوب تھا۔ واللہ اعلم۔

اسلامی سپہ سالار اور اللہ کے سچے پیغمبر کی جانب سے نصاریٰ کے بادشاہ ہرقل والی روم اور نجاشی بادشاہ حبشہ اور مقوقس حاکم اسکندریہ ومصر اور خسرو پرویز شاہ فارس کے نام خطوط لکھے گئے اور مہر ثبت ہونے کے بعد بہادر معتمد صحابہ کے ہاتھ روانہ کئے گئے جن میں مختصر طور پر ہر ایک کا ذکر عنقریب بیان ہوگا۔

مہر مبارک ہجرت کے چھٹے سنہ میں کندہ کرائی گئی تھی اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کے جانشین خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس رہی اور پھر خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس رہی اور ان دونوں حضرات کے بعد تیسرے خلیفہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس آئی۔

حضرت عثمان غنی کی خلافت کو چھ برس گذر چکے تھے کہ آپ کو مدینہ منورہ کے مشہور کنوئیں چاہ اریس پر جانے کا اتفاق ہوا اور آپ اس کی منڈ پر بغرض تفریح واتباع سنت بیٹھ گئے۔ یہ مقدس انگشتری آپ کے ہاتھ میں تھی کیونکہ آپ انگلی سے نکالکر حسب عادت اس کو ہاتھ میں پھرا رہے تھے کہ دفعۃً انگوٹھی کنوئیں میں گر گئی اور ایسی غائب ہوئی کہ پتہ نہ لگا۔ حالانکہ امیر المومنین نے کنوئیں کا تمام پانی نکلوا ڈالا اور کامل تین دن انگشتری کی تلاش کی گئی مگر افسوس رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مبارک یادگار ہاتھ نہ لگی اور نہ ملنی تھی نہ ملی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس انگوٹھی کا گم ہونا تھا اور خلافت عثمانیہ میں تنزل کا پیدا ہونا تھا کیونکہ یہ انگشتری سلیمان علیہ السلام کی انگشتری کا حکم رکھتی تھی اس لئے جو حال سلیمانی انگشتری کے گم ہونے سے پیدا ہوا تھا وہی اس مقدس انگوٹھی کے کھوئے جانے سے پیدا ہونا چاہیئے تھا چنانچہ اس کے بعد جو کچھ خلافت راشدہ میں بدنظمی پھیلی اور فتنہ وفساد اور خوں ریزیاں ہوئیں وہ اس زمانہ کے موجودہ حضرات نے آنکھوں سے دیکھیں اور بعد میں پیدا ہونے والے مسلمانوں نے سنکر اور کتابوں میں لکھے ہوئے معتبر قصص سنکر علم حاصل کیا۔

چاہ اریس مسجد قبا کے قریب پچھاں کی جانب اس مشہور شیریں کنوئیں کا نام ہے جس میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دہن مبارک کا لعاب ڈالا ہے اور اسی وجہ سے اس کے پانی میں مٹھاس اور شیرینی پیدا ہوئی ہے ورنہ پہلے اس قدر کھاری تھا کہ زبان پر رکھنا بھی دشوار تھا۔

اس کنویں پر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بار ہا تشریف لائے ہیں چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن اپنے گھر سے وضو کر کے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے ارادہ سے نکلا اور دل میں عہد کیا کہ آج بارگاہ رسالت ہی میں حاضر رہوں گا غرض مسجد نبوی میں آیا مگر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پایا اور لوگوں سے معلوم ہوا کہ حضرت ابھی ابھی قبا کی طرف تشریف لے گئے ہیں چنانچہ میں بھی پیچھے پیچھے چل دیا اور قبا میں پہنچا تو خبر ملی کہ حضرت رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام چاہِ اریس پر رونق افروز ہیں میں وہاں حاضر ہو کر اس چار دیواری کے دروازے پر بیٹھ گیا جو چاہِ اریس کے گرد واقع تھی کیونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم حوائج بشری سے فراغت پانے میں مشغول تھے یہاں تک کہ جب حضور پُر نور حسب عادت وضو فرما چکے تو میں احاطہ کے اندر گیا اور دیکھا کہ آپ اس مبارک کنوے کی جگت پر ساقین مبارک کھول کر دونوں پاؤں کنویں میں لٹکائے ہوئے بیٹھے ہیں میں نے سامنے حاضر ہو کر سلام کیا اور پھر واپس ہو کر اسی دروازہ پر آ بیٹھا تاکہ اللہ کے پیارے پیغمبر کی دربانی کا فخر و اعزاز حاصل کروں کیونکہ ایسی عزت واجر کے قابل خدمت بڑے خوش نصیب ہی کو اتفاق سے نصیب ہوتی ہے ورنہ ہزاروں اسی تمنا میں مر گئے۔ اور ایک ساعت کے لئے بھی دربان بننا نصیب نہ ہوا۔

ایک ساعت گذری تھی کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دروازہ کھٹکھٹایا میں نے پوچھا کون ہے؟ وہ بولے کہ "ابو بکرؓ ہے اندر آنا چاہتا ہے" میں نے جواب دیا کہ ٹھیر جاؤ میں حضور میں اول عرض کر لوں اس کے بعد اجازت ہو گی تو دروازہ کھولوں گا۔ چنانچہ میں کھڑا ہوا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ابو بکر دروازہ پر حاضر ہیں اور اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں حضرت نے فرمایا کہ دروازہ کھول دو اور جنت کی بشارت دیدو۔ چنانچہ میں نے دروازہ کھولدیا اور حضرت ابو بکر صدیق رضؓ جنت کا مژدہ سُنکر احاطہ کے اندر داخل ہوئے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی داہنی جانب بیٹھکر پیارے محبوب کے اتباعاً اسی طرح کنویں میں پاؤں لٹکا دیئے جس طرح رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم لٹکائے بیٹھے تھے۔

میں پھر واپس ہو کر دروازہ پر دربان بنکر آ بیٹھا اور اپنے بھائی کا منتظر تھا جس کو وضو کرتے اپنے گھر چھوڑ آیا تھا میں اپنے دل میں دعا مانگتا اور آرزو کر رہا تھا کہ کاش وہ بھی آجائے تو جنت کی بشارت پائے کیونکہ آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت خاص ہے کہ خدام والا کو جنت کی بشارتیں مل رہی ہیں۔ یکایک دروازہ پر دستک ہوئی اور میں نے گھبر کر پوچھا کہ کون ہے؟ جواب ملا کہ "عمر بن خطاب ہے اندر آنا چاہتا ہے" میں نے جواب دیا کہ صبر کرو اجازت لے آؤں۔ چنانچہ حضور میں حاضر ہوا اور حضرت عمرؓ کے آنے کی اطلاع دی۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا آنے دو اور جنت کی خوشخبری سُنا دو غرض میں نے دروازہ کھولا اور حسب الحکم ان کو بھی جنت کی بشارت دی حضرت عمرؓ بھی اندر آئے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں طرف اسی طرح کنویں میں پاؤں لٹکا کر

بیٹھ گئے جیسے دونوں شاہ وزیر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور میں اپنے بھائی کے انتظار میں پھر دروازہ پر آبیٹھا۔
میں اسی تمنا میں تھا کہ کاش میرا بھائی آجائے کہ یکایک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان پہنچے اور میں نے انکی بھی اطلاع حضرت کو پہنچائی۔ ارشاد ہوا کہ اچھا آنے دو اور جنت کی بشارت دو مگر ساتھ ہی میں ایک بلاو مصیبت کی بھی خبر سنادو جو ان کے سر پر آنے والی ہے بغرض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اندر تشریف لائے اور دیکھا کہ جس رُخ پر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں وزیر یعنی حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو دائیں بائیں لئے بیٹھے ہیں اس طرف جگہ کی تنگی ہے اس لئے مقابل کے رُخ بیٹھ گئے۔ اور پھر کوئی صاحب نہیں آئے جنکو اس مبارک مجمع میں جنت کی بشارت ملے
وہ بلاو مصیبت جس کی اطلاع حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو دی گئی ظلماً شہید ہونے کی تھی جس کی ابتدا اور فساد کی بنیاد اسی وقت سے قائم ہوئی شروع ہوگئی تھی جبکہ وہ مبارک انگشتری جس پر اسم مبارک کی مہر کندہ تھی اس کنوئیں میں گری اور گم ہوگئی۔ کیونکہ انتظام ریاست دینیہ زیر نگین رسالت مآب تھا اور اس کے لئے لازمی تھا کہ انگشتری گم ہونے سے خلل واقع ہو۔

اس زمانہ میں اس چاہ اریس پر عمارت بنی ہوئی ہے اور اس کے گرد ایک احاطہ کھنچا ہوا ہے جس کی زیارت کی جاتی ہے اور قیامت تک برابر ہوتی رہے گی۔

چاہ اریس چونکہ نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والتسلیم کے ان مشہور سات کنوؤں میں شامل ہے جن کی اب زیارت ہوتی ہے اور اس کو انگشتری کے ساتھ اس خصوصیت کا تعلق بھی تھا اس لئے ضمناً مختصر ذکر چھڑ گیا ورنہ اس قصّہ کو سلسلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے لہٰذا ہم اپنے سلسلہ کی جانب رجوع کرتے ہیں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے امانت دار قاصد مُہر کردہ خطوط لیکر روانہ ہوئے چنانچہ ہرقل شاہ روم نے پیغامبر کی بڑی عزت کی اور حُسنِ اخلاق کے ساتھ پیش آیا لیکن ایمان سے محروم رہا۔ اور مقوقس بادشاہ اسکندریہ نے نامۂ مبارک کو عظمت ووقعت کے ساتھ سر پر رکھنے کے علاوہ دو باندیاں یعنی حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا جن کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے مخصوص فرمایا اور دوسری ان کی بہن سیرین جو حضرت حسان بن وہب کو عطا کی گئیں اور نیز ایک سفید خچر جس کا نام دُلدل اور ایک حمار جس کا نام یعفور تھا بطور ہدیہ کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا جن کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا۔
چنانچہ یعفور نامی حمار تو حجۃ الوداع سے واپسی میں انتقال کر گیا۔ اور دُلدل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک زندہ رہا۔
نجاشی شاہ حبشہ نے اسلام قبول کیا اور معزز مسلمانوں میں ایسے بانصیب دیندار قرار پائے جن کی خوش نصیبی پر بادشاہ ہفت اقلیم کو رشک ہو تو بجا ہے مگر حاضری اور زیارت کا اتفاق نہیں ہوا۔ البتہ خسرو کسریٰ شاہ فارس نے نامہ مبارک کے ساتھ گستاخی کی اور غصہ میں آکر خط کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اس لئے جس وقت یہ خبر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ کسریٰ کی سلطنت اسی خط کی طرح پارہ پارہ ہو جائے گی چنانچہ

چند ہی سال بعد اس کی تصدیق ظاہر ہوگئی اور سلطنت خسروی ایسی ملیامیٹ ہوئی کہ مخالفین اسلام نے بھی سلاطین دنیا کے واقعات دیکھکر صفحۂ تاریخ پر لکھدیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی بالکل صحیح اور سچ ہوئی

ایک خط غسانی بادشاہ بصرہ کے پاس بھیجا گیا لیکن اس بادشاہ کے خاندان کے ایک دوسرے امیر نے جو قیصر کا معتمد علیہ اور ماتحت تھا قاصد کو مار ڈالا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر سارے جہان کے عیسائیوں کو اہل اسلام سے لڑنا پڑا۔ اس کا حال ہم آئندہ ۸ھ کے واقعات میں لکھیں گے۔ "چہ کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی"

باب (۶۸)

<u>ہرقل کے نام خط</u>۔ اس مبارک خدمت پر حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ مامور کئے گئے اور ۶ھ میں نامۂ مبارک لیکر روم کی جانب روانہ ہوئے۔ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ یہ خط حاکم بصرہ کے حوالہ کرنا اور کہدینا کہ قیصر روم یعنی ہرقل کے پاس پہنچا دے

ہرقل اپنے مذہب نصرانیت کا بڑا زبردست عالم اور تمام مملکت روم پر حاکم تھا۔ یہ سمجھدار عیسائی نہایت سمجھدار اور ذکی ہونیکے علاوہ فن نجوم و کہانت میں بھی پوری دستگاہ رکھتا تھا مدت ہوئی کہ اس نے علم نجوم سے معلوم کیا تھا کہ مملکت روم پر ایسے لوگوں کا قبضہ ہونے والا ہے جو مختون ہوں گے۔ چنانچہ اس پریشان کرنیوالی خبر کے معلوم ہوتے ہی ہرقل گھبرا اُٹھا اور تمام دن مضمحل و پریشان رہا۔ ہرچند اس کے مصاحبین اور وزرا نے اس کا دل بہلایا اور کہا کہ سوائے قوم یہود کے کوئی قوم ختنہ نہیں کراتی اور یہودیوں کی اتنی ہمت نہیں ہے کہ ہماری سلطنت کی جانب نظر اُٹھا کر بھی دیکھیں مگر ہرقل کو اطمینان نہ ہوا تاہم بمزید احتیاط گردونواح کے صوبہ داروں اور آس پاس کی ولایتوں میں اس مضمون کے پروانے اور حکم نامے جاری کر دیئے گئے کہ یہودیوں کو جہاں پاؤ تہ تیغ کردو اور اس قابل نہ رکھو کہ کسی آنے والے زمانے میں بھی ہماری زبردست سلطنت پر حملہ کرنے یا غلبہ پانے کی جرأت و ہمت کریں۔

چاروں طرف احکام نافذہ نے صورت عملی میں اپنا جلوہ دکھایا اور بیچارے ہزاروں یہودی محض اس شبہ اور گمان پر قتل کر دیئے گئے کہ یہی مختون قوم سلطنت نصاریٰ پر قبضہ کرنیوالی ہے سیکڑوں یہودنیں بیوہ ہوگئیں اور ہزاروں یہودی بچے یتیم بن گئے مگر تقدیر ازلی کا اٹل حکم ٹلنے والا نہیں اس منتظم و مدبّر سلطنت کو یہ خبر نہ تھی کہ چاردانگ عالم پر تسلط جمانے والی قوم دوسری ہے جس کے ہونہار درخت پروردگارِ عالم کی تربیت میں نشوونما پا رہے ہیں اور ان قلمی پودوں کے خوشگوار پھل عنقریب اپنے دلفریب ذائقہ اور دل پسند لذّت سے روح کو تازگی و فرحت بخشنے والے ہیں۔

ہرقل اپنے موہوم خیال اور مشتبہ تدبیر پر مطمئن تھا کہ غلبہ کرنے والی قوم کی شوکت تخت و تاراج کی جارہی ہے یہانتک کہ یکایک یمنی صوبہ کے صوبہ دار نے اسلامی قاصد کی اطلاع دی اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا آیا ہوا خط پہنچایا اور چونکہ دریافت کرنے سے یہ بھی معلوم ہوچکا تھا کہ فرستادہ پیغام بھی ختنہ بریدہ ہے اور تمام عرب میں اس مشہور و محمود خصلت کا رواج شائع ہے اس لئے یہ خبر سُنکر ہرقل کے ہوش اُڑ گئے اور اس نے بآوازِ بلند

کہدیا کہ "اے باشندگانِ روم تمھاری سلطنت کا وقت برابر ہوچکا امید اور گمان دونوں کے خلاف عربی مسلمان لوگ پیدا ہوگئے جن کو ایک دن اس عظیم الشان مملکت کے حسن انتظام کی باگ ہاتھ میں لینی ہے۔

جس وقت حاکم بصریٰ کے قاصد نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک ہاتھ میں دیا جس میں یہ مختصر الفاظ چند سطروں میں لکھے ہوئے تھے۔

"محمد رسول اللہ کی جانب سے ہرقل سردارِ روم کو (معلوم ہو) ہم تمھیں مذہب اسلام کی طرف بلاتے ہیں مسلمان ہوجاؤ سلامت رہوگے دوہرا اجر پاؤگے۔ اور اگر کہنا نہ مانوگے تو تمھاری رعیت کا بھی گناہ تم ہی پر ہوگا۔ اس کے بعد آیت شریفہ "یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ" الخ لکھی تھی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے آسمانی کتاب والو ایسی بات کی جانب آؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان برابر ہے کہ ہم سب سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ سمجھیں اور ہم میں کوئی ایک دوسرے کو اپنا رب نہ بنائے سوائے خدا کے اس پر بھی اگر وہ روگردانی کریں تو کہدو کہ تم گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔"

ہرقل اس وقت شاہ فارس پر فتحیاب ہونے کے شکریہ میں اپنے معبد یعنی بیت المقدس کی زیارت کو آیا ہوا تھا اس نے یہیں حکم دیا کہ ایسا شخص لاؤ جو ہم کو اپنے ملکی رسوم اور مدعی نبوت شخص کے حالات کی اطلاع دیسکے چنانچہ ابوسفیان کا پتہ لگا جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے اور شامی ملک کی مشہور تجارت سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے قریشی قافلہ کے ساتھ اس زرخیز ملک میں آئے ہوئے تھے۔

ہرقل کا قاصد ڈھونڈھتا اور پتہ لگاتا ان تک پہنچا اور اس مختصر عربی گروہ کو اپنے ہمراہ لے آیا تاکہ شاہی دربار میں حاضر ہوکر دریافت طلب امور کا شافی جواب دیں اور بے کم وکاست مدعی نبوت کے حالات بیان کریں۔

چونکہ ابوسفیان اپنی جماعت میں معزز و ہوشیار سمجھے جاتے تھے اور نیز اس وجہ سے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار بھی تھے جن کی بنا پر حالات مصطفوی سے زیادہ تر واقف تھے اس لئے ہرقل کے انتخاب کے موافق گفتگو کے لئے یہی آگے بڑھائے گئے۔ خود ابوسفیان کا قول ہے کہ میں مع اپنے رفقاء قریش کے شاہِ روم یعنی ہرقل کے سامنے بیٹھا اور ترجمان کی وساطت سے گفتگو شروع ہوئی۔ مگر ہرقل نے چونکہ گفتگو سے قبل ترجمان کو متنبہ کردیا اور کہدیا تھا کہ اس شخص کے پیچھے بیٹھی ہوئی جماعت سے تاکیداً کہدو کہ اگر یہ شخص کسی امر میں جھوٹ بولے اور کوئی بات واقعہ کے خلاف بیان کرے تو تم لوگ فوراً بتلا دینا ورنہ پوری سزا پاؤگے۔ اس لئے میری ہمت نہ ہوئی کہ ذرا برابر جھوٹ ملاؤں کیونکہ اپنی برادری میں فضیحت و رسوائی کے علاوہ شاہی دربار میں بے غیرت ہونیکا بھی اندیشہ اور سزایاب ہونیکا خوف تھا اور اس کے علاوہ شاہی رعب اور درباری ہیبت جو عموماً ہر شخص پر ایسی حالت میں چھائی ہوئی ہونی چاہیئے اس نے مجبور کردیا تھا کہ گو میرے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین دینی مخالفت اور مذہبی عداوت قائم ہے مگر یہاں کوئی بات نہ کہی جائے جو مجھے ذلیل و رسوا بنائے اس لئے میں نے بات بیان

کردی اور جو کچھ مجھ سے پوچھا گیا اس کا ٹھیک ٹھیک سچا جواب دیا جس کا خلاصہ یہ ہے :-

(ہرقل) اس شخص کی نسبی اور قومی حالت بیان کرو جو نبوت کا دعوی کرتا اور اپنے آپکو پیغمبر بتاتا ہے۔؟

(ابوسفیان) نہایت شریف النسب ہے کیونکہ قریش کے ہاشمی خاندان اور مطلبی نسل کا شریف زادہ ہے جن کے ہاتھ میں ہمیشہ سے بیت اللہ کی تولیت اور مکہ کی حکومت رہی ہے اس قابل فخر نسب سے اعلی و بہتر کوئی نسب نہیں ہے۔ (ہرقل) دعوئ نبوت سے پہلے تم نے کبھی کسی بات میں محمدؐ کو جھوٹا پایا ہے۔؟ (ابوسفیان) نہیں کبھی نہیں بلکہ راست گوئی اور سچائی میں سدا مشہور اور ضرب المثل رہا ہے (ہرقل) ان کے خاندان یا اجداد میں سے کوئی شخص کبھی بادشاہ ہوا۔؟ (ابوسفیان) نہیں کوئی بادشاہ نہیں ہوا۔ (ہرقل) ان سے پہلے کسی دوسرے شخص نے پیغمبری کا دعوی کیا تھا؟ (ابوسفیان) نہیں کسی نے نہیں کیا (ہرقل) اچھا جو لوگ ان کی پیروی کر رہے ہیں وہ زیادہ تر امیر ہیں یا غریب؟ (ابوسفیان) قریب قریب سب غریب ہیں اور ایسے مسکین و محتاج آدمی ایمان لائے ہیں جن کو وقعت کی نگاہ سے دیکھا بھی نہیں جاتا (ہرقل) ان کا گروہ ترقی کر رہا ہے یا تنزل یعنی ایمان لانیوالے مسلمان دن بدن بڑھتے جاتے ہیں یا کم ہوتے ہیں (ابوسفیان) اسلامی جماعت روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔

(ہرقل) جو شخص مسلمان ہوتا ہے وہ اسلام کو ناپسند سمجھکر کبھی مرتد تو نہیں ہوتا؟ (ابوسفیان) نہیں (ہرقل) لڑائی میں تم اُن پر غالب آتے ہو یا وہ تم پر فتح پاتے ہیں (ابوسفیان) کبھی ہم غلبہ پاتے ہیں اور کبھی اُن کو فتح حاصل ہوتی ہے (ہرقل) یہ لوگ کبھی عہد سے خلاف بھی کرتے ہیں یا نہیں۔؟ (ابوسفیان) ابھی تک تو کیا نہیں مگر ان چند ایام کی خبر نہیں ہے جو ہم کو سفر کی حالت میں گذرے ہیں کیونکہ آجکل ہمارا انکا باہمی معاہدہ ہے اور غیب کی خبر اللہ کو ہے دیکھئے یہ وعدہ بھی پورا ہوتا ہے یا نہیں؟

ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں ان تمام باتوں کا جواب دیتے وقت سوائے ہاں یا نہ کے کچھ نہیں کہہ سکا البتہ اس آخری جواب میں اتنی بات بڑھانے کا مجھے موقع ملا تاکہ ہرقل کی قلبی تصدیق میں تذبذب پیدا ہوجائے۔ اور اگر اپنے جھوٹا ہونے کی شہرت کا اندیشہ نہ ہوتا تو یقینا بہت ضرور جھوٹ کی آمیزش کرتا مگر مجبور تھا کیونکہ جھوٹے سچے جواب کی پرکھنے والی کسوٹی پیچھے بیٹھی ہوئی تھی جن کو میری طرح ساری باتوں کی خبر تھی۔ آخر کار ہرقل نے اُس ترجمان کی وساطت سے جو عربی اور رومی دونوں زبانیں جانتا اور اس وقت باہمی گفتگو میں ذریعہ اور واسطہ بنا ہوا تھا اس گفتگو اور سوال جواب کا سبب اور نتیجہ اس طرح بیان کیا کہ میرے تمام سوالات اُس معلومات پر متفرع ہیں جس کو اللہ پاک کے پیغمبروں کے ساتھ تعلق ہے۔ میں نے جو کچھ بھی دریافت کیا عربی مدعی نبوت کے حالات کو انبیاء سلف کے احوال پر منطبق اور چسپاں کرنے کی غرض سے دریافت کیا چنانچہ پہلا سوال یعنی نسبی شرافت اور نسل و خاندان کی نجابت اس کی بنا یہ ہے کیونکہ نبوت و رسالت کے عالی مرتبہ کے لئے سب سے پہلے شریف النسل ہونا بھی ضروری سمجھا گیا ہے جس قدر پیغمبر نازل ہوئے سب عالی خاندان تھے اور درحقیقت مقتضائے عقل بھی یہی ہے کہ خلعت رسالت ایسے شخص کو

نہ پہنایا جائے جو کسی نیچ قوم یا ایسے چھوٹے خاندان کا ہو جس کو اہلِ وطن یا اہلِ ملک عزت اور وقعت کی نظر سے نہ دیکھیں کیونکہ نہ تو اللہ پاک کو اپنے پیغمبر کا بنظرِ حقارت دیکھا جانا یا خاندانی و نسلی حیثیت سے معیوب کہلانا منظور ہے اور نہ نیچ خاندان میں نبوت رکھنے سے مقصود رسالت حاصل ہو سکتا ہے کیونکہ ایسی حالت میں کوئی ذی شرف اور دنیاوی اقتدار و نجابت کا پاس و لحاظ رکھنے والا شخص نہ اس پیغمبر کی اطاعت و تابعداری کرے گا اور نہ ایمان و اعتقاد کے باعث شرف اسلام سے مشرف ہو گا۔

دوسرے جواب سے معلوم ہوا کہ جب اس شخص کو دنیاوی معاملات میں جھوٹ بولنے کی عادت نہیں تو خدا پر جھوٹ بولنا اور پیغمبر خدا ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرنا ایسے شخص کی ذات سے نہایت مستبعد ہے۔ تیسرے جواب سے یہ نتیجہ نکلا کہ اگر اس شخص کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ ہوتا تو خیال ہو سکتا تھا کہ جدی میراث کا حاصل کرنا اور نبوت کے حیلہ سے باپ دادا کے ملک پر قبضہ کرنا چاہتا ہے اور جب یہ بھی نہیں تو پھر اس زبردست دعویٰ سے کونسی دنیاوی غرض مقصود سمجھی جا سکتی ہے۔؟

چوتھے جواب کا منشا ہے کہ اگر اس خاندان میں کوئی دوسر شخص مدعی نبوت ہوا ہوتا تو کہہ سکتے تھے کہ اپنے بڑوں کی تقلید کر رہا ہے اور سابق مدعیٔ نبوت کے اتباعاً دعویٰ رسالت کرتا ہے لیکن اب اس کا بھی احتمال نہیں ہو سکتا کیونکہ محمد صاحب سے پہلے اس خاندان میں کیا معنی حجازی خطہ میں بھی کوئی نبی یا مدعیٔ نبوت شخص پیدا نہیں ہوا

پانچویں جواب سے معلوم ہوا کہ محمد صاحب کا اتباع زیادہ تر وہ لوگ کرتے ہیں جو افلاس و فقر کے باعث امرا کی نظروں میں بے وقعت نظر آتے ہیں اور ہمیشہ ہر زمانہ میں خدا کے پیغمبروں کا اتباع پہلے غریب ہی لوگوں نے کیا ہے کیونکہ امیر و متمول آدمی اپنے مال و ریاست پر مغرور ہوتے ہیں اور فنا ہونے والی دولت کے گھمنڈ پر آخرت کی سلطنت ہاتھوں سے کھو بیٹھتے ہیں۔ چھٹے اور ساتویں جواب کا بھی یہی نتیجہ ہے کیونکہ جماعت میں دن بدن ترقی کا ہونا اور اسلام لائے پیچھے کسی کا انحراف نہ کرنا اس مذہب کے سچے ہونے کی دلیل ہے اس لئے کہ جس مسلک اور شریعت کو حق تعالیٰ پسند کر لیتا ہے اس کو غیبی نصرت و اعانت سے روز بروز بڑھاتا رہتا ہے اور جب برحق دین اور سچے مذہب کی حلاوت انسان کے قلب میں پیدا ہو جاتی ہے یعنی طالبِ حق بندہ کو اپنے ایمان کی لذت حاصل ہونے لگتی ہے تو پھر آدمی اس طریقہ کو کبھی نہیں چھوڑتا اور یہ دوسری بات ہے کہ مال کی طمع یا عورت و وجاہت کے لالچ میں تبدیلِ مذہب کر دے۔ آٹھویں جواب سے بھی انبیاء ماسبق کا نمونہ نظر آ گیا کیونکہ لڑائی میں ہمیشہ یہی ہوتا رہا ہے کہ کبھی پیغمبر کو دشمنوں پر فتح ہوتی ہے اور کبھی دشمن غالب آجاتے ہیں مگر انجام کار غلبہ پیغمبروں ہی کو حاصل ہوتا ہے نویں جواب سے مدعیٔ نبوت کا سچا نبی ہونا بالکل واضح ہے کیونکہ عہد کے خلاف نہ کرنا انبیاء علیہم السلام کی خاص صفت ہے جس کے خلاف کسی نبی اور کسی پیغمبر میں نہیں مل سکتا۔ اس کے بعد ہرقل نے دریافت کیا کہ ان مدعیٔ نبوت کن

باتوں کی نصیحت کرتے اور کیا کام کرنے کو کہتے ہیں۔ ابوسفیان نے جواب دیا کہ نماز پڑھنے کو کہتے ہیں۔ مال میں سے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ عزیز و اقارب سے سلوک کرنے اور نیک برتاؤ رکھنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ زناکاری اور فسق و فجور سے روکتے اور منع کرتے ہیں۔

ہرقل چونکہ اپنے آسمانی مذہب کے اصول سے پوری طرح واقف تھا ذاتی عناد و بغض اور حسد و عداوت سے متنفر تھا۔ انصاف پسند اور عدالت شعار بادشاہ تھا اس لئے بآواز بلند پکار اٹھا کہ جو باتیں تم نے بیان کی ہیں اگر سچی ہیں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے پیغمبر ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا اور اگر مجھ سے ہو سکتا تو میں ان کے حضور میں حاضر ہو کر قدم چومتا اور پاؤں دھو کر پیتا مگر کیا کروں مجبور ہوں اور یہ بات یقینی ہے کہ جس جگہ آج میرے قدم ہیں کسی دن اس فتحمند جماعت کا جھنڈا لہراتا ہوگا اور یہ ساری مملکت مسلمانوں کی قبضہ و تصرف میں ہوگی لاؤ نامہ مبارک لاؤ میں دیکھوں کہ اس میں کیا لکھا ہے چنانچہ مبارک خط لایا گیا اور پڑھنے والے نے پڑھ کر سنایا۔

قیصر روم کا محبت آمیز جوشیلا فقرہ اور بہت جلد پیش آنے والی پیشین گوئی کا سچا قول سنکر اراکین سلطنت نے شور کیا اور چاروں طرف سے ایک غل مچ گیا گویا ایک طوفان بے تمیزی تھا جو سمندر کے فوری جوش کی طرح ابلا ہوا تھا جس کے باعث کان پڑی آواز بھی سنائی نہ دیتی تھی اس حالت بدامنی اور شور و شغب میں ابوسفیان معہ اپنی جماعت کے باہر نکال دیئے گئے اور ان کو وزراء مملکت کی مخالفانہ تقریر کے سننے کا موقع بھی نصیب نہیں ہوا۔

ابوسفیان کہتے ہیں کہ ہرقل کے یہ کلمات سنکر میں حیران و ششدر رہ گیا۔ تعجب سے اس کے چہرہ کو تکتا اور خیال کرتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے چند روز میں اس قدر ترقی کر لی کہ بادشاہ روم کے دل میں خوف و ہراس موجود ہے میں نے دربار سے باہر نکلکر اپنے رفقاء سے کہا کہ "ابو کبشہ کے لڑکے کا اس قدر رعب چھا گیا ہے کہ قیصر بھی ڈرتا اور کانپتا ہے" اور یہی ابتدائی وقت تھا جب کہ مقدس آسمانی مذہب کے نور نے میرے قلب پر اثر کرنا شروع کیا اور آخر کار چند روز بعد میں مسلمان ہو گیا۔

ابو کبشہ ان بی بی حلیمہ کے خاوند کی کنیت ہے جنھوں نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا مگر اس وقت ابوسفیان کا اس لقب سے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کرنا محبت و خلوص کی نظر سے نہ تھا بلکہ گونہ تحقیر مقصود تھی۔

ہرقل کی عاقلانہ اور دور اندیش فہم و ذکاوت کا پیدا کیا ہوا نتیجہ وہ معتبر و مستند سچا نتیجہ ہے جس پر غور کی نگاہ ڈالنے سے مقدس مذہب اسلام کے بہترین اصول و پسندیدہ خصائل کا تمام ادیان و مذاہب حقانی کے اصول و خصائل کے ساتھ ہو بہو مطابق و موافق ہونا ظاہر ہوتا ہے اور جس شخص نے انسان کی ابتدائی تاریخ پر نظر ڈالی ہے اور اللہ پاک کے بھیجے ہوئے قاصدوں اور مقدس و پاکباز پیغمبروں کے حالات و واقعات معلوم کئے ہوں گے وہ ان نتیجہ خیز

کلمات کو بڑی قدر کی نظر سے دیکھ سکتا ہے۔ اگرچہ دیکھنے میں یہ چند فقرے مختصر اور معمولی الفاظ سے ترکیب کھائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں مگر واقع میں یہی وہ مستحکم اصول ہیں جن پر مخالف یا مذبذب لوگوں کے ہاتھوں سے جانیوالی پائدار زندگی کے دوبارہ لوٹ کر آنیکا دارومدار ہے اور انھیں میں تھوڑا سا غور و خوض اور منصفانہ تامل و تفکر کرنے سے ظاہر ہوجاتا ہے کہ مذہب اسلام ہی وہ نجات دینے والا طریقہ ہے جس میں ابدی فلاح منحصر ہے۔

کون کہہ سکتا ہے کہ یہ فہیم بادشاہ جو سچے دین کی براہین قاطعہ پر عبور کئے ہوئے ہو ایمان لانے سے محروم رہے مگر افسوس دنیاوی وجاہت اور مال و سلطنت کی حرص و طمع نے اس لازوال نعمت کے حاصل کرنے سے اس کو محروم رکھا اور ہرقل جیسے سمجھدار کو بھی مسلمان نہ ہونے دیا۔ اے کمبخت دنیا تیرا برا ہو تو نے مخلوق کو تباہ کردیا تیری پیتل پر سونے اور رانگ پر چاندی کی ملمع کاری نے ہزاروں عقلمند مردوں کو بھی بیوقوف بنا دیا۔ تیری بناوٹی سج دھج اور عارضی گلکاری نے ہزاروں دلوں کو اپنا شیدا و فریفتہ بنالیا۔ اے بیوفا دوست تیرا ستیاناس جائے تیری نجس کوڑی پر پیدا ہونیوالی سبز گھاس نے مخلوق کو ہلاک و برباد کردیا تیری چمکدار مگر بہت جلد ملیامیٹ ہوجانیوالی بہار نے حکمار کو بیوقوف اور عقلاء کو دیوانہ و مجنون بنا دیا تیرے لہلہانے والے سبزہ پر ریجھ کر بہتیرے آدمی آخرت کی دائمی لذت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ خدا جانے جن لوگوں سے دنیا کی چند روزہ سلطنت نہیں چھوٹ سکی وہ ایسی پادشاہت چھوڑنے پر کیونکر راضی ہوگئے۔ کاش اللہ کے نافرمان بندوں کو اتنی سمجھ ہو کہ جب نفس دنیا سفید چمکتا ہوا روپیہ اور زمینی معدنیات کی خاک آلودہ چاندی نہیں چھوڑ سکتا تھا تو جنت جیسی مرغوب اور عقبیٰ جیسی محبوب زندگی کا آرام کیونکر چھوڑنا پسند کریگا۔ بڑھاپے کے کمزور اور ضعیف زمانہ کا انتظام دوراندیش و تجربہ کار شخص جوانی کے زمانہ میں کرلیتا ہے مگر آنیوالی ابدی زندگی کے انتظام سے بالکل غافل ہے۔ ہائے افسوس کچھ کہا نہیں جاتا یہی وہ تقدیری مسئلہ ہے جس پر سکوت کرنا پڑتا ہے اور سچی بات بھی یہی ہے کہ جس کو خدا گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت پر لا نہیں سکتا اور جس کو وہی نواز کر سیدھی پٹیا پر ڈالدے کسی کی مجال نہیں کہ اسکو راستہ سے بھٹکا دے یا گمراہ بنائے۔

باب (۶۵)

ضغاطر کی شہادت۔ ہرقل کا دل اس سچی رسالت کو مان چکا تھا اور اس کے ذکی و سمجھدار قلب میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق نبوت بخوبی سما چکی تھی۔ مگر افسوس رومی مملکت اور اس عظیم الشان قطعہ زمین کی سلطنت کے وسوسے نے اس کو ایمان کی بے شمار دولت سے محروم رکھا اور گو اس نے قصد بھی کیا کہ زبان سے اقرار کرے اور مسلمان بنجائے لیکن ازلی قلم کی کتابت اس کے خلاف واقع ہوئی تھی۔ اس لئے ہرقل کو اسلام نصیب نہ ہوا۔

ہرقل نے ایک دن اپنی مملکت کے مشاہیر علمائے نصاریٰ کو شہر حمص کے بڑے قلعہ میں جمع کیا اور عام دعوت دی کہ سمجھدار و عقیل شب شاہی دربار میں شریک ہوکر اپنا خاص مشورہ میں رائے دیں چنانچہ آسمانی کتاب کے ماہر پادریوں اور

مذہبی اصول کے سمجھنے والے عیسائی جمع ہوئے اور دربار کے بھرپور ہو جانے پر ہرقل بادشاہ زریں لباس میں بن ٹھن کر برآمد ہوا اور باقاعدہ شاہی آداب اور سلام لیتا ہوا میر مجلس بنکر اس اونچی کرسی پر جا بیٹھا جو اس کیلئے صدر مقام پر رکھی گئی تھی۔

ہرقل نے قلعہ کا دروازہ بند کرا دیا اور علماء کی جانب متوجہ ہو کر یوں گویا ہوا کہ اے دین اور اپنی مذہبی سلطنت کے مددگارو اور اے آسمانی ملت کے حامی اور جان نثار مولویو! میں تم سے ایک خاص بات کہنی چاہتا ہوں جس میں سراسر تمہارا نفع اور قومی و ملکی بہبودی و خیرخواہی ہے میری بات کان لگا کر سنو اور سمجھ کر جواب دو۔ کیونکہ یہ ایسی سرسری بات نہیں ہے جس کا جواب غصہ یا رنج میں بے باکانہ اور بے تامل دیدیا جائے۔ تم کو معلوم ہے کہ حجازی خطہ میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور اس مدعی نبوت کے حالات و واقعات تمہارے کانوں میں بھی پڑ چکے ہیں میں نے جہاں تک غور کیا یہ شخص یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سچے پیغمبر معلوم ہوتے ہیں اس لئے تم اپنی ملکی رسوم اور آبائی مذہب کی بالکل پاسداری نہ کرو کیونکہ ہدایت و رہنمائی خدا کے قبضۂ قدرت میں ہے وہ جس کو چاہے نوازے اور جہاں چاہے اپنا سچا رسول بھیجے۔ پس اگر تم لوگ نجات کے متلاشی اور برحق طریق کے جویاں اور طلبگار ہو تو اس وقت کو ہاتھ سے نہ جانے دو اسلام لے آؤ اور عربی پیغمبر کا اتباع قبول کرو ورنہ اپنا ملک بھی ہاتھ سے کھو بیٹھوگے یعنی دینی سلطنت کے ساتھ دنیاوی مملکت بھی برباد کر لوگے آخر میں حق تعالیٰ کے روبرو جو کچھ ذلت و رسوائی ہوگی وہ تو علیحدہ ہے یہاں بھی ایسے خوار و خانماں خراب ہوگے کہ کہیں سر ٹکانے کو جگہ نہ ملیگی۔

ہرقل اتنا ہی کہنے پایا تھا کہ مجمع کا رنگ بدلا ہوا پایا۔ حاضرین مجلس نے یکلخت شور و شغب برپا کیا ناراض ہو کر منہ میں بڑبڑاتے اور طیش میں پیچ و تاب کھاتے ہوئے دربار سے اٹھ کھڑے ہوئے اور باہر کا راستہ لیا۔ مگر کواڑ بند پائے اس لئے پھر واپس ہوئے اور آمادۂ فساد ہو کر اپنے خیرخواہ بادشاہ اور ناصح حاکم پر حملہ کرنا چاہا کیونکہ سچے مذہب اسلام کی دلی عداوت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قلبی بغض و عناد نے وہ آگ سلگا رکھی تھی جس کے بھڑکنے والے شعلوں نے مجلس شاہی کے آداب اور رعب وداب تخت و تاج کے قوانین کو جلا دیا تھا۔

ہرقل نے تصویر کا رخ پلٹا ہوا دیکھکر اپنی بات کا بھی پہلو بدلا۔ بولا کہ اے مذہب نصرانیت کے شیدائیو میں نے تمہارا امتحان لیا اور تم کو آزمانا چاہا تھا کہ دیکھوں تم کو مذہبی پاسداری کس قدر ہے اور اپنے آبائی ملت کا جوش تمہارے قلب میں کتنا سمایا ہوا ہے سو اللہ کا شکر ہے کہ تم امتحان میں میرے خیال سے زیادہ کامیاب نظر آئے مجھے اس وقت بڑی خوشی ہوئی کیونکہ تمہارا اپنے دین پر مستحکم و مضبوط ہونا مجھے معلوم ہو گیا اور تم نے ظاہر کر دیا کہ تمہارے سچے دین کا مخالف کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرے مگر تم کو اپنے طریقہ پر نہیں لا سکتا۔"

یہ میٹھے میٹھے فقرے اور بڑھاوے چڑھاوے کی باتیں جلتی ہوئی آگ پر ٹھنڈے پانی کا کام دے گئیں

کیونکہ دربار ی نصاری کے طیش اور غیظ و غضب کا جوش و خروش مسرت و فرحت کی اطمینان بخش حالت سے بدل گیا خوشی کے مارے یک لخت سب کے چہرے دمکنے لگے اور تمام مولوی جنھوں نے ابھی ہرقل کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھا تھا اپنے بادجاہت پادشاہ اور مقتدر والی تخت کو عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھنے لگے اور معاً سجدہ میں گر گئے کیونکہ اس پادشاہ پرست قوم کی عادت تھی کہ اپنا محکوم و مطیع اور اپنے حاکم کا مختار و سرپرست ہونا اس ناجائز طریقہ سے ظاہر کرتے تھے۔

غرض بات رفع دفع ہو گئی اور اس کے بعد ہرقل کو ہمت نہ ہوئی کہ مقدس مذہب اسلام کی تائید یا ترغیب میں کوئی کلمہ زبان سے نکالے یا خود اس برحق دین کا معترف و قائل ہو کر شرفِ ایمان حاصل کرے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برگزیدہ قاصد یعنی دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور کہا کہ اس عیسائی سلطنت میں ایک شخص مذہبی مقتدا و پیشوا اور علما ء نصاری میں نہایت معظم و محترم مولوی سمجھے جاتے ہیں جن کا نام ضغاطر ہے ان کے پاس جا کر اپنے پیغمبر کے حالات سناؤ اور دیکھو کہ وہ کیا کہتے ہیں پس اگر انھوں نے اسلام قبول کر لیا تو سمجھ لو کہ تمام نصاری مسلمان ہو جائیں گے کیونکہ اس سمجھدار زبردست عالم کے اتباع سے کوئی عیسائی انحراف یا انکار نہیں کر سکتا۔

حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ وہاں سے اٹھے اور ضغاطر کے مکان پر گئے دیکھا کہ ایک مسن اور ضعیف العمر شخص جو بشرہ سے نہایت متین اور سنجیدہ۔ تجربہ کار فہمیدہ عالم معلوم ہوتا ہے۔ بیٹھا ہوا اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول ہے اس لئے پاس بیٹھکر اپنے آنے کا سبب اور سفارت کا باعث بیان کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ حمیدہ سچے اور سادہ الفاظ میں سب کہہ سنائے اور ہرقل پادشاہِ روم کا قول بھی بیان کر دیا جس سے ظاہر ہوا تھا کہ ضغاطر کے اسلام لانے پر دینی ترقی موقوف اور اسلامی بڑھوتری متصور ہے۔

ضغاطر درحقیقت اپنے مذہب کا فہیم اور فقیہ مولوی تھا اس کا قلب بھی ایسا ہی صاف اور ہر وقت خدا کی بتلائی ہوئی ہدایت کے ماننے کے لئے مستعد تھا جس طرح کہ متشرع اور دیندار صورت سے ظاہر ہوتا تھا۔ ضغاطر نے حضرت دحیہ رض کلبی کی تمام باتیں توجہ کے ساتھ سنیں اور مقدس اسلام قبول کرنے کے بعد عصا ہاتھ میں لیا اور سپید کپڑے پہنکر باہر نکلے تاکہ اپنا ایمان علی الاعلان ظاہر کریں اور سیدھے طریقہ کی لوگوں کو ہدایت و تبلیغ سے حامیانِ اسلام کے دفتر میں نام لکھائیں۔ چنانچہ ضغاطر اپنے مکان سے چل کر سیدھے اس کلیسا میں پہنچے جہاں علماء نصاری کا مجمع تھا اور اندر پہنچکر باواز بلند کہا کہ اے عیسائیت کے دیندار مولویو! میں پیغمبر عربی پر ایمان لے آیا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کی غرض سے اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہی وہ پیغمبر ہیں جن کی حضرت عیسیٰ روح اللہ نے خبر دی ہے اور پچھلے آسمانی مقدس صحیفوں میں بھی ان ہی کی بشارت موجود ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ انبیاء سابقہ کی پیشین گوئی

کے مصداق محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اپنی چند روزہ حیات کو قدر کی نگاہ سے دیکھو اور اس شرف اسلام سے مشرف و ممتاز ہو جو حق تعالیٰ نے مجکو مرحمت فرمایا ہے"

یہ سچے فقرے اور مؤثر تقریر چونکہ ہرقل کی سابق نصیحت کے بالکل موافق اور قدم بقدم تھی اس لئے اثر پیدا کرنے میں بھی اس کے ساتھ رہی یعنی ضغاطر کے یہ کلمات سُنکر حاضرین جلسہ کو طیش آیا اور مذہب اسلام کی وہی عداوت بھڑک اُٹھی جوان کے دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی کیونکہ بطحائی پیغمبر کی اطاعت کو اپنا دنیاوی وجاہت کا مانع اور سدّ راہ سمجھے ہوئے تھے۔ غرض غصّہ کی وجہ سے سُننے والے علماء نصاریٰ کے چہرے سُرخ ہو گئے اور بیتاب ہو کر ضغاطر پر حملہ کرنے لئے چاروں طرف سے اس طرح دوڑ پڑے جیسے مجنون اور مخبوط الحواس غصیارہ اپنے معالج و مہربان طبیب پر حملہ کرتا ہے اور اس ضعیف العمر اور مسن مقتدا کو مارنا شروع کیا۔

حضرت ضغاطر اس سخت مار اور ضرب شدید کے متحمل نہ ہو سکے کیونکہ عمر کہولت سے تجاوز کر چکی تھی اور اعضاء جسم کمزور پڑ گئے تھے اس لئے گر گئے اور جان بحق تسلیم ہوئے کیونکہ ان بھڑکے ہوئے غصیلے نصاریٰ نے مارنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ ان کا مہربان ناصح اور خیر خواہ واعظ جس کروٹ بھی پڑا مکّوں اور گھوسوں کی چوٹ کھائی اور آخر کار مخالفین حق و ظالم و جفاکار کافروں کی ایذا رسانی پر صبر کرنیوالوں کے دفتر میں نام لکھوا کر راہی ملک بقا ہوئے

ہرقل شاہ روم کو بھی اس قصّہ کی خبر ہوئی اور اس نے سُنکر سمجھ لیا کہ اگر میں نے اس سچے مذہب اسلام کا اقرار کیا تو یہی حال میرا بھی ہونا ہے یعنی ضغاطر کی طرح مجھ کو بھی اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا اور اس ہو تو وہ عیش آرام اور مہیا سلطنت و بادشاہت کو خیر باد کہنا پڑے گا۔ اس لئے خاموش ہو رہا اور حضرت دحیہ کلبی تبلیغ حق اور سفارت پیغمبری کو پورا فرما کر مدینہ طیبہ واپس آ گئے۔

اے کاش آخرت کی پائدار حیات اور دنیا کی فانی و ناپائدار زندگی کو ایک ترازو میں وزن کر کے دیکھ لیا جاتا کہ کس جانب پلہ جھکتا ہے۔ دنیا کا عیش و آرام تو چند ہی روز بعد ختم ہوئے گا مگر آنکھوں کے بند ہوتے اور قبر کے ڈوگر گڑھے میں جاتے ہی جس عالی سرکار اور شاہنشاہ کی حکومت میں داخل ہونا ہے وہ کتنا ہی خیال کو وسیع کرو اور وہم کے تیز رفتار گھوڑے کی باگ ڈھیلی کرو مگر ختم ہونیوالی نہیں۔ نہ معلوم کیسی غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں کہ آخرت کی پائدار اور جاوید حیات کی ان گنت اور بیشمار مدت ذہن میں نہیں آتی اگر انسان چند منٹ خلوت میں بیٹھکر اس طرح غور کرے کہ مثلاً دنیا جیسی وسیع مملکت اناج سے بسر ہو رہی ہے اور ایک جانور پورے ہزار برس میں ایک دانہ اس میں سے اُٹھا کر کھالیتا ہے تب بھی ایک نہ ایک دن دنیا میں بھرا ہوا غلہ ضرور ختم ہو جائے گا۔ لیکن آخرت کی حیات کسی وقت میں ختم ہونیوالی نہیں ہے۔ اگر یہ حالت پایۂ یقین کو پہنچکر تصور و خیال میں رہا کرے تو دس ہزار بلکہ لکھوکھا سال کی ہفت اقلیم پر قبضہ و حکومت ہو تب بھی ابدی مملکت کے مقابلہ پر بے وقعت

سمجھا جائے اور تھوڑی سی سمجھ والا انسان بھی اس فنا ہونیوالی بادشاہت پر لات مار کر کھڑا ہو جائے کیونکہ سرقہ کے مال سے چندروز منتفع ہوتا اور اس کی سزا میں برسوں جیل خانہ کی مصیبت جھیلنا عقلمند کا کام نہیں ہے مگر ہائے افسوس ہمارے پیارے مسلمانوں کو بھی اس کمبخت دنیا کی محبت نے پامال کر رکھا ہے اور اسی کی کثرت و بڑھوتری کا نام ترقی رکھا گیا ہے جس پر ہر شخص ریجھا ہوا ہے اور چاہتا ہے کہ کسی طرح قانونِ شریعت سے آزاد ہو جائے اور گو آخرت برباد و تباہ ہو مگر پیٹی کی ٹھکریاں زمین میں دبانے کے لئے اکھٹی ہو جائیں۔ مسلمانو! یاد رکھو کہ دنیا سب گذر جانے کی رہنے والی چیز نہیں ہے اور معاملہ ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ سے پڑنا ہے وہی نباہ مشکل ہے اسی کی سعی و کوشش اصل ترقی ہے ورنہ یہاں سے علیحدہ ہوتے وقت اپنے محبوب مال و متاع اور مرغوب و لپسند یدہ زر و زیور پر حسرت کی نگاہ ڈالوگے اور خدائی زبردست فرشتوں کے ہاتھ جبراً کھینچ بلائے جاؤ گے۔ سب یہیں رہ جائیگا اور کشاں کشاں جس دربار میں مجرم بناکر کھڑے کئے جاؤ گے وہاں آنکھیں کھل جائینگی اور وہی کام آئیگا جو شریعتِ محمدی اتباع کر کے اپنے ساتھ ذخیرہ بنا کر لے گئے ہوں۔ "اللہ بس باقی ہوس"

باب (۷)

نجاشی شاہ حبشہ کا اسلام۔ دوسرا خط تبلیغ دین اور دعوت اسلام میں والی ملک حبش یعنی اصحمہ کے نام روانہ کیا گیا جو نصرانی المذہب تھے۔ چونکہ ذاتی صلاحیت وسعادت اور انصاف و معدلت کی قابلِ وقعت قابلیت سے بہرہ یاب اور آسمانی مذہب کے سچے اصول سے واقف و آگاہ تھے اس لئے اسلامی ارکان میں بھی زیادہ تأمل کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک کا جواب لکھا جس میں نہایت آداب کے ساتھ اپنے ایمان و اطاعت اور دینِ اسلام کی خوبی و حقانیت کا اظہار کیا نیز چند حبشی موزے اور دیگر تحائف بطور نذرانہ کے روانہ کئے جن کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال محبت کیساتھ قبول فرمایا۔

ملک حبش کے ہر بادشاہ کا لقب نجاشی ہوتا تھا اور یہ نجاشی جن کا ہم ذکر کر رہے ہیں حضرت اصحمہ رضی اللہ عنہ ہیں جن کی عدالت پسند حکومت شہرۂ آفاق تھی اور اسی منصف عیسائی سلطنت کے ممنون احسان ابتدائی مسلمان رہ چکے ہیں۔ یہی معدلت گستر حاکم حبش ہیں جن کے عہد حکومت میں حضرت عثمان اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہما تقریباً اسی صحابہ نے اہل مکہ کی ایذاؤں سے تنگ آکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت لیکر حبشہ میں ہجرت کی تھی اور امن و عافیت کے ساتھ کئی سال گذارے تھے جس کا مفصل تذکرہ اوّل حصہ میں بیان ہو چکا ہے۔

حضرت اصحمہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا اعزاز حاصل نہیں ہوا کیونکہ والی تخت کا اپنے دار السلطنت سے علیحدہ ہونا کوئی معمولی اور آسان بات نہیں ہے البتہ غائبانہ اطاعت و محبت میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی جان و دل سے اپنے دینی پیشوا پر نثار رہتے اور رات دن جام شراب محبت سے سرشار۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے انتقال کے دن وحی ربانی کے ذریعہ سے خبر پاکر مدینہ طیبہ میں اپنے صحابہ کرامؓ کو ان کی وفات کی اطلاع دی اور عیدگاہ میں جاکر غائبانہ جنازہ کی نماز بھی پڑھی ہے کیونکہ اس وقت اللہ کے فرشتوں نے حضرت اصحمہؓ کا جنازہ اٹھاکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا رکھا تھا تو گویا غائبانہ نماز نہیں پڑھی گئی بلکہ باقاعدہ دوسرے مسلمان جنازوں کی طرح موجودہ جنازہ ہی پر نماز ہوئی اور اگر ایسا نہیں بھی ہوا تب بھی شاہ حبشہ کے اظہار شرف اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خاص اعزاز کے طور پر خصوصیت پر حمل کرکے اس کا جواز ماننا پڑیگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت اصحمہ رضی اللہ عنہ نہایت نیک دل عالی حوصلہ باہمت حاکم تھے اپنے قدیمی مذہب عیسائیت کے زمانہ میں بھی عدل و انصاف اغربا پروری مسافر نوازی میں مشہور تھے۔ جس وقت پریشان مسلمان امن و عافیت کی طلب میں حبشہ جابسے تھے اور قریشی دشمنوں نے حضرت اصحمہؓ کے پاس اس غرض سے اپنا سفیر روانہ کیا تھا کہ مردانِ فراری کو سزا دینے کے لئے واپس لائے اور شاہ حبشہ کو ان کی طرف سے برافروختہ و بدگمان بنائے چنانچہ جس وقت قریشی قاصد نے بیچارے ہجرت کئے ہوئے بیکس مسلمانوں کا شاہ حبشہ سے مطالبہ کیا تو حضرت اصحمہ نے ان مسلمانوں کو بلایا اور دریافت کیا کہ وہ کونسا مذہب ہے جس کے لئے تم لوگوں نے اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ دیا اور نہ میرے مذہب کو قبول کیا ہے نہ کسی دوسرے آسمانی مذہب کو تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سب کی طرف سے جواب دیا تھا کہ " اے منصف پادشاہ ہم لوگ جہالت کے دریا میں ڈوبے ہوئے تھے بتوں کو پوجتے تھے۔ مردہ کھاتے تھے، جھوٹ بولنے اور خدا پر بہتان باندھنے کے عادی تھے انسانیت سے کنارہ کش اور اپنے حقیقی محسن کے ناشکرے بنے ہوئے تھے نعمتوں کی قدردانی اور مہمان نوازی کی رسم نہیں جانتے تھے۔ ہمارا قانون ظلم و زیادتی سے لبریز تھا سوائے تشدد اور تعدی کے دوسرے کام سے واقف نہ تھے ہم میں کوئی خوبی ایسی نہ تھی جو عقلمند و سنجیدہ شخص کی نظر میں باوقعت اور قابل اعتبار ہو کہ یکایک حق تعالیٰ کی رحمت کے دریا میں جوش آیا اور اس نے محض اپنے فضل و کرم سے ہم جاہل لوگوں میں سے ایک آدمی کو کھڑا کیا جس کی ذاتی نجابت اور نسبی یا حسبی شرافت سے سب لوگ واقف ہیں جس کی سچائی اور نیک چلنی کے دشمن بھی معترف ہیں جس کی ایمانداری و راستگوئی کا کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا اس پسندیدہ خصلت اور رہبر ولعزیز پیغمبر نے ہم لوگوں کو خدا کی وحدانیت بتلائی شرک سے باز رکھا اور بتوں کے پوجنے سے منع کیا۔ سچ بولنے کی ہدایت کی امانت میں خیانت کرنے کو برا بتلایا۔ ہمارے مہربان واعظ نے ہمیں حکم دیا کہ عورتوں پر تہمت نہ دھرو۔ کسی شخص پر جھوٹا بہتان نہ لگاؤ یتیموں کا مال ظلماً نہ کھاؤ۔ غرض کوئی ایسی بدعادت نہیں جس کی اس سچے خیرخواہ رسولؐ نے برائی نہ بیان کی ہو۔ ہمارے مشفق خیرخواہ اور محسن ناصح نے یہ بھی کہا کہ گناہوں سے بچو۔ اپنے ایک خدا کے سامنے جھکا کرو نماز پڑھو

خیرات دو مسکینوں اور محتاجوں کو رحم کی نگاہ سے دیکھو۔ رانڈوں اور بیکس بچّوں یا عورتوں کے ساتھ سلوک کیا کرو۔ روزہ رکھو اور اپنے اللہ پر ہر وقت نظر رکھو وہی سب کام بنانے والا ہے۔ چونکہ ہم لوگ اللہ کے پیغمبر پر ایمان لائے اور اس کی ہدایتوں کو مانے ہوئے ہیں۔ ہاتھوں کی بنائی ہوئی مورتوں اور پتھر یا لکڑی کے گھڑے ہوئے دیوتاؤں کی پرستش سے کنارہ کش ہوگئے ہیں اس لئے ہمارے ہموطن ہم لوگوں کے دشمن بن گئے اور ہمیں صرف اس وجہ سے تکلیف و ایذا دیتے ہیں کہ ایک خدا کی عبادت چھوڑ کر ان کی گھڑی ہوئی مورتوں کی عبادت کرنے لگیں۔ ان لوگوں نے ہم کو یہاں تک ستایا کہ مجبور ہو کر اپنا وطن مالوف اور عزیز و اقارب چھوڑ کر تمھارے ملک میں چلے آئے۔ اب یہ لوگ یہاں بھی چین نہیں لینے دیتے اور چاہتے ہیں کہ ہم حبش کی عدل و کرم گستر مملکت کے رحم سے بھی فائدہ نہ اٹھا سکیں اور نجاشی کی مشہور شفقت و مسافر نوازی سے بھی ہاتھ اٹھا لیں اور مایوس ہو جائیں۔

حضرت اصحمہ رضؓ نے یہ پُرجوش تقریر سُنکر قریش کی درخواست اسی وقت نامنظور کر دی تھی اور مکّے کے سفیر کو بے نیل و مرام واپس ہونا پڑا تھا مگر اسوقت تک اسلام کو بھی قبول نہیں کیا تھا اب ۷ھ ہجری میں جس وقت نامۂ مبارک انکے نام پہنچا تو زمین قلب میں ٹھیرے ہوئے تخم نے شاخیں نکالیں اور وہ نورانی اثر چمکا جو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی مؤثر تقریر سے دل میں بیٹھ چکا تھا اس لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے میں حضرت اصحمہ رضؓ نے ذرّہ برابر تامل نہیں کیا اور مضمون ہدایت مشحون کے دیکھتے ہی مقدس و برحق دین کی لازوال نعمت سے مالامال ہو گئے۔

یہی والی حبش ہیں جنھوں نے ابوسفیان کی بیٹی حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف زوجیت کا مستحق سمجھکر آپ کے لئے تجویز کیا اور مدینہ طیبہ بھیجدیا تھا کیونکہ ان کے پہلے شوہر جو حبشہ کی جانب ہجرت کئے ہوئے تھے حبش ہی میں انتقال کر گئے تھے اور یہ شریف زادی و عصمت مآب عورت بیوہ ہو گئی تھیں۔

حضرت اصحمہ رضؓ کے انتقال کے بعد جو نجاشی تخت حبش پر بیٹھا اس کے نام بھی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے نامۂ مبارک لکھا اور مذہب اسلام کی جانب بلایا تھا مگر حال معلوم نہیں کہ کیا نتیجہ ہوا۔

گذشتہ زمانہ میں چونکہ کاغذ نہ تھا اس لئے جانور کی جھلی یا کھجور کے پٹھے یا ہڈی کے چوڑے ٹکڑے پر خطوط لکھے جاتے تھے۔ اسلام کے ابتدائی مبارک زمانہ کی کتابت کا طرز موجودہ زمانہ کے عربی خط اور نسخ کی روش کے خلاف تھا اگرچہ جدت پسند زمانہ نے دوائر و حروف کی نشست و کرسی میں حسن و خوبی کے بڑھانے کی بہتیری کوشش کی ہے مگر بات یہ ہے کہ جو سادگی اور ملاحت مقدس اور بہتر زمانہ کی روش اور طرز تحریر میں ہے وہ کبھی حاصل ہو نہیں سکتا اور اگر کسی محبت بھرے دل سے پوچھو کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک خط کی تحریر کن آنکھوں سے دیکھنی چاہئے تو بیشک وہ بتلا سکتا ہے کہ اگر جدید روش پر مال نثار ہے تو قدیمی طرز پر قربان کرنے کیلئے جان و دل آمادہ و تیار ہے

پرویز شاہ فارس نہایت مغرور اور بدمست جفا شعار پادشاہ تھا جو ان کو چار سال ہوئے قیصر کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہو چکا اور فاش شکست کھا چکا تھا مگر جو نخوت خمیر میں پڑی تھی وہ نہ گئی اور یہ بُرا انجام دکھانے والی حالت کسی طرح اصلاح پر آئی۔ یہ جفا شعار اور خود پسند حاکم اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبر کی اطاعت کرنا اپنے لئے ننگ و عار سمجھے ہوئے تھا جس وقت نامۂ مبارک اس کے ظالم ہاتھ میں پہنچا اور اس نے دیکھا کہ عنوان نامے میں لکھا ہے "من محمد رسول اللہ الی کسریٰ عظیم فارس" یہ خط ہے محمد رسول اللہ کی طرف سے خسرو شاہ فارس کی جانب" تو جھنجھلا اٹھا اور صرف اس غصہ میں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نام میرے نام سے پہلے کیوں لکھا نامہ مبارک کو پاش پاش کر دیا۔

عرب کا دستور ہے کہ خطوں میں کاتب اپنا نام پہلے لکھتا ہے اور مکتوب الیہ کا نام اس کے بعد اور اسی عربی طریقہ پر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا خط بھی لکھا ہوا تھا جیسا کہ اصل نامہ مبارک کے عنوان کی نقل سے ناظرین کو واضح ہو گیا ہے۔

خسرو پرویز نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس غصہ کی دہکتی ہوئی آگ نے اس کے تن بدن میں آگ سلگا دی اور اس نے اپنے یمنی صوبہ دار باذان نامی حاکم کو تاکیدی حکم لکھ بھیجا کہ حجازی خط کے مدعی نبوت کو گرفتار کرنے کے لئے فوراً ہوشیار و چالاک دو سپاہیوں کو بھیجدو تاکہ محمد عربی کو ہمارے پاس جلد پہنچائیں۔ چنانچہ باذان نے شاہی حکمنامہ کی تعمیل بھی کی اور دو سپاہیوں کو خط دیکر مدینہ طیبہ روانہ کیا جس میں لکھا تھا کہ "اے محمد تم حامل خط ہذا دونوں سپاہیوں کے ساتھ خسرو پرویز شاہ فارس کے پاس چلے جاؤ"

مدینہ طیبہ میں کوئی دنیاوی سلطنت نہ تھی جس پر کسی مشہور مملکت کا دباؤ پڑتا یا جابر و ظالم حاکم کے ظلم و ستم کا اندیشہ ہوتا یہاں تو رحمت خداوندی کے بحر ذخار کا فیضان جاری تھا جس سے بہرہ مند ہونے اور غوطہ لگا کر بیدار و ارجمند بننے کے لئے دنیا بھر کو بلایا جاتا تھا۔ یہاں اس کی پرواہ نہ تھی کہ کیسا حکمنامہ ہے اور خسرو کدھر رہتا اور کتنی فوج رکھتا ہے بطحائی پیغمبر پر کسی دنیاوی زبردست سلطنت کی ہیبت چھا جاتی یا رعب پڑنے کے لئے کوئی معنی ہی نہ تھے کیونکہ یہ دینی خلافت کا دارالسلطنت یعنی مدینہ روحی حیات کا ایک زرخیز خطہ تھا جس میں داخل ہونے کی ہر شخص کو اجازت تھی اور یہ بھی پیغمبری ترحم اور قلبی شفقت و عطوفت کا ثمرہ تھا کہ محبت بھرے لفظوں میں نصیحت کی جاتی اور مخلوق کا بھلا ہو نیکی سعی و کوشش ہوتی تھی۔ ورنہ کسی کو کیا غرض ہے کہ دوسروں کی خاطر اپنے عیش و آرام کو بالائے طاق رکھکر مصیبتیں اٹھائے ایذائیں اور تکالیف برداشت کرے اور تبلیغ و ہدایت کے بار گراں کی کفالت و ذمہ داری کا حق ادا کرے غرض باذان کے بھیجے ہوئے دونوں سپاہی داخل ہوئے اور حضور اقدس میں حاضر ہو کر گستاخ کسریٰ کا پیغام پہنچایا۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ فارسی قاصد کھڑے ہوئے ہیں دونوں کی داڑھیاں منڈی ہوئی ہیں اور مونچھیں بڑھی ہوئی ہیں رعب رسالت اور ہیبت پیغمبری سے کپکپا رہے ہیں بدن لرز رہا ہے۔ اور شانہ کی

رنگیں نخوت کے باعث اتراتی اور حرکت کرتی ہیں؟ آپ کی رحیمانہ خصلت اور ناصحانہ شفقت نے یہاں بھی اپنا جلوہ دکھایا
اور آپ نے نہایت ملائم و نرم الفاظ سے وجہ دریافت فرمایا کہ ایسی بری صورت بنانے اور حق تعالیٰ کی دی ہوئی قابلِ
وقار و لائقِ عزت ڈاڑھی کے منڈانے کا حکم تم کو کس نے دیا ہے؟ جس کا جواب قاصد نے اس طرح دیا کہ "ہمارے
رب خسرو پرویز کا دیا ہوا حکم ہے" رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے رب اور سچے معبود نے
تو مجھکو یہ حکم دیا ہے کہ ڈاڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کترواؤ مگر افسوس تم سچے معبود کا حکم چھوڑ کر جھوٹے اور مصنوعی خدا
کا کہا مانتے اور معاملہ برعکس کئے دیتے ہو۔

فرستادہ قاصد ایسے مرعوب اور خوف زدہ تھے کہ اچھی طرح بات بھی نہیں کر سکتے تھے بمشکل تمام اتنا لفظ
کہا کہ آپ ہمارے ساتھ کسریٰ بادشاہ کے پاس تشریف لے چلئے ورنہ اس بہادر اور زبردست حاکم کی بدمزاجی شہرۂ
آفاق ہے اگر غصہ آگیا تو تمام ملکِ عرب کو تخت و تاراج اور تباہ و برباد کر ڈالے گا۔ مگر رسول مقبول صلی اللہ علیہ
وسلم نے نہایت تحمل و بردباری سے کام لیا اور فرمایا "اچھا ٹھیرو کل میرے پاس آنا"

صبح ہوئی اور باذان کے بھیجے ہوئے دونوں سپاہی حاضرِ خدمت ہوئے جن کو دیکھکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ جاؤ اپنا کام کرو جس کے پاس مجھے لیجانا چاہتے ہو وہی دنیا سے رخصت ہو گیا تمھارا بادشاہ خسرو پرویز اپنے
بیٹے شیرویہ کے ہاتھوں رات قتل ہو گیا ہے" فرستادہ قاصد یہ پیشین گوئی سنکر حیران ہو گئے اور ایک دوسرے
کا منھ تکنے لگے تھوڑی دیر بیٹھے اور آخر کار اپنے یمنی حاکم باذان کے پاس پہنچے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی دی ہوئی خبر کی تصدیق کریں کیونکہ یہ پیشین گوئی منگل کی شب دسویں جمادی الاولیٰ ۷ھ کے متعلق تھی چنانچہ
انھوں نے باذان سے تمام قصہ بیان کیا اور اول سے آخر تک سارا حال کہہ سنایا۔

باذان اس عجیب پیشین گوئی سے متحیر ہو گیا کیونکہ شاہِ کسریٰ کا حکمنامہ آئے ہوئے چندہی روز گذرے تھے اور
کسی قسم کی علالت یا بیماری کا گمان بھی نہ تھا جس کے باعث دفعۃً قضا آجائے اس لئے باذان نے کہا کہ اگر یہ خبر
سچی ہوئی تو سب سے پہلے عربی رسول پر میں ایمان لاؤں گا چنانچہ چندہی روز گذرے تھے کہ تخت فارس کے نئے گدی
نشین کا پروانہ اس مضمون کا صادر ہوا کہ "فارس کے با اقتدار بادشاہ شیرویہ کی طرف سے باذان کو اطلاع
دی جاتی ہے کہ خسرو پرویز چونکہ ظالم و جفاشعار بادشاہ تھا اس لئے شب کے وقت موقع پاکر میں نے اس کو مار ڈالا ہے
اور اب اس عظیم الشان سلطنت کی باگ میرے ہاتھ میں ہے تمکو تمھارے عہدے پر قائم رکھا گیا ہے خدمتِ ملکی نہایت
اطاعت و تابعداری سے انجام دو اور عربی مدعیٔ نبوت کے بارے میں گرفتاری کا پروانہ جو پرویز کی طرف سے
جاری کیا گیا تھا اس کو منسوخ سمجھو تا صدورِ حکمِ ثانی تازہ پیغمبر سے کسی قسم کا تعارض نہ کرو ورنہ سزا پاؤ گے"

باذان یہ حکمنامہ دیکھتے ہی معہ اپنے دونوں بیٹوں کے مسلمان ہو گیا اور بہت قدر اہلِ یمن اور فارسی باشندے

وہاں موجود تھے مقدس مذہب اسلام میں داخل ہوئے کیونکہ انہیں اس سے زیادہ قابل اعتبار کوئی معجزہ ہو نہیں سکتا تھا کہ ایک زبردست سلطنت کے بادشاہ اور حاکم وقت کے متعلق پیشین گوئی کی تھی اور بالکل مطابق و درست واقع ہوئی۔ ان نومسلم فارسیوں نے اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی اور اس زمانہ میں شرف اسلام سے مشرف ہوئے جس کو خیر القرون اور زمانہ نبوت کہا جاتا ہے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے خسرو کو بددعا دی تھی کہ یا اللہ اس سلطنت کو بھی پاش پاش اور اس خاندان کو پارہ پارہ کر دے کیونکہ اس نے میرے نامہ کے ساتھ گستاخی کی ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا پرویز بن ہرمز کے قاتل شیرویہ کو بھی اطمینان کے ساتھ سلطنت کرنی نصیب نہ ہوئی اور یہ بدنصیب بھی تھوڑے ہی دن حکومت کا مزہ چکھ کر راہی ملک بقا ہوا کیونکہ اس کے مقتول باپ پرویز نے اپنی زندگی سے مایوس ہوتے وقت ادویہ کے خزانہ میں سے زہر کی شیشی منگا کر اس پر لکھ دیا تھا کہ انتہا درجہ کی مقوی اور نافع دوا ہے اس لئے جب پرویز مر گیا اور شیرویہ فرحاں و شاداں تخت پر بیٹھا تو قوت باہ کی خواہش اور عورتوں کی گرویدگی کے باعث اس شیشی میں سے زہر کھا گیا جس پر اس کے دھوکہ دینے اور ہلاک کرنے کی غرض سے مقتول باپ نے یہ عبارت لکھی تھی۔

آخر کار نوشیروانی خاندان چند ہی سال میں تباہ ہو گیا نحوست بھاگی اقبال کے نورانی چہرہ نے منہ چھپا لیا اور ادبار کی ظلمت پسند صورت سامنے آ کھڑی ہوئی رسول اکرم کی بخشی ہوئی دولت دوسروں کے ہاتھ میں گئی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایرانی ایسے تتر بتر ہوئے کہ نام ونشان بھی ملیامیٹ ہو گیا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی خلافت فاروقی میں عراق کی جانب چڑھائی کرنی تھی اور اس زبردست سلطنت کا نیست ونابود ہونا تھا جس کا استحکام شہرہ آفاق تھا اور کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس اٹل مملکت پر یوں دفعۃً زلزلہ آجائے گا۔

خاندان کسریٰ کی وہ زبردست سلطنت جو ہزارہا سال سے قائم اور ایک ہی خاندان میں چلی آتی تھی اور دنیا کی سطح پر اپنا نظیر و ثانی نہیں رکھتی تھی نامہ مبارک کی طرح پاش پاش ہو گئی اور بہت تھوڑے زمانہ میں گستاخی اور بے ادبی کی سزا میں نیست ونابود ہو گئی شاید تاریخ دنیا میں ایسا واقعہ کوئی دوسرا نہ ملیگا جس نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کی تصدیق میں اس قدر جلد پلٹا کھایا ہو اور ہمیشہ کے لئے ایسی نیست ونابود ہوئی ہو کہ کسریٰ کا کتاب کے اوراق میں نام ہی نظر آتا ہے ورنہ کوئی یہ بھی نہیں جانتا کہ یہ خاندان کہاں تھا اور کس کا تھا۔

قیصر روم ہرقل بادشاہ نے اگرچہ اسلام قبول نہیں کیا لیکن نامہ مبارک کے ساتھ تعظیم واحترام کا طریق برتا اس لئے خاندان ملیامیٹ نہیں ہوا اور گو بعد اکثر ممالک اس کی تمدن سلطنت کے بھی کفر کی سزا میں اہل اسلام کے قبضہ و تصرف کے تحت میں داخل ہوئے لیکن بالکل سلطنت نہیں مٹی اور خاندانی مملکت قائم رہی۔ درحقیقت

سچ ہے۔ بے ادب بے نصیب با ادب با نصیب۔

اسی سال یعنی ۶ھ میں سورج گرہن ہوا اور نماز کسوف شروع ہوئی اور اسی سال حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کا اپنے خاوند کے ظہار کی شکایت اور قد سمع اللہ سورہ مجادلہ کے نزول کا قصہ ہوا اور نیز اسی سنہ میں حضرت عائشہ صدیقہ و حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کی والدہ ماجدہ یعنی حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

باب ششم (۴۷)

اسلام کی چھٹی جنگ (خیبر)۔ یہودی قومیں باوجودیکہ مسلمانوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو چکی اور ہمیشہ شکست و ہزیمت پا چکی تھیں۔ مگر اسلام اور اہل اسلام کی مخالفت سے باز نہ آئیں بلکہ جوں جوں زک اٹھاتے تھے دن دونی زیادہ دشمن بنتے اور انتقام لینے کی موہوم امید پر سرگرم مستعد ہونے کی کوشش کرتے تھے۔

مدینۃ الرسول سے جانب شمال و مشرق پانچ چھ دن کی راہ یعنی چھیانوے میل کے فاصلہ پر سات قلعے نہایت مضبوط و مستحکم انھیں یہود کے واقع تھے جن کو زمانہ کی ضرورت کے مطابق ہر قسم کی حفاظت کے سامان سے آراستہ کر رکھا تھا۔ یہ ساتوں قلعے خیبر کے نام سے مشہور تھے کیونکہ خیبر اس عملیقی شخص کا نام تھا جو سب سے پہلے اس زمین پر آ کر آباد ہوا تھا۔

خیبر کے یہودیوں کو مسلمانوں کے ساتھ سخت عداوت تھی اور جب ان کے بھائی بنی نضیر و بنی قریظہ آن بسے تو ان کی عداوت کی آگ یہاں تک شعلہ زن ہوئی کہ عرب کے ریگستانی بدو اور دہقانی وحشی قوموں کو بھڑکانے اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے ایک زبردست فوج تیار کرنے کیلئے درپے ہوئے کیونکہ ان یہودیوں کو چند بدو قوموں کے ساتھ ایک مدت سے ایسا میل جول اور اتحاد و ارتباط قائم تھا جس کی بنا پر ان کو اپنے خیال میں کامیاب ہو جانیکا گویا یقین ہو چکا تھا۔

اس سے پہلے کہ یہودی قومیں اپنے من گھڑت منصوبہ کو پورا کریں مسلمانوں کو مناسب ہی نہیں بلکہ ضروری تھا کہ اس کا فیصلہ کریں اور خیبری یہودیوں کو بھی اسلامی صیقلدار تلوار اور آسمانی نصرت و فتح اور غیبی قوت و شوکت کی حیران بنا دینے والی بہار دکھلا دیں تاکہ مقدس مذہب اسلام کی چوپڑ سڑک خس و خاشاک سے پاک صاف ہو کر رہتی آنیوالی نسلوں کیلئے آرام و آسائش کا راستہ بنجاوے چنانچہ مسلمان حدیبیہ سے واپس ہو کر ایک مہینہ اور چند یوم یعنی ۶ھ ہجری کے آخر مہینہ ذی الحجہ اور ۷ھ نصف ماہ محرم تک اسلامی لشکر نے اپنے دار السلطنت یعنی معزز و محترم شہر مدینۃ الرسول میں قیام کیا اور ۲۰ یا ۲۱ محرم الحرام کو ایک ہزار چار سو مسلح سپاہ نے اپنے برگزیدہ سپہ سالار یعنی اللہ کے پیارے پیغمبر کی ماتحتی میں خیبر کی جانب کوچ کیا۔

خیبری یہود اپنی حفاظت و نگہبانی سے غافل نہ تھے اور چونکہ اسلامی لشکر کا ہونے والا حملہ انکو معلوم بھی ہو چکا تھا اس لئے پیش بندی کے طور پر چوکی پہرہ سے ہوشیار اور تشویش و پریشانی کے باعث بے اطمینانی کی نیند سوتے تھے شب کے وقت قلعہ سے باہر متعدد سپاہی حفاظت کے لئے متعین تھے جو تمام شب جاگتے اور باری باری قلعہ کی چاردیواری کے گرد گشت کر کے پہرہ دیا کرتے تھے کیونکہ ان کو چند روز سے ہر وقت اس کا اندیشہ تھا کہ خدا جانے مسلمان کس وقت آپہنچیں اور دھوکہ یا فریب کے ساتھ شب کے وقت سوتے ہوئے مردوں اور عورتوں پر چھاپہ ماردیں مگر یہ خیال بالکل غلط تھا کیونکہ اسلامی بہادر سپاہیوں نے یہ بات اپنی حمیت شجاعت کی بالکل خلاف سمجھ رکھی تھی کہ بے خبری کی حالت میں دشمن پر حملہ کیا جائے یا اچانک چھاپہ مارنے کو فتح و نصرت اور غلبہ و شوکت کا ذریعہ گردانا جائے بہرحال جو کچھ بھی ہو عقل و تدبیر اور دوراندیشی و پیش بینی کی حیثیت سے جو کچھ بھی انتظام ہونا چاہیئے تھا وہ سب خیبری یہود نے کر رکھا تھا مگر خدا کی شان ہے کہ جس صبح کو اسلامی سپاہ کا عالمگیر جھنڈا خیبر کے میدان میں لہراتا ہوا نظر آیا ہے اس شب کو سب غافل پڑے سوتے تھے اور بڑا اچھا موقع تھا کہ اگر ایسی حالت میں کسی غنیم پر حملہ کرنا روا سمجھا جاتا تو قوم یہود میں کوئی متنفس حجازی خطہ کا باشندہ باقی نہ رہتا لیکن رحم دل اور شفیق پیغمبر نے نہ کبھی ایسا گوارا کیا اور نہ اپنے مقلدین و متبعین میں کسی کو اس کی اجازت دی۔

اسلامی مبارک لشکر جس وقت خیبر کے قریب پہنچا ہے رات کا وقت تھا جنگل میں سناٹا چھایا ہوا تھا خدا کی ہوائی مخلوق اپنے آشیانوں میں بسیرا لئے ہوئے تھی حجاز کا ریگستان سنسان اور خاموشی کے عالم میں ناوقت آنے والے جرار لشکر کو ششدر ششدر تک رہا تھا۔

عربی پہاڑیاں گھوڑوں کی ہنہناہٹ سے کبھی کبھی گونج اٹھتی تھیں اور پتھریلی زمین کی کنکریاں صبا رفتار چوپایوں کے سموں اور صحابۂ کرام کے مبارک قدموں کے نیچے مسلی جاتی تھیں مگر حالت سکوت میں متحیر تھیں۔ اور چونکہ آخری مہینہ کی راتیں تھیں اس لئے زمین کو روشن کرنے والے ماہتاب نے ابھی تھوڑی دیر ہوئی یہ عجیب سماں جھانکنے کو مشرق کے پردہ سے منہ نکالا ہے اور جوں جوں اسلامی لشکر بہادرانہ رفتار سے قدم اٹھاتا خیبر کے قلعوں کی طرف رخ کئے جاتا تھا وہ دوں یہ مشتاق جمال بھی اوپر چڑھتا اور تاریک راتوں کو منور بناتا چلا جاتا تھا تاکہ ان برکت والے مسافروں کے راستہ کو اپنی پلکوں کی جھاڑو سے صاف کرے اور اپنی جھلکتی ہوئی شعاعوں سے اللہ کے سچے پیغمبر کے مقدس قدموں کو چوم لینے کا فخر حاصل کرے یہاں تک کہ خیبری قلعہ قریب آگیا اور رات کا سناٹا جاتا ہوا نظر نہ آیا اس لئے اسلامی سپہ سالار نے اپنی فرمانبردار فوج کو میدان ہی میں ٹھیر کر شب گذارنے کا حکم سنا دیا کیونکہ ایسے وقت میں حملہ کرنا شیر انہ بہادری کے بالکل خلاف اور اسلامی شان شجاعت پر عیب لگانے والا تھا چنانچہ مسلمان فوج نے وہیں قیام کیا اور رسول پاک اور سچے ایماندار خدا کی یاد میں رات کا باقی حصہ تمام کیا۔

رات ختم ہوئی اور اب عالمتاب آفتاب نے جنگ کا ہولناک منظر دیکھنے کے لئے آسمان کے کنارے پر آنا چاہا کیونکہ ادھر خیبر کا یہود اپنے آلاتِ زراعت کاندھوں پر رکھے قلعہ کے پھاٹک سے نکلنے شروع ہوئے اور ادھر فجر کی نماز سے فارغ ہوتے ہی ہمایوں ظفر اسلامی لشکر نے محفوظ و مستحکم قلعوں کے مسمار کرنے کا قصد کر کے اطمینان کی رفتار کے ساتھ شہر میں داخل ہونا شروع کیا اور ایک دوسرے کا عین اس وقت سامنا ہوا جبکہ مشاغل دنیاوی میں مصروف اور اپنے اپنے کاروبار میں مشغول ہونے کا وقت آچکا تھا۔

عربی زبان میں خمیس اس مکمل لشکر کو کہا جاتا ہے جس میں فوج کے پانچوں حصے یعنی مقدمہ (آگے کا رسالہ) ساقہ (پیچھے کا رسالہ) اور میمنہ (داہنا رسالہ) میسرہ (بایاں رسالہ) اور قلب یعنی درمیانی فوجی حصہ سب موجود ہو اور چونکہ یہ اسلامی لشکر پانچوں رسالوں سے بھرپور تھا اس لئے خیبر یہودی اس کو دیکھتے ہی حیران ہو گئے اور قلعہ کے پھاٹک سے باہر نکل کر اسلامی مسلح فوج کو دیکھتے ہی حیران ہو گئے اور چلا اٹھے کہ "محمد والخمیس" لوگو دوڑو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پورا لشکر لیکر چڑھ آئے۔ اس پریشان حال یہودی نے کچھ ایسی گھبرائی ہوئی آواز سے یہ لفظ پکارے کہ سب کے کان کھڑے ہو گئے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بے تحاشہ چیخنے والے یہودی کی آواز سنکر جواب دیا کہ "آج خیبر کے خراب ہونے کا دن آگیا ہم جس میدان میں بھی اترتے ہیں وہاں کی کافر مخلوق کو ہونے والی صبح برا وقت دکھاتی ہے۔

خیبری یہودیوں نے دیکھا کہ بہادر مسلمان ایسے وقت سر پر آپہنچے کہ نہ لڑنے کی طاقت ہے نہ بھاگنے کی ہمت۔ اس لئے شہر کے وسیع بازار میں ادھر ادھر پھیل پڑے تاکہ یکجائی قوت کے ساتھ مقابلہ کرنے کا برا وقت دیکھنا نصیب نہ ہو اور اس عارضی انتشار کی بدولت عزیز جانیں تلف ہونے سے بچ جائیں۔ مگر جب کسی قوم کی بربادی و تباہی یا ذلت و خواری کا وقت آجاتا ہے تو کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی چنانچہ اسلامی لشکر نے آگے بڑھ کر عین بازار میں قتل و قتال شروع کر دیا اور جو بدنصیب یہودی یہاں بھی مارے گئے ... کام آیا یہانتک کہ جنکو مرنا تھا مر چکے اور جو بچے وہ نہایت بے سروسامانی کے ساتھ قلعہ کی جانب بھاگے اور اندر گھس کر وہ مضبوط و مستحکم پھاٹک بند کر لیا جسکو کھولنا یا توڑنا کوئی آسان کام نہ تھا۔

اسلامی لشکر نے چاروں طرف سے قلعہ کو گھیر لیا اور محاصرہ میں بند ہو جانے والے یہودیوں کو باہر نکلنے اور جھانکنے تک کی بھی مہلت نہ دی آخر یہ لوگ تنگ آگئے اور صلح کا پیام و سلام شروع ہونے لگا کیونکہ درحقیقت ان بدنصیب لوگوں کو اپنی دنیاوی زندگی کے قائم رکھنے کیلئے اس سے بہتر کوئی تدبیر نہ تھی چنانچہ مصالحت کے بعد قلعہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

خیبر کے سات قلعوں میں سب سے پہلا قلعہ جس پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا وہ قلعہ ہے جس کا نام "ناعم" ہے اور اسکے بعد یکے بعد دیگرے یہ قلعے نہایت آسانی کیساتھ فتح ہوتے رہے البتہ قموص نامی قلعہ کے یہودیوں نے مصالحت کیساتھ قلعہ کا چھوڑنا اپنی جرأت و شجاعت کے خلاف اور باعث ننگ و عار سمجھا اس لئے دونوں جانب جنگ کی تیاری ہو گئی اور ہر فریق فیصلہ کر دینے والی صبح کے انتظار میں رات گذارنے کے لئے اپنی اپنی چھاؤنی میں آ ٹھیرا۔

کا سریع الاثر ہونا اس عقیدت کو مؤکد بھی کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی آنکھیں فوراً اچھی ہو گئیں اور حضرت اسد اللہ فتحمند نشان ہاتھ میں لیکر اپنے سپہ سالار کی چند ہدایتیں اور جنگی امور کے متعلق سنکر قموص کی جانب روانہ ہوئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسد اللہ کو نصیحت کی تھی کہ "جنگ میں ابتدا نہ کرنا اول اپنے غنیم کو پیدا کرنے والے خدا کے حقوق سے خبردار کرنا اور اس مذہب اسلام کی جانب بلانا جس کی تائید کے لئے تم لڑنے آئے ہو۔ اور رکھو کہ تمہارے ذریعہ سے ایک کافر کا مسلمان ہو جانا اور ایک بد دین گنہگار کا امر حق کو قبول کر لینا دنیا بھر کے مال و متاع سے بہتر ہے۔ ہاں اگر سچے معبود کے مقدس راستے سے انکار کریں تو اس وقت ہاتھ اٹھانا اور اللہ کا بول بالا کرنے کے لئے جان دینے کو آسان سمجھنا"۔ چنانچہ حضرت اسد اللہ اپنے پیارے پیغمبر کی دعاؤں کا بہر و نصرت اور بے بہا تاج سر پر رکھکر اسلامی فوج کو ساتھ لیکر قموص پر حملہ آور ہوئے اور جنگ شروع کی۔

صبح کا سہانا وقت یتیم ہونے والے یہودی بچوں اور بیوہ ہونے والی یہودنوں کی بے بسی حسرت بھری نظروں سے تک رہا تھا آفتاب عنقریب لالہ زار ہونیوالی سفید ریگستانی زمین کو جھانک رہا تھا کہ یکا یک ادھر سے اٹھتا چلا آتا تھا کہ مرحب نامی یہودی جو شجاعت و قوت میں مشہور اور زور و طاقت میں زبان زد تھا مادۂ پیکار سامنے آکھڑا ہوا اور نشۂ تکبر میں بدمست ہو ہو کر حملہ کرنے لگا کیونکہ خود اس کو بھی اپنی دلیری، فطرت پر گھمنڈ اور تدبیر جنگ کی واقفیت و آگاہی پر ناز تھا مگر افسوس کہ وہ غرور بہت جلد خاک کے نیچے مدفون ہو گیا کیونکہ اسد اللہ کے حملہ کی تاب نہ لا سکا اور پہلے ہی وار کے کاری زخم سے گھبرا کر جان ملک الموت کے حوالہ کی۔

مرحب کے قتل ہونیکے بعد بدنصیب یہودیوں کے چھ سردار جو میدان جنگ میں داد شجاعت دینے کی قابلیت رکھتے تھے یکے بعد دیگرے مقابلہ کے لئے آئے اور حضرت اسد اللہ کے ہاتھوں قتل ہو کر اپنے پہلے جنگجو سردار مرحب کی بغل میں پڑ کر ہمیشہ کی نیند سو گئے آخر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا ثمرہ اور پیشین گوئی کا نتیجہ ظاہر ہونیکا وقت آگیا اور رات کی تاریک چادر کے پھیلنے سے پہلے پہلے سب میں زیادہ مضبوط و مستحکم قلعہ قموص پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

اگرچہ حدیث میں کہیں ذکر نہیں مگر بعض کتب تواریخ میں لکھا ہے کہ اسی جنگ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عین مقابلہ کے وقت اپنی سپر کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر جانے کے باعث قلعہ قموص کا وہ گراں بار دروازہ اکھاڑ کر سپر کی جگہ سامنے رکھا جس کو سات آدمی بھی نہ پھیر سکتے تھے اور تمام دن اس بھاری بوجھ کو ہاتھ میں تھامے رہے شام کے وقت جنگ سے فارغ ہو کر اسی بالشت کے فاصلہ پر اس طرح پھینک دیا جیسے کسی ہلکی ڈھال کو پھینکدیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بہرحال جب تمام قلعے مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے اور یہود نے دیکھا کہ ہمارے عمدہ سے عمدہ اور مضبوط سے مضبوط قلعہ پر بھی اسلامی پھریرا لہرا رہا ہے تو بہت مایوس ہو گئے اور بجز اس کے چارہ نہ دیکھا کہ صلح کی درخواست کریں۔ یا تو وہ وقت تھا کہ مسلمانوں کی بھیجی ہوئی شرائط صلح پر اس بدنصیب قوم نے توجہ نہ کی تھی اور یا یہ وقت

سے کر عاجزانہ طور پر سائل بنے کھڑے اور جان بخشی کی درخواست کر رہے ہیں اور گو ان کی بغاوت و شرارت انکو پوری سزا کا مستحق بنا چکی تھی مگر پھر بھی شفیق و رحمدل پیغمبر کی رحیمانہ خصلت نے ان پر توجہ کی اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت سیر چشمی و عالی حوصلگی کے ساتھ ان کی امن و معافی کی درخواست کو منظور فرمالیا بلکہ عام اجازت دیدی کہ چاندی سونے یعنی نقدی و زیورات کے علاوہ اشیاء منقولہ میں سے جو کچھ چوپایوں پر لاد کر لیجا سکو وہ لیجاؤ اور جدھر منہ سمائے چلے جاؤ مگر اس کا ضرور خیال رکھو کہ اس شرط کے خلاف نہ ہونے پائے یعنی زیورات یا نقدی میں سے کوئی شئی چھپا کر یا چوری سے کوئی نہ لیجائے ورنہ شرط مصالحت کی خلاف ورزی کے مرتکب اور غدار و خائن سمجھے جاؤ گے اور ذمہ عہد و پیمان کے احاطہ سے خارج شمار ہو کر اپنی اس سزا کو پہنچو گے جس کے نتیجہ سے ڈرتے اور معافی و امن کی درخواست کرتے ہو۔

کتابوں کے دیکھنے اور گذشتہ واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ بدنصیب یہودیوں کو عہد پورا یا وعدہ وفا کرنے کا بہت کم اتفاق ہوا ہے چنانچہ اس موقعہ پر بھی یہ لوگ اپنی چالاکی سے باز نہ آئے اور حیی بن اخطب نے کیسہ زر یعنی زیورات کا تھیلہ چھپا کر اپنے اسباب میں باندھ لیا مگر چونکہ اسلامی لشکر کی نظروں میں آچکا تھا اس لئے اس کی تلاش ہوئی اور آخر کار اس جھوٹے اور مکار یہودی کے اسباب میں ملا جو اپنی ناواقفی کا اظہار کر چکا اور کہہ چکا تھا کہ وہ تمام زیورات مصارف جنگ میں برابر ہو گئے۔

اس صریح وعدہ خلافی اور بدعہدی کے باعث شرط مقررہ کے بموجب عہد مصالحت ٹوٹ گیا اور عورتوں بچوں کے سوائے اس خاندان کے تمام لڑنے والے یہودی تہہ تیغ کر دیئے گئے۔ عورتیں باندیاں بنائی گئیں بچے غلام ہوئے۔ اسی واقعہ یعنی جنگِ قموص میں حیی بن اخطب کی بیٹی صفیہ جن کا خاوند کنانہ بن ربیع یہودی جنگ میں مارا گیا تھا مع اپنی چچازاد بہن کے گرفتار ہو کر اسلامی لشکر کے قبضہ میں آئیں اور چونکہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں تھیں اس لئے نبی زادی ہونیکے باعث نبی کے علاوہ دوسرے کیلئے سزاوار بھی نہ تھیں چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو اپنے لئے منتخب فرمایا اور آزاد کرنے کے بعد شرف زوجیت سے مشرف فرمایا۔

جنگ سے واپسی میں مقام سد الصہباء پر پہنچکر ولیمہ کیا۔ دستر خوان بچھا کر موجودہ توشہ یعنی پنیر چھوارے ... سادہ مالیدہ مسلمانوں کو کھلادیا جس میں گوشت یا روٹی کا نام بھی نہ تھا۔

کہتے ہیں کہ ان کا پہلا نام زینب ہے اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے اصطفاء یعنی انتخاب فرمایا تھا اس لئے صفیہ رضی نام ہوا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

یہودی کی بدعہدی و بیوفائی ظاہر ہونے کے بعد خیبری قلعوں کے دوسرے یہودیوں کو جو ہر طرح مسلمانوں کے قبضہ میں آچکے تھے خیبر سے جلاوطن ہو جانیکا حکم ہوا اور ان کے باغات و زمین سب ضبط کر لئے گئے مگر چونکہ انھوں نے

نہایت عاجزی کے ساتھ گڑگڑا کر مسلمانوں کے ماتحت رہنے کا وعدہ کیا اور اس طرح درخواست کی کہ "اے مسلمانوں کے رحمدل پادشاہ ہمیں اپنے مفتوحہ باغات اور مقبوضہ زمین میں زراعت کرنے کے لئے مزدور سمجھکر جلاوطنی کا حکم واپس لے لو ہمیں اس قدیمی مسکن اور مانوس جگہ میں خراج گذار رعایا بنکر رہنے کی اجازت دیدو" اس لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ درخواست منظور فرمالی یعنی خیبری شاداب زمین میں بٹائی پر خدمت کیلئے یہود کو قائم رکھا اور کہدیا کہ ہماری مفتوحہ و مملوکہ اراضی میں تمہاری زراعت و کاشتکاری کی محنت کا منصفانہ حق یہ ہے کہ پیداوار میں نصف بحق زمین ہمارا حق ہے اور نصف پیداوار بحق کاشت تمہارا حق البتہ زمین کا کوئی قطعہ کسی وقت میں تمہارا موروثی نہیں ہو سکتا مسلمانوں کو ہر وقت پورا اختیار رہے کہ جس وقت چاہیں تم سے زمین کو علیحدہ کرلیں یا تم کو خیبر سے نکال باہر کریں کیونکہ اس وقت تمہارے ساتھ یہ سلوک واحسان کا برتاؤ اسلئے نہیں ہے کہ ہم یہاں سے واپس ہوتے ہی بے اختیار یا تمہارے معاملہ میں مجبور ہو جائیں۔ چنانچہ یہود خیبر کا یہ معاملہ کئی سال تک قائم رہا آخر اسی استثنا شرط کے بموجب خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ان یہودیوں کو ملک شام کی طرف جلاوطن کردیا اور حجازی خطہ کو مسلمانوں کے علاوہ ہر مذہب و ملت سے پاک وصاف بنادیا۔

بٹائی کے معاملہ کو عربی زبان میں مخابرہ کہتے ہیں۔ یہ مخابرہ کا لفظ خیبر ہی سے مشتق ہے کیونکہ یہ معاملہ خیبر کی اس سرسبز و شاداب زمین کے متعلق یہود خیبر کے ساتھ ہوا تھا جس کے چھوارے ابتک مشہور ہیں۔ غرض رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنی عدی کے ایک مسلمان صحابی کو جن کا نام سوادؓ بن مشنر ہے خیبر کا عامل یعنی اس خراج کا محصل مقرر فرمایا اور ہمایوں ظفر لشکر نے فائز المرام مراجعت فرمائی۔

خیبری یہود کے جان و مال کی حفاظت چونکہ اس وقت سے مسلمانوں کے ذمہ تھی اسلئے اسلامی سلطنت کے باج گذار قرار پاکر اسقدر آزادی کیساتھ اپنے مذہبی امور کا برتنا جیساکہ زمانہ قیام تک انھوں نے برتا کسی دوسری بااختیار سلطنت میں مشکل ہی سے ملیگا

باب (۷۳)

خیبر کے واقعات۔ حجازی ریگستان اور عرب کی ریتلی زمین دنیا میں مشہور ہے کیونکہ اس خشک و چٹیل میدان کے ریتیلے تودے اسوقت بھی جبکہ یہ سطح زمین انسانی نسل اور آدم کی اولاد سے بسائی گئی تھی غالباً اسی کثرت سے تھے جس میں بیسیوں آنے جانے والے قافلے ایسے تباہ و برباد ہوچکے ہیں جنکی بوسیدہ ہڈیاں بھی برسوں کے بعد نظر آتی ہیں۔

اس لق و دق چٹیل بیابان یا پہاڑی سنگستان اور پتھریلی بے آب و گیاہ زمین پر چلنا ان بطحائی اونٹوں ہی کا کام ہے جن کو ایک مرتبہ پانی کا پی لینا آٹھ آٹھ دن کے لئے کافی ہوجاتا ہے اور سوکھی گھاس یا کانٹے دار درختوں کے پتوں کا تھوڑی دیر چبالینا کئی کئی وقت تک آب و دانہ سے بے پرواہ بنادیتا ہے۔

یہ صابر و کم خوراک چوپایہ جیسا اپنی صورت میں بے ڈول و بدنما کہلاتا ہے ایسا ہی ان دشوار گذار گھاٹیوں میں مسافروں کو آرام پہنچانے کی غرض سے قدر و محبت کی نظر سے دیکھا جاتا اور مایۂ حیات و وسیلۂ نجات سمجھا جاتا ہے کیونکہ یہی مسکین جانور بے چون و چرا لادے جانے کے وقت اپنی عادت کے موافق بڑبڑا لینے کے خاردار جھاڑیوں میں گھسنے یا ناہموار زمین کی نہایت تنگ پتیا پر چلنے سے بھی نہیں ہارتا۔ ان کے نرم موزے اور قدم کی چوڑی گدی ملائم کھال سنگریزوں کی سہار کرتی اور جھلسا دینے والے گرم ریت کی تپش کو برداشت کر جاتی ہے۔ اہل عرب کی ساری جائداد یہی جانور ہیں اور سرزمین حجاز کے اصلی باشندے کی مادی دولت اسی پر موقوف ہے اسی پر ان کے تجارتی سفر اور دیگر ممالک کے اسباب و اموال کی آمد و رفت کا دارومدار ہے اور یہی انکی آمدنی کا واقعی ذریعہ ہے جس سے انکو کبھی استغنا نہیں۔

ان بلاؤں اور مصیبت کے پہاڑوں کی تلافی کے وقت حجازی ملک کے راستوں میں قدم رکھتی ہے تو اس میانہ رفتار اور خاص قسم کے ناز کی چال چلتی ہے جو میلوں ایک حالت پر قائم رہتی ہے۔ عرب کے باشندے ابتدا سے اس خصلت کے خوگر ہیں کہ اس گرم ملک کے دن کی لو اور دھوپ کی تپش سے بچنے کے لئے شب کو سفر کرتے اور دن کو کسی ضرور رفع کر دینے والے سایہ دار درختوں کے سایہ میں ٹھہر جاتے ہیں تاکہ رات بھر کی تکان اس تھوڑی دیر کے قیام و آرام سے رفع کر لیں اور دوسری شب کے سفر کے لئے چست و چالاک ہو جائیں۔ اگرچہ اس خشک ملک میں سوائے کیکر اور بیری یا کھجور کے دوسرے درخت کا نشان بھی نظر نہیں آتا اور اکثر میدان اس سے بھی خالی پائے جاتے ہیں مگر پھر بھی سوکھی ہوئی جھاڑی کے نیچے یا پشت پر ابر سایہ بھی ایسی محبت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کہ ہندوستان والوں کو سرسبز بھرے باغ سے بھی اتنی رغبت نہ ہوگی۔

عرب کے قافلہ والوں کی یہ بھی عادت ہے کہ سفر کرتے وقت کوئی خوش الحان اور بلند آواز بدو اپنی فصیح زبان میں اشعار پڑھتا اور مقفیٰ و مسجع کلام گاتا چلا جاتا ہے جس کی دل لبھانے والی آواز اور بیہوش کر دینے والے لہجہ سے جانور تک مست ہو جاتے ہیں۔ یہ سریلی آواز تھکے ماندے اونٹوں اور ان پر سوار ہونے والوں کو ایسا مدہوش بنا دیتی ہے کہ گھنٹوں کا راستہ منٹوں میں طے ہوتا ہے اور کسی کو تکان یا کسل محسوس بھی نہیں ہوتا۔ اچھی آواز کی مقناطیسی کشش اور خوش الحانی کی قدرتی انجذاب سے شاید کوئی طبیعت ناآشنا ہوگی کیونکہ اس بے طرح قتل کرنے والی غیبی کٹار کی چمک کے ہر شخص کو کچھ نہ کچھ دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے اور درحقیقت اسی دل پر چوٹ مارنے والی خوش الحانی نے نازک دل انسان ہی کے نہیں بلکہ حجازی خطہ میں صف باندھ کر چلنے والے اونٹوں کے اکثر جگر شق کر دیئے ہیں اس سریلی آواز میں گانے کا نام عربی زبان میں حدی ہے اور یہ چوپائے اکثر حدی کے سننے سے یا سخت گر گئے اور فوراً مر جانے کے باعث سینہ چاک کر کے دیکھا گیا تو کلیجے کے ٹکڑے ٹکڑے نظر آئے ہیں کیونکہ وہ قدرتی تاثیر نے اپنے ... بار اتنے سے ان کو مسرت و سرشار بنا دیا اور پھر بدہوش و غافل کرنے کے بعد ترقی کر ہوتے ہوتے جگر پھاڑ دیا ہے۔

جس وقت یہ چودہ سو مسلمانوں کا اسلامی لشکر خیبر کی جانب جا رہا تھا اس وقت قافلہ میں حدی پڑھنے

والے ایک باعزت صحابی تھے جن کا مبارک نام حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ ہے۔ یہ عربی نژاد مسلمان نہایت خوش الحان تھے ان کی بلند آوازی اور سریلے لہجہ نے وہ کام کیا جو لحن داؤدی کا نمونہ تھا۔ قافلہ کا ہر سوار اس مقناطیسی کشش سے متاثر تھا اور سواریوں کے چوپائے جھوم جھوم کر مستانہ چال کے ساتھ لمبے لمبے قدم بڑھائے جا رہے تھے۔ ہر ذی حیات مخلوق پر ایک وجدی حالت طاری تھی کہ یکایک رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سایق یعنی حدی پڑھ کر اونٹوں کا چلانے والا کون شخص ہے؟ ایک صحابی نے عرض کیا کہ عامر بن اکوع ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اس کو مرحوم بنائے"

قول رسول کے اشارہ کو معلوم کر جانے والے صحابہ اور رمز شناس اہل اسلام نے سمجھ لیا کہ حضرت عامر کا پیمانہ حیات لبریز ہو چکا کیونکہ اس قسم کا کلمہ کسی شخص کے لئے اللہ کے پیارے پیغمبر کی زبان سے اسی وقت نکلتا تھا جبکہ اس شخص کی دنیاوی زندگی کے ختم ہو جانے کا وقت قریب ہوتا تھا چنانچہ چند روز بعد اس کا ظہور ہو گیا کیونکہ حضرت عامر بن اکوع نے جنگ خیبر میں کسی بدبخت یہودی کے ہاتھ سے قتل ہو کر جام شہادت نوش کیا اور اسی میدان میں ہمیشہ کی میٹھی نیند پڑ کر سو رہے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔

اسی غزوہ میں دوسرے صحابی حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی ساق میں ایک کاری زخم آیا جس نے ان کو چلنے سے بھی معذور بنا دیا مگر حضرت سلمہؓ اسی حالت میں اپنے روحانی طبیب یعنی سپہ سالار لشکر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ زخم دکھایا جس سے خون اسی طرح جاری تھا جیسے چشمہ کے دہانہ سے پانی چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے لعاب دہن مبارک لگا کر تین مرتبہ کچھ پڑھ کر دم کر دیا جس سے خون ہی صرف بند نہیں ہوا بلکہ آئندہ کبھی چوٹ کا اثر یعنی درد بھی محسوس نہیں ہوا البتہ وہ نشان ہمیشہ کے لئے باقی رہا جس کو بعد کے لوگوں نے بھی بارہا دیکھا اور سبب دریافت کرنے کی وجہ سے اس معجزہ سے واقف ہوئے۔

اسی غزوہ میں گدھے کا گوشت حرام ہوا اور عین اس وقت جبکہ لشکری سپاہیوں نے ابتدائی حلت کے باعث چولہوں پر ہانڈیاں چڑھا رکھی تھیں اور کھانے کے لئے اس کا گوشت پکا رہے تھے۔ منادی ہوئی کہ "پیارے مسلمانو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم حمار اہلی کو حرام فرماتے ہیں" چنانچہ فرمانبردار لشکر نے اسی وقت ہانڈیاں اوندھا دیں اور اطاعت وانقیاد کو عملی صورت میں پیدا کر دکھا دیا نیز اسی جگہ تمام درندوں کا گوشت اور مال غنیمت کا تقسیم کر لینے سے پہلے بیچ ڈالنا اور استبراء سے قبل مملوکہ باندی سے وطی کرنا حرام ہوا۔

اسی غزوہ میں مدت معینہ تک نکاح موقت یعنی متعہ حرام ہوا کیونکہ اس سے قبل جائز تھا اور اس کے بعد دوسری مرتبہ فتح مکہ کے بعد غزوۂ اوطاس میں خاص ضرورت پیش آجانے کی وجہ سے صرف تین دن کے لئے مباح ہوا مگر پھر اس کی حرمت ایسی قطعی ہوئی کہ جس میں کسی تاویل یا حیلہ کی مطلق گنجائش نہیں۔

نکاح متعہ زنا ہے اور اس کی حرمت قیامت تک ایسی قطعی اور بے شبہ ہے جس پر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبردار امت مرحومہ کے تمام علماء کا اتفاق ہے اور سوائے روافض کے کوئی فرقہ اس مسئلہ کا مخالف نہیں کتب تواریخ میں یہ بھی لکھا ہے کہ اسی غزوہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نماز عصر قضا ہوئی کیونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک بحالت نزول وحی ان کی ران پر رکھا ہوا تھا اور حضرت اسد اللہ آفتاب کے غروب ہونے تک خلاف ادب ہونیکی وجہ سے پاؤں سر کا کر اپنی جگہ سے اٹھ نہیں سکے مگر بعد غروب جبکہ وحی ختم ہوئی اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ نے دعا فرمائی اور چند سنٹ یعنی اس قدر عرصہ کے لئے کہ حضرت اسد اللہ نے فرض رکعتیں ادا کرلیں آفتاب واپس لوٹ آیا اور پھر فوراً غروب ہوگیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم خیبر ہی میں تھے کہ وہ مہاجر مسلمان اپنے دینی سردار کی خدمت میں آ پہنچے جو اسلام کے شروع زمانہ میں کفار مکہ کی ایذارسانی سے تنگ آکر حبشہ کی جانب ہجرت کر گئے تھے اور اب چونکہ اسلام کو قوت وشوکت اور اہل اسلام کو امن واطمینان حاصل ہو چکا تھا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مفارقت گوارا نہ کرسکے اور بیتابانہ شوق کو پورا کرنے کے لئے اپنے دینی بھائیوں کے دارالجماعت اور اسلامی دارالسلطنت کی جانب کشتی میں سوار ہوکر کشتی میں چل کھڑے ہوئے تھے۔

انھیں مہاجرین حبشہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حقیقی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی تھے جن کو عرصہ کے بعد دیکھنے کی وجہ سے فرط محبت کے باعث حضرت نے چھاتی سے لگا لیا اور پیشانی پر خاص شفقت کے ساتھ بوسہ دیکر یوں فرمایا کوئی نہیں کہہ سکتا کہ مجھے خیبر کے قلعے فتح ہونے کی زیادہ خوشی ہوئی یا اپنے بھائی جعفر کی ملاقات سے زیادہ خوش ہوا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ گو مہاجرین حبشہ میں نہ تھے مگر چونکہ اپنے خاندان اشعر میں حضرت جعفر رضہ کے ساتھ اسی کشتی پر آئے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خیبر ہی کے اندر حاضر ہوئے تھے اس لئے اس انعام میں شریک ہوئے جو بارگاہ رسالت سے حضرت جعفرؓ کو مرحمت ہوا۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نووارد مسلمانوں کو مژدہ سنایا کہ "اے کشتی پر آنے والو سب لوگوں کی ایک ہجرت ہے اور تمھاری دو" کیونکہ پہلی ہجرت مکہ سے حبش کی جانب تھی اور دوسری ہجرت اسلام کے دارالسلطنت یعنی مدینۃ الرسول کی طرف اور نیز جنگ خیبر میں ہاتھ آنے والے مال غنیمت کی تقسیم کے وقت جنگ میں شریک ہونیوالے اسلامی لشکر کی اجازت سے یہ اہل سفینہ بھی شریک کئے گئے۔

یہودی مرد اور یہودیہ عورتوں کے نجس وناکارہ سینے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ پر ایمان لانیوالے مسلمانوں کی طرف سے بیجا عداوت اور کینہ کے ساتھ کچھ ایسے لبریز تھے کہ کسی وقت قابل نفرت فریب ودغابازی

سے باز نہ آتے تھے اسی اثناء میں جبکہ اسلامی لشکر خیبر فتح کر چکا اور مفتوحہ ملک کے انتظام کی غرض سے چند روزہ قیام کرنے کو یہیں ٹھیرا ہوا تھا اسلام بن مشکم یہودی کی بیوی زینب بنت الحارث نے بکری کا تھوڑا سا بھنا ہوا گوشت جس میں زہر ملا یا گیا تھا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیۃً بھیجا کیونکہ اس کو معلوم ہوا تھا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کے گوشت سے زیادہ رغبت ہے چنانچہ آپ نے اپنے اخلاقِ کریمانہ کی وجہ سے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ اس کو قبول فرمایا اور حسنِ ظن کی بناء پر توکلاً علی اللہ نوش فرمانا شروع کیا لقمہ منہ میں رکھا ہی تھا کہ حق تعالیٰ نے مذبوحہ اور مطبوخہ گوشت کو گویائی مرحمت فرمائی اور بھنے ہوئے دست کے گوشت نے کہا کہ "یا رسول اللہ مجھکو نہ کھائیے کیونکہ میرے اندر وہ زہر موجود ہے جو نصیب دشمناں ایذا پہنچانے کے لئے ملایا گیا ہے" چنانچہ آپ نے لقمہ فوراً ڈالدیا اور صحابہ کرام سے صورتِ حال بیان فرمائی مگر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ ایک صحابی حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے اس زہر آلودہ گوشت میں سے چونکہ ناواقفیت کی بناء پر کھالیا تھا اس لئے جانبر نہ ہو سکے اور جاں بحق تسلیم ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حارث کی بیٹی زینب گرفتار ہوئی اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کی گئی تاکہ اپنے کردار کی پاداش کو پہنچے۔ مگر جس وقت اس سے دریافت کیا گیا تو اس نے صاف اقرار کرلیا اور کہا کہ بیشک میں نے ایسا کیا اور اس حرکت سے میرا منشا یہ تھا کہ آپ کی رسالت و نبوت کا امتحان کروں کیونکہ میں خوب سمجھی ہوئے تھی کہ اگر آپ اللہ کے سچے نبی ہیں تو آپ پر زہر کا مطلق اثر نہ ہوگا اور اگر یہ دعوئی نبوت جھوٹا ہے تو آپ کی ہلاکت کے باعث ہم کو نجات ملجائیگی چنانچہ مجھے آپ کے نبی ہونیکی تصدیق ہوگئی اور میں سچے دل سے آپ پر ایمان لاتی ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودیہ عورت کی بیباکانہ صاف گوئی اور راست گفتاری کو عزت کی نظر سے دیکھا اور مسلمان ہوجانیکی وجہ سے جرم کو معاف فرماکر رہا کردیا۔

بعض کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مجرمہ کے سچے اظہار کا آپ نے یوں جواب دیا کہ میں اپنے ساتھ بدسلوکی و دغا کا عوض و انتقام لینا ہرگز نہیں چاہتا مگر چونکہ ایک ناکردہ گناہ مسلمان اور بے قصور و پاکباز بندۂ خدا کی جان تلف ہوئی ہے اس لئے قصاص کے معاف کرنے کا مجھے اختیار نہیں اور میں مناسب نہیں سمجھتا کہ براء بن معرور کے ہلاک کرنے والی عورت کی جان بخشی کی جائے اس لئے میں قصاص کا حکم دیتا ہوں۔ چنانچہ زینب بنت حارث صحابہ کی حراست میں میدان کے اندر لائی گئی اور قصاصاً قتل کی گئی۔ واللہ اعلم۔

باب ۱۰ (سنہ ۷ھ)

خیبر سے واپسی اور عمرۃ القضا۔ اسلامی گروہ اور خدائی پاکباز لشکر نے اپنے دینی و دنیوی سپہ سالار کی ماتحتی میں خیبر سے کوچ کیا اور ان مضبوط و مستحکم مفتوحہ قلعوں کی حدود سے باہر نکلکر مدینۃ الرسول کی جانب جانیوالی سڑک

پر خراماں خراماں ہو لیا مسلمان راتوں چلتے اور دن کو بقدر ضرورت آرام کرنے کے لیئے سایہ دار درختوں یا راحت افزا پہاڑوں کی تلیٹی میں ٹھیرتے چلے جاتے تھے کہ صعوبت سفر اور لگاتار ماندگی نے گونہ اثر پیدا کیا کیونکہ وہ شب کا وقت جس کو قدرت نے آرام کرنے کے لیئے بنایا ہے کسی ضرورت کے وقت بیداری کی حالت میں گذارنے سے کلفت ضرور پیدا کرتا ہے اور خصوصاً جبکہ اونٹ کی پشت پر سوار ہو کر پہاڑی راستہ یا ریگستانی زمین کا سفر اختیار کیا جائے اس لیئے چند اصحاب نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ کاش ساری رات نہیں تو رات کا کچھ حصہ آرام کرنے کو نصیب ہو جائے اگر ہمارے برگزیدہ سردار آج آخری شب میں کسی پڑاؤ پر قیام فرما کر اتنی اجازت دیدیں کہ فوجی سپاہی گھڑی بھر بے تکلف اطمینان کے ساتھ زمین پر کمر لگالیں تو بہت اچھا ہو کیونکہ اس قلیل آسائش کے بعد آئندہ پیش آنیوالی منزل کے قطع کرنے میں سہولت پیدا ہو جائے گی اور گو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھی کہ آخر شب میں لیٹنے والے تھکے ماندے مسافر صبح کی نماز کو مشکل اٹھ سکتے ہیں مجھے اندیشہ ہے کہ فجر کی نماز قضا نہ ہو جائے مگر چونکہ مقدس مذہب اسلام کے مشہور موذن حبشی بلال رضی اللہ عنہ نے اس کا ذمہ لیا اور یوں فرمایا کہ یا رسول اللہ آپ کا غلام بلال نماز کے وقت سب کو جگا دینے کے لیئے جاگتا رہیگا اس لیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اصحاب کی درخواست منظور فرمالی اور اس وقت جبکہ نصف رات گذر چکی اسلامی لشکر ایک وسیع میدان میں اتر پڑا اور ادھر ادھر پھیل کر جہاں جس کو جگہ ملی پڑتے ہی سو گیا کیونکہ کئی راتوں جاگنے کا خمار طبیعت کو آرام دہ بستر کا زیادہ تر محتاج بنائے تھا۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے جان نثار صحابہ کے ساتھ آرام فرمایا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنے اونٹ کی کاٹھی سے کمر لگا کر افق مشرق کی جانب منہ کرکے اس انتظار میں بیٹھ گئے کہ تاریک رات کی سیاہ زمین سے روشن کرنے والے دن کی سفید دھاری کس وقت نمودار ہو اور کب سوئے ہوئے لشکر کو اذان کے دل آویز کلمات سنا کر جگاؤں مگر چونکہ یہ بھی مسافر قافلہ کے تھکے ہوئے سپاہیوں میں شامل اور کئی منزل طے کئے ہوئے سواروں میں داخل تھے اس لیئے صبح صادق کے طلوع اور نماز فجر کے اول وقت تک بیدار نہ رہ سکے۔ آخر نیند نے ایسا غلبہ کیا کہ بلا اختیار آنکھیں بند ہو گئیں اور جسم پر قبضہ کرنیوالی خواب راحت نے یکدم حواس ظاہری کو معطل اور اعضا بدن کو ایسا بے حس و حرکت بنا دیا جیسا کہ تھوڑی دیر ہوئی سارے اسلامی لشکر کو بنا رکھا تھا۔

چھوٹے سے لیکر بڑے تک سب سو گئے اور ایسے سوئے کہ جبتک عربی پہاڑیوں پر طلوع کرنے والے آفتاب نے افق مشرق سے منہ نہ نکالا اسوقت تک کسی کو خبر نہ ہوئی کہ کہاں پڑے سوتے ہیں۔ یہانتک کہ سوئے ہوئے قافلہ میں سب سے پہلے قافلہ کے سپہ سالار یعنی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھلی اور آپ نے بیدار ہو کر دیکھا کہ تاریک میدان میں روشنی پھیل چکی اور عالمتاب آفتاب عالم پر چھائی ہوئی اندھیری کو چیرتا پھاڑتا افق مشرق سے

باہر نکل آیا ہے اس وقت آپ گھبرا کر اٹھے اور حضرت بلال کو آواز دی اور فرمایا کہ وہ ذمہ داری وہ عہد وفائی کہاں ہے جس کی بنا پر سارا قافلہ پڑ کر سوگیا تھا۔

حضرت بلالؓ جو اپنی راحلہ سے کمر کا سہارا لگائے مشرق کی جانب منہ کئے بیٹھے ہوئے بے خبر سو رہے تھے اپنے آقا کی آواز سنتے ہی جاگ گئے تھے اور یہ عجیب سماں دیکھ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ جیسی آج نیند آئی ہے مجھے یاد نہیں پڑتا کہ عمر بھر کبھی آئی ہو آپ کا غلام اپنی مفوضہ خدمت کی سرانجامی کے لئے اسی حالت پر بیٹھا تھا جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں مگر نیند کے بلا اختیار غلبہ سے ایسا بے خبر ہوا کہ آپ ہی کی آواز سے ہوش آیا اور آنکھ کھلی انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت بلال کے بعد یکے بعد دیگرے تمام صحابہ بیدار ہوئے اور یہ حالت دیکھ کر کہ صبح کی نماز قضا ہو گئی صلوٰۃ فجر کا وقت نکل چکا افسوس کرنے لگے کیونکہ اس پاکباز گروہ کو اسلام کی پاکیزہ روش اختیار کئے پیچھے پہلا اتفاق تھا کہ نیند کے غلبہ کی وجہ سے سوتے ہوئے صبح کی نماز کا وقت گذر جائے اور جو کچھ بھی یہ حضرات افسوس کرتے بجا تھا کیونکہ آجکل کے آرام طلب مسلمانوں کی طرح نہ تھے کہ شروع رات میں سونے پر بھی طلوع آفتاب سے قبل جاگنا نہیں جانتے۔ ہر صحابی متاسف و متحیر تھا اور ہر مسلمان سپاہی محزون و مغموم دلوں پر انقباض اور منہ پر پریشانی کے آثار قلوب رنجیدہ تھے اور چہرے کسی سخت صدمہ و نقصان پہنچے ہوئے بشر کی طرح اترے ہوئے اور خائف و لرزاں۔ یہاں تک کہ وہ غیبی تسلی و تسکین شامل حال ہوئی جس نے بے اختیاری کی حالت میں ہو جانے والے قصور معاف فرمائے ہیں اور وہ صبر دلانے والی آواز کان میں پڑی جس نے مایوس ہونے والے گرتے ہوئے دلوں کو تھام لیا ہے یعنی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم تمام بندوں کی روحیں خدا کے قبضہ قدرت میں ہیں اس کو اختیار ہے جب چاہے قبض فرما کر سلا دے اور جس وقت چاہے اجسام میں لوٹا کر بیدار کر دے اور جگا دے۔ ہم تابعدار بندوں نے اپنی جیسی احتیاط میں کمی نہیں کی اس پر بھی اگر وقت پر بیدار نہ ہو اور نماز قضا ہو گئی تو بے قصور اور قابل معافی ہیں، چلو اسباب باندھو۔ اٹھو اور یہاں سے کوچ کرو۔ اس جگہ سے جہاں بلا اختیار ایسی غفلت پیدا ہوئی باہر نکل کر فوت ہو جانے والی نماز قضا پڑھیں اور اپنے مہربان پروردگار کی بیشمار مغفرت کے امیدوار رہیں چنانچہ قافلہ روانہ ہوا اور اس میدان سے کچھ فاصلہ پر پہنچ کر باقاعدہ اذان دی گئی اور اس وقت جبکہ نماز کا وقت مکروہ نکل گیا یعنی سورج کا دھندلا پن جاتا رہا اور جبکہ ارشادوں میں چکاچوند پیدا کرنے والی تمازت آ گئی تو ادا نماز کی طرح باجماعت فجر کی نماز قضا پڑھی گئی۔

یہ قضیہ لیلۃ التعریس کا واقعہ کہلاتا ہے کیونکہ تعریس کے معنی عربی لغت میں کسی قافلہ کے آخری شب میں اترنے اور قیام کرنے کے ہے اور چونکہ اللہ کے پیارے پیغمبر آنے والی نسلوں اور قیامت تک قائم رہنے والی امت مرحومہ کے لئے سچا اور مجسم نمونہ بنکر آئے تھے اس لئے ایسے واقعہ کا حادث ہونا مناسب بھی تھا تاکہ اپنی

قدرت و وسعت کے موافق پوری احتیاط کرنے کے بعد بلا اختیار کسی گناہ کے صادر ہو جانے پر پاکباز مسلمانوں کو ضرورت سے زیادہ حسرت نہ ہو اپنے پیشوا پر پیش آنے والے واقعات سے تسلی حاصل کر لیں ورنہ خدا جانے اللہ کے پاکباز و مقبول بندوں کی ایسی اتفاقیہ حالت پیدا ہوتے وقت رنج و غم کے مارے کیا حالت ہوتی اور کہاں تک نوبت پہنچتی۔ اور نیز اس قصہ میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا آثار بشریت کے اظہار سے ثبوت بھی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اکل و شرب کے محتاج اور عام لوگوں کی طرح خواب و آرام بدن کے حاجتمند ہونے کے بھی اس کمال پر پہنچے ہوئے تھے جو ملکوتی طاقت سے خارج ہے بہرحال جو کچھ بھی ہو اس میں شک نہیں کہ حکمت پسند پروردگار کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں اور گو اس نئے واقعہ کے پیدا ہونے کی مصلحتیں اپنی فہم رسا اور معیار عقل کے موافق علماء کرام نے بیسیوں بیان کی ہیں مگر سچی بات یہ ہے کہ اسرار اور رموز خداوندی کی معرفت کا کماحقہ حاصل کرنا عقل کا کام نہیں ہے۔

سنہ کے آخر میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جان نثار اصحاب نے عمرہ کا ارادہ کیا کیونکہ میدان حدیبیہ میں لکھے جانے والے عہدنامہ کے موافق بلا روک ٹوک مکہ میں داخل ہونیکی اجازت کا وقت آگیا تھا اور سال گذشتہ کے ماہ ذی قعدہ میں باندھے ہوئے احرام کو بیت اللہ تک پہنچنے سے ورے ہی کھول دینا پڑا تھا جس کی قضا لازم تھی چنانچہ وہ مسلمان جو سفر حدیبیہ میں اپنے اسلامی سردار کے ہمرکاب تھے سب تیار ہو گئے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیس سو سوار کے ساتھ عمرہ قضا پورا کرنے کے لئے مدینہ سے کوچ کیا۔

اللہ کا پاکباز گروہ اللہ کے مقدس گھر کی زیارت کرنے کے شوق میں جس قدر بےچین تھا اسکی مقدار کا معلوم ہونا دشوار ہے اس لئے جب امید پوری ہوئی اور وہ بیت الحرام نظر آیا جس کو دیکھے ہوئے کئی سال گذر چکے تھے تو اس وقت کی مسرت کا اندازہ ہونا بھی آسان نہیں۔ ہجرت کئے ہوئے مسلمانوں کو مدت کے بعد اپنا وہ وطن دیکھنا نصیب ہوا جس میں پیدا ہوئے اور نشو و نما پائی تھی اور کئی سال گذرے پیچھے ان جلا وطن دور افتادہ بندوں کو ان مکانات اور گلی کوچوں کے دیکھنے کا اتفاق ہوا جن میں پرورش پائی اور طفولیت کے بعد جوانی اور شعور کا بھی معتدبہ زمانہ پورا کیا تھا۔

پاک مذہب اسلام کی وجہ سے گھر چھوڑے ہوئے مسلمانوں کے اپنے قدیمی مسکن اور دشمن دین و ایمان سے بھرے ہوئے وطن مالوف میں آنا میسر آیا مگر اس حال سے کہ سوائے تلوار قبض کے کوئی ہتیار پاس نہیں اور وہ بھی نیام شدہ تین دن سے زیادہ ٹھیرنے کی اجازت نہیں اور اس پر دغاباز کافروں کے مکر و فریب کا اندیشہ قائم۔ جان نثار صحابہ اپنے سرتاج سپہ سالار کو حفاظت کی غرض سے اس طرح بیچ میں لئے ہوئے جیسے ہالہ اپنے احاطہ میں قمر کو لئے رہتا ہے مکہ میں داخل ہوئے اور بیت اللہ کا طواف شروع کیا۔

جس وقت سے کہ مدینہ اسلامی دنیا کا دار السلطنت قرار پایا تھا اسلامی شوکت روز افزوں ترقی کر رہی
تھی اور ملکی فتوحات میں اہلِ اسلام کی قوت و شان کا نقارہ حجازی پہاڑیوں میں گونج رہا تھا۔ اللہ کی پیدا کی ہوئی
زمین کفر و شرک پسند بندوں کے قبضہ و تصرف سے خارج ہو ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آ رہی تھی غرض دین
کی قدرتی ہیبت شجاعانِ عرب کے دلوں پر قبضہ کرتی چلی جاتی تھی اس لئے کفار مکہ کو بہادرانِ مدینہ کی جرأت و دلاوری
کو اندیشہ ہوا کہ مبادا اسلامی ہیبت ان باشندگانِ مکہ پر اثر کرے جنھوں نے یہ مشہور کر رکھا تھا کہ ان کا لوہا بجا سکتی
ہے اس لئے پیش بینی اور دور اندیشی کی بنا پر مشہور کر دیا کہ مسلمان نہایت درجہ ضعیف و کمزور ہیں اور
جب سے مکہ چھوڑ کر مدینہ میں جا بسے ہیں آب و ہوا کی ناموافقت اور مدنی بخار اور تپ و لرزہ کی وجہ سے اور زیادہ ناتوان بن گئے

اس افواہ کے چاروں طرف پھیلانے اور کوچہ و بازار میں شائع کرنے سے مقصود صرف اس قدر تھا کہ چونکہ
مسلمان بیت اللہ کا طواف نہایت سکون و وقار کے ساتھ کریں گے اور اپنے قدرت و جلال والے سچے معبود کے
گھر کے چاروں طرف نہایت تعظیم و احترام اور نرم رفتاری و آہستگی کے ساتھ چکر لگائیں گے اس لئے یہ مؤدبانہ
روش اس خبرِ بد کی تائید ہو جائیگی اور کوئی بھی شخص اسلامی شان و قوت سے متاثر نہ ہوگا مگر چونکہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہو چکا تھا اس لئے آپ نے نہ چاہا کہ مقدس مذہب اسلام کے نام لیوا معزز بندوں
پر اس ذلیل لفظ کا اطلاق ہو سکے لہذا آپ نے صحابہ کو حکم دیدیا کہ طواف کے ابتدائی تین چکروں میں سینہ نکال کر
چست و چالاک سپاہیوں کی طرح مونڈھے ہلاتے اور بہادرانہ رفتار پر اکڑتے ہوئے تیز قدم چلو تاکہ مشرکین
مکہ کے خیالِ بد کا کوئی اثر کسی پیرایہ میں ظاہر نہ ہو۔

چونکہ کفارِ مکہ جبل ابو قبیس کے مقابل کی پہاڑی یعنی کوہِ قعیقعان پر سمٹ آئے تھے اور بیت اللہ کے
طواف کرنے والے پر اس حد تک نظر ڈال سکتے تھے جہاں رکن یمانی ہے اور صحابہ کو اس رفتار پر چلنے کا حکم مشرکین
پر محض اپنی قوت و شان اور صحت و جلادت کی ہیبت بٹھانے کیلئے تھا اسلئے دونوں یمانی رکن کے مابین اصلی رفتار
پر عاجزی و ادب کے ساتھ نیازمندانہ چال چلنے کی اجازت باقی رہی اور اسلامی لشکر نے اپنے سپہ سالار کی ماتحتی میں
اسی انداز پر طواف کے تین چکر لگا کر باقی چاروں چکر معمولی انداز سے ختم کئے اور اس وجوب سے سبکدوش ہوئے جو
سالِ گذشتہ میں عمرہ کا احرام وقت سے پہلے کھولدینے کی وجہ سے لازم ہو چکا تھا۔

صلحنامہ کی مقررہ مدت یعنی تین دن کے ختم ہونے کا وقت قریب آیا اور کفار مکہ کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ
پر تقاضہ شروع ہوا کہ اپنے سردار سے کہدو معاہدہ کی دفعات کا لحاظ رکھیں اور مدینہ کی جانب روانہ ہو جائیں
چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم عہدنامہ کے مسطورہ وعدہ کے موافق صرف تین دن مکہ میں قیام فرما کر مدینہ
واپس تشریف لے آئے اور راستہ میں سرف نامی جگہ پر ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے خلوت کی

کیونکہ نکاح بحالتِ احرام اس سے پہلے منعقد ہو چکا تھا۔ اسی واقعہ کی بنا پر مذہب حنفیہ کا یہ مسئلہ ہے کہ نکاح بحالت احرام جائز ہے البتہ خلوت احرام کھلنے کے بعد ہونی چاہیے۔

حضرت میمونہ خاتون حارث کی بیٹی اور ازواج مطہرات میں سب کے بعد وفات پانیوالی بی بی ہیں اور اتفاق وقت سے ۶۳ھ ہجری میں اسی مقام سَرف پر عالم فانی کے چھوڑنے کا وقت آیا ہے جہاں اللہ کے پیارے پیغمبر سے خلوت کا اتفاق ہوا تھا چنانچہ اس مقدس جگہ پر جو کہ مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ جانیوالے حجاج کو راستہ میں ملتی ہے عفت مآب خاتون کا مزار نظر آتا ہے۔ بعض مورخین کا یہ خیال ہے کہ امہات المؤمنین میں سب کے بعد انتقال فرمانیوالی ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اسلامی لشکر کے مکہ معظمہ سے واپس روانہ ہوتے وقت سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی نو عمر صاحبزادی جو اس وقت تک مکہ میں تھیں اپنے عم بزرگوار یعنی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھکر چچا جان چچا جان پکارتی ہوئی پیچھے دوڑیں اور چونکہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ حدیبیہ کے صلحنامہ کی شرائط سے مستورات خارج تھیں۔ اس لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بیتاب ہو کر نہایت محبت کے ساتھ اپنی چچازاد بہن کو اٹھا کر چھاتی سے لگا لیا اور خاتون جنت بی بی فاطمہ زہرا کے حوالہ کیا تاکہ پرورش کریں اور غور و پرداخت میں اس یتیم بچی کا حق یگانگت ادا فرمادیں۔ یہی وجہ ہوئی کہ اہل مکہ نے اس کم سن لڑکی کا مسلمانوں سے مطالبہ بھی نہیں کیا اور مرحوم امیر حمزہؓ کی لخت جگر بخیر و عافیت اسلامی دار السلطنت مدینۃ الرسول میں پہنچیں۔

ہماری اس مقدس تاریخ کا پہلا حصہ دیکھنے والے حضرات نے سرورِ کائنات کے مشاہیر صحابہ کے ساتھ نسبی تعلقات کو معلوم کرلیا ہوگا کہ چونکہ سید الشہداء حضرت حمزہؓ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے دودھ شریک رضاعی بھائی تھے اسی رشتہ کی بنا پر اس ہونہار لڑکی نے چچا کے خطاب سے یاد کیا تھا اور اس یتیم بچی کے مرحوم باپ یعنی امیر حمزہؓ حضرت علیؓ اور حضرت جعفرؓ کے والد یعنی ابوطالب کے حقیقی بھائی تھے اس لئے ان دونوں حضرات کے ساتھ چچازاد بھائی بہن ہونے کا علاقہ تھا البتہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ ہیں جو چند ماہ بعد غزوہ موتہ میں شہید ہوئے یہ خصوصیت بڑھی ہوئی تھی کہ ان کی بی بی حضرت اسماءؓ اس لڑکی کی خالہ تھیں جو ماں کے بعد حق حضانت و شفقت میں ماں کی جگہ سمجھی گئی ہے اور یہی نسبی تعلقات اور قلبی محبتیں یعنی خون کا جوش اس کا سبب ہوا کہ مدینہ پہنچکر حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی کے رکھنے اور خدمت اور تربیت کرنے میں حضرت علی و جعفر اور حضرت زیدؓ بن حارثہ کا باہم اختلاف ہوا اور ہر ایک نے اپنے رشتہ اور تعلق یعنی قرابت و یگانگت کے استحقاق کو ظاہر کیا۔

حضرت زید بن حارثہ کا حضرت حمزہ سے اگرچہ کوئی نسبی تعلق نہ تھا لیکن زمانہ ہجرت کے بعد صحابہ کی باہمی مواخاۃ اور بھائی چارہ کے وقت چونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں حضرات کو دینی بھائی قرار دیا تھا

اس لئے حضرت زیداس کم عمر یتیم بچی کو اپنی بھتیجی سمجھتے اور یہی وجہ استحقاق قرار دیکر اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے مگر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سمجھکر کہ لڑکیوں کی غور و پرداخت میں مستورات ہی کو دخل ہے اور در حقیقت شفقت و محبت میں خالہ بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے ابو طالب کے بیٹے حضرت جعفرؓ کو ترجیح دیکر ان کی چچازاد بہن ان کے حوالہ کی اور تمام مخلص اصحاب کے لئے رنج مٹانے والے تسلی بخش اور فضیلت ظاہر کرنے والے خوش کن کلمات اس طرح بیان فرمائے کہ "اے علیؓ نسب اور دامادی کے تعلق میں تم میرے ہو اور میں تمہارا"

"اے جعفر تم صورت اور سیرت میں میرے مشابہ ہو" "اے زید تم ہمارے دینی بھائی اور مددگار و علیق ہو"

اس عمرۃ القضا کا یہ نتیجہ نکلا کہ بہت سے ایسے ایسے مشہور آدمی جنہوں نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی اور ہجو سرائی کو اپنا شعار بنا رکھا تھا اور مسلمانوں سے پہلے بھی جنگ آزمائی کر چکے اور آئندہ برسر پیکار ہونے کے لئے آمادہ و مستعد تھے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و دریادلی اور وعدہ وفائی و کرم گستری دیکھکر نہایت ذوق و شوق کے ساتھ مسلمان ہوگئے اور چندہی روز بعد مکہ جیسا وطن مالوف چھوڑ کر اس دینی سردار کے قدموں میں آپڑے جس کے ساتھ سالہا سال سے عداوت قائم کر رکھی تھی۔

باب (۵۷)

خالد بن ولید کا اسلام اور غزوہ موتہ بزمین شام۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حمیدہ اور عادات پسندیدہ کا اثر کوئی معمولی اثر نہ تھا جو شریف النسل قوم کے دلوں پر قبضہ کرنے کے لئے ناکافی سمجھا جائے یہ قدرتی جوہر تلوار کی دھار سے زیادہ اور تیر و تفنگ کی بھرمار بوچھار سے جلد تر دشمن پر فتحیاب ہوتا اور لوگوں کے سواد قلب تک پہنچتا اور پہنچتا چلا جاتا تھا۔

پیارے عربی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی تاریخ سے واقفیت رکھنے والے عقلا کو حقانیت اسلام کیلئے یہی دلیل کافی ہے کہ یہ قابل تعریف تربیت اور لائق تحسین تہذیب الٰہی کس مپرسی اور یتیم ولاوارث ہونے کی حالت میں سوائے اس سچے نبی کے کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوسکتی جس پر حق جل و علی کی خاص نظر محبت ہو۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قحط سالی کے موسم میں پیدا ہوئے اور اس سے پہلے کہ دنیا میں تشریف لائیں دنیاوی مہربان باپ کے ظل عاطفت سے سبکدوش ہوگئے غربت و مسکنت کے باعث عرب کے رواج کے موافق اجرت پر دودھ پلانے والی عورتوں میں بھی کسی ایسی دایہ کی تحویل میں نہ جا سکے جو روپیہ کی طمع اور مال و زر کے لالچ میں قابل تعریف پرورش کر دکھاتی۔ چھ سال کی عمر بھی نہ ہونے پائی تھی کہ دنیا کی پہلی استاد یعنی ماں نے بھی انتقال کیا اور ضرورت و وقعت کی تربیت کثیر الاولاد دادا کے ہاتھوں ہوئی دس سال ختم نہ ہوئے تھے کہ دادا کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا اور اب پچیس سالہ عمر تک زمانہ طفولیت و آغاز شباب چچا کی کفالت میں گذارنا پڑا۔ ایسے متواتر صدمات

اور ایسے بعد دیگرے واقعات برداشت کرنے والے بچّہ کی دنیا میں جیسی بھی تعلیم ہو سکتی ہے ہر صاحبِ عقل اندازہ کر سکتا ہے۔ پھر عرب جیسا خشک اور بے آب و گیاہ ملک جس میں نہ قومی مدارس کا نام و نشان، نہ چندہ سے قائم کئے ہوئے کالج، مدارس کا پتہ، نہ علوم و فنون سے کوئی کان آشنا اور نہ تہذیب اخلاق کی مدوّن کتابوں کے نام سے واقفیت۔ غیر آئین ملک میں رہنے والے بچّوں کے جیسے بھی خونخوار اور ظالمانہ اخلاق ہونے چاہئیں وہ ظاہر ہیں خصوصاً عرب جیسی ضدی اور ہٹ دھرم قوموں میں پیدا ہونیوالا لاوارث بچّہ جس عادت پر بھی اٹھے زیبا اور بجا ہے جہاں ایک بھائی دوسرے بھائی کے خون کا پیاسا اور باپ بیٹے کا جانی دشمن، منازعتوں کی انتہا نہیں اور جنگ و جدال یا قتل و قتال کی وہ سرگرمی کہ دنیا بھر میں ضرب المثل۔ اس لیے تہذیبی اور انسانیت کے خلاف جانوروں سے بدتر حالت میں زندگی گذارنے والوں میں کسی قابلِ قدر ملک سے تجارتی اتحاد یا ملکی سیاست، معاہدہ سلطنت کی بنا پر کسی مہذب و تعلیم یافتہ قوم سے میل جول نہیں جس کی دیکھا دیکھی اصلاحِ حال کی امید ہو۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے رئیس یا کسی متمول خاندان کے رشتہ دار نہ تھے کہ ہموطن اہلِ عرب پر مالی عزت و شرف کے باعث حکومت کریں آپ نے اپنے وطن سے باہر دوسرے ملک کی صورت نہیں دیکھی ایک دو مرتبہ شامی تجارت کے لیے ابتدا عمر میں ملک شام کی جانب بضرورت جانا اور کارِ منصبی سے فارغ ہوتے ہی واپس آجانا ایسی بات ہے کہ دوسری قوم کے عادات کا بقدرِ ضرورت دیکھنا بھی مشکل چہ جائیکہ تعلیم و اکتساب یا تحصیل و اخذ آداب۔ ہموطن بدوؤں کی جہالت اس قدر کہ پتھر اور لکڑی کی بنائی ہوئی مورتیں مسجود و معبود اور وہ بھی ہر قوم و قبیلہ کی جدا اور ہر سال بلکہ ماہینہ مہینہ نئی و نرالی خاص شاہنشاہی دربار یعنی بیت اللہ میں ایام سال کی مقدار کے موافق تین سو ساٹھ مورتیں رکھی ہوئی تھیں کہ سچّی و راہبر عقل والے انسان کو سُنکر بھی لرزہ آتا ہے۔ خانہ جنگیاں مایۂ ناز تھیں اور بدخلقی و جہالت کو قومی زیور اور ذریعہ افتخار سمجھا جاتا تھا۔ ایسی نازک و ناگفتہ بہ حالت میں یتیم اور دنیاوی دولت سے بے بضاعت بچّہ کا ایسے اخلاق سے آراستہ ہونا جس کی نظیر دنیا کے پردہ پر مہذب و متمول اقوام میں بھی نہیں مل سکتی قدرتی تعلیم اور خداوندی تربیت نہیں تو کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حجازی جیسے اَن پڑھ اور جاہل بدوؤں کو علوم و فنون اور تمدنی و اخلاقی سلطنت کا مالک بنا دینا جس کو غیر ممالک نے آئندہ چل کر مقتدا حکمت سمجھا سچّی نبوت اور برحق رسالت کا وہ کھلا معجزہ ہے جس کے مقابلہ پر دنیا بھر کے مذاہبِ مختلفہ سے کہا جا سکتا ہے کہ آئیں اور اپنے پیشواؤں کے حالات کا موازنہ کرائیں۔ ذرا ملک عرب کو آنکھ اٹھا کر دیکھو کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تمام ملک میں کیسی بلاخیز تاریکی چھا رہی تھی ملک حجاز بددینی و بداخلاقی کا ریگستان تھا جہاں کل اخلاقی اور خدائی باتیں غارت کی جا رہی تھیں۔ موسوی اور عیسوی دین بہت دنوں سے اس ملک کو جہالت کے تنگ گڑھے سے نکالنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن یہ بات صرف رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

کے لئے اٹھا رکھی گئی تھی کہ آپ تشریف لائیں اور اپنی اُس آواز سے جو انسانی روح کو جوش اور فطرتی نور میں لائے غفلت کی نیند سوئے ہوئے بندوں کو بیدار کریں اور اس رحیمانہ خلق سے جو قلب پر مالکانہ تصرف کرے بیباک و بدتہذیب انسانوں کے دل صاف و منور اور کانوں کے پردے علیحدہ برطرف کریں گمراہی کی ظلمت سے نکال کر بندہ کا مالک حقیقی سے رشتہ جوڑیں اور خدائی توحید کے برقرار کلمہ کو سطح زمین پر آفتاب کی روشنی سے زیادہ پھیلا دیں۔

اہل عرب کے دل وہم و وسوسہ پر جمے ہوئے اور بدگمانی و نجاست کفر میں غرق تھے غرور و افلاس نے ہندوؤں کی طرح دختر کشی کی بُری رسم کو ان میں جاری کر دیا تھا ان لوگوں نے آنیوالی زندگی یعنی قیامت و آخرت کا اور جزا و ثواب کا نام تک نہیں سُنا تھا۔ عیسوی یہودی اور فلسفی دین کا ان پر بہت کم اثر پڑا تھا ان کے دل روحانی جذبوں سے بالکل بے خبر تھے ان کے سخت اور سیاہ قلب کی بعینہ یہ کیفیت تھی جیسے ایک بہت بڑی جھیل جا بجا سے متحرک ہو گئی ہو لیکن اس پانی کو اصلا خبر نہ ہو جو اس کی تہ میں ہے۔ ان کا عام دستور تھا کہ بڑا بیٹا اپنے باپ کے مرنے پر اپنی حقیقی ماں کے سوائے اس کی کل بیبیوں یعنی اپنی سوتیلی ماؤں سے شادی کرتا اور جس طرح ترکہ میں جائداد پاتا تھا اسی طرح متوفی باپ کی بیبیوں پر بھی خاوندانہ قبضہ کرتا تھا۔

نکاح کی متفرق رسومات اور صورتیں آریہ سماج کے نیوگ اور بازاری عورتوں کے زنا کا مقابلہ کر رہی تھیں ان میں رواج تھا کہ ایک شخص اپنی بیاہتا بیوی کو اولاد چاہنے کی غرض سے کسی حسین و جمیل یا خاندانی مرد کے پاس بھیجکر حاملہ کراتا اور وضع حمل کے قریب خود جماع کر کے پیدا ہونے والے بچّہ کو اپنا بناتا۔ فاحشہ عورتیں باہر کے دروازوں پر بغرض علامت و خاص نشان پردے ڈالکر زانی و بدکار مردوں کو گھروں میں بلاتی اور زنا کراتی تھیں پھر حمل ہوئے پیچھے بچہ پیدا ہونے پر ان بدوضع زناکار اشخاص میں جسکی جانب چاہتی منسوب کر دیتی تھیں اس زانی کو مجاز نہ تھا کہ ناجائز طریقہ سے پیدا ہوئے بچّہ کو لینے اور اپنا جائز وارث بنانے سے انکار کرے۔

ملک عرب میں غیر صحیح النسب بچّے اس طرح پر جبراً دوسروں کے سر مڑھے جاتے اور تربیت پاتے اور بری بوجھ کی طرح سمجھے جانے کی وجہ سے بد تہذیب قوم کی زیادتی کا باعث ہوتے تھے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی ترقی کو روکنے والی بداخلاقیاں یکدم حرف غلط کی طرح ملیامیٹ کر دیں اور اہل عرب کی سوئی ہوئی قسمتوں کو جگا دیا آپ کے مہر و لعزیز اخلاق اور خدا کی دی ہوئی تعلیم کا عرب پر اس قدر جلد اور زیادہ اثر پڑا کہ ترقی نے تنزل کی ہستی قرار اور ایک حالت پر رک جانیکا نام بھی نہیں لیا۔ لوہے جیسی سخت و سیاہ طبائع کے لئے آپ کے خلق و کرم کا قدرتی جذبہ مقناطیس کا کام دیتا اور انسانی روح کو اپنی جانب کھینچ لیتا تھا چنانچہ ماہ صفر ۸ھ میں حضرت خالدؓ بن ولید اور عمرؓ بن عاص اور کعبہ کے کنجی بردار حضرت عثمانؓ بن ابی طلحہ کے دلوں میں اسلام نے اپنا گھر کیا اور اسلامی

دارالسلطنت مدینۃ الرسول میں حاضر ہوکر مشرف باسلام ہوئے۔

ان مشہور شجاعانِ عرب اور معزز رؤسائے قوم کا مسلمان ہونا اور وطن مالوف یعنی مکہ کو چھوڑ کر مدینہ کے اسلامی لشکر میں داخل ہونا ایسا نہیں ہے جس کو مسرت کے ساتھ نہ ظاہر کیا جاوے خصوصاً حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے کارنامے جو خلافت صدیقی و فاروقی میں نمایاں ہوئے اور اسلامی دنیا کے ابتدائی غزوات میں غزوہ موتہ کی مشہور جنگ اور ان کے ہاتھوں فتح دمشق جس کے صلہ میں ان کو بارگاہِ رسالت ﷺ سے سیف اللہ کا مبارک خطاب مرحمت ہوا اس پر مجبور کرتا ہے کہ ہم اس شیر خدا بہادر کے اسلام کی تمام مسلمانوں کو مبارکباد دیں۔

مذکورہ تینوں حضرات کے اسلام لانے اور ہجرت کرنے پر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا تھا کہ "آج مکہ نے اپنے جگر گوشہ لوگوں کو مدینہ کی جانب بھیجدیا" اور درحقیقت یہ مقدس بزرگوار بلحاظ عزت و قوت و بحیثیت شجاعت و ہمت و نیز بنظر ریاست و سیاست باشندگانِ مکہ کے منتخب سر برآوردہ اور چیدہ سردار تھے جن کے دلوں پر خلق و کرم محمدی نے نہایت آسانی کے ساتھ قبضہ کیا۔

فن اسماء الرجال کی معتبر کتاب تقریب التہذیب سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی صلح حدیبیہ کے بعد فتح مکہ سے قبل مسلمان ہوئے بہرحال جنگ احد میں مسلمان جیسی ثابت قدم جماعت کو منتشر کرنے والے بہادر حضرت خالد اور اللہ کے مقدس گھر کے کنجی بردار اور خادم حضرت عثمان اور عاص کے بہادر بیٹے حضرت عمر رضی اللہ عنہم کا اسلام ۸ھ میں قبل فتح مکہ مستیقن اور متفق علیہ ہے۔

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ قیصر روم کے ایک ماتحت عیسائی امیر شرجیل نامی نے مسلمانوں کے قاصد حارث رضی اللہ عنہ بن عمر ازدی کو مار ڈالا تھا جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک حاکم بصریٰ کے نام لئے جاتے تھے۔ یہ رومی ظلم و تعدی کوئی ایسی سرسری بات نہ تھی جس کو مسلمان نظر انداز کرتے چنانچہ اسی سال ۸ھ میں مسلمانوں کی تین ہزار فوج حضرت زید بن حارثہ کی ماتحتی میں ملک شام کی جانب اس غرض سے روانہ ہوئی کہ سفاک و بے رحم غسانی شہزادے سے اس غدر و تظلم کا سبب دریافت کرے چنانچہ رومی افسر شرجیل غسانی نے جرم کا اقرار کیا اور عظیم الشان جنگ کی بنیاد ڈالی۔

اسلامی مختصر گروہ کو ۸ھ کے ماہ جمادی الاولیٰ میں عیسائی کثیر التعداد فوج سے مقام موتہ میں مقابلہ کرنا پڑا جو ملک شام کے شہر بلقا کے پاس ہے مگر چونکہ دشمن کی فوج ایک لاکھ سے زیادہ تھی جن کے مقابلہ پر تین ہزار کا اسلامی لشکر کوئی مناسبت نہ رکھتا تھا اس لئے مسلمانوں کو تردد ہوا اور بعض اہل اسلام کی رائے ہوئی کہ جنگ میں توقف کرنا چاہئے اور جس وقت تک مدینہ سے پوری جمعیت کمک کے لئے نہ بلائی جائے اس وقت تک لڑنے کا قصد نہ کیا جائے لیکن چونکہ دشمن سر پر آ کھڑا ہوا تھا اور اسلامی حمیت و جوش اس تعویق کو گوارا نہیں کر سکتا تھا اس لئے

تن بتقدیر مسلمانوں کو مقابلہ کرنا پڑا اور یہ سمجھ کر کہ اسلامی تعلیم نے مجاہدین کی موت و حیات دونوں حالتوں کو خوش آئندہ بنایا ہے نظر بہ خدا آمادۂ کارزار ہو گئے۔

مدینہ سے روانہ ہوتے وقت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی سرداری کا جھنڈا حضرت زیدؓ بن حارثہ کے ہاتھ میں دیا اور یوں فرمادیا تھا کہ اگر زیدؓ شہید ہو جائیں تو ابوطالب کے بیٹے جعفرؓ کو جھنڈا لینا چاہیئے۔ اور جعفرؓ بھی انتقال کر جائیں تو عبداللہؓ بن رواحہ کو امیر لشکر بننا چاہیے اور یہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمانوں میں سے ایک مسلمان حاکم بنالیا جائے گویا ان الفاظ سے اشارہ کر دیا تھا کہ ایسا ضرور ہونا ہے۔ اور اس پیش آنیوالی جنگ میں ان تینوں حضرات کے شہید ہونیکے بعد چوتھے مسلمان کے ہاتھوں پر فتح و ظفر نصیب اہل اسلام ہو گی۔

افق مشرق سے آفتاب کا منھ نکالنا تھا کہ جنگ کے ہولناک منظر کی تیاریاں شروع ہو گئیں شامی سرسبز و شاداب زمین کی گلکاریاں اور وسیع و پُر فضا میدان کی ٹھنڈی ہوائیں شباب پر تھیں کہ کشت و خون کا بازار گرم ہوا اور حضرت زیدؓ بن حارثہ اسلامی پھریرا ہلاتے اپنی تین ہزار کی مختصر اسلامی جماعت کو آگے بڑھائے لیے ہوئے جاتے نظر آئے شجاعت و مردانگی نے قدم چومے اور اقبال و ظفر کی مبارک صورت نے پیشانی کا بوسہ لیا کیونکہ اس ہونہار رشیدائی گروہ کی ثابت قدمی اور تیس گنی تعداد سے زیادہ فوج کے مقابلہ کی آمادگی نے نظم و سیاست کے ہوش و حواس مضمحل کر دیئے تھے خدائی فضل و کرم اور غیبی نصرت و اعانت کا سر پر چھتر رکھے ہوئے حضرت زیدؓ نے قدم بڑھایا اور رومی فوج میں ایک زلزلہ پیدا ہو گیا قریب تھا کہ بدحواس فوج پریشان و منتشر ہو کر پیٹھ دکھائے مگر افسوس کہ اسلامی سردار پر سخت حملہ کیا گیا اور امیر الجیش متواتر تلوار و نیزہ کی ضربیں کھا کر زمین پر گرے سرداری نشان ہاتھ سے چھوٹ گیا اور حضرت زیدؓ شربت شہادت نوش فرما کر راہی ملک بقا ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسلامی جرار فوج اور بہادر سپاہیوں میں انتشار پیدا نہ ہونے پایا تھا کہ حضرت جعفرؓ نے لپک کر گرا ہوا اسلامی جھنڈا اٹھا لیا اور سپہ سالار فوج بنکر مسلمانوں کو للکارا کہ "ہاں ہاں بہادر مسلمانو آگے بڑھو اور خدا پر نظر رکھکر دشمنوں کا قلع قمع کر دو" یہ روح پھونکنے والی آواز مسلمانوں کے قدرتی جوش کو بڑھانے کے لئے کافی تھی کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ اسلامی مبارک جھنڈا قابل احترام سردار کے ہاتھ میں ہے اور سچے خدا کی بھرپور مدد ان کمزور بازوؤں میں قوت دینے کے لئے موجود ہے چنانچہ یکبارگی ایک سخت حملہ کر بیٹھے اور دشمنوں کے جم غفیر میں اس طرح گھستے چلے گئے جیسے دھوپ کی شعاعیں شب کی تاریکی میں گھستی چلی جاتی ہیں مگر افسوس کہ اس حملہ میں بھی خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی اور امیر الجیش حضرت جعفرؓ پر نیزہ و تلوار کے پے در پے حملے ہونے لگے۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے پچاس سے زیادہ زخم کھائے اور آخر داہنا ہاتھ کٹجانے پر سرداری جھنڈا بائیں ہاتھ میں لیا اور بایاں ہاتھ کٹنے پر شانہ اور بازو کے زور سے تھاما انجام کار زمین پر گر کر شربت شہادت نوش فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت عمرؓ کے صاحبزادے عبداللہ جو اس جنگ میں شریک تھے فرماتے ہیں کہ جنگ سے فراغت کے بعد مقتولین کی نعشوں میں حضرت جعفرؓ کی نعش تلاش کی اور دیکھا گیا تو نیزہ تلوار اور تیروں کی بوچھاڑ کے چھ اوپر نوے نشان تھے جن میں کوئی پشت کی جانب نہ تھا جس سے گھبراہٹ و فرار کی بدگمانی ہوتی۔ اسی وجہ سے کہ اس اسلامی سردار کے دونوں ہاتھ خدا کی راہ میں کام آئے تھے حق تعالیٰ نے انتقال کے بعد دو پر مرحمت فرمائے جن میں قوت پرواز عطا کی گئی اور یہی سبب ہے کہ ان کا مبارک لقب حضرت طیار اور ذوالجناحین قرار پایا جو عربی رسول کی زبان پر بھی جاری تھا۔

اسلامی لشکر کے دو سپہ سالار یکے بعد دیگرے شہید ہو کر راہی ملک بقا ہو چکے تو جھپٹ کر اسلامی مبارک نشان حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے لے لیا اور اپنی ماتحت فوج کو لڑائی کے گھمسان میں بڑھانے لئے چلے گئے مگر چونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زبان سے نکلا ہوا فقرہ ضرور پورا ہونا تھا اور اس ارشاد کا مصداق جس میں اشارۃً تینوں سرداروں کی شہادت کا اظہار کیا گیا تھا ظاہر ہونا تھا اس لئے تھوڑی دیر بعد حضرت عبداللہؓ بھی زمین پر گرے اور شہید ہو کر عالم بقا کے دونوں گذشتہ مسافروں کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت عبداللہؓ کی شہادت کے بعد مسلمان فوج کے مشورہ سے اسلامی جھنڈا حضرت خالدؓ بن ولید نے ہاتھ میں لیا اور چونکہ وہ دن یاد تھا جس میں اسلامی جماعت کے مقابلہ پر میدان اُحد میں بہادری دکھائی تھی اس لئے اس کی تلافی کرنے کے ارادہ سے بسم اللہ کہکر قدم بڑھایا اور رومی ٹڈی دل میں وہ تہلکہ بپا کیا جس کا نمونہ کئی صدی بعد سلطان صلاح الدین نے دکھایا ہے۔

حضرت خالدؓ بن ولید کا شیرانہ حملہ ایسا نہ تھا جو فوج کو بجائے خود قائم رکھتا اس خونخوار یورش نے فوجی اجتماع میں افتراق اور لشکری صف بندی میں انتشار پیدا کر دیا اور اسلامی فوج عیسائی افواج کو چیرتی پھاڑتی مارتی کاٹتی ہوئی لڑتی اور خون بہاتی آگے بڑھتی چلی گئی اور چند ہی گھنٹہ بعد خون کی ندیاں بہتی اور کشتے سے پشتے لگے نظر آئے کیونکہ اس قدرتی سیل اور بہادرانہ یورش و حملہ نے دنیا سے سیر ہو جانیوالے سپاہیوں اور گھوڑوں کی پیٹھ پر بیٹھے بیٹھے اکتا جانیوالے سواروں کو جلدی جلدی زرخیز زمین کے نرم بستر پر ہمیشہ کے لئے لٹا دیا اور موت کی وہ آخری نیند سلا دیا جس سے بیداری اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ اسرافیل صور میں پھونک ماریں گے۔

حضرت خالد کی ثابت قدمی و بہادری کا پورا اندازہ وہی اصحاب کر سکے ہوں گے جن کو اس مبارک جنگ کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ البتہ حالات کے تتبع اور واقعات کی تلاش سے اس قدر ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ انسانی شجاعت و استقلال کا جو حظ وافی اس شیر خدا صحابی کو ملا تھا وہ شاید دوسرے کو نہ ملا ہو کیونکہ یہی ہیں جن کے بعد کے کارنامے دنیا کی پتھریلی و ریگستانی زمین کسی وقت بھول نہیں سکتی۔ بلا زرہ یا ننگی پیٹھ پر سوار ہو کر دس گنے دشمنوں میں گھس جانا ان کا شعار رہا۔ چنانچہ اس جنگ میں بھی یکے بعد دیگرے نو تلواریں بدلیں کیونکہ کثرت خون

کے مبالغہ کی وجہ سے کسی تلوار نے خالصتاً خواہ وفاداری آخرایک چوڑی وعریض یمانی تلوار نے مقدس ہتھیلی کا بوسہ لیا اور انجام کار وہ نتیجہ پیدا ہوا جس کی ہر مسلمان قلب کو تمنا و آرزو تھی وہ یہ کہ غسانی شہزادہ کی کثیر التعداد فوج تاب مقاومت نہ لاسکی اور اپنی حمیت وشجاعت کے دعویٰ پر دھبہ لگا کر پشت کی جانب بھاگی۔

رومی فوج کو شکست ہوئی اور اسلامی لشکر فائز المرام اپنے دار السلطنت یعنی مدینۃ الرسول کی جانب رُخ کیا کیونکہ اس وقت جنگ سے مقصود ملک گیری نہ تھی بلکہ اُس گستاخانہ حرکت کی سزا اور ظلم وتعدی کا انتقام لینا منظور تھا جو بیکس و بیچارے مظلوم شہید حضرت حارث بن عمیر ازدی کے ساتھ کی گئی تھی۔

اس سے پہلے کہ اسلامی لشکر مدینہ پہنچے اور گذرا ہوا قصہ مشتاق مسلمانوں کو سنائے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمانی وحی اور غیبی اطلاع سے خبردار ہو کر پسماندہ اصحاب کو سنا دیا تھا کہ تینوں سردار یکے بعد دیگرے شہید ہوئے اور آخر خدا کے بہادر پہلوان خالد سیف اللہ کے ہاتھوں میدان رہا حضرت سرور عالم تینوں مرحوم اصحاب کی خبر انتقال بیان فرماتے اور آنکھوں سے آنسو بہاتے جاتے تھے۔ کیونکہ پیارے محبوب حضرت زید رضؓ جن کو اولاد کی طرح پرورش کیا تھا اور چچازاد بھائی حضرت جعفر رضؓ دنیا میں جسمانی ملاقات سے ہمیشہ کے لئے مفارقت کر گئے تھے اور حضرت عبداللہ رضؓ جیسے جان نثار خادم بھی ان کے ساتھ روانہ ہو گئے تھے جن کی غمگساری وجان نثاری سب پر ظاہر تھی۔

ایک مرتبہ جبکہ یہ سخت مرض میں مبتلا تھے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کو تشریف لیگئے تھے تو ضعف مرض کے باعث نڈھال اور کثرت تعب کی وجہ سے بے ہوش تھے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی کہ بار الہا عبداللہ رضؓ کی موت آگئی ہے تو نزع کی تکلیف آسان فرما کر جلد راحت نصیب کر اور اگر حیات باقی ہے تو شفائے عاجلہ اور صحت کاملہ مرحمت فرما۔ چنانچہ اسی وقت سے افاقہ شروع ہو گیا تھا مگر آج چونکہ وقت پورا ہو لیا تھا اسلئے موتہ کے کھلے میدان میں خون آلودہ کپڑوں سمیت دفن کئے گئے اور اس ازلی نعمت سے فائز ہوئے جسکی ہر مسلمان کو خواہش ہے

جس دن حضرت جعفر طیارؓ کے انتقال کی خبر سنائی گئی اور حضرت ذوالجناحین کے پسماندگان کو یتیم و بیوہ ہونیکا حادثہ پیش آیا اُس دن رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا پکوا کر ان کے گھر بھیجا اور یوں ارشاد فرمایا کہ مصیبت زدہ گھر والوں کو پکانیکا ہوش نہ ہوگا اس لئے یہ لیجاؤ اور کھلا دو۔ نیز تین روز تک چچازاد بھائی کی تعزیت کے لئے مسجد میں بیٹھے گویا آنیوالی امت کو عملی حالت سے تعلیم فرما دیا کہ مرنیوالے رشتہ دار کے قرابت داروں کے ساتھ یہ طریق برتنا چاہیے یعنی صرف تین دن تک حزن والم کا اظہار یا تعزیت کے لئے ایک جگہ پر ٹھیرنا اور محض ان رشتہ داروں کو کھانا بھیجدینا جن کو رنج والم کے باعث پکانے کا ہوش نہ ہو باقی جو اور انہونی یا قریب و بعید کنبہ کا اجتماع سب دنیاوی رسوم ہیں جو مدت سے ہیں پیسوں کیا جاہلوں کی طرح بالکل بے سود ہیں۔

باب ششم (۷۶)

مسجد نبوی کا منبر اور حضرت ابراہیم بن رسول اللہ کی ولادت۔ غالباً ہم بیان کر چکے ہیں کہ مسجد نبوی کی تعمیر ابتداءً بیت المقدس کی جانب قبلہ قائم رکھکر کی گئی تھی کیونکہ جس وقت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں ہجرت فرما کر تشریف لائے تھے اس وقت اہل اسلام کا قبلہ بیت المقدس تھا اس لئے اب یہ ظاہر کرنا بھی خالی از لذت نہ ہوگا کہ اس حالت میں سید الانبیاء علیہ الصلوۃ والسلام کے نماز کی حالت میں کھڑے ہونے کی جگہ وہ تھی جس جگہ کھڑے ہو کر اسطوانہ مخلق پشت کی جانب اور باب عثمان کی محاذات میں شام کی جانب توجہ ہوتی ہے اور جب چند ماہ بعد بیت اللہ قبلہ قرار پایا تو چودہ پندرہ روز تک رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اسطوانہ مخلق کے پیچھے جس کو اب اسطوانہ عائشہ کہا جاتا ہے نماز ادا کرتے رہے اور اس کے بعد آپ کا قیام اس جگہ متعین ہوگیا جہاں اب محراب قائم کیگئی ہے زمانۂ رسالت پناہ میں عام مساجد کی طرح متعارف محراب کا رواج نہ تھا اس کی ابتداء ولید بن عبد المطلب کی طرف سے مدینہ کے حاکم مقرر کئے ہوئے عمر بن عبد العزیز کے وقت سے ہوئی ہے۔

مقدس مسجد کی ابتدائی تعمیر کے وقت چونکہ منبر بھی نہ تھا اس لئے محراب کے متصل پچھال کی جانب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہموار زمین کی سطح پر کھڑے ہو کر حاضرین کو خطبہ سناتے اور طول قیام کی وجہ سے کسل عارض ہوتا تو اس لکڑی سے سہارا لگا لیا کرتے تھے جو اس جگہ نصب تھی ۔ہشہ ہجری نبوی کے شروع تک یہی حالت رہی یہاں تک کہ ایک انصاریہ عورت کے غلام میمون نامی نجار نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ اگر ارشادِ عالی ہو تو میں سیڑھی دار منبر بناؤں جس پر بیٹھنا اور کھڑا ہونا بھی آسان ہو جائے اور خطیب کی جگہ بلند ہو جانے کے باعث حاضرین کا خطبہ عالیہ مرتبہ سننا بھی سہل ہو چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمایا اور میمون نجار کی آقا انصاریہ عورت کو کہلا بھیجا کہ اپنے غلام کو میرے لئے منبر تیار کرنے کی اجازت دیدو۔

دینی سردار کے ارشاد کی تعمیل اور خدمت کی سر انجامی کو چونکہ ہر صحابی مرد اور صحابیہ عورت نے باعث عز و وقار سمجھ رکھا تھا اس لئے میمون کو اپنا خیال پورا کرنیکا باسانی موقع ملا اور ۸ھ میں مدینہ سے نو میل کے فاصلہ پر مشہور مقام غابہ کی مستحکم و مضبوط لکڑی کا خوبصورت منبر تیار ہو کر مسجد نبوی میں اُس جگہ رکھا گیا جہاں کہ آج رکھا ہوا ہے۔

یہ منبر دو ذراع لمبا اور ایک ذراع چوڑا تھا جس میں تین درجے تھے اور ہر درجہ کا عرض ایک بالشت اسکا تیسرا درجہ بیٹھنے کے لئے تھا غرض جب منبر شریف مسجد میں رکھا گیا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی جگہ سے نقل فرمایا تو وہ لکڑی جس پر کبھی کبھی تکیہ فرمایا کرتے تھے آپ کے فراقِ صحبت سے یک لخت تڑپ گئی اور سسکیاں لیکر اس طرح رونا شروع کیا جس طرح ذی روح انسان کسی مفارقت محبوب کے صدمہ سے روتا ہے۔

لکڑی کا اس مفارقت کے رنج میں رونا اور اونٹنی کی طرح چلانا ایسا مشہور واقعہ ہے جو متعدد روایات

سے ثابت ہے صحیح و مستند کتابوں میں مختلف اسناد سے بیان کیا گیا ہے کہ وہ لکڑی اس قدر بیقرار ہوئی کہ تمام حاضرینِ مجلس اُس کی قابلِ رحم حالت دیکھکر بے اختیار رونے لگے کیونکہ رقیق القلب اور رحمدل مسلمانوں کو کسی صدمہ بھرے دل کا حسرت و یاس کے لہجہ میں بیتاب ہونا یا چوٹ کھائے ہوئے دل کا بیقرار ہنکر رونا اور چیخنا چلانا گوارا نہ تھا یہانتک کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نیچے اُترے اور جسم مبارک کو لکڑی سے مس کرنے کے بعد یوں فرمایا کہ "اگر تو چاہے تو جس حالت پر تھی اسی حالت پہ تجھکو چھوڑ دوں اور اگر تیری خواہش ہو تو تجھ کو بہشت میں بٹھاؤں کہ وہاں کی نہروں اور چشموں سے سیراب و شاداب ہو"

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس جسم کا مس کرنا اور ان تسلی دہ کلمات کا فرمانا تھا کہ بیجان لکڑی کا گریہ و نالہ بند ہو گیا آخر کار آپ نے یہ فرما کر کہ اس نے دار الخلد کو اختیار کیا منبر شریف کی جانب مراجعت فرمائی۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ اس حدیث کو سُنکر رویا کرتے اور یوں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ "اے بندگانِ خدا تعجب ہے کہ لکڑی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں روئے اور ذی روح انسان یا کسی غلامِ آستانہ مسلمان کی آنکھ نہ پسیجے ؎

سنگے و نباتے کہ درو خاصیتے ہست + یہ ز آدمی داں کہ درو معرفتے نیست

انصاف پسند طبیعتیں اور نبوی معجزات پر نظر ڈالنے والے حضرات بہ نظر تقابل آنکھ اُٹھا کر دیکھیں کہ بیجان لکڑی میں چندروزہ صحبت مصطفوی سے حیات و معرفت کا جو مرتبہ پیدا ہوا ہے اس کو مسیحائی فیضان سے تن بیجان کے جاندار ہونے اور عصائی موسوی کے ذی روح سانپ بنکر دوسروں پر غلبہ پانے سے کیا مناسبت ہے مانا کہ تینوں حضرات کے یہ واقعات معجزہ ہیں مگر ایک عرصہ تک حیات سے مانوس رہنے والے جسم میں پھر علاقہ حیات کا پیدا ہو جانا یا حیات سے محروم لاٹھی کا لایعقل حیوان بنجانا اس قدر بعید نہیں ہے جتنا کہ سوکھی لکڑی کا محض چندروزہ صحبت سے درجۂ حیوانیت پر پہنچکر انسانیت اور انسان میں بھی کامل انسان یعنی صاحب معرفت کا مرتبہ پانا خرقِ عادت معجزہ جو حیوانات کو کیا معنی ہزار ہا انسان کو بھی حاصل نہیں۔

نباتات میں کسی خشک لکڑی کا ذی حیات ہونا اور پھر مفارقت کی حس و عقل اور اس پر طرہ یہ کہ متفرق و مختلف یعنی عام و خاص صحبت میں امتیاز و تفرقہ۔ جدائی سے آگاہی اور آگاہی پر بیتابی و بیقراری اور بیتابی پر گریہ و زاری اور اس کے بعد وصالِ محبوب سے سکون و تسلی یعنی زار زار رونے والوں کی طرح آہستہ آہستہ سسکیاں لیکر خاموش ہونا یہ ایسی باتیں ہیں جن کو صحابۂ کرام نے تو قدر و معرفت کی نظر سے دیکھا ہی ہوگا مگر اتنا ہم بھی ضرور کہہ سکتے ہیں کہ اگر یہ معرفت و مردم شناسی کسی انسان کو نصیب ہو تو اس کو اپنے ہمعصر نوع انسان پر فخر کرنے کا موقع ہاتھ آجائے۔

منبر مقدس خلفاء راشدین کے زمانہ تک اپنے حال پر رہا اور خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنی خلافت سراپا عدالت کے چھ سال گذرنے پر نیچے کے درجے جس کو خلافت صدیقی کے بعد خلیفہ ثانی حضرت فاروق اکبر رضی اللہ عنہ نے تادباً اختیار کیا تھا حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کی جگہ پر گئے اور سب سے پہلے منبر شریف کے لئے جامہ قبطیہ کی پوشش بنائی۔ بعض مؤرخین کی رائے یوں ہے کہ منبر اطہر کو لباس پہنانے والے حضرت معاویہؓ ہیں۔ واللہ اعلم۔

حضرت امیر معاویہؓ اپنے زمانہ امارت میں جس وقت شام سے مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو قصد کیا کہ منبر شریف کو اپنے مقبوضہ ملک شام میں لیجائیں مگر منبر کا جگہ سے ہلانا تھا کہ عالم تاریک ہوگیا عالمتاب آفتاب سیاہ پڑگیا اور یکدم ایسا اندھیرا چھا گیا کہ دن کو تارے نظر آنے لگے گویا رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کئے ہوئے منبر کو دوسری جگہ منتقل کرنا سوء ادب سمجھا گیا۔ یہ حالت دیکھکر امیر معاویہؓ اس قصد سے باز آئے اور فرمایا کہ میرا مقصود منبر کے ہلانے سے یہ تھا کہ دیکھوں اس کی مقدس لکڑی کو زمین نہ کھا گئی ہو اور امتداد زمانہ نے اس کو بوسیدہ نہ بنا دیا ہو بہر حال جو کچھ بھی ہو حق تعالیٰ کو منظور نہ تھا کہ پیارے پیغمبر کی یہ مبارک یادگار اسلامی دار السلطنت مدینۃ الرسول کو چھوڑ کر دوسری جگہ جائے چنانچہ امیر معاویہ نے چھ درجے اور زیادہ کئے اور منبر شریف کو اس جدید منبر پر اٹھا کر رکھا۔

کئی سال بعد جبکہ زمام سلطنت خلفائے عباسیہ کے ہاتھ میں آئی تو خلیفہ مہدی نے قصد کیا کہ امیر معاویہ کی طرح چھ درجے اور بڑھائے مگر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ممانعت کے باعث یہ خیال پورا نہ ہوسکا کیونکہ کسی محترم یادگار کے ساتھ شاہی مباہات کو دخل دینا گویا سلاطین کے لئے ایک نمونہ و یادگار سلطنت یا بقاء نام و تفاخر امارت و حکومت کا مشغلہ قائم کردینا ہے جو عند الشرع پسندیدہ نہیں ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بنوایا ہوا منبر جب طول مدت اور امتداد زمانہ کی وجہ سے بوسیدہ ہوگیا تو خلفائے عباسیہ میں کسی با اقتدار پادشاہ نے منبر کی تجدید کی اور بقایائے منبر نبوی کی کنگھیاں بنائی گئیں مگر افسوس کہ سنہ ۶۵۴ھ ہجری کی مشہور آتش زدگی سے عباسی خلیفہ کا بنوایا ہوا منبر بھی جل گیا اور پھر از سر نو منبر بنوایا گیا جسمیں پادشاہانِ اسلام اپنے اپنے عہد حکومت میں کچھ کچھ تغیر کرتے رہے یہانتک کہ سلطان روم سلطان مراد خاں بن سلیم خاں مرحوم نے سنہ ۹۹۸ھ ہجری میں منبر مقدس رومی پتھر کا بنوایا اور ہفت جوش کا قبہ قائم کیا جس کا تاریخی سال کسی رومی فاضل نے اس عبارت میں ظاہر کیا ہے "منبر ائمہ سلطان مراد"

سلطان مراد خاں مرحوم کے بعد کسی پادشاہ نے منبر شریف میں تغیر نہیں کیا البتہ حسب ضرورت و وقت ترمیم ہوتی رہی چنانچہ سلطان عبد المجید خان بن سلطان محمود خاں نے جبکہ مسجد نبوی کو از سر نو تعمیر کرایا اور سنہ ۱۲۷۷ھ ہجری

میں عمارت سے فراغت پائی تو اسی منبر کو اپنی جگہ قائم کیا اور شاید کچھ ترمیم ہوئی ہو مگر تجدید یا تغیر نہیں ہوا جیسا کہ کتب تواریخ سے ثابت ہے۔
اسی سال یعنی ۸ھ میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم عفت مآب خاتون ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے اور جس خوش نصیب صحابی نے یہ راحت بخش مژدہ حضرت تک پہنچایا ان کو مسرت و خوشی میں ایک غلام عنایت کیا گیا۔
مسجد نبوی قریظہ سے شمال کی جانب نخلستان کے درمیان حرہ شرقیہ کے نزدیک بغیر چھت کی ایک چار دیواری ہے جس کا طول مشرق سے مغرب کی طرف چودہ گز اور عرض قبلہ سے شام کی جانب گیارہ گز ہے۔ یہ مقام مسجد مشربہ ام ابراہیم رضہ کے نام سے مشہور ہے۔ کیونکہ مشربہ کے معنی عربی لغت میں باغ کے ہیں اور چونکہ حضرت ابراہیم رضہ کی والدہ ماریہ قبطیہ رضہ کا یہاں باغ تھا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس جگہ نماز پڑھنا بھی ثابت ہے اس لئے یادگار کے طور پر مسجد قائم کر دی گئی ہے۔ یہیں حضرت ابراہیم پیدا ہوئے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے چند باغات بھی یہیں تھے۔ جن کو فقراء پر وقف فرما دیا تھا۔
ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت اصحمہ نجاشی پادشاہ حبشہ نے مشرف باسلام ہو کر تحائف میں دو قبطی النسل بہنیں ہدیۃً رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجی تھیں جن میں حضرت ماریہ کو حضرت نے اپنے لئے پسند فرمایا تھا یہی عفت مآب خاتون حضرت ابراہیم کی والدہ ہیں جن کے ساتھ حسن سیرت و حسن صورت دونوں نعمتوں سے فائز ہونے کے باعث نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو خاص انسیت تھی اور چونکہ بی بی صدیقہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کی نسبت ایک غیرت اور بشریت کی بنا پر وہ رقابت پیدا ہوئی تھی جو عموماً ایک عورت کو اپنی سوتن سے ہونی چاہیے۔ اس لئے حضرت نے ماریہ قبطیہ کو حارث بن نعمان کے مکان سے منتقل کر کے عوالی مدینہ میں اس مقام پر لا رکھا جہاں یہ مبارک مسجد ہے اور اس جگہ کبھی کبھی تشریف لاتے اور دیکھ جایا کرتے تھے چنانچہ اسی جگہ حضرت ماریہ کو صاحبزادہ کی وہ نعمت و دولت نصیب ہوئی جس سے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بعد دوسری عورتیں محروم رہیں۔

باب (۷)

سریہ خبطہ اور حرقات جہینہ۔ مسلمانوں کی مختصر مگر متوکل و پاکباز اور باہمت و عالی حوصلہ جماعت اسلامی شان و شوکت بڑھانے اور دینی رفعت و غلبہ کے سامان میں اس طرح ساعی و کوشاں تھی جس طرح مشفق و مہربان ماں اپنی ہونہار اولاد کی تربیت میں یا نمک خوار و تابعدار ملازم اپنے محسن و مربی آقا کی ترقی و عروج میں کوشش کرتا ہے۔
اس مخلص گروہ نے اعلاء دین میں جفاکشی کو اپنا فخر اور مذہبی ترویج میں سفری صعوبتوں اور بھوک پیاس کی ناگوار مصیبتوں کو مایۂ ناز سمجھ رکھا تھا کیونکہ اسلامی تعلیم نے آنیوالی بیش قیمت زندگی کا یقین دلا کر آخرت کی جاوید لذتوں کی جانب متوجہ بنا دیا تھا اور ہر مسلمان اپنی خلقت و پیدائش کے اصلی مقصود کو مدنظر

رکھنکر مان چکا تھا کہ دنیا کے تمام فانی تعلقات کے منقطع ہوئے پیچھے ایسے ان دیکھے عالم کو دیکھتا ہے جس کی تکلیف برداشت ہونی دشوار ہی نہیں بلکہ محال ہے۔

مسلمانوں کے ہاتھوں میں آیا ہوا مقدس مذہب اسلام جس مصیبت کے بعد ہم تک پہنچا ہے اسکا اندازہ ان ابتدائی واقعات کے سُننے یا پڑھنے سے ہو سکتا ہے کہ اسلامی دنیا کے ابتدائی باشندے مہینوں کھانے کو ترسے اور کئی کئی ہفتے بھوکے پیاسے دشمنوں سے لڑے ہیں جس کی نظیر دنیا کی موجودہ اقوام اور مختلف مذاہب میں ذرا مشکل سے ملیگی۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان فانی و بے حقیقت لذتوں کے مقابلہ پر پچھلی زندگی کی سنوارنے والی پایدار آسائش کو مقدم سمجھنا ہی اس بہتر نتیجہ کا باعث ہوا کہ آج ان بزرگ مقدس راہبر اور ہادی دین حضرات کے مبارک نام مسلمانوں ہی کی زبان پر نہیں بلکہ مخالفین اسلام کی زبانوں پر بھی اُس عزت کے ساتھ آتے ہیں جو کسی مذہب کے قائم کرنے والوں کو نصیب نہیں ہوئی۔

کوئی مذہب یا قلبی خیال کیسا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو نا آشنا کانوں میں ڈالنا اور خالی الذہن ہمعصر افراد انسان کے دلوں میں بٹھانا جیسا بھی دشوار مانا گیا ہے اس کو ہر قوم و ملت کا دل جانتا ہے مگر آج دنیا میں مسلمانوں کے سوائے یہ فقرہ کہنے کا کسی کو مُنہ نہیں ہے جو ترقی ہمارے قابل افتخار سلف کو نصیب ہوئی ہے وہ کسی کو نصیب نہیں ہوئی کیونکہ ابتداء دنیا سے ہر بانی مذہب نے انسانی جماعت میں ترقی کی کوشش کی سنکھیامنی (بدھ مذہب کا بانی) اور افلاطون وغیرہ ہر ایک نے اپنے دلی خیالات کی ترویج میں سرگرمی دکھائی لیکن افسوس کہ ان کے خیالات پورے نہ ہونے پائے اور وہ سب کے سب اپنے مقصد کو پورا کئے بغیر اس دنیا سے اس وقت رحلت کر گئے جبکہ ان کے اہم کام کا سنبھالنے والا یا نیابتہً مذہبی عقائد و اصلاح کا قائم رکھنے والا معتقد خادموں میں کوئی نظر نہ آیا۔ یہ مہتم بالشان کام خونخوار شاگردوں اور ظلم پسند بادشاہوں کے حوالہ ہوا جس میں اسائی قوم کا بادشاہ قسطنطین اور بدھ مذہب کا ماتحت حامی آشوکا یا زردشتیوں کا نائب حاکم دارا اور اسرائیلی قوم کا سردار یوشا ان امور کی تصدیق کر رہا ہے ہاں سچ ہے اور ضرور سچ ہے کہ یہ فضیلت صرف پیارے سردار رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے امانت رکھی گئی تھی کہ آپ اپنی رسالت اور جملہ پیغمبروں یا ہادیوں کی سفارت و ہدایت بذات خود پوری کریں۔ یہ صرف آپ ہی کی مستجمع الصفات ذات کے لئے مخصوص تھا کہ کل روحانی اور اخلاقی نعمتوں کی تکمیل ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔

ایک لاکھ سے زیادہ بندگان خدا کو سچے معبود اور ایک خدا کا کلمہ پکارتے ہوئے کانوں سے سُنیں اور گروہا گروہ بنی نوع انسان کو باہمی اتفاق و اخوت کے ساتھ مذہبی مقدس ارکان یا دینی پاک اصول برتتے ہوئے چھوڑیں کامل مکمل شریعت اور بے عیب و لازوال نعمت کو ایسے قابل اطمینان اور اہل و قدردان معتقدین کی ہاتھوں

میں دیگر رخصت ہوں جن میں جفاکشی و مستعدی صلاحیت و تقویٰ، زہد و ریاضت۔ رفاہیت عامہ و رحمدلی۔ رعایا پروری و خدا ترسی کی وہ شان جلوہ گر ہو جو مستقل طور پر خداوندی سفیر کی ذات میں ہونی چاہئیں اس لئے دعوی کے ساتھ پکار کر کہا جاتا ہے کہ اگر کسی ملت و مذہب کو اپنے اسلاف اور بانی و ہادی کے ذاتی قابل تعریف حالات یا باعث فخر ترقی و نمایاں عروج پر ناز ہو تو سامنے لائے اور مقابلہ کرائے۔ مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید جذبی قوت و روحانی اصلاح کی پرکھنے والی کسوٹی پر کسے جاتے وقت پیراں نہ می پرند و مریداں می پرانند کی قابل نفرت کھوٹ یا افضلیت و برتری اور سیادت و فوقیت کی جانچ پرتال کی حالت کھل سکتی ہے اور اس سے پہلے پہلے

ہر کس کہ نداند و بداند کہ بداند ✤ درجہل مرکب ابدالدہر بماند

اسلامی فلک کے ماہتاب نے اپنے فیض یافتہ کواکب سیارہ کو چاروں طرف نور پھیلانے کیلئے پھرانے میں کسی وقت تغافل نہیں کیا چنانچہ اسی سال ۸ھ میں تین سو مسلمانوں کا گروہ حضرت عامرؓ بن عبداللہ فہری قریشی یعنی ابو عبیدہؓ بن جراح کی ماتحتی میں ساحل سمندر کی جانب اُس قریشی کارواں کی تکفی میں روانہ کیا گیا جو بحر عرب کے کنارے کنارے جا رہا تھا چنانچہ یہ لوگ اسی انتظار میں کامل پندرہ دن ساحل بحر پر پڑے رہے مگر کارواں سے مٹ بھیڑ نہ ہوئی۔ اس غزوہ کا نام اسی وجہ سے سیف البحر ہے کیونکہ سیف کے معنی عربی زبان میں ساحل اور کنارہ کے ہیں۔

کس کو خبر تھی کہ اس چند روزہ سفر میں اتفاقیہ صرف اس قدر مدت صرف ہوگی اور ساتھ لیا ہوا موجودہ توشہ ناکافی ثابت ہوگا۔ اس لئے چند ہی روز بعد بھوک کی ناقابل برداشت مصیبت کا سامنا ہوا اور امیر لشکر کو خبر دی گئی کہ موجودہ زاد راہ ختم ہو چکی اور اسلامی لشکر کو فاقہ کی نوبت پیش آنیوالی ہے چنانچہ تمام لشکری سپاہیوں کے بچے ہوئے چھوارے جمع کئے گئے تو دو مختصر تھیلیاں بھریں جو پوری سیری کے لئے تین آدمیوں کو بھی کافی نہ تھیں اس لئے حکم دیدیا گیا کہ یہ مشترکہ توشہ روزانہ تمام لشکر پر بحصہ مساوی تقسیم کیا جائے چنانچہ یہ سفری قوت تھوڑی تھوڑی مقدار میں سب کو بانٹی گئی اور آخر جب اس کے بھی ختم ہونے کا وقت آیا تو حکم دیا گیا کہ ایک ایک چھوارے سے زیادہ کسی سپاہی کو نہ دیا جائے کیونکہ اس مقدار پر بھی وہ ایام ختم ہوتے نظر نہ آتے تھے جن میں بھوک کی تکلیف برداشت کرنیکا خیال یقین کے درجہ پر پہنچ چکا تھا۔

ایک چھوارے کی خوراک اور اس پر سفری صعوبت و جفاکشی مگر قہر درویش بجان درویش اس پاکباز جماعت نے اسی پر قناعت کی مگر تا کجے آخر یہ بھی ختم ہو چکا اور فاقہ کشی کا وہ ہولناک منظر دیکھنا پڑا جس نے جنگلی کانٹے دار درختوں اور ریگستانی جھاڑیوں کے سوکھے ہوئے پتے جھاڑنے اور پیٹ میں ڈالنے پر مجبور کیا اور یہی سبب ہے کہ اس سریہ کا دوسرا نام سریہ خبطہ اور ذات الخبط ہے کیونکہ خبط کے معنی عربی لغت میں درخت

کے پتے جھاڑنے کے ہیں۔

قدرت نے جو چیز انسان کی معاش مقرر کی ہے وہی درحقیقت قوت قائم رکھنے کے لئے موزوں ہے خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ انسانی معدہ کسی خاص اناج یا نباتی پیداوار کے کھانے کا خوگر ہو مگر جو مجبوری فاقہ مست پیٹ پر تین تین چار چار پتھر بندھواتی ہے وہی بیکسی و ناچاری کسی حد پر ترقی کر کے جانوروں کی قابل تنفر خوراک کھلانے اور بناسپتی یا سوکھے پتے چبانے کی جانب مضطر کرتی ہے اس لئے صحابۂ کرام نے بضرورت جھاڑیوں کے پتوں کو غذا بنایا۔ لیکن جو حالت گذری ہوگی اس کا وہی حضرات خوب اندازہ کر سکتے ہوں گے جن کو یہ واقعہ پیش آیا تھا۔

انصاری متمول رئیس حضرت سعدؓ بن عبادہ کے باہمت صاحبزادے حضرت قیس رضی اللہ عنہ بھی اسی گروہ میں سپاہیانہ حیثیت سے داخل تھے اپنے رفقائے سفر اور ہمراہی لشکر کی یہ بری حالت دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اسی حالت میں ایک لشکری سپاہی نے کہا کہ "اگر اس نازک حالت میں مطلوبہ کارواں سے مٹ بھیڑ ہو جائے تو وہ فاقہ مست مصیبت زدہ سپاہی جن کو ہلنے کی بھی تاب نہیں ہے کیا کر سکتے ہیں" اس حسرت بھرے مایوسانہ فقرے نے حضرت قیس کے دل پر اثر کیا اور یہ بے چین ہو کر آگے بڑھے اگرچہ جائداد و ریاست کے مالک پدر بزرگوار کے زندہ ہونے کی وجہ سے بذات خود تہیدست و غیر مختار تھے مگر شفیق و کرم گستر باپ کے ناز پروردہ صاحبزادے نے کچھ خیال نہ کیا اور ساحل سمندر پر آباد باشندوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ "ہے کوئی جو چند اونٹ میرے ہاتھ ان مدنی چھواروں کے عوض ادھار فروخت کر دے جن کو زندہ واپس ہو کر مدینہ ادا کرنے کا میں ذمہ دار ہوں" چنانچہ ایک شخص باہر نکلا اور پانچ راس شتر حضرت قیسؓ کے ہاتھ فروخت کئے۔

سخاوت پسند رئیس زادے نے اونٹوں پر قبضہ کرنے کے بعد تین دن کے اندر یکے بعد دیگرے تین اونٹوں کو ذبح کیا اور مذبوحہ گوشت اسلامی لشکر کو تقسیم کر دیا مگر چوتھے دن امیر لشکر کی سخت ممانعت کے باعث اونٹ ذبح نہ ہو سکا کیونکہ سواری کے جانوروں کا ذبح کیا جانا زیادہ تر گوارا نہ تھا اور نیز باپ کی حیات میں دست نگر اولاد کا مال و متاع پر مالکانہ تصرف نہ ہونے کی وجہ سے حضرت قیسؓ پر تشدد کیا گیا کہ زیادہ مال کے قرض کی ادائیگی بحالت موجودہ تم کو دشوار ہے اس لئے اب کوئی اونٹ خیرات نہ کرو اور گو حضرت قیسؓ نے عرض بھی کیا کہ "اے امیر المؤمنینؓ میرا وہ عالی حوصلہ باپ جو مسکین و محتاج مسلمانوں کا پیٹ بھرنا باعث فخر سمجھتا ہے میرے اس فعل کو وقعت کی نگاہ سے دیکھے گا اور وہ انصاری رئیس جس نے ہر اجنبی قرضدار انسان کو بھی بار قرضہ سے سبکدوش کرنا مایۂ ناز سمجھ رکھا ہے مجھ پر پڑے ہوئے اس قرضہ کو بخوشی ادا کریگا جو میں نے اللہ کے مقبول بندوں اور مجاہد سپاہیوں کی جان بچانے کے لئے سر پر رکھا ہے مگر ان کے قول کی سماعت نہ ہوئی اور صرف اس وجہ سے کہ حضرت قیس رضؓ

پدری جائداد میں غیر مختار تھے حضرت عمر بن خطابؓ کا قطعی مشورہ یہی ہوا کہ حضرت قیسؓ کو شتر ذبح کرنے کی امیر لشکر کی طرف سے ہرگز ہرگز اجازت نہ ہونی چاہیے آخر مجبور چوتھے دن اسلامی لشکر کو پھر اسی مصیبت کا سامنا ہوا جو تین دن کے لئے موقوف ہوگئی تھی۔

مصیبتوں پر فخر کرنے والے مسلمان اور جفاکشی کے خوگر سپاہی ہر حالت پر اس سچے معبود کے شکرگذار تھے جس نے ان کو ان قابل قدر احکام کی تعلیم فرمائی تھی یہ ناز پروردہ نونہال اپنے پیدا کرنیوالے با قدرت پروردگار کے مقبول اور لاڈلے بندے تھے اس لئے دریائے رحمت میں جوش آیا اور غیبی اعانت و قدرتی مہمانی کی تیاری شروع ہوگئی یعنی یکایک سمندر میں تحریک و تموج پیدا ہوا اور پچاس ہاتھ طویل مچھلی کنارے پر آپڑی جو اسلامی لشکر کے لئے اٹھارہ دن کی خوراک کے لئے کافی ہوئی۔

بحری مخلوق کی عظمت و کثرت سے سمندری راستے قطع کرنے والے انسان واقف ہیں کہ اس سطح زمین سے چہار گنی ترقی میں حق تعالیٰ نے کیسے کیسے عظیم الشان جانور پیدا کئے ہیں جن کی حیات کا مدار پانی پر ہے خصوصاً سیاحان بحر جن کو دنیا کے سات سمندروں میں کسی سمندر کے عبور کرنے کا اتفاق ہوا ہے انکو غالباً ایسی مچھلیاں بھی نظر آئی ہونگی جن میں ہر مچھلی کو ایک مستحکم و مضبوط آگبوٹ اور اس کے آہنی ستونوں کے توڑنے یا نگلجانے میں بھی وقت پیش نہیں آتی اس لئے ایک ایسی مچھلی پر اس مختصر لشکر کا اٹھارہ دن گذارا ہونا کچھ بعید نہیں ہے جس کی بابت اس کے دیکھنے والے صحابی کا بیان ہے کہ اس کی ہڈی زمین پر کھڑی کی گئی تو ایک اونچا شتر محمل سمیت بغیر کسی جانب مس کئے اور گڑے ہوئے اس کے نیچے سے نکل گیا اور اس کی آنکھ کے حلقہ میں منوں آتا گوندھکر خمیر کیا گیا

بھوکے پیاسے لشکری سپاہیوں کو یہ نعمت غیر مترقبہ نظر آنے پر جو کچھ بھی حیرت و مسرت ہوئی ہوگی وہ ظاہر ہے حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امیر لشکر حضرت ابو عبیدہؓ کے حکم سے جبتک بھی ہم لوگ سفر میں رہے پندرہ دن سے زیادہ اسی سمندر کی پھینکی ہوئی مچھلی کا گوشت کھاتے اور چربی بدن پر ملتے رہے جس کو عنبر کہا جاتا ہے یہاں تک کہ تیل کی مالش سے لاغر بدن فربہ اور خالی معدہ کی خوراک پہنچنے سے اجسام تر و تازہ اور چست و چالاک ہوگئے۔ یہی ماہی عنبر ہے جس کے خوشبودار فضلہ کو عنبر کہا جاتا ہے جو بلاد ہند میں اسّی روپیہ تولہ بھی دستیاب ہونا دشوار ہے۔

سریہ ذات الخبط کے مدینہ واپس آنے پر صحابہ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے سب حالات بیان کئے۔ اور عنبر ماہی کا باقیماندہ گوشت سامنے رکھا جس کو سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تناول فرمایا اور حضرت قیسؓ کی قابل تحسین سخاوت پر یہ الفاظ ارشاد کئے کہ "جود و سخا اس گھرانے کی جبلی خصلت ہے"۔ حضرت سعد بن عبادہ نے اپنے باہمت بیٹے کی عالی حوصلگی پر آفریں کی اور پانچ باغ اس کارنمایاں پر بطور صلہ و انعام انکے نام لکھدیئے جنہیں

چھوٹے سے چھوٹے بلاغ کی فصلی پیداوار پچاس وسق تھی چنانچہ حضرت قیسؓ نے اُدھار خریدے ہوئے اونٹوں کی قیمت ادا کی اور خرص نخواہ کو ایک حلہ اور سواری کا جانور عطا فرما کر نہایت عزت کے ساتھ رخصت کیا۔

اسی سال حضرت زیدؓ شہید کے صاحبزادے حضرت اسامہؓ ایک مختصر اسلامی جماعت کے سردار بنا کر جہینش بن عامر کی سرکوبی کے لئے روانہ کئے گئے جس نے بیجا ظلم و تعدی آتشِ قتال کی برافروختگی کے باعث حرقہ کا لقب پا رکھا تھا اور چونکہ اس کے جداعلیٰ جہینہ نامی کی اولاد میں سرکش قبائل متعدد اور بطون مختلف تھے اس لئے حرقہ جمع کے صیغہ سے حرقات کہا گیا اور اسی وجہ سے یہ سریہ حرقات جہینہ کہا جاتا ہے۔

اس سریہ میں حضرت اسامہ بن زیدؓ امیر الجیش اور سردار لشکر مقرر ہوئے تھے اور چونکہ حضرت اسامہؓ کا امیر الجیش ہونا ان کے والد ماجد حضرت زیدؓ کے اس غزوہ موتہ میں شہید ہو جانے کے بعد متیقن ہے جو ماہ رجب ۸ھ ہجری میں زمینِ شام پر ہوا تھا اس لئے امام بخاریؒ کا یہ خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ یہ لشکر کشی ۸ھ میں ہوئی مگر دیگر مؤرخین اور اہلِ مغازی کی یہ رائے ہے کہ اس غزوہ کا دوسرا نام سریہ غالب بن عبداللہ اللیثی ہے جو مقام سیفعہ کی جانب واقع ہوا ہے اور روایات متعدد سے غزوہ موتہ کے قبل یعنی ۸ھ کے ماہ رمضان میں اس کا ثبوت ہے اس لئے ماننا پڑیگا کہ حضرت اسامہؓ امیر الجیش نہ تھے کیونکہ حضرت زیدؓ شہید کی حیات میں ان کے صاحبزادے حضرت اسامہؓ کا سردار لشکر ہونا کسی تاریخی کتاب سے ثابت نہیں ہے بہرحال یہ اختلاف لشکری سپہ سالاری اور رسائل و فروع میں ہے اصل غزوہ یعنی حرقات جہینہ کی جانب اسلامی فوج کشی ہونے میں کسی کا خلاف نہیں۔

صبح صادق نمودار ہو چکی تھی روزِ روشن کا پیش خیمہ آسمانی افق پر قائم ہو لیا تھا کہ اسلامی فوج اُن بدوی اقوام اور دہقانی سرکشوں کے سر پر آ پڑی جو جہینہ کی اولاد میں ریگستانی زمین پر قتل و قتال اور جنگ و جدال میں مشہور تھے مگر اسلامی شان و شوکت اور کروفر اس حد تک ترقی کر چکی تھی کہ حرقات جہینہ جیسے خونخوار ڈاکوؤں کو بھی مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی چنانچہ اسلامی مبارک نشان جو صبح کی ٹھنڈی ہوا میں جھونکے لے رہا اور کسی خاص انداز کیساتھ لہرا رہا تھا نظر آتے ہی راہزن بدوؤں اور قتل پسند دہقانیوں نے فرار کے سوا کسی دوسری صورت میں مخلصی نہ دیکھکر بھاگنا شروع کیا اور مسلمانوں نے کامیابی و غلبہ اور فتح و نصرت کے مبارک قدم آگے بڑھا کر دشمن کے مال و جان پر قبضہ کرنے میں سرگرمی دکھائی۔ اسلامی لشکر ہزیمت خوردہ قبیلہ کا تعاقب کر رہا تھا کہ حضرت اسامہؓ ایک انصاری مسلمان کے ساتھ جہینی بدو مرداس بن عمر یعنی ابن فہید فدکی کے سر پر جا کھڑے ہوئے اور چاہا کہ اس کی گھبرائی ہوئی جان خدا کے مقدس فرشتے ملک الموت کے حوالہ کریں۔

مغرور جہینی بدو یہ نازک وقت نظر کے سامنے دیکھکر حیران ہو گیا اور یہ سمجھکر کہ مسلمان ہوئے بغیر نجات ملنی محال ہے باآواز بلند پکار اُٹھا کہ "لا الٰہ الا اللہ" مگر اس بہادر سردار نے جس کی رگوں میں اسلامی خون

جوش مار رہا تھا اس ایمان کی مطلق پروا نہ کی اور اس گمان پر کہ اس مجبوری کے وقت کا اقرار توحید چونکہ خلوص وخوفِ الٰہی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ جان بچانیکی نیت سے ہے اپنے نوکدار نیزہ کو سنبھالا اور اس زور سے نو مسلم موحّد کے مارا کہ مرداس بن عمر کی نعش عرب کی پہاڑی زمین پر تڑپتی ہوئی نظر آئی اور دو چار مرتبہ ماہی بے آب کی طرح ادھر اُدھر کی کروٹیں لیکر ٹھنڈی ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسلامی مقدس تعلیم اس کے بالکل خلاف تھی کیونکہ زبان سے اسلامی کلمہ کے ظاہر ہوئے پیچھے مجاہد سپاہی کو ہاتھ کا روک لینا فرض ہے اور چونکہ کسی شخص کی قلبی حالت کا علم سوائے خدا کے کسی شخص کو نہیں ہوسکتا اس لئے غازی لشکر کو یوں حکم دیا گیا کہ "جبتک ایمان نہ لائیں اسوقت تک لڑو اور جب کلمۂ شہادت زبان پر جاری ہو فوراً رک جاؤ" مگر حضرت اسامہؓ کا اسلامی جوش اور ابتدائی ناواقفیت یا یوں کہیئے کہ اپنے خیال کی غلطی اور خلوص للّٰہیت کی محبت نے اس حرکتِ شنیعہ پر مجبور کیا جس کو سُنکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی حضرت اسامہؓ پر عتاب ہوا اور سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب و افسوس کیساتھ اسامہ سے یہ فقرہ کہا کہ "لا الٰہ الا اللہ کہے پیچھے بھی تو نے اس کو قتل کر دیا۔؟"

حضرت اسامہؓ اپنی اس غلطی پر اس قدر نادم ہوئے جو معافی ومغفرت کیلئے کافی ہو بلکہ یوں فرمایا کہ "کاش میں اس قصہ کے بعد مسلمان ہوا ہوتا" یعنی بہتر تھا کہ ایسا کبیرہ گناہ حالتِ اسلام میں ظاہر نہ ہوتا جس پر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا اس قدر عتاب ہوا ہے۔ اسلامی محقق شیخ قرطبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ مرداس نو مسلم کے مارے جانے پر حضرت اسامہؓ سے دیت بھی لی گئی کیونکہ مقدس مذہب اسلام میں اسلام لانیکی وجہ کا اعتبار نہیں کیا گیا بلکہ اس کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ پاک نور قلب میں پڑ جانا چاہیئے خواہ کسی وجہ سے بھی ہو پھر ایمان کی حلاوت اپنی جگہ خود کر لیتی اور آثارِ عبودیت یا اخلاص وپاک نفسی کے لذیذ وخوشگوار پھلوں کو پیدا کر دیتی ہے۔

سب جانتے ہیں کہ کسی تخم کا زمین میں پہنچانا ہی دشوار ہے اور اسکے بعد تخم کے اندر رکھی ہوئی تاثیر جگہ پکڑنے اور جڑ نکالنے یا شاخ وبرگ وبار پیدا کرنے کیلئے کافی ہے ہاں اگر تخم ریزی کے بعد کوئی چیز نافع ہے تو موانع وعوائق کا انقطاع اور مؤید ومعین قوتوں کا التصاق۔ اسی طرح نو مسلم کی پختگی کو بار آور بنانیوالی شئے بدکار کفار کی صحبت سے احتراز یا صلحاء وابرار کے پاس اٹھنے بیٹھنے کا التزام بیشک ہوسکتا ہے اور شروع اسلام لاتے وقت اسکا لحاظ کہ نمود وریاکاری اور مالی طمع یا دیگر امور اس کے باعث ہیں محض فضول اور اسلامی شان کے خلاف ہے۔

باب (۴۷)

فتح مکہ کی تیاری اور حاطبؓ بن ابی بلتعہ۔ تھوڑا زمانہ گذرا ہے کہ میدانِ حدیبیہ میں اہل اسلام اور کفار کے مابین مصالحت ہو چکی ہے اور تحریری عہد وپیمان جانبین کے دستخط سے یہ امر قرار پا چکا ہے کہ تا اختتام مدت

صلح نہ باہم جنگ ہوا اور نہ اپنے ہم عہد مددگاروں کا باہم تسیم حلفاً مقابلہ پر دوسر فریق کھڑا ہو مگر افسوس کہ کفار مکہ کو اپنے لکھے ہوئے صلحنامہ کی دفعات اور دستخطی تحریرات کا بھی لحاظ و پاس نہ رہا اور ۸ھ ہجری نبوی میں قوم بنی خزاعہ پر جو مسلمانوں کی محافظت میں تھے قریش کے ساتھی قبیلہ بنی بکر نے حملہ کیا اور گو دشمن کے سر پر آ کھڑے ہونیکے وقت بنی خزاعہ کو حفظ جان و مال کیلئے مدافعت کرنی پڑی اور اس وجہ سے یہ آپس کی لڑائی طرفین میں ہوتی نظر آئی مگر درحقیقت زیادتی بنی بکر کی تھی کیونکہ انھیں کی طرف سے اول شبخون مارا گیا اور خزاعہ کے بیس آدمی قتل کر دیئے گئے

صرف یہی نہیں کہ اسلامی ہم عہد قبیلہ پر کفار کی ہم قسم قوم نے ظلماً حملہ کیا ہو بلکہ معاہدہ حدیبیہ کے خلاف قریشی سرداروں نے بھی بنی بکر کی خفیہ طور پر یہانتک مدد کی کہ عکرمہ بن ابی جہل وغیرہ چند صنادید قریش خود بھی مددگار بنکر منہ چھپائے ہوئے میدان میں آئے اور اس طرح پر جنگ آزمائی کی کہ اس مخفی شرکت کو چھپا رکھیں مگر غیبی فرشتہ اور ربانی وحی کے بصد رہتے کسی ایسے اہتم بالشان معاملہ کا پوشیدہ رہنا دشوار تھا جس کے ضمن میں حق تعالیٰ کو شوکت اسلام کا اظہار اور شاہنشاہی دار السلطنت یعنی بیت اللہ کا نجاست شرک و بت پرستی سے منزہ کرنا مقصود تھا اس لئے سارے واقعہ کی بذریعہ وحی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی بلکہ اسی شب مظلوم قبیلہ خزاعہ کے رجز پڑھنے والے مستغیث کے وہ اشعار کان میں ڈالے گئے جو میدان جنگ کے ہولناک منظر میں پڑھتا ہوا اپنی مظلومیت و بے قصوری اور اپنے ہم عہد اسلامی لشکر سے اعانت و فریادرسی کی خواہش ظاہر کر رہا تھا۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت جبکہ یہ جانکاہ حادثہ ریگستانی پہاڑیوں میں ہو رہا تھا بی بی خاتون ام المؤمنین حضرت میمونہ رضؓ کے دولتکدہ میں تشریف فرما وضو کر رہے تھے یکایک غیبی اطلاع سے خزاعی مستغیث کی فریاد کان تک پہنچی اور آپؐ "لبیک لبیک لبیک" پکار اٹھے گویا اعانت کے لئے تشریف لیجانے کے لئے ہوا ہی کلمہ سے تہیہ سفر کا خیال ظاہر فرمایا جس کو سنکر حضرت میمونہ حیران ہو گئیں کیونکہ بلانیوالا داعی یا پکارنیوالی آواز ان کے کان میں نہ پہنچی تھی۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہؓ کے جواہی کلمہ کے اظہار کا سبب دریافت کرنے پر اور بی بی عائشہ خاتونؓ سے بطور خود صبح کے وقت قصہ بیان کیا اور فرمایا کہ قریش نے قبیلہ بنی بکر کے مددگار بنکر بنی خزاعہ پر شبخون مارا اور میں بنی خزاعہ کی طرف سے مدد کے لئے بلایا گیا ہوں چنانچہ تین دن کے بعد عمر بن سلام خزاعی نے مدینۃ الرسول پہنچکر صحابہ کی موجودگی میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے من اولہ الی آخرہ تمام قصہ نظم میں عرض کیا اور ظاہر کر دیا کہ قریش نے معاہدہ حدیبیہ کی مخالفت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اس لئے مسلمانوں کی طرف سے بھی فوج کشی ہونی اور بیت اللہ دھرم سر کشوں سے خاطر خواہ انتقام لینا چاہیئے۔

ادھر بنی خزاعہ کے سفیر عامر خزاعی نے قومی درخواست تصفیہ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کی اور اُدھر قریش مکہ کو یہ خیال ہوا کہ معاہدہ کی مخالفت اور ہم لوگوں کی خفیہ اعانت چھپائے چھپ نہ سکے گی یعنی اسلامی سپہ سالار کو جسوقت بھی اسکی خبر پہنچے گی وہ ضرور فوج کشی کرینگے اسلئے پیش بندی کے طور پر ابوسفیان کو مدینہ روانہ کیا تاکہ آئندہ پیش آنیوالے واقعہ کیمتعلق خفیہ حالات معلوم کرے اور مدّتِ صلح کو حکمتِ عملی کیساتھ بڑھاکر اطمینان کی زندگی گذارنے کیلئے ہموطن قوم پر احسان کرے چنانچہ ابوسفیان مکہ سے باہر نکلا اور منازل طے کرتا ہوا مدینۃ الرسول میں اس سے پہلے آپہنچا کہ اسلامی لشکر مکہ پر یورش کرنے اور اہل مکہ سے انتقام لینے کے لئے تہیہ سفر کرے۔

ابوسفیان کی بیٹی حضرت ام حبیبہؓ ازواج مطہرات میں داخل تھیں اور گو اسلام و کفر کا تفاوت ہوتے ہوئے کسی اتحاد و یگانگت کا خیال عبث تھا مگر تاہم صُلبی رشتہ کی بنا پر ابوسفیان نے بیٹی کے پاس جانا ضروری سمجھا اور سیدھا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے دولتکدہ میں اس حجرہ کے اندر پہنچا جو حضرت ام حبیبہؓ کا کہلاتا تھا اور چاہا کہ اس بچھونے پر بیٹھے جو گھر میں بچھا ہوا تھا مگر حضرت ام حبیبہؓ نے نہ چاہا کہ سید البشر کے بستر پر ایسا شخص بیٹھے جو شرک کی نجاست سے ملوث ہے اس لئے باپ کا خیال معلوم کرکے فوراً اٹھیں اور بوریا لپیٹ کر ایک جانب رکھدیا اور کہا کہ طاہر و مطہر پیغمبر کے بیٹھنے کا پاک فرش شرک کی پلیدی سے آلودہ کافر کے بیٹھنے کے لئے نہیں ہے۔

پیاری بیٹی کی یہ بے باکانہ حرکت ابوسفیان کو نہایت ناگوار گذری اور اس نے شرمندہ ہوکر کہا کہ افسوس مجھ سے علیحدہ ہوکر تیری عادت بدل گئی اور ایسی خراب ہوئی کہ بڑوں کی تہذیب کا بھی پاس نہیں رہا جو ایک شریف النسل قوم کے لئے بیوقوفی و حماقت کا بدنما دھبہ ہے۔

حضرت ام حبیبہ رضؓ جواب دیئے بغیر نہیں رہیں اور کہا کہ افسوس میرا باپ جو اپنی قوم کا سردار کہلاتا اور عقل و سمجھ کا دعویٰ کرتا ہے وہ پتھر کی مورت کو پوجتا اور بیکس و بے زبان بتوں کی پرستش کرتا ہے۔ تعجب ہے کہ میری اسلامی ہدایت پر افسوس کیا جائے اور اپنی سخافت عقل پر خیال بھی نہ ہو۔

ابوسفیان بیٹی کے اس بے تکلف جواب سے اور زیادہ متعجب ہوا اور یہ کہکر کہ "تو نے میری ہتک عزت اور بے حرمتی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اپنا آبائی دین چھوڑ بیٹھی اور مجھ کو بھی قدیمی مذہب کے ترک کرنے کی رغبت دلاتی ہے" وہاں سے اُٹھ کھڑا ہوا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوا تاکہ تجدید عہد اور تطویل مدت مصالحت میں گفتگو کرے مگر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ التفات نہ فرمایا اور ابوسفیان کو اپنی اس لاطائل تقریر کا کوئی شافی و حسب منشا جواب نہ ملا۔

ابوسفیان چاروں طرف مایوسی و ناکامی کی گھنگھور گھٹائیں اٹھتی ہوئیں دیکھتا اور اپنے آپ کو پشیمانی و ندامت یا حیرانی و مصیبت کے بلاخیز سمندر میں ڈوبا ہوا پاتا تھا بارگاہِ رسالت سے ناکام اٹھکر حضرت صدیقؓ کے پاس گیا اور

دستگیری کا خواہشمند ہوا لیکن افسوس کہ یہاں بھی ناامیدی کی بھیانک صورت نظر آئی کیونکہ حضرت عتیق رضؓ نے صاف جواب دیدیا کہ "میں حضرت رسالت میں اس بابت کوئی گفتگو نہیں کرسکتا امید ہے کہ تم مجھ کو معذور سمجھو گے"

ابوسفیان جیسی چرب زبان اور عقیل و مدبر شخص کا مایوسانہ ادھر ادھر گھومنا درحقیقت ایک پلٹی ہوئی سلطنت کا نمونہ دکھا رہا تھا کیونکہ میدان حدیبیہ میں مسلمانوں کا دبکر صلح کرنا اس کی نظر کے سامنے تھا اسلام کی ابتدائی کمزوری اس کی دیکھی بھالی تھی مسلمانوں کی بیکسی و جلاوطنی اس کی آنکھوں کے دیکھے ہوئے واقعات تھے اور آج اپنی کس مپرسی اور جواب تک نہ پانیکی صورت اس کو دریائے حیرت میں غرق کئے دیتی تھی غرض یہاں سے بھی اٹھا اور حضرت فاروق رضؓ کے پاس گیا تاکہ کاربراری ہو مگر وہاں بھی وہی جواب سنا جو حضرت ابوبکر رضؓ سے سُن چکا تھا اور پھر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر دبی بی خاتون حضرت فاطمہ زہرا کے حضور میں حاضر ہوا لیکن یہاں بھی وہ پچھلا جواب تھا کہ "میں اس باب میں کچھ گفتگو نہیں کرسکتی"

ابوسفیان جس قدر بھی حیران ہوتا بجا تھا کیونکہ درحقیقت فلک نبوت کے ماہتاب نے دنیا کا رُخ بدلدیا تھا اسلام اب وہ اسلام نہ تھا کہ کفار کی بغاوت و عداوت سے خائف ہو یا اپنے مستقل و بافیض ارادہ میں تذبذب و پستی کا اظہار کرے مسلمان اب کسی سے دبنے والے نہ تھے کہ قریشی سفارت پر وقعت کی نگاہ ڈالیں یا ابوسفیان جیسے قریشی سردار کو کامیاب بنانیکی کوشش کریں۔ یہ شریف النسل سفیر اس طرح بے نیل مرام واپس جانا بھی اپنی ذلت و رسوائی سمجھتا تھا کیونکہ مکہ سے باہر نکلتے وقت دل میں جوش مارنے والے خیالات بالکل لغو و باطل نظر آرہے تھے اس کی تمام امیدوں پر پانی پھر چکا تھا۔ اس کی پریشان حالت ظرافت پسند طبیعتوں کا کھلونا بن گئی اور آخر اسی بنا پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جبکہ ابوسفیان ان سے بھی وہی درخواست کررہا تھا جو حضرت صدیق و فاروق سے کرچکا تھا فرمایا کہ "تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہو کر یوں پکار دو کہ میں نے قبیلہ قریش کو امان دی مجھے امید ہے کہ میری دی ہوئی امان کو میرے بوڑھے اور قریشی سردار ہونے کی وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نقض نہ فرماویں گے" چنانچہ ابوسفیان اٹھا اور مسجد نبوی میں حاضر ہو کر انھیں الفاظ کی نقل اتار دی۔

ابوسفیان دریائے ندامت و یاس میں کچھ ایسا ڈوبا ہوا تھا کہ جد و ہزل میں بھی تمیز نہ کرسکا اور یہ بھی نہ سمجھا کہ یہ میرا مخول اُڑایا گیا ہے چنانچہ الفاظ مذکورہ پکار کر اقراری یا انکاری جواب لئے بغیر مکہ واپس ہوگیا اور قریش کے سامنے من وعن قصہ دہرادیا کیونکہ اپنے خیال میں اسی کو اپنی کامیابی سمجھے ہوئے تھا لیکن جب اہل مکہ نے اپنی سفارت عبث و بے سود پائی تو ابوسفیان پر لعن طعن ہونے لگے اور کہا گیا کہ وہ افسوس نہ لڑائی کی خبر ملی نہ صلح کی اگر مصالحت کی مجوزہ مدت منظور ہوتی تو اطمینان کے ساتھ بیٹھنا ملتا اور جنگ و مبازرت کا قصد معلوم

ہوتا تو فراہمی سامان و تہیہ رزم میں مشغول ہوتے تعجب ہے کہ علیؓ نے ابوسفیان کیساتھ مذاق کیا اور یہ بیوقوف سمجھا بھی نہیں"

ابوسفیان کی ناتمام سفارت و ناکافی تدبیر کا سوائے بے شعور و ناسمجھ کہلائے جانیکے کوئی نتیجہ نہ نکلا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی لشکر کو تیاری سفر کا حکم دیدیا اور مکہ و مدینہ کی مراسلت مسدود فرمادی کیونکہ قریشی لشکر پر اچانک حملہ کرنا منظور نہ تھا اور چونکہ وہ وقت قریب آگیا تھا کہ لات و عزیٰ کی مورتیں ملیامیٹ کی جائیں اور شرک و کفر مکہ سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے اس لئے حکم دیدیا کہ مکہ پر اسلامی فوج کشی کا عزم اہل مکہ کو ہرگز نہ معلوم ہو مگر افسوس کہ ابوبلتعہ کے صاحبزادے حضرت حاطبؓ بدری نے اس حکم کی تعمیل میں مداہنت کی اور نبوی عزم کا ظاہر کرنے والا تحریری خط ایک عورت کی وساطت سے مکہ روانہ کر دیا جس میں لکھا تھا کہ "اے سردارانِ قریش اور اے غفلت کی نیند سونے والو اٹھو اٹھو دیکھو عنقریب تم پر اسلامی جرار لشکر کا حملہ ہونیوالا ہے اپنی فکر کرو اور سمجھ لو کہ اگر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تن تنہا بھی تم پر حملہ آور ہوں تو خدا کے فضل و کرم سے غالب و فتحیاب ہوں گے چہ جائیکہ کثیر التعداد فوج کی سپہ سالاری میں تم پر یورش ہوگی اور اسلامی مبارک نشان ہواؤں میں لہراتا ہوا اچانک تم کو نظر آجائے گا"

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی فراست و دوراندیشی اور اس پر غیبی اعانت و ربانی وحی کسی خفیہ کارروائی کو کامیاب نہ ہونے دیتی تھی اس لئے یہ بھیجی ہوئی عورت مکہ پہنچنے نہ پائی تھی کہ علیؓ اور زبیرؓ و مقدادؓ تینوں شہسوار اس خدمت پر مامور ہوئے کہ فوراً جائیں اور روضہ خاخ پر خط لیجانیوالی عورت کو معہ خط گرفتار کر لائیں چنانچہ یہ حضرات گھوڑے فرفٹ دوڑاتے روانہ ہوئے اور حسب ہدایت و ارشاد مکہ سے ورے بمقام روضہ خاخ پر جانیوالی عورت کو حراست میں لے لیا۔ عورت کی باقاعدہ تلاشی لی گئی مگر حاطب بن ابی بلتعہ کا بھیجا ہوا خط دستیاب نہ ہوا کیونکہ وہ خط سر کے بالوں کی چوٹی میں اندرونی جانب چھپا ہوا تھا جس کا نکالنا عورت کی پردہ دری اور کشف عورت پر موقوف تھا اور اسلامی شریعت کی بنا پر ایک اجنبی و نامحرم عورت کے ساتھ یہ حرکت جائز نہ تھی۔ یہ حالت دیکھکر حضرت علیؓ نے صیقلدار شمشیر نیام سے باہر نکالی اور للکار کر کہا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی خبر ہرگز جھوٹ نہیں ہوسکتی اگر تو اپنی زندگی چاہتی ہے تو خط نکالکر ہمارے حوالہ کر ورنہ مجبوراً تیرے کپڑے اتارنے پڑیں گے اور تجھ کو ننگا ہوکر شرمندہ و ذلیل ہونا نصیب ہوگا۔

چمکدار تلوار کی جھلکدار شعاعیں دیکھکر عورت کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا لرز اٹھی بدن کپکپانے لگا اور خوف زدہ ہوکر رعشہ پڑے ہاتھوں سے بالوں کے بندھے ہوئے پیچ میں سے خط نکالکر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حوالہ کیا جس کو لیکر تینوں حضرات واپس ہوئے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں معہ ملزم پیش کیا چنانچہ نبوی عدالت میں خط اور حاطب کی طلبی ہوئی اور دریافت فرمایا کہ مسلمان

ہوتے ہوئے کفار کے ساتھ خفیہ سازش اور انتظامی قابلِ اخفا اسرار کا اظہار کیوں کیا گیا۔

حضرت حاطب رضؓ اس خاص امر میں ضرور مجرم تھے مگر چونکہ نبوی صحبت کے فیضیافتہ تھے اس لئے معترف ہو کر سچا حال اس طرح عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ! بیشک میں خطاوار ہوں یہ خط میرا بھیجا ہوا ہے مگر جو کچھ ہوا وہ ارتداد یا خدانخواستہ مقدس مذہب اسلام کی مخالفت ونفاق کی بنا پر نہیں ہوا بات یہ ہے کہ ہجرت کرنے والے مسلمان زیادہ تر وہ قریشی ہیں جنکی اہلِ مکہ سے قرابت ورشتہ داری ہے مگر میں قریش کا ہم قسم ہوں ہم قوم نہیں میرے اہل وعیال مکہ میں ہیں میرا خیال ہے کہ مصیبت کے وقت انسان صرف خون کے جوش اور رشتہ داری کی بنا پر اعانت کرسکتا ہے اس وجہ سے آپ کا جنگ کے متعلق عزم ظاہر ہونے پر میں نے خیال کیا کہ قریشی النسل مسلمانوں کے مال واقارب کی حفاظت اُن کی رشتہ داری وقرابت کی بنا پر ہوسکتی ہے مگر میں غریب الوطن جبتک اہلِ مکہ پر کوئی ایسا احسان نہ کروں جس کے باعث ان کی گردنیں جھک جائیں اسوقت تک میرے اہل وعیال کی محافظت نہیں ہوسکتی اس وجہ سے میں نے اس حرکت کی جرأت کی اور یہ میں خوب سمجھتا تھا کہ اللہ کے سچے رسول کو ضرور غلبہ ہونا ہے میرا اہلِ مکہ کو چند روز پہلے ارادۂ جنگ سے مطلع کرنا غیبی فتح و نصرت میں حارج اور اسلامی غلبہ وشوکت کے لئے مانع نہیں ہوسکتا مفت برابر احسان اور وہ بھی بضرورت شدید اگر قابلِ عفو ہے تو مجھے امید ہے کہ اس خطاکار حاطب کو معذور سمجھ کر ضرور معاف کیا جائے گا۔

حاطب رضؓ بن ابی بلتعہ بدری کے سچے اظہار قابلِ تسلیم سمجھے گئے اور گو چلا لتماب حضرت عمر فاروق رضؓ نے عرض بھی کیا کہ یا رسول اللہ اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اُڑا دوں مگر جسوقت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اے عمر رضؓ تمھیں کیا خبر ہے کہ اسلام کی پہلی جنگ یعنی بدر میں شریک ہونیوالے مسلمان خدا کے نزدیک کس رتبہ کے مسلمان سمجھے گئے ہیں کیا عجب ہے کہ ان پر حق تعالیٰ نے نظرِ رحمت فرما کر یوں کہدیا ہو کہ "جو چاہو کرو میں تم کو بخش چکا" تو حضرت عمر رضؓ پر رقت طاری ہوگئی اور بے اختیار آنکھوں میں آنسو بھر کر عرض کرنے لگے کہ "اللہ اور اس کا سچا رسول ہی خوب جانتا ہے کہ کیا معاملہ ہے" غرض حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا قصور معاف کر دیا گیا اور اسی معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کی آیت قرآنی نازل فرمائی کہ "مسلمانو آئندہ ان کافر بندوں سے رابطۂ اتحاد ومت رکھو جو میرے اور تمھارے دونوں کے دشمن ہیں" گویا آسمانی وحی میں بھی حضرت حاطب رضؓ کا عذر مسموع ہوا اور مسلمان کے خطاب سے مخاطب بنا کر اس طرح نصیحت کردی گئی جیسے مہربان حاکم خطاوار مجرم کو رہا کرنیکے بعد خیرخواہانہ نصیحت کیا کرتا ہے۔

باب ۷۹

اسلام کی ساتویں جنگ فتح مکہ۔ ماہ رمضان المبارک کی دسویں تاریخ کو دس ہزار مسلمانوں کا لشکر ظفر پیکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ماتحتی میں مدینہ سے روانہ ہوا اور راستہ میں دو ہزار فوجی سپاہیوں کی

تعداد اور شامل ہوئی جس کو ملا کر اسلامی جرار لشکر بارہ ہزار ہو گیا جن میں مہاجر و انصار اور اسلم و غفار قبیلہ مزینہ اور سلیم و جہینہ تمام اقوام کے پاکباز حضرات اور خدا کے نیک طینت و مقبول مسلمان شریک تھے۔

ظفر پیکر لشکر منزل بمنزل چلا جا رہا تھا کہ راستہ میں جحفہ مقام پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ آتے ہوئے ملے جو جنگ بدر کے بعد مسلمان ہوئے پیچھے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے مکہ واپس ہو گئے اور اپنی سقایت زمزم کے قابل افتخار منصب پر بدستور قائم تھے اور اب دینی سپہ سالار کی زیارت و خدمت کے شوق میں مع اپنے اہل و عیال کے ہجرت کئے ہوئے مدینہ آ رہے تھے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مہربان چچا کو دیکھ کر یوں ارشاد فرمایا کہ جس طرح میری نبوت آخری ہے اسی طرح عباس کی ہجرت آخری ہے اور درحقیقت سچ تھا کیونکہ فتح ہوتے ہی پیچھے مکہ بھی دار الاسلام قرار پایا اور ہجرت دار الکفر سے ہوا کرتی ہے نہ دار الاسلام سے غرض حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسباب سفر مدینہ روانہ کر دیا اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی میں ہمایوں اقبال فوج کے ساتھ ہو گئے۔

مکہ کے قریب آخری پڑاؤ یعنی مقام مر الظہران پر پہنچ کر لشکر نے قیام کیا مبارک خیمے نصب ہوئے سواریوں کے جانور چھوڑ دیئے گئے اور عربی دستور کے موافق فوجی خیموں کے سامنے آگ روشن کر دی گئی اور اسلامی سپاہیوں نے ادھر ادھر منتشر ہو کر گذرے ہوئے سفر کا تکان رفع کرنے اور پیش آنے والی جنگ کے لئے چست چالاک ہو جانے کے لیے آرام کیا محافظ و نگران سپاہی ادھر ادھر پھیل گئے اور منتظم و جفاکش دور اندیش و بہادر جاسوسوں نے گشت لگانا اور ادھر ادھر پھرنا شروع کر دیا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس سے پہلے اسلامی لشکر کی کثرت اور پوری جمعیت کے دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا ششدر و حیران تھے اور محض جوشی الفت یا قومی مروت کی بنا پر اس کے خواہشمند و متمنی تھے کہ کاش باشندگان مکہ کو خبر ہو جاوے کہ ان پر آسمانی آفت نازل ہونیوالی ہے تاکہ اس سے پہلے کہ ان کی جانیں برباد اور مال و اسباب تباہ و ویران ہوں بچاؤ کی کوئی صورت کر لیں۔ اسلامی سپہ سالار کے حضور میں تضرع و زاری کی پیش آئیں۔ رحم و کرم کے خواستگار ہوں اور بیکس بچوں یا لاوارث و کمزور عورتوں کی بے بسی ظاہر کر کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت پسند ذات کی کرم گستری اور عام سخاوت و دریا دلی سے فیضیاب ہوں۔

قریش باشندگان مکہ اگرچہ اس قریب آ جانے والے لشکر جرار سے بالکل بے خبر اور پیش آنیوالی ہولناک جنگ سے قطعاً غافل و مدہوش تھے مگر پھر بھی اسلامی جمعیت اور فتح کے اندیشہ سے بچاؤ کی مناسب تدابیر میں مشغول اور مخبروں اور خبر رسانوں کے منتظر و امیدوار رہتے تھے چنانچہ ٹھیک اسی وقت جبکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس تمنا میں تھے کہ کوئی مکہ جانیوالا شخص ملجائے تو اس خبر کو پہنچا دیں قریش کا قاصد بناؤں لشکر سے باہر ادھر ادھر چکر لگانے اور نظر دوڑانے

پھر رہے تھے کہ تین شخص مر الظہران کے پشتہ پر حیران کھڑے اور آپس میں آہستہ آہستہ باتیں کرتے ہوئے نظر آئے۔

یہ تینوں شخص حکیم بن حزام، بدیل بن ورقاء اور ابوسفیان تھے جو باشندگان مکہ کی طرف سے اتفاقیہ خبریں معلوم کرنے کو ادھر ادھر پھر رہے تھے پشتہ مر الظہران پر چڑھ کر یکایک آگ کی روشنی دیکھ کر ٹھٹھکے ابوسفیان نے متحیر ہو کر اپنے ساتھیوں کو بلایا اور کہا کہ عرفات کے میدان جیسی روشن کی ہوئی آگ نظر آ رہی ہے نہ معلوم کس کا لشکر جرار ہے جو مکہ پر چڑھ آیا۔ بدیل نے کہا کہ بنی عمر یعنی قوم خزاعہ معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اسی کو بنی کنانہ کی طرف سے وہ زک پہنچائی گئی ہے جس میں شاید مکہ بھی شریک تھے کیا عجب ہے کہ بخیال انتقام چڑھ دوڑے ہوں اور ادھر مر الظہران پر پڑاؤ کیا ہو۔

ابوسفیان ایک تجربہ کار اور جہاندیدہ شخص تھا کہنے لگا کہ اشتعال کی سلگائی ہوئی آگ بتلا رہی ہے کہ کوئی بڑی جماعت اور ٹڈی دل فوج ہے کیونکہ خزاعہ کی اتنی بڑی جماعت نہیں ہو سکتی یہ باہمی گفتگو ختم نہ ہونے پائی تھی کہ حضرت عباس یہ باتیں سنتے ہوئے وہاں آ پہنچے جہاں یہ تینوں مخبر کھڑے ہوئے تھے اور ابوسفیان کی آواز پہچان کر پکارا اور سارا حال بیان کیا مگر افسوس یہ فوری ملاقات ختم نہ ہونے پائی تھی کہ لشکری محافظ اور گشتی سپاہی جن میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے آ پہنچے اور تینوں مکی جاسوسوں کو گرفتار کر کے لے گئے۔ ابوسفیان کی مقدس مذہب اسلام سے جو کچھ بھی عداوت تھی وہ بیان کی محتاج نہیں ہے چنانچہ اسی بنا پر سپہ سالار کے حضور میں پہنچتے ہی حضرت فاروق رضؓ نے درخواست کی کہ "یا رسول اللہ یہ دشمن خدا ابوسفیان بے ایمان و بے ایمان حاضر ہوا ہے حکم دیجئے کہ اس کی گردن اڑا دوں" مگر حضرت عباسؓ نے عرض کیا کہ اس وقت اس کی جان بخشی کی جائے کیونکہ میری امان میں ہے اور ایمان کی توقع ہے چنانچہ نبوی عدالت سے حکم ہوا کہ عباس اپنے پناہ دیئے ہوئے کافر ابوسفیان کو رات بھر اپنے خیمہ میں رکھیں اور صبح ہوتے حاضر کریں تاکہ ابوسفیان کو اپنی گذشتہ و ما فات اور آئندہ و قابل احتیاط زندگی سوچنے اور دنیا و آخرت میں فرق سمجھنے کا کافی وقت مل جائے چنانچہ صبح ہونے پر حضرت عباسؓ نے ابوسفیان کو حاضر کیا اور فیصلہ کرنے والے آخری حکم کے منتظر کھڑے ہو گئے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی کرم گستر ذات اپنے عام رحم و کرم کے لئے کسی بشر کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ آپ کی عمر بھر کی تاریخ انھیں تعجب خیز واقعات سے بھری ہوئی ملے گی کہ جو شخص جس قدر آپ کے ساتھ زیادتیاں کرتا تھا اسی قدر آپ اس پر کرم و احسان فرماتے تھے چنانچہ جس وقت ابوسفیان سامنے کھڑا ہوا تو روئے مبارک پر لطف و ترحم کے آثار نمایاں ہوئے اور آپ نے نہایت خلق و محبت بھرے لہجہ میں یوں ارشاد فرمایا "ابوسفیان افسوس ہے کہ ابتک تم کو یہ نہ معلوم ہوا کہ خدا کے سوائے کوئی بھی پرستش کے لائق نہیں"

یہ رحمت آمیز نصیحت ابوسفیان کے قلب پر بجلی کی طرح کوندی اور اس شریف النسل نجیب الطرفین

قریشی نے گردن جھکا کر عرض کیا کہ "میرے ماں باپ آپ پر قربان مجھے آپ جیسا بے نفس اور کرم گستر شخص دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا باوجود میری کھلی عداوت کے میرے ساتھ ایسا مشفقانہ برتاؤ کیا گیا ہے جس کی نظیر عربی ریگستان میں نہیں مل سکتی۔ درحقیقت سوائے خدا کے کوئی لائق عبادت نہیں نہ کوئی نافع وضار کیونکہ ہماری یہ نازک و بیکسانہ حالت اعانت کی محتاج ہے اگر مصنوعی معبود اور ہمارے من گھڑت مسجود قادر و مختار یا قابل عبادت و پرستش ہوتے تو ضرور اس وقت مدد کرتے۔

یہ پہلا فقرہ تھا جو نبوی خلق و ترحم کے باعث توحید کے اظہار میں ابوسفیان کی زبان سے نکلا تھا مگر چونکہ ایمان کے دوسرے جزو یعنی تصدیق رسالت کا اقرار باقی تھا اس لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ خطاب کیا اور یوں فرمایا "ابوسفیان کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ میرے پیغمبر ہونے کو سچا سمجھو اور آنکھیں کھولکر میری نبوت کے آثار صداقت دیکھتے ہوئے ایمان لے آؤ"

ابوسفیان بندۂ احسان بن چکا اور سچے رسولؐ کی سچائی سمجھ چکا تھا مگر اپنے قومی تعزز اور ملکی ریاست و حکومت یا ایک مدت تک خیال باطل پر جماؤ اور آبائی مذہب یکلخت چھوڑنے پر طبعی حجاب و ندامت کے باعث گردن جھکائے کھڑا تھا کہ حضرت عباس آگے بڑھے اور کہا "اے ابوسفیان تامل کا وقت نہیں ہے جلدی کرو ورنہ اسلامی بہادر شیر عمر بن خطابؓ آتے ہوں گے اور فوراً گردن کاٹ لیں گے"۔ چنانچہ ابوسفیان نے گردن اٹھائی اور کہا "اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمداً رسول اللہ" (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں)

وہ وقت آگیا کہ اب ہم اس بہادر قریشی کو حضرت کے مبارک لقب سے یاد کریں اور نیز ان کے دونوں ہمراہیوں حکیم و بدیل کا نام بھی عزت کے ساتھ لیں جو گرفتاری کے بعد مسلمان ہو چکے تھے کیونکہ یہ تینوں قریشی جاسوس اسلام لائے پیچھے صحابہ کے زمرہ میں داخل اور اس مقدس جماعت میں شامل ہو گئے جن کے قدم کے نیچے کی خاک ہماری بصارت و بصیرت کے بڑھانے کا سبب ہے۔ اسلئے ہم نہایت خوشی کے ساتھ لکھتے ہیں کہ حضرت ابوسفیانؓ حضرت حکیم بن حزام اور حضرت بدیل بن ورقار رضی اللہ عنہم ان مقدس اصحاب میں ہیں جنھوں نے کفر و اسلام کے زمانہ شباب کو دیکھا اور دونوں متضاد خیالات کو ایک مدت تک پرکھا اور جانچا پڑتالا ہے۔

حضرت ابوسفیان نومسلم کے لئے مناسب سمجھا گیا کہ اسلامی لشکر اور اس کثیر التعداد جماعت کا سماں آنکھوں سے دیکھ لیں تاکہ ظاہری شان و شوکت اور دنیاوی وجاہت و کثرت ایمان کی پختگی کا باعث ہو اسلئے حضرت عباسؓ ابوسفیانؓ کو اس پہاڑی تنگ گھاٹی کے کنارے لیکر کھڑے ہو گئے جس میں سے اسلامی لشکر کو قطار در قطار ہو کر نکلنا تھا چنانچہ ابوسفیانؓ نے دیکھا کہ سواروں کے رسالے اور پیدلوں کے غول قبیلہ قبیلہ اور گروہ گروہ اس متانت و وقار اور اطاعت و سکون کے ساتھ آ رہے ہیں جس کی نظیر قواعد داں افواج اور سلاطین دنیا کے لشکری سپاہیوں

میں بھی ملنی محال ہے چنانچہ سب سے آگے قبیلہ غفار اور پھر جہینہ و سعد بن ہذیم و سلیم یکے بعد دیگرے نکلتے ہوئے نظر آئے جن کی جماعت اپنے جھنڈے لیئے ہوئے سردار کی ماتحتی میں گردن جھکائے سینہ ابھارے قدم بڑھائے چلی جاتی تھی

ابوسفیانؓ ہر رسالے اور فوجی حصّہ کو دریافت کرتے اور حیران و ششدر کھڑے تاک رہے تھے یہانتک کہ انصار کی وہ فوجی جماعت نظر آئی جن کی کثرت و زیادت تمام قبائل سے فوقیت لے گئی تھی اور وہ مقدس قوم روانہ ہوئی جنھوں نے اللہ کے سچے رسول کو اپنے گھر ٹھیرایا اور مہاجر مسلمانوں کو پناہ دی خانماں برباد اور جلا وطن مسافروں کو مہمان بنایا اور پاک مذہب اسلام کی تائید و ترویج میں جان و مال خرچ کر دینے تھے زہے قسمت جن کو آج یہ دن دیکھنا نصیب ہوا اپنے سچے پیغمبر کی ماتحتی میں اس شہر کو دشمنوں سے خالی کرانے آئے ہیں جس میں سے آٹھ برس ہوئے اللہ کے رسول کو اپنے ہمراہ لیگئے تھے۔ اس پاکباز جماعت کا سرداری نشان حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا اور انصار رضی اللہ عنہم کا مہمان نواز گروہ خادم رسول لشکر ایک نرالے انداز کے ساتھ پہاڑی کے تنگ درّہ سے نکلنا شروع ہوا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ جس وقت ابوسفیانؓ کے قریب پہنچے تو بہادرانہ جوش سے بیتاب ہو کر پکار اٹھے کہ "اے ابوسفیانؓ آج اس جنگ کا دن ہے جس میں کعبہ کی حرمت حلال سمجھی جائیگی"۔ ابوسفیانؓ یہ کلمہ سنکر گھبرا اٹھے کیونکہ وطن مالوف کی الفت و مولد و مسکن کی محبت اسی بات کو مقتضی تھی کہ جس آباد شہر کی بسایت دیکھتے ہوئے سالہا سال گذر گئے اس کی ویرانی و بربادی نہ دیکھ سکیں۔ اس لئے حضرت عباسؓ کی جانب متوجہ کیا اور کہا "بیکس و بیچارے اہل مکہ کا آج کوئی مددگار نہیں"

اسلامی لشکر کے قبائل ایک ایک کر کے گذر چکے تو سب کے پیچھے حضرات مہاجرین کا وہ مختصر گروہ چلا جس میں فلک اسلام کا عالمتاب ماہتاب جلوہ گر تھا۔ اسلامی مبارک نشان ایک خاص خادم اور ہمرکاب صحابی حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا اور سید المہاجرین صلی اللہ علیہ وسلم اپنی غریب الوطن قوم کو ساتھ لیئے ہوئے تشریف لیجاتے نظر آئے جس وقت حضرت عباسؓ کے قریب پہنچے تو ابوسفیانؓ نے حضرت سعد کا طنز یہ فقرہ اور جوشیلہ کلمہ سنایا۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سعدؓ نے غیر واقعی بات کہی بلکہ آج تو وہ مبارک دن ہے جس میں "اظہار اسلام اور ازالہ نجاست شرک کی وجہ سے کعبہ کی عظمت کی جائیگی۔ آج کعبہ کو لباس پہنایا جائیگا"

ایک زمانہ وہ تھا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل مکہ نے ہر طرح کی اذیتیں پہنچائی تھیں اب ایک وہ زمانہ آیا کہ آپ اہل مکہ پر اپنی شفقت و رحمت ظاہر کرنے کے لیے تشریف لائے۔ ایک وہ دن تھا کہ سید البشر کو اپنا وطن مالوف اندھیری رات کی تاریکی میں صرف ابوبکرؓ کی ہمراہی کے ساتھ چھوڑنا پڑا تھا اور ایک یہ دن ہے کہ آپ دس ہزار مسلمانوں کے سردار لشکر بنکر فتح کرنے دن کے وقت تشریف لاتے۔ ایک وہ

وقت تھا کہ مکہ کا بچہ بچہ جان کا دشمن اور خون کا پیاسا بنا ہوا تھا اور ایک یہ وقت ہے کہ قریشی سردار غلاموں کی طرح ذلیل وخوار ہو کر جان کے خوف سے مکہ چھوڑ بھاگنے پر آمادہ و تیار ہیں غرض ابوسفیان نے تمام لشکر ظفر پیکر دیکھا اور حیران ہو کر حضرت عباسؓ سے کہا کہ "تمہارے بھتیجے نے چند روز میں بڑی ترقی کی اور کثیر التعداد فوج جمع کر لی"۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی حد میں داخل ہوئے اور حجون مقام پر اسلامی نشان نصب کر دیا گیا۔

باب شَشم (۸)

جنگ اور اس کا انجام۔ مکہ عرب کی سنگستانی زمین پر دو پہاڑی سلسلوں کے درمیان اس طرح واقع ہوا ہے کہ قدرتی دو طرفہ پہاڑیوں نے دونوں جانب آمد و رفت کے دو راستے بنا دیئے ہیں جن میں ایک راستہ عرفات جانے کے لئے تجویز کیا ہوا اور اسی راستہ میں مکہ کا مشہور قبرستان جنت المعلیٰ پڑتا ہے دوسرا راستہ وہ ہے جس سے نکلکر تھوڑی دور پر جدہ اور مدینہ طیبہ جانیکی دونوں شاہراہ نکلتی ہیں اور اسی راستہ میں دروازہ شہر کے باہر وہ مستحکم و مضبوط سلطانی قلعہ بنا ہوا ہے جس میں شہری حفاظت کے لئے ترکی فوج رہتی ہے غرض مکہ میں داخل ہونے کے دن رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی لشکر کے دو حصے فرما کر دونوں راستے منقسم کر دیئے یعنی جانب اسفل سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اپنی ماتحت فوج سمیت داخل ہونیکا حکم فرمایا اور جانب اعلیٰ سے خود داخل ہونا معین فرمایا۔ اسلامی لشکر کی صرف عکرمہ اور صفوان نے تو کچھ مزاحمت کی باقی بلا مزاحمت ۱۷ ار رمضان المبارک کو آپ مکہ میں داخل ہوئے۔

جس جانب حضرت خالد بن ولید امیر الجیش بنے ہوئے آرہے تھے باشندگان مکہ میں سے ابوجہل کے بیٹے عکرمہ اور امیہ کے بیٹے صفوان نے کچھ جماعت لیکر مقابلہ کیا اور اس صبا رفتار لشکر جرار کے سدّ راہ ہوئے دونوں طرف سے بمقابلہ تلواریں نیام سے باہر نکالی گئیں۔ ترچھے تیر سیدھے کر لئے گئے اور شاہنشاہی دار السلطنت یعنی اُس مقدس شہر کی جانب زمین جس میں بیت اللہ ہے دونوں مبائن فریقوں میں لڑائی ٹھن گئی اسلامی ثابت قدمی و استقلال اور جم غفیر و کثرت جماعت اگر باشندگان مکہ یکجائی قوت سے بھی لڑنا چاہتے تو بے حقیقت جانوروں کی طرح کاٹ کر ڈالدیئے جاتے چہ جائیکہ عکرمہ و صفوان کی مختصر جماعت مگر تاہم تھوڑی دیر جنگ آزمائی ہوئی اور آخر لشکر کفار کو پسپا ہو کر پیچھے ہٹنا اور مکہ میں گھسنا پڑا کیونکہ اس کے علاوہ کوئی دوسری جگہ فرار کے لئے بھی باقی نہ رہی تھی اور اسلامی لشکر اس مختصر جماعت کو مارتا کاٹتا مسجد الحرام کے قریب تک پہنچ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چوبیس کافر واصل جہنم ہوئے جن میں بیس قبیلہ بنی بکر کے تھے اور چار ہذیل کے اور دو مسلمان شہید ہوئے جن میں ایک کا نام حبیش بن اشعر ہے اور دوسرے کا نام کرز بن جابر فہری رضی اللہ عنہما۔

تمہید کے طور پر ناظرین کی آگاہی کیلئے یہ بیان کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ابو طالب کی غیر منقولہ

جائداد عقیل اور طالب یعنی ان دو بیٹوں کے قبضہ میں آئی تھی جو باپ کے انتقال کے وقت حالتِ کفر پر تھے اور دو دوسرے
دونوں بیٹے یعنی حضرت جعفرؓ اور حضرت علیؓ اس سے پہلے کہ میراث کا وقت آئے مسلمان ہو چکے تھے اس لئے
ایک حبہ نہ لے سکے کیونکہ اسلام و کفر کا فرق پیدا ہوئے پیچھے نسبی اور صلبی تعلق جس کی بنا پر ترکہ پدری پر قبضہ
ہوتا ہے لغو اور باطل سمجھا جاتا ہے۔ عبد المطلب کی ساری غیر منقولہ جائداد یعنی مکانات کو رسول مقبول صلی اللہ
علیہ وسلم کے مکہ چھوڑ کر مدینہ ہجرت کر جانے کے بعد ہی حضرت عقیلؓ نے بحالتِ کفر بیچ کھوچ کر برابر کر دیا تھا اسلئے
اس سے پہلے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوں ایک صحابی نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ مکہ میں
کس مکان کے اندر قیام فرمائیگا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہکر کہ عقیل نے چھوڑا ہی کیا ہے۔ یوں
فرمایا کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں اور کافر مسلمان کی میراث نہیں پا سکتا کل انشاء اللہ مکہ فتح ہونے پر مقام خیف
بنی کنانہ یعنی اس پہاڑی ٹیلہ پر مقام ہوگا جو پہاڑ کی تلہٹی میں سیل آب سے مرتفع۔ وہ مشہور جگہ ہے جہاں مسجدِ خیف واقع ہے

ناظرین کو یاد ہوگا کہ کفار قریش نے ایک زمانہ میں اسلامی تبلیغ سے اکتا کر بنی ہاشم و بنی مطلب کی برادری
سے ڈرنے اور مناکحت و مواکلت یا خرید و فروخت غرض جملہ معاملات تمدنی و برادرانہ سے منقطع کرنے پر تحریری
عہد نامہ مکمل کیا اور دستاویز بنا کر کعبہ کی دیوار پر آویزاں کر دیا تھا جس کے باعث کامل تین سال تک رسول
مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو معہ تمام کنبہ اور ہاشمی و مطلبی خاندان کے شعب ابو طالب میں مقید و محروس رہنا اور
فاقہ و بھوک کی ناقابل برداشت تکالیف کا جھیلنا پڑا تھا۔ یہ مقام خیف وہی جگہ ہے جہاں اس ظالم پسند معاہدہ
کی تکمیل اور کفار کی تعمیل حکمنامہ پر قسما قسمی عہدی ہوئی تھی۔ اس مقام پر قیام اسی لئے مناسب سمجھا گیا کہ وہ گذرا
ہوا وقت اور مصیبت خیز سماں نظر کے سامنے پھر جاوے اور حالتِ موجودہ کا مقابلہ کرنے کے بعد حق تعالیٰ کا شکریہ
کامل طور پر ادا ہو چنانچہ دن چڑھے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے اور اپنی چچازاد بہن ام ہانی
یعنی ابو طالب کی بیٹی فاختہ کے مکان پر جا کر غسل فرمایا اور چاشت کی آٹھ رکعت ادا فرما کر مقام خیف میں قیام فرمایا۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سانڈنی پر سوار مکہ میں داخل ہو رہے تھے اور سورۂ فتح کی وہ مبارک آیتیں جن
میں آج کی حاصل ہونیوالی فتح کی بشارت دی گئی تھی پڑھتے جاتے تھے۔ تواضع اور انکساری کے باعث جناب
ایزدی میں گردن جھکی ہوئی تھی گویا کہ آپ ناقہ کے پالان ہی پر سر بسجود تھے کیونکہ آپ کو وہ وقت بھی یاد تھا
جبکہ کفار کے چاروں طرف سے گھرے ہوئے اپنے گھر کو تنہائی کی حالت میں خوف زدہ ہو کر چھوڑا تھا اور یہ
مبارک وقت بھی نظر کے سامنے تھا جبکہ آپ ایسی عزت و شوکت کے ساتھ بارہ ہزار فوج کے سپہ سالار
بنکر چھوٹے ہوئے وطن میں داخل ہو رہے تھے غرض اسلامی سپہ سالار اس ہیبت سے کہ حضرت اسامہؓ
ناقہ پر پشت کے پیچھے سوار تھے حضرت بلالؓ اور بیت اللہ کے کنجی بردار حضرت عثمان بن طلحہ ہمرکاب

مسجد الحرام میں تشریف لائے اور وہیں سواری بٹھا کر ناقہ سے اُترے بیت اللہ کے اندر رکھے ہوئے بت جن میں حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی مورتیں بھی تھیں باہر نکلوا کر پھینکدیں اور اس کے بعد تینوں اصحاب کو ہمراہ لیکر اللہ کے مقدس گھر میں داخل ہو کر دو رکعت شکریہ کی ادا فرمائیں۔

اہل مکہ کے ساتھ باوجودیکہ ان لوگوں نے مسلمانوں پر ہر قسم کی ظلم و تعدی کی تھی اور کسی زمانہ میں کوئی ایذا رسانی اٹھا نہ رکھی تھی نہایت نرمی و مہربانی کا سلوک کیا گیا آپ نے اپنی تمام ماتحت فوج کو حکم دیدیا کہ باشندگان مکہ سے بہ لطف و کرم پیش آئیں صرف گیارہ مرد اور چھ عورتیں جنھوں نے بہت ہی وحشیانہ حرکتیں کی تھیں قصوروار ٹھیرائے گئے یعنی انکے خون ہدر کر دیئے گئے اور اجازت دی گئی کہ جہاں ملیں قتل کر دیئے جائیں باقی سب کو معاف کر دیا گیا۔ اس دریادلی و عالی ظرفی کا نتیجہ ہوا کہ جو بڑے بڑے سردار اسلامی یورش سے گھبرا کر اور اس لشکر عظیم کے ہولناک حملہ سے خوف زدہ ہو کر مکہ چھوڑ کر بھاگ گئے وہ بھاگ گئے باقی جو بھی حاضر ہوا وہ غلامانہ سر نیاز جھکاتا اور حلقۂ اطاعت و اسلام کان میں ڈالتا ہوا حاضر ہوا۔ وہ گیارہ مرد جن کے خون ہدر کئے گئے تھے مفصلہ ذیل ہیں۔ ابوجہل کا بیٹا عکرمہ۔ امیہ کا بیٹا صفوان امیر حمزہ کا قاتل وحشی۔ ابو سرح کا بیٹا عبداللہ۔ زہیر کا بیٹا کعب۔ اسود کا بیٹا ہبار۔ زبعری کا بیٹا عبداللہ۔ خطل کا بیٹا عبدالعزیٰ۔ صبابہ کا بیٹا مقیس۔ طلاطلہ کا بیٹا حارث۔ نقید کا بیٹا حویرث۔ چنانچہ یہ پچھلے چار کافر قتل کئے گئے اور باقی ساتوں اشخاص مسلمان ہو گئے اور چھوڑ دیئے گئے۔ اور وہ چھ عورتیں جن کو قتل کرنے کی اجازت دی گئی تھی ابوسفیان کی بیوی ہند اور ابن خطل کی دو باندیاں قرتنا و قریبہ اور ارنب۔ سارہ۔ ام سعد ہیں جنمیں آخر کی ذکر کی ہوئی چار عورتیں قتل کی گئیں اور ہند و قرتنا مسلمان ہو گئیں۔

اگرچہ حدیث میں نظر سے نہیں گذرا مگر مدارج النبوۃ اور روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ اسوقت جبکہ خالدؓ بن ولید کا لشکر جماعت کفار کو قتل کرتا ہوا بیت الحرام کی جانب بڑھا آرہا تھا باشندگان مکہ میں سے ایک شخص نے ہموطن قوم کی اس بیکسی پر ترس کھا کر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اہل مکہ سیف اللہ کے ہاتھوں قتل ہو رہا ہیں خدا واسطے رحم فرمایئے چنانچہ حضرت نے ایک شخص کو بلا کر حکم دیا کہ جاؤ خالدؓ سے کہدو کہ تلوار اٹھا لیں اور قتل سے باز آئیں نبوی قاصد گیا اور کہا کہ رسول اللہ فرماتے ہیں کہ "شمشیر زنی کرو اور مارو" چنانچہ حضرت خالدؓ نے قتل و قتال میں پوری سرگرمی دکھائی اور ستر کافروں کو قتل کیا اسکے بعد جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ نے عتاب کیا اور عدم امتثال امر کا سبب دریافت فرمایا جس کے جواب میں حضرت خالدؓ نے قاصد کا پہنچایا ہوا زبانی پیغام دوہرایا اور عرض کیا کہ تابعدار غلام کو جو حکم پہنچا تھا اسکی تعمیل کی گئی سفارت میں تغیر اور حکم کا راستہ میں بدلا جانا کوئی ایسی معمولی بات نہ تھی جس کو نظرانداز کر دیا جاتا اسلئے فوراً قاصد بلایا گیا اور تبدیل حکم کی وجہ پوچھی گئی قاصد نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میں پیغام پہنچانے کیلئے جا رہا تھا کہ ہیبت ناک صورت نظر آئی جس کا سر آسمان میں اور قدم زمین پر تھے

ہاتھ میں لئے ہوئے تھا اور مجھ کو دھمکا دھمکا کر کہہ رہا تھا کہ قریش پر شمشیر زنی کا حکم دیا گیا ہے کہ مانع قتل اور ہاتھ تھامنے کا ورنہ جان سے مار ڈالونگا۔ میں اس مہیب صورت سے ایسا خائف و مرعوب ہوا کہ اسکی تعمیل کئے بغیر جان کا بچاؤ نہ پا سکا۔
سفارت میں تغیر پیدا کرنیوالا یعنی شخص فرشتہ تھا جو مشیت ایزدی و منشاء خداوندی کی تکمیل کیلئے آیا تھا کیونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیارے چچا سید الشہدا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے جنگ احد میں شہید ہونے اور مثلہ کئے جانیکے دن یوں فرمایا تھا کہ "آہ حمزہؓ کے ساتھ کیسی وحشیانہ حرکتیں کی گئی ہیں اگر میرا قابو ہوا تو ایک حمزہ کے عوض ستر قریش قتل کرونگا" اس لئے حق تعالیٰ نے چاہا کہ آج چونکہ قریش پر آخری حملہ ہے اس لئے پیارے رسول کے اس قول کی سچائی بھی ظاہر ہو جائے اور اس سے پہلے کہ رحمت بارگاہ پیغمبر کی نرم مزاجی و رحمدلی کا اثر پیدا ہو وہ ستر کافر جن کی تقدیر میں خلود فی النار لکھا جا چکا ہے سیف اللہ کے ہاتھوں قتل کر دیئے جائیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔
بیت اللہ کے گرد سال کے ایام کی تعداد کے موافق تین سو ساٹھ بت چسپاں اور منصوب تھے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور اس لکڑی سے جو آپ کے دست مبارک میں تھی بتوں کی طرف اشارہ کیا یہ رسالتمآب کا معجزہ تھا کہ جس بت کے منہ کی طرف اشارہ ہوا وہ چت اور جسکی پشت کی جانب اشارہ واقع ہوا وہ اوندھے منہ گر گیا یہاں تک کہ کل وہ مورتیں جن کے پاؤں سیسہ سے جمائے گئے تھے زمین پر گر پڑیں اور وہ تصویریں جو دیوار کعبہ پر کھنچی ہوئی تھیں چاہ زمزم سے پانی منگوا کر دھلوا دی گئیں۔ عوام الناس میں اس مبارک دن کا ایک یہ واقعہ مشہور ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بت کے توڑنے کیلئے جو سب سے اوپر اس جگہ قائم تھا جہاں ہاتھ نہ پہنچ سکتا تھا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مامور فرمایا اور کہا کہ اے علی میرے دوش پر سوار ہو جاؤ اور چڑھکر مورت توڑ ڈالو کیونکہ تمہارے کاندھوں میں میرے سوار ہونیکی قابلیت نہیں ہے اور تم بار نبوت کے متحمل نہیں ہو سکتے چنانچہ بنظر تعمیل ارشاد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے دوش مبارک پر سوار ہونیکا افتخار حاصل ہوا۔ اگرچہ حضرت صدیق کا ہجرت کی رات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پیٹھ پر سوار کر کے کئی میل لیجانیکا واقعہ ثبوت خلافت اور تحمل بار نبوت میں فضیلت صدیقی کو ظاہر کر رہا ہے تاہم یہ کہنا ہمارا بیجا نہیں ہے کہ اس قصہ کا احادیث صحیحہ میں کہیں ذکر نہیں ہے اور شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحفہ اثنا عشریہ میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ جب بیت اللہ کے گرد قائم کئے ہوئے بت عصائے مبارک کے اشارہ سے گر گئے تھے تو اس ارشاد کی بظاہر کوئی وجہ بھی نہیں معلوم ہوتی ہاں اگر اندرون بیت ایسا ہوا ہو تو ممکن ہے واللہ اعلم۔
الغرض کفار کے [illegible] اور ہاتھوں کی بنائی ہوئی مورتیں بالکل توڑ ڈالی گئیں۔ بت پرست اپنے جھوٹے معبودوں کو ٹوٹتے ہوئے [illegible] سے دیکھتے تھے لیکن آج ان پر یہ بات صاف کھل گئی تھی کہ ان کی مورتیں بالکل بیجان و غیر مختار اور بے قدرت مجبور محض ہیں اور اب ان کو یہ آیت قرآنی جس پر وہ ایک زمانہ میں ہنستے تھے سچ معلوم ہونے لگی [illegible] باطل غائب ہوا حقیقت یہ ہے کہ حق ہی [illegible] باطل باطل ہے"

باب (۱۸)

مردوں کا قتل و امان اور اسلام و ایمان۔ ہم مجملاً بیان کر چکے ہیں کہ ان گیارہ مردوں میں جنکے خون ہدر کئے
گئے تھے چار مرد یعنی عبد العزی، مقیس، حارث، اور حویرث قتل ہوگئے اسلئے مختصر طور پر انکے جرائم و احوال کا بیان کرنا
بھی مناسب معلوم ہوتا ہے اور نیز باقیماندہ ساتوں نو مسلم حضرات کے متعلقات بھی ذکر کرتے چونکہ واقفیت کی زیادتی کا
باعث ہیں اسلئے علیحدہ علیحدہ ہر ایک بیان مختصراً لکھا جاتا ہے تاکہ ہمارے ان معزز ناظرین کو ملالت بھی نہ ہو جو ۲۸۳ صفحات
دیکھکر سیر ہو چکے اور کتاب بند کرنی چاہتے ہیں۔ عبد العزی بن خطل عرصہ ہوا مدینہ میں حاضر ہو کر اسلام لایا اور عبد اللہ نام
قرار پایا تھا مگر اسوقت جبکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قبیلہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کو محصل و عامل بنا کر اسکو بھیجا
تھا اس نے اپنے خدمتگار کو اس قصور پر کہ کھانا پکنے میں دیر ہوگئی تھی جان سے مار ڈالا اور خود اس خوف سے کہ مدینہ
واپس ہونے پر قصاصاً قتل کیا جائیگا مرتد ہو گیا اور مال زکوٰۃ لے کر مکہ چلا آیا تھا۔ آج فتح مکہ کے دن جب اس کا
خون ہدر کیا گیا تو کہیں جائے فرار نہ پا کر حرم شریف میں گھس آیا۔ اور بیت اللہ کے پردوں سے لپٹ گیا کیونکہ سمجھتا
تھا کہ اس دار الامن میں مجرم کا خون بہانا بھی حرم محترم کی ہتک حرمت کا سبب سمجھا جائیگا اور جان بچ جائیگی مگر
چونکہ اسلامی ترقی اور کفر کے استیصال کرنے کیلئے آج کے مبارک دن حرم میں بھی قتل کئے جانے کی اجازت رسول مقبول صلی اللہ
علیہ وسلم کو دی گئی تھی اسلئے جس وقت ایک مخبر نے آپ کو یہ خبر پہنچائی کہ عبد العزی استار کعبہ کو پکڑے کھڑا ہے اسکی بابت
آپ نے حکم فرمایا کہ جاؤ اسکو قتل کر ڈالو چنانچہ ارشاد عالی کی تعمیل کی گئی اور ابن خطل کا خون دیوار کعبہ کے اوپر بہایا گیا۔
فتح مکہ کے اگلے دن جو وعظ آپ نے فرمایا تھا اسمیں ظاہر کر دیا تھا کہ حرم محترم میں قتل و قتال ہونے کیلئے کوئی شخص
میرے اس فعل سے استدلال نہ کرے کیونکہ مجھ کو خصوصیت کیساتھ صرف ایک دن طلوع آفتاب کے وقت سے عصر تک کیلئے وہ اجازت
ملی تھی جو کسی دوسرے کیلئے نہیں ہے۔ حد حرم کی توقیر ہر اُس مسلمان پر واجب ہے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے
اس مبارک قطعہ ارض کا درخت کاٹنا بدستور حرام قتل و قتال ناجائز بے حرمتی و ہتک عزت گناہ کبیرہ ہے۔
مقیس بن صبابہ بھی مسلمان ہو کر مدینہ میں ہجرت کر گیا تھا مگر وہاں ایک عجیب قصہ پیش آیا کہ اسکے نو مسلم بھائی ہشام بن
صبابہ کو ایک انصاری نے مشرک سمجھکر قتل کر دیا اور جسوقت مقیس کی طرف سے مظلوم ہشام کے قتل کی بابت عدالت نبوی
میں استغاثہ دائر ہوا تو قاتل انصاری بلائے گئے اور مدعا علیہ قرار دیئے گئے مگر چونکہ قتل سہواً و خطاً صادر ہوا تھا اسلئے
اس سچے اظہار کے بعد شرعی قانون کے موافق انصاری مسلمان پر دیت کے سو اونٹ واجب کئے گئے اور یہ خون بہا وصول کر کے
مقیس کو دیدیا گیا۔ معاملہ طے ہو لیا اور عدل و انصاف کے قاعدہ پر جھگڑا نمٹ چکا تھا مگر مقیس کی نفسی خباثت اور خبیث
طبیعت نے سچے پیغمبر کے فیصلہ پر بھی صبر نہ لینے دیا اور اس نے اپنے بھائی کے قاتل انصاری مسلمان کو قتل کر ڈالا اور خود
مواخذہ کے اندیشہ سے مرتد ہو کر مکہ بھاگ گیا۔ آج جبکہ ہر ظالم سفاک طبیعت کی خباثت کا ازالہ اور حقوق العباد کی تلافی

کی جارہی تھی اس کا خون بھی ہدر ہوا چنانچہ حضرت نمیلہ رضی بن عبد اللہ لیثی نے عین اسوقت جبکہ مقیس اپنے شرکت رفقاء کیساتھ ایک گوشہ میں بیٹھا شراب پی رہا تھا اس کو قتل کیا۔ حارث بن طلا طلہ اہل مکہ میں نہایت ایذا رساں اور سخت دل کافر تھا جس نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو تکالیف پہنچانا اپنا شعار بنا رکھا تھا اسکی باطنی خباثت حد سے زیادہ بڑھ گئی تھی شان رسولؐ میں بیہودہ الفاظ اور ناشائستہ کلمات اسکے تکیہ کلام تھے آج فتح مکہ کے دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ حویرث بن نقید بھی حارث مذکور کے قدم بقدم ایذا رسانی و ہجو بیانی میں مبتلا و گرفتار تھا جب غلبہ اسلام کے مبارک دن وقت آنکر پیدا ہوا اور موت سر پر کھیلی تو خوف زدہ ہو کر گھر میں بیٹھ رہا حضرت اسد اللہ تلاش کرتے ادھر ادھر ڈھونڈھتے اس کے گھر پہنچے اور آواز دی تو جواب ملا کہ "جنگل گیا ہوا ہے یہاں موجود نہیں ہے" حالانکہ گھر میں موجود تھا مگر یہ جواب سنکر شیر خدا واپس ہو گئے حویرث گھر سے نکلکر کسی جانب جانا چاہتا تھا کہ راہ میں شیر خدا سے مڈبھیڑ ہو گئی اور واصل جہنم ہوا (یہ ہیں وہ چاروں مقتول مرد جنکو فتح مکہ میں جان سے مار گیا)۔ عکرمہؓ بن ابو جہل کی ایذا رسانی اور سیادت کفر محتاج بیان نہیں ہے کیونکہ یہ بات مسلم ہے کہ ان باپ بیٹوں نے جس قدر ایذا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی ہے شاید کسی تیسرے کافر نے نہ پہنچائی ہو۔ بہتیرے واقعات و حوادث اس درد انگیز قصہ سے لبریز ملیں گے کہ سچے راہبر کو عکرمہ اور ابو جہل کی طرف سے کیا کیا اور کس کس قسم کا رنج پہنچایا گیا۔ غزوہ مکہ میں بھی خالد بن ولید کے لشکر کی مزاحمت عکرمہ نے کی اور دو شہید ہونیوالے مسلمانوں میں ایک مسلمان عکرمہ ہی کے ہاتھ شہید ہوئے مگر اللہ کی رحمت کے دریائے ناپیدا کنار کی غواصی انسان کی طاقت سے باہر ہے جسوقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عکرمہ کے ہاتھوں فوجی مسلمان کے شہید ہونیکی اطلاع ہوئی تو آپ مسکرائے اور فرمایا کہ قاتل و مقتول دونوں جنت میں نظر آتے ہیں۔

صحابہ کو یہ حیرت انگیز کلمہ سنکر تعجب بھی ہوا مگر چونکہ اس فقرہ میں عکرمہ کے مسلمان ہونیکی بشارت تھی اس لئے جسوقت چند ہی روز بعد اسکا ظہور ہو گیا تو معلوم ہوا کہ ؎ رحمت حق بہانہ میجوید ٭ رحمت حق بہا نمی جوید۔

مکہ پر اسلامی تسلط ہوتے پیچھے عکرمہ نے اپنی زیادتی و بغاوت یاد کرکے اس اندیشہ سے کہ یہ ہر سو کی خطائیں اور حاکم وقت کی بغاوت کسی سلطنت کے قانون میں قابل عفو نہیں سمجھی جاتیں جان بچانے کیلئے جلاوطن ہو نا بہتر سمجھا اور مکہ چھوڑ دیا مگر عکرمہ کی بی بی ام حکیم مسلمان ہو گئیں اور اپنے باغی خاوند کیلئے امان کی خواہشمند ہوئیں۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ام حکیم کی درخواست کو منظور فرمایا اور خون ہدر ہونیکے سابق حکم کو واپس لے لیا۔ ام حکیم اپنے خاوند کی تلاش میں مکہ سے باہر نکلیں اور اسوقت جبکہ عکرمہ سمندر کے کنارے پہنچ لیا اور جہاز پر چڑھ کر کسی دوسرے ملک میں جانیکا تہیہ کر رہا تھا خاوند سے ملیں اور بارگاہ رسالت سے امان حاصل ہونیکا ذکر کرکے واپسی کی خواہشمند ہوئیں۔ عکرمہ یہ حال سنکر حیران ہو گیا کبھی اپنی گذشتہ عداوت و بغاوت کے قصے یاد کرتا تھا اور کبھی اس لطف و کرم اور رحم و ملاطفت پر

نظر ڈالتا تھا آخر کار ام حکیمؓ کے ہمراہ ہو لیا اور مکہ واپس آکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہو کر دریافت کیا کہ آپ نے مجھ کو امان مرحمت فرمائی ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا کہ "ہاں تم کو امان دی گئی ہے" یہ نبوی کلمہ حیرت انگیز اثر کر گیا یعنی یہ کہ عکرمہ کے قلب پر مقدس مذہب اسلام کی نورانی شعاعوں نے احاطہ کر لیا اور وہ یہ کہکر کہ اسقدر تحمل و کرم اور عفو و چشم پوشی خدا کے سچے نبی کے سوائے دوسرے میں ممکن نہیں مسلمان ہوگئے

اب ہم اس مبارک نام کو عزت کیساتھ یاد کرینگے کیونکہ یہ شریف النسل بہادر مسلمان ہونیکے بعد اُن اہل دل صحابہ میں شامل ہوئے ہیں جن کو قرآن مجید دیکھکر ایک وجد کی حالت پیدا ہوتی تھی اور یہ کہکر کہ "یہ میرے رب کا کلام ہے" رقت طاری ہو جاتی تھی۔ خلافت صدیقی میں جبکہ فتنہ مرتدین کے دفع کرنے اور قتال کفار کیلئے بارہ لشکر مرتب کیے گئے تھے ایک لشکر کی سپہ سالاری حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی اور اسی مبارک عہد سراپا مہد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ چچازاد بھائی جنگ اجنادین کا ہولناک منظر دیکھتے ہوئے شہید ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

صفوان بن امیہ نے بھی ایذاو کفر میں عکرمہ کا ساتھ نہیں چھوڑا یہانتک کہ غزوہ مکہ کے اسلامی لشکر کی مزاحمت میں عکرمہؓ کی مرافقت کی اسلئے اسلام میں بھی ساتھ چھوڑنا گوارا نہ ہوا البتہ صفوان کا اسلام غزوہ حنین کے بعد ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے بدر خون کا حکم واپس لیکر جنگ حنین تک مہلت مرحمت فرمادی تھی اور اس چند روز بعد پیش آنیوالی جنگ کے وقت چند زرہ اور جنگی سامان صفوان سے بطور عاریت لیا تھا مگر جب فتح حنین کے بعد بہت سا مال غنیمت اسلامی قبضہ میں آیا اور بھیڑ بکری دنبوں کے ایک گلہ پر صفوان کی نظر پڑی تو صفوان ششدر ہو گئے اور بولے کہ "کسقدر مویشی ہیں جو مسلمانوں کے ہاتھ لگے" یہ سنکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اے صفوان لیجاؤ یہ سارا گلہ میں نے تم کو ہبہ کیا" صفوان بن امیہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دریادلی دیکھکر حیران ہو گئے اور یہ کہکر کہ اس قدر سخاوت سوائے پیغمبر کے دوسرے میں پائی نہیں جا سکتی مسلمان ہوگئے

وحشی کے ہاتھ سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے عم بزرگوار سیدنا امیر حمزہؓ کا شہید ہونا وحشی کی خون ہدر ہونیکا باعث ہوا تھا لیکن وحشی اس سے پہلے کہ قتل کیا جائے طائف کی جانب بھاگ گیا کیونکہ تمام صحابۂ کرام وحشی کے خون کے پیاسے نظر آتے تھے اور ہر مسلمان چاہتا تھا کہ حمزہؓ جیسے بہادر کے قاتل سفاک کا خون میرے ہاتھوں بہایا جائے مگر خیال پورا نہ ہونے پایا اور وحشی قرآن کی یہ آیت سنکر کہ "اے اپنی جانوں پر ظلم کرنیوالو بندو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ بیشک اللہ تمام گناہ بخشدیگا" رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوگئے حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے خلافت صدیقی میں جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کو قتل کیا ہے۔

عبداللہ بن ابی سرح فتح مکہ سے قبل مسلمان ہوا اور وحی ربانی کی کتابت پر مامور ہوا تھا مگر علمی امور میں تجربہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ شاگرد یا سامعین کے قلب پر استاد یا عالم کے افاضہ کا عموماً اس طرح عکس پڑتا ہے کہ استاد یا

عالم کو جو بات بتانی مقصود ہوتی ہے اس کا آخری کلمہ اس سے پہلے کہ وہ بتائے اور بیان کرے شاگرد یا سامع کے دل میں آجاتا ہے خصوصاً مسجع و منظوم کلام میں ردیف و قافیہ کے متعلق معمولی شعراء کے ساتھ بیٹھنے والے حضرات بھی اس تجربہ سے واقف ہونگے۔ بغرض تحی۔ باقی کے متعلق بھی واللہ سمیع علیم یا ان اللہ غفور رحیم جیسی آیتوں میں یہ پیش آیا کہ وحی کے نقل کراتے وقت اس سے قبل کہ یہ آخری کلمہ زبان نبوی سے ارشاد ہو عبداللہ کاتب وحی کے دل میں پیدا ہوا اور اس نے زبان سے نکال دیا۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرما کر کہ "ہاں یہی کلمہ وحیاً نازل ہوا ہے" نقل کرا دیا۔ مگر عبداللہ کی گمراہی و ضلالت کیلئے یہ وسوسہ شیطانی کافی ہو گیا اور اس نے الہام و وحی کا دعویٰ کرنیکے بعد عام طور پر مشہور کیا کہ جو کلمات محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی ہوتے ہیں وہی مجھ پر القا کئے جاتے ہیں نیز کبھی یہ بھی بتایا گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر بھی نہیں ہوتی اور میں جو چاہتا ہوں لکھ دیتا ہوں۔ عبداللہ بن ابی سرح کا ارتداد اختیار کرنا اور اس بغاوت و شرارت کا جلد ظاہر کر دینا درحقیقت حق تعالیٰ کے اپنے مقدس کلام کی حفاظت کے متعلق اس ذمہ داری کا اظہار تھا جو قرآنی آیت میں صراحۃً فرمائی ہے کیونکہ اگر اسی حالت پر چند روز گذر جاتے تو شاید اس کاتب وحی کو تبدیل تغیر کا کافی موقع ملتا اور آنیوالی نسلوں کیلئے وثوق و اعتماد کی سبیل منقطع ہو جاتی۔ الغرض عبداللہ مرتد ہو کر مکہ بھاگ گیا اور آج فتح مکہ کے دن خون بہائے جانیکے اندیشہ سے عثمانی امان میں پناہ گزیں ہوا کیونکہ حضرت ذو النورین رضی اللہ عنہ عبداللہ کے رضاعی بھائی تھے حضرت عثمان ہی نے کمال سعی و کوشش کیساتھ عبداللہ کا قصور معاف کرایا اور عبداللہ مسلمان ہو گئے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی عرصہ تک یہ حالت رہی کہ اپنے ارتداد و ادعاء نبوت کی شرم و ندامت کی باعث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے منہ نہ کر سکے آخر کار عثمانی کوشش سے یہ حجاب بھی مرتفع ہوا اور حضرت عبداللہ کو نبوی صحبت سے مستفیض ہونیکا موقع ملا۔ خلافت عثمانیہ میں جبکہ حاکم مصر مقرر ہوئے تھے ملک افریقہ کی مبارک فتح انھیں حضرت کے ہاتھوں ہوئی اور آخر شہادت عثمان رضی کے بعد مسلمانوں کو خون سے بچنے کی نیت پر یکسو ہو بیٹھے اور پیش آنیوالی اسلامی خانہ جنگیوں میں کسی فریق کے طرفدار نہیں بنے۔

باب شصت و دوم (۶۲)

قصیدہ بانت سعاد اور مستورات کا قتل و ارشاد

کعب بن زہیر ایک شیریں بیان اور فصیح اللسان شاعر تھا تبلیغ اسلام اور اظہار توحید کی ابتدائی حالت میں جبکہ عرب کو اس نرالے اور ناآشنا کلمہ سے تحیر و تنفر تھا کعب نے اپنی بھائی کو دریافت حال اور واقعات و اوامر اسلام کی نیت سے حضرت ابوبکر رض کے پاس روانہ کیا تاکہ نو پیدا کلمہ کے اثر و تاثر سے آگاہی حاصل کرے اور اطلاع دے لیکن کعب کے بھائی صدیقی صحبت اور پاک مذہب اسلام کی زود اثر ہدایت سے مستفیض ہو کر واپس نہ آسکے مسلمان ہو کر نبوی خدمت میں رہ پڑے اور بھائی کو لکھ بھیجا کہ "آخرت سنبھالنے کیلئے کسی تصدیق و تجسس کی حاجت نہیں ہے بھلا چاہتے ہو تو بلا تامل یہاں حاضر ہو کر مجھ جیسے بنجاؤ" کعب کو

بھائی کا وہاں رہجانا اور بلا مشورہ مسلمان ہو کر اس طرح بیباکانہ جواب لکھ بھیجنا اسقدر ناگوار گذرا کہ اپنے
اس خط کے جواب میں چند اشعار ہجویہ لکھ بھیجے جن میں ایک شعر یہ بھی ہے ؎ سقاک ابوبکرؓ بکاس رویۃ
فانہلک المامور منہا وعلکا۔ "اول ابوبکرؓ نے تجھ کو ایک ناقص وردی پیالہ پلایا اور اسکے بعد وہی پیالہ اس شخص
(یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے تجھ کو پلایا جو ابوبکرؓ سے علاقہ رکھتا ہے اور بار بار پلایا" اس شعر میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم
کی جانب جن برے الفاظ میں کنایہ کیا گیا ہے اس کو ہر زبان سے دلچسپی رکھنے والا سمجھ سکتا ہے۔ الغرض اس کے بعد
کعب کی بغاوت و مخالفت دن بدن زیادہ ہوتی رہی اور آخر فتح مکہ کے دن جان کے اندیشہ سے اسکو مکہ چھوڑنا پڑا۔

چند روز بعد جبکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مفتوحہ ملک کے انتظام و سیاست سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ واپس
تشریف لے گئے تو کعب بن زہیر مدینہ حاضر ہو کر اسلام لانیکی نیت سے روانہ ہوا راتوں چلتا دنوں چھپتا عین شوق
جبکہ سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے مسجد کے دروازے پر پہنچ گیا اور فوراً اونٹنی بٹھا کر یکبارگی چیخ
اٹھا کہ "میں کعب بن زہیر ہوں اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمد رسول اللہ" اسکے بعد بارگاہ رسالت میں حاضر
ہو کر وہ مدحیہ قصیدہ نذرانہ کے طور پر پیش کیا جسکا ایک شعر یہ بھی ہے ؎ ان الرسول لسیف یستضاء بہ
مہند من سیوف الہند مسلول۔ "حقیقت میں پیغمبر ہندی قابل تعریف تلواروں میں ایک ایسی ننگی تلوار ہیں جس سے
روشنی حاصل کی جاتی ہے" اس شعر میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح بھی فرمائی اور بجائے سیف کے نور
اور سیوف الہند کے سیوف اللہ بنوا دیا جسکا ترجمہ یوں ہو گیا کہ "پیغمبر اللہ کی تلواروں میں ایک ننگی تلوار اور ایسے
نور ہیں جس سے دوسرے روشن ہوتے ہیں" یہ مبارک قصیدہ بانت سعاد کے نام سے ابتک مشہور ہے اسی قصیدہ
کے صلہ میں حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص اپنی ردائے مبارک مرحمت
فرمائی جسکو حضرت کعب نے اپنی مدت العمر علیحدہ کرنا گوارا نہیں کیا اور باوجود حضرت امیر معاویہ کے اصرار اور دس ہزار
دینار قیمت دینے کے بھی فروخت کرنا منظور نہیں فرمایا البتہ انکے انتقال کئے پیچھے انکی اولاد سے بیس ہزار (۲۰۰۰۰) دینار
کے عوض وہ چادر لے لی گئی اور امیر معاویہ کے شاہی تبرکات میں داخل کی گئی۔

اسلام لانے کے بعد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا لکھا ہوا ہجویہ شعر جسکو ہم اوپر لکھ چکے ہیں سنایا اور
مزاحاً یوں دریافت فرمایا تھا کہ یہ شعر بھی تمھارا ہی لکھا ہوا ہے جسکے جواب میں حضرت کعب نے جودت ذہن کے باعث فوراً
دو لفظ بدل دیئے اور کہا کہ یا رسول اللہ یہ شعر اس طرح نہ تھا جیسا کہ آپ نے پڑھا بلکہ رویۃ میں دال کی جگہ واو ہے جسکے
معنی خوشگوار کے ہیں اور مامور میں بجائے راء کے نون کا حرف ہے جسکے معنی امانتدار اور امن دادہ شدہ کے ہیں گویا ہجویہ
شعر کو مدحیہ بنا دیا۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اس ذکاوت و رسائی ذہن سے نہایت خوش ہوئے اور آفرین و تحسین فرمائی
ہبار بن اسود کا یہ جرم تھا کہ جسوقت جنگ بدر کے قیدی فدیہ کی منشا حسب رقوم پر رہا کئے گئے اور دختر

نیک اختر بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر ابوالعاص جو منجملہ اسیران بدر گرفتار ہو کر آئے تھے اس شرط پر مکہ واپس بھیجے گئے کہ اپنی بی بی یعنی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی صاحبزادی زینب خاتون کو جنکا نکاح قبل ہجرت ابوالعاص سے ہو چکا تھا مدینہ واپس بھیجدیں چنانچہ حضرت ابو رافع اور سلمہ بن اسلم دونوں حضرات پیارے پیغمبر کی لخت جگر کو لینے کیلئے مکہ گئے اور ابوالعاص نے وعدے کے موافق زینب خاتون کو ہودج میں بٹھلا کر مدینہ کی جانب روانہ کر دیا۔

ہبار بن اسود نے اپنی قلبی عناد اور دلی عداوت کی نکالنے کیلئے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور چند اوباش قریشی کفار کو ہمراہ لیکر مدینہ کے راستہ میں بی بی زینب پر حملہ آور ہوا۔ بی بی زینب حاملہ تھیں سفر کا عالم تھا عورت ذات تھیں وہ صحابی کو ہمرکاب تھے مگر لیکن اتنے نکے مقابلہ کیلئے پھر بھی ناکافی تھے ہبار کو موقع فرصت ہاتھ آیا اور بے رحمی کیساتھ ہودج کے اندر اس زور سے نیزہ مارا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اس ضرب کی تاب نہ لاسکیں۔ اور راہ میں پڑے ہوئے پتھر پر گر پڑیں حمل ساقط ہو گیا اور ولادت واسقاط حمل کے متعلق اس اندرونی مرض میں گرفتار ہوئیں جس سے جانبر نہ ہو سکیں اور آخر مدینہ پہنچنے کے چند ماہ بعد پیارے باپ کی حیات میں راہی ملک بقا ہوئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

فتح مکہ ہی کے دن ہبار بن اسود کا خون ہدر ہوا مگر ہبار اس سے پہلے کہ مسلمانوں کے قبضہ میں آئے روپوش ہو گیا آخر حضرت کعب رضی کی طرح عین اسوقت جبکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب کے مجمع میں تشریف فرما تھے مدینہ پہنچکر احاطہ نبوی دربار میں حاضر ہوا اور بآواز بلند پکارا کہ "میں ہبار بن اسود مقر باسلام حاضر ہوا ہوں" چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام قبول فرماکر بیعت لے لی اور جانکاہ حادثہ کے متعلق جو کچھ قصور جا اور ہوا تھا معاف فرما دیا۔

گیارھویں مرد یعنی عبد اللہ بن زبعری کے جرم اور اسلام کی صورت کے متعلق کوئی تفصیلی حال قابل اطمینان چونکہ معلوم نہیں ہوا اس لئے چھوڑ دیا گیا۔ البتہ تتمہ کے طور پر یہ بیان کر دینا بھی مناسب ہے کہ چونکہ نو مسلم ابوسفیان کے متعلق حضرت عباس رض نے سفارش کی تھی کہ یا رسول اللہ ابوسفیان حکومت پسند اور نمود و افتخار کا طلبگار قریشی ہے اسلئے اگر آج فتح مکہ کے دن کوئی ایسا اعزاز ابوسفیان کو نصیب ہو جس کے باعث قوم پر فخر کرنیکا موقع ملے تو اسلام کی پختگی کا ذریعہ ہوگا چنانچہ مکہ داخل ہونے وقت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا تھا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائیگا اسکو امن ملیگا" چنانچہ ایسا ہی ہوا اور بیسیوں جانیں اس رحمت آمیز فقرہ سے نجات پا گئیں۔

اس زمانہ میں اس مقدس گھر کو سلطانی شفاخانہ بنا دیا گیا ہے جس میں جان سے خوف زدہ بیماروں کو قابل اطمینان صحت اور امن و عافیت کی تسلی و تشفی مذکورہ بالا حدیث سے اشارۃً مستنبط سمجھی گئی ہے اور یوں بھی تبرکاً و تیمناً قلبی امن و عافیت اور روحانی و نفسانی امراض کے ازالہ کی نیت سے حجاج اس مقدس سطح پر جسم کو مس کراتے ہیں جسکے متعلق پیارے رسول کی زبان سے یہ مبارک الفاظ نکلے تھے۔ ابوسفیان کی بی بی ہند کا سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرانا اور نعش مبارک کیساتھ وحشیانہ حرکت کیساتھ پیش آنا سینہ چیر کر

کلیجہ نکالنا اور دانتوں سے چبانا پھر جسم کے اعضا کا کاٹنا اور ناک کان کے ہار بنا کر پہننا ایسا جانکاہ حادثہ ہے جسکے
سننے سے لرزہ آتا ہے اسی جرم میں ہند کا خون ہدر کیا گیا تھا لیکن اس سے پہلے کہ گردن کاٹی جائے ہند عورتوں کے
زمرہ میں شامل ہو کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئیں اور مسلمان ہو گئیں۔ ان مذکورہ واقعات سے حیرت ہوتی اور
عقل چکرائی جاتی ہے کہ اسلامی دنیا کے ابتدائی افراد میں ہزارہا اشخاص ایسے ملتے ہیں جنکی ابتدائی اور انتہائی زندگی
میں زمین و آسمان کا بعد ہے یا وہ مخالفت و عناد تھا اور یا یہ اطاعت و اتحاد ایک زمانہ وہ تھا کہ ہر مسلمان طبیعت کو
نام لینا ناگوار تھا اور ایک یہ وقت ہے کہ حضرت ہند رضی اللہ عنہ کے پاک خطاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ
علیہ وسلم کی بے نفسی اور حلم و بردباری کا اندازہ نہیں ہو سکتا کیونکہ آپ گذری ہوئی مصیبتوں کا تو ذرہ برابر بھی خیال
نہ لاتے تھے اور انہیں ہموطن بھائیوں سے جنکی طرف سے کسی زمانہ میں جان و مال آبرو اور اولاد غرض ہر قابل عزت چیز
پر حملہ کئے گئے تھے اسلام لائے پیچھے اس خلوص و محبت کیساتھ ملاقات کرتے تھے جس طرح مہربان ماں باپ اپنی سعادتمند
اولاد یا قدردان آقا اپنے فرمانبردار خیرخواہ غلام کیساتھ کیا کرتا ہے اسپر بھی اگر کوئی کہے دنیاوی حکومت مقصود تھی
یا ریاست و ملکی سلطنت کا خیال تھا تو ایسے بدطبیعت شخص کو خدا سمجھے۔ حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے مسلمان ہو کے
پیچھے گھر واپس ہو کر وہ ساری مورتیں جو پرستش کیلئے رکھی ہوئی تھیں توڑ ڈالیں اور یہ کہکر کہ افسوس میری اتنی عمر
تمہارے فریب میں ضائع ہوئی تو تکو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ ہند بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر کہا کرتی تھیں کہ یا رسول اللہ
ایک دن وہ تھا کہ میرے نزدیک سطح زمین پر آپ سے زیادہ دشمن اور مبغوض کوئی نہ تھا اور ایک آج کا دن ہے کہ دنیا میں آپ سے
زیادہ پیارا اور محبوب کوئی نظر نہیں آتا" ہند رضی نے ایک مرتبہ بکری کے دو بچے ہدیۃً رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر گذرانے
اور عرض کیا کہ میرے پاس بکریاں بہت کم ہیں چنانچہ آپنے برکت کی دعا فرمائی اور چند ہی روز بعد اسکا ایسا ظہور ہوا کہ ہند رضی
سے بکریاں سنبھالی نہ سنبھلتی تھیں۔ قرتنا اور قریبہ ابن خطل کی دونوں باندیاں اور ارنب ابن خطل کی آزاد کی ہوئی لونڈی
تینوں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں لغو و بیہودہ اشعار سریلی آواز سے گایا اور سننے والے اہل مکہ کے دل
لبھایا کرتی تھیں ان تینوں کنیزوں کے بھی خون ہدر کئے گئے تھے جن میں قریبہ اور ارنب ماری گئیں۔ البتہ قرتنا خوفزدہ
ہو کر مکہ سے بھاگ گئی اور جب کسی مکی شخص نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکے لئے امان لے لیا تو قرتنا حاضر خدمت ہو کر مسلمان
ہوئیں۔ پانچویں عورت سارہ بنی مطلب کی آزاد شدہ باندی تھی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ مسخرا پن کرنے
اور ہجویہ اشعار گانے ایذا پہنچانے اور بیہودہ و لغو حرکات کرنے میں بیباک تھی چونکہ فتح مکہ کے دن اسکا بھی خون ہدر ہوا تھا
اسلئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ سے قتل ہوئی۔ البتہ چھٹی عورت یعنی ام سعد کے متعلق صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ بھی
آج ہی کے دن قتل ہوئی اور اسکے علاوہ کچھ معلوم نہیں کہ کون تھی کیا خاص جرم تھا اور کس نے قتل کیا۔ واللہ اعلم بالصواب
شاہنشاہی دار السلطنت یعنی بیت اللہ پر کامیاب ہو کر کل مورتوں کے برباد کرنے اور تمام رسومات مشرکانہ

کے منسوخ کرنیکے بعد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کل آدمیوں کی طرف مخاطب ہو کر وعظ فرمایا اور آخر میں کہا کہ اے اہل قریش اب تمہاری کیا رائے ہے میں تمہارے ساتھ کس طرح پیش آؤں یا کیا سلوک کروں؟ اُن لوگوں نے جواب دیا کہ اے ہمارے بھائی اور اے ہمارے بھتیجے رحم و شفقت۔ اسلامی مؤرخ طبری کا بیان ہے کہ یہ لفظ سُنکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم آبدیدہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ویسا ہی سلوک کرونگا جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے اپنی خطاوار بھائیوں کیساتھ کیا تھا یہ فرما کر آپ نے وہ آیت قرآنی پڑھی جو ہیں اللہ پاک نے یوسف علیہ السلام کا جوابی کلمہ اسطرح ارشاد فرمایا ہے کہ "تم پر کچھ ملامت نہیں وقت نہیں خدا تمہیں بخشے کیونکہ وہ رحمان و رحیم ہے" اسکے بعد ایسا عجیب نظارہ ظاہر ہوا کہ اس جیسا تواریخ میں لکھا گیا ہوگا جماعت پر جماعت چلی آتی تھی اور حلقۂ اسلام میں داخل ہوتی تھی۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ صحابہ سمجھے ہوئے تھے جس طرح کسی زمانہ میں دس برس ہوئے اہل مدینہ کی بیعت لے چکے تھے اسی طرح اہل مکہ سے بھی اقرار لے رہے تھے کہ ہم لوگ عبادت میں شرک نہ کرینگے چوری زنا نہیں کرینگے لڑکیوں کو نہ مارینگے نہیں جھوٹ بولینگے۔ اور نہ عورتوں پر جھوٹی تہمتیں دھرینگے۔ اسطرح پر قرآن شریف کی وہ پیشین گوئی آج پوری ہوگئی جس میں کھلے الفاظ کے اندر اسطرح بشارت دی گئی ہے کہ "اے محمد ہم نے تم کو کامل اور کھلی فتح عنایت کی"

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ترویج اسلام اور تبلیغ دین کے متعلق ساری محنتوں کا ثمرہ ملگیا مقصود رسالت حاصل ہوگیا۔ طائفی بچوں کے پتھر پھینکنے اور اوباش کافروں کے آوازے کسنے سب کچھ یاد ہونگے۔ ہر طرف عداوت کی بھیانک صورت اور قتل و قید کی خوف دلانیوالی دھمکیاں لاوارث سمجھکر غلاموں تک کا ڈانٹ لینا گالیاں سُنا لینی نظر کے سامنے ہونگی۔ غریب الوطنی اور وطن مالوف کی مفارقت بے رحم و سفاک قریشیوں کے ظالمانہ منصوبے اور آٹھ سال پہلے کی ناگفتہ بہ و تاریک حالت خیالی تصویر کی طرح روبرو ہوگی مگر آج جبکہ اللہ کا مقدس گھر بتوں کی قابل نفرت نجاست و پلیدی سے پاک صاف نظر آیا مردہ دل بندوں میں تازہ روح پھونکنے والا سچا کلمہ توحید ہزاروں ہزار بندگانِ خدا کی زبان پر جاری ہوتا سُنا پایا گیا۔ حبیب خدا کی ثناء و صفت کے الفاظ اور تکبیر و تحمید الٰہی کے دل ہلا دینے والے نعرے عرب کی ریگستانی زمین کے ذرات چمکاتے اور کوہ ابو قبیس و قینقعان میں ٹکرا ٹکرا کر گونجتے ہوئے محسوس ہوتے تو سارے تکدرات رفع ہوگئے رنج و غم خوشی و مسرت سے مبدل ہوگیا مصیبت و الم نے راحت و اطمینان کو جانشین بنایا اور درحقیقت ابد تک یاد سچی نبوت ثابت کرنے کے لئے وہ پائدار معجزہ بنا چھوڑا جس کی نظیر جاپر دوانگ عالم میں مل نہیں سکتی۔

باب (۴۳)

مکہ معظمہ کا قیام اور نبوی سیاست و انتظام۔ اس زمانہ میں جبکہ مکہ دارالکفر بنا ہوا ہزارہا بت پرست بہادروں کو اپنے اندر لئے ہوئے تھا کیا کوئی شخص خیال کرسکتا تھا کہ اسلام کے ہونہار اور پھلدار درخت کو یہ استحکام نصیب ہوگا کہ تمام کفرستان کو دارالامن والایمان بنائے جب عرب کی ریگستانی زمین اور حجاز کے کفرستان مالک ہیں ...

بدوؤں کی مخالفت اور عقائد فاسدہ کی اصلاح کیلئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تھے مایوسی کی گھنگھور گھٹائیں پھیلی ہوئیں اور ناامیدی کے تاریک ظلمت خیز بادل امنڈتے نظر آرہے تھے۔ آپ کو کعبہ میں وعظ کہنے سے کفار قریش نے روک دیا تھا اور جھنڈ کے جھنڈ آپ کے مہربان چچا ابوطالب کے پاس اس بات کی آکر ملتجی ہوتے تھے کہ "اپنے بھتیجے کو روکو کہ وہ ہمارے بتوں کو برا نہ کہے ورنہ جنگ کیلئے تیار ہو جاؤ" قریش کا غصہ دن بدن بڑھتا رہا اور آخر ابوطالب کا انتقال گویا اہل مکہ کیلئے عام اجازت ہو گئی کہ مصیبت و ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔

یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی کا استقلال تھا کہ آپ نے دنیا بھر میں اپنے ایک مربی و محافظ یعنی ابوطالب کی علیحدگی کا بھی خیال نہ کیا اور صاف الفاظ میں فرما دیا کہ "چچا جان اگر کافر میرے داہنے ہاتھ میں آفتاب اور بائیں ہاتھ میں ماہتاب پکڑ بھی اس پاک کام کے چھوڑنے کو مجھ سے کہیں تب بھی میں اپنے مقصد سے ہرگز نہ ڈگوں گا یہانتک کہ خدا اپنے مقصد کو ظاہر کر دے یا میں اسی کوشش میں شہید ہو جاؤں"۔ الحمد للہ کہ مقصد پورا ہو گیا وہ مبارک دن دنیا ہی میں دیکھنے کا اتفاق ہوا جس کیلئے آپ نے اس زبردست فقرے میں لوگوں کو منتظر بنایا تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ آپ کی رسالت کا وہ پاکیزہ ثمرہ ظاہر ہوا جس نے آپ کی عقل کو حیران بنانیوالی اس مستعدی کو کام میں لائے جس نے اعزا و اقارب کی مفارقت کنبہ اور برادری کی مخالفت وطن اور مولد و مسکن کی مہاجرت غرض ہر پریشان کرنیوالی حالت کو محض خواب و خیال بنا دیا تھا۔ آپ ہمت نہ ہارے اور آخرت کی جاوید نعمتوں کے کریمانہ ہاتھوں سے لٹانے میں ایسے سخی و کریم ثابت ہوئے جسکی نظیر گذشتہ انبیاء و رسل اور عقلا و حکما میں بھی ملنی دشوار و محال ہے۔ آپ کے افضل البشر اور سید الکائنات ہونیکی یہی دلیل کافی ہے کہ آپ کے مقدس اوقات کی سچی پائدار تاریخ اُن بیشمار مناقب و اوصاف سے بھری ہوئی ہے جنکا فرداً فرداً کسی بشر کے اندر ہونا بھی لوگوں میں محترم و باوقعت بننے کیلئے کافی ہے۔ جو لوگ آپ کو جتنا بھی زیادہ جانتے تھے اتنا ہی زیادہ آپ کے خالص اور سچے پیرو ہوتے تھے اور جس قوم نے جتنا بھی آپ کو جانچا اسی قدر اطاعت و انقیاد کا بڑا حصہ لیا۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ عرب کے نامور قبیلے اور علمی لیاقت و لسانی فصاحت میں دنیا پر فوقیت لیجانیوالے حجازی باشندے ایسے بیوقوف تھے کہ اپنے ہادی کے اندر دنیاداری کے آثار پاکر اطاعت کریں۔ کیا کوئی متکبر و مغرور سردار یا کسی قوم کا باعزت امیر بغیر کسی خاص حالت کے پائے ہوئے حلقہ غلامی کان میں ڈال سکتا ہے۔ آپ کے اوپر ایمان لانیوالے بندوں نے کبھی انحراف کا نام نہیں لیا اور اگر کوئی مرتد بھی ہوا تو اُن زوائد امور یا طبعی خباثت کے باعث جن کو آپ کی ستودہ صفات سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اگر لوگ اسوقت بھی [illegible] تب بھی آپ کے کام کی عظمت میں کوئی بٹہ نہ لگتا۔ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام کا اثر اپنے رشتہ داروں پر نہ پہنچا [illegible] آپ کے حواریین بھی آپ پر ایمان لانے میں اسقدر مضبوط ثابت نہیں ہوئے جیسے اُمت محمدیہ میں ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی جیسے کامل الایمان افراد موجود ہیں مگر پھر بھی حضرت روح اللہ کی سیادت و رسالت میں کوئی ضعف نہیں ہو سکتا ممکن ہے کہ یہ ضعف ایمان خود حواریین کی ذاتی کمزوری کے باعث یا ایک عیسائی جید مورخ ملمن نامی کی رائے کے موافق حضرت

عیسٰی علیہ السلام کے ظاہری اختلاف اقوال کے باعث بہرحال جو کچھ بھی ہو اس وقت ہمیں صرف یہ بات ظاہر کرنی ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس حیات میں کثیر جماعت اور ایسا قریبی رشتہ دار دلدادہ ان کی حالت دیکھنے والے لوگوں کی اطاعت اور اسکے بعد آپ کی امت کا استقلال اور اسقدر مضبوط ایمان اس امر کو ثابت کر رہا ہے کہ آپ کی اغراض نہایت پاک و منزہ تھے آپ کے عادات بہر دلعزیز اور اخلاق عام و خاص پسند تھے آپ کا دین حق تھا اور عادات و عبادات کے متعلق جو کچھ بھی آپ کے حرکات و سکنات تھے ان میں سے کوئی بھی دلچسپی سے خالی نہ تھا۔ آپ کے اخلاق و شفقت و کرم کی نظر نے ہر دل پر وہ گہرا اثر کیا تھا جس نے دشمنوں سے بھی تعریف کرادی اور مورخان عرب نے وہ تعریفی قصیدے لکھوا چھوڑے ہیں کہ جو دولتمند و کرم گستر سلطان کی شان میں نہیں لکھے جا سکتے۔ آپ پڑھے لکھے نہ تھے لیکن عالم و جاہل دونوں کو تعلیم فرماتے تھے۔ آپ کے چہرہ پر دل کی صفائی کا اثر نمودار تھا اور عظمت و جلال کا وہ نور برستا تھا جس کی نظیر دنیا کے پردہ پر نہ پہلے کبھی نہ ایسے نہ آئندہ ہوگی۔ آپ نہایت خلیق تھے بارہا اپنے پاس بیٹھنے والوں سے مزاح فرماتے اور دل بہلانے کیلئے خوش طبعی کی باتیں بھی کیا کرتے تھے مگر پھر بھی آپ کے چہرہ پر وہ قدرتی رعب اور ہیبت برستی تھی کہ سلطانی قاصدوں اور فرمانروایان ملک کے بہادر سفیروں کے پتے پانی ہوتے تھے باوجود آپ کی اس قدر ملاطفت اور کثرت اختلاط یعنی ہر وقت کے میل جول کے بھی آپ کے اصحاب کو کبھی بیجا بات کے عرض یا خلاف شرع امر میں کسی سفارش کرنیکی جرأت نہ ہوتی تھی۔ آپ کے چچا اور عمر میں بوڑھے رشتہ میں بڑے مسلمان بھی آپ کے ایسے ہی محکوم و تابعدار تھے جس طرح سامنے کے پیدا ہوئے بچے اور گود کھلائے لڑکے۔ آپ حیا میں ناکتخدا لڑکی سے بھی بڑھکر تھے اور اپنے ماتحت خدام پر نہایت درجہ شفیق و مہربان۔ آپ نے اپنے خادموں کو بھی کبھی نہیں جھڑکا آپ کے خادم انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے روایت ہے کہ میں دس برس آپ کی خدمت میں سرفراز رہا اس درمیان میں آپ نے مجھکو کبھی اُف تک نہیں کیا۔ آپ نے اپنی زندگی بھر میں نہ کسی کو مارا اور نہ کسی پر وار کیا سخت سے سخت کلمہ جو کسی شخص کی بیجا حرکت پر آپ کی زبان سے نکلتا تھا یہ تھا کہ "اسکو کیا ہو گیا ہے اسکی پیشانی مٹی سے کالی ہو" ایک دفعہ لوگوں نے کفار کے حق میں بددعا کرنے کی آپ سے استدعا کی آپ نے فرمایا کہ میں بددعا کرنیکو نہیں آیا ہوں میں لوگوں پر رحمت کرنیکو بھیجا گیا ہوں" آپ لڑکوں اور کمسن بچوں کو نہایت شفقت و محبت کی نظر سے دیکھتے تھے گلیوں میں بچوں کو کھیلتے پاتے تو انکو ٹھیرا لیتے اور پیار سے انکی پیٹھ ٹھونکتے تھے بچوں کا جواب تک کیسا تھ دینا آپ جانتے ہی نہ تھے۔ ایک دفعہ کسی دہقانی گنوار نے پکارتے ہوئے آپ کی چادر مبارک کا کونہ پکڑ کر ایسا کھینچا کہ پھول سی نازک گردن پر نشان پڑ گئے اور سرخی کے دورے نمودار ہو گئے مگر آپ ذرا چیں بجبیں نہ ہوئے بلکہ تبسم کرکے منہ پھیر لیا اور فرمایا کہ "میں نے تمہارا پکارنا سنا تمہیں کیا چاہئے" آپ بیماروں کی عیادت کو جاتے اور جو جنازہ راستہ میں ملتا اس کیساتھ ہو لیتے تھے تجہیز و تکفین میں شامل ہوتے اور تعزیت و تسلی سے مصیبت زدہ لوگوں کی ڈھارس بندھایا کرتے تھے آزاد یا غلام کی بھی دعوت قبول کر لیتے اور جو شخص جہاں لیجانا چاہتا بشرطیکہ ناجائز نہ ہو فوراً ساتھ ہو لیتے تھے۔ آپ اپنی بکریوں کو آپ رسی لیکر باندھتے اور دودھ خود ہی دوہ لیتے۔ غرض انسانی ضرورت کے متعلق اپنا کام خود ہی کر لیتے تھے آپ کو کسی کا ایسے کام

کرنے میں تامل نہ تھا جسکو آجکل امرا بہ نظر حقارت دیکھتے یا نوکروں یا غلاموں کا کام سمجھتے ہیں۔ مصافحہ کے وقت آپ
اپنا ہاتھ پہلے کبھی نہیں کھینچتے اور جبتک بات کرنیوالا شخص خود ہی نہ چلا جائے آپ بے التفاتی نہ فرماتے تھے۔ ایک عرب آپکی
تعریف میں لکھتا ہے کہ آپ کا دل نہایت دلیر تھا، ہاتھ سخی تھا، زبان سچی تھی۔ آپ جس کسی سے کوئی وعدہ فرماتے اسکو پوری طرح
انجام دیتے تھے" گفتگو میں آپ کا کلام نہایت دلچسپ تھا۔ نصیحت کرتے اور سمجھاتے وقت آپ نہایت نرمی کیساتھ کام
لیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک نومسلم ناواقف شخص مسجد کے صحن میں کھڑا ہو کر پیشاب کرنے لگا لوگوں نے شور مچانا شروع کیا مگر
آپ نے سب کو خاموش کر دیا اور فرمایا کہ پیشاب کرنے میں اس کو پریشان نہ کرو پانی کا ایک ڈول لاکر بہا دینا اور اسکے
بعد جب وہ شخص پیشاب کر چکا تو آپ نے بلایا اور پاس بٹھا کر محبت کیساتھ اس طرح سمجھایا کہ "بھائی یہ مسجد اللہ کا گھر
اور تمھاری عبادت کی جگہ ہے اسکو بول و براز کی نجاست سے ناپاک مت بنایا کرو"۔ آپ کے وعظ اور نرم گفتاری کا
پاکیزہ طریقہ ایسا نتیجہ خیز موثر تھا کہ دل کی تہہ میں پہنچے بغیر نہ رہتا تھا۔ آپ ہر ایک شخص کی بیباکی سے اعراض فرماتے اور
ہر شخص کی سمجھ کے موافق بات سمجھایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے آکر کہا کہ یا رسول اللہ مجھ کو زنا کرنیکی اجازت دیدیجیے
یہ گستاخانہ سوال آپ کے اصحاب کو بہت ناگوار گذرا اور لوگوں نے اس ناسمجھ سائل کو تیز اور ڈراونی آنکھوں سے
گھورنا شروع کیا مگر آپ نے پاس بٹھا کر یوں سمجھایا کہ "میاں اگر تمھاری بہن سے کوئی شخص زنا کرے تو کیا تم کو ناگوار
نہیں گذرتا"۔ سائل نے جواب دیا کہ سخت ناگوار گذرتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اسی طرح دوسروں کو اپنی بہن سے زنا کا ہونا
ناگوار گذریگا اسی طرح ماں اور بیٹی پھوپھی اور مامی اور بیوی غرض سارے قریبی رشتہ داروں کا رشتہ ذکر فرما کر یہی
سوال کیا اور ہر مرتبہ یہ جواب سنکر کہ مجھے اپنے رشتہ داروں میں سے کسی کا ایسی حرکت سے ملوث ہونا گوارا نہیں ہے اسکو یہی
یہی جواب دیا کہ تمھاری ہی طرح دوسروں کو بھی حیا و غیرت ہے کوئی دوسرا شخص کیونکر گوارا کر سکتا ہے آخر کار جب وہ شخص
سمجھ گیا تو آپ نے اپنا معجز نما ہاتھ ید مسیحا کی طرح مریض القلب سائل کے سینہ پر پھیرا اور دعا فرمائی کہ "الٰہی اسکا قلب پاک
کر دے"۔ یہی سائل کہتے ہیں کہ اس قصے کے بعد دنیا میں جسقدر بغض مجھ کو فعل زنا سے ہے اتنا کسی دوسرے گناہ سے نہیں ہے
جس شخص پر آپ کی نظر رحمت پڑتی تھی اسکے دل میں فوراً آپ کی عظمت پیدا ہو جاتی تھی اور جو کوئی آپکے پاس
بیٹھتا تھا آپ سے محبت کرنے لگتا تھا۔ لوگ جب ایک دوسرے سے آپکی تعریف پوچھتے تو یہی جواب پاتے تھے کہ ہم نے ایسا شخص
کبھی نہیں دیکھا۔ آپ بہت کم بولتے تھے اور جب بولتے تو نہایت صاف صاف اور ٹھہر ٹھہر کر تاکہ بات ہر قریب و بعید کی
سمجھ میں آسکے۔ آپ کی [illegible] تحمل صبر سخاوت اور جفاکشی ہر شخص کے دلوں اور جسموں کو آپ کی طرف کھینچتی تھی۔ آپ آرام و
آسائش میں ہمیشہ دوسروں کو اپنے نفس پر ترجیح دیتے اور تنگدستی کے زمانہ میں بھی غریبوں اور مسکینوں کو اپنے ساتھ کھلاتے تھے
آپ مظلوم کے غم میں شریک ہوتے اور بیوہ و بیکس عورتوں کے کام کرنے میں پیش قدمی کیا کرتے تھے۔ آپ دوسروں کے آرام کے
بہت خواہاں رہتے اور غریبوں سے محبت رکھتے تھے۔ بوڑھوں کی تعظیم فرماتے اور وقعت و عظمت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے

چنانچہ فتح مکہ میں جبکہ آپ حرم شریف میں بیٹھے ہوئے تھے حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے ضعیف العمر نیچی لٹکی ہوئی سفید ڈاڑھی
والے باپ ابو قحافہ کو جن کے پاؤں میں رعشہ اور نقاہت کے باعث کپکپی طاری تھی آپ کے پاس لائے تاکہ اسلام
کی بیعت لے لیں تو آپ نے یوں ارشاد فرمایا کہ بڑے میاں کو کیوں تکلیف دی یہیں ہی تمھارے گھر چلا جاتا۔"
آپ کو جھوٹ سے نہایت درجہ نفرت اور سچ سے کمال الفت تھی آپ سچ بولنے والے مجرم اور اقرار کرنیوالے
قصوروار کو بھی وقعت کی نظر سے دیکھتے تھے حقداروں کے حقوق سمجھتے اور ادا کرتے تھے آپ نے اپنی نو بیبیوں میں بھی
وہ عادلانہ برتاؤ اور معاشرت و محبت کا مساویانہ انداز قائم رکھا جو دو بیبیوں والے خاوند کو بھی برتنا آسان نہیں ہے
آپ کی سادگی اور متانت بذات خود ایک سچی راہبر تھی۔ خدا نے سارے جہان کا خزانہ آپ کے سامنے پیش کیا لیکن آپ نے
اسے قبول نہ فرمایا اور غریبی ہی اچھا سمجھ لیا۔ اس وقت بھی کہ آپ حجاز کے خطہ کے بادشاہ ہو چکے اور ہزارہا عربی باشندوں
کی جان و مال پر قبضہ کر چکے تھے آپ نے اپنا بستر زیادہ نفیس نہیں بنوایا اور دنیاوی مال متاع میں کسی اپنے رشتہ دار کو وارث
نہیں بنایا آپ کا اندوختہ سب وقف تھا اور اول سے آخر تک جس حالت میں جو کچھ بھی تھا حاجتمند بھوکوں اور ضرورت
والے مسکینوں کیلئے تھا۔ آپ نے اپنی مبارک حیات کے ایام جس بے تکلفی و سادگی کیساتھ گذارے وہ جداگانہ رہبر کامل
کا کام دے رہے ہیں۔ آپ کا کھانا پینا کپڑا اسباب سب مختصر تھا اکثر بھوکے سو رہتے اور کبھی صرف پانی اور کھجوروں
پر بسر اوقات فرمایا کرتے تھے۔ مہینوں آپ کے باورچیخانہ میں آگ روشن نہیں ہوتی تھی آٹے کا چھلنی میں چھاننا کوئی
جانتا ہی نہ تھا۔ کیا ہے لذیذ اور عمدہ سے عمدہ ضیافت بکری کے بھنے ہوئے گوشت یا شوربہ میں بھگوئے ہوئے
روٹی کے ٹکڑوں کی ہوتی تھی جس کا استعمال اکثر ولیمہ کی دعوتوں یا خاص مہمانداری کے دسترخوان پر ہوتا تھا۔ آپ اپنے
دشمنوں کے ساتھ بھی بلطف و مدارات پیش آتے تھے جو شخص آپ کے ساتھ استہزاء اور ٹھٹھا کرتا آپ کو ایذا دیتا یا
کسی قسم کی بدسلوکی و دغا کیساتھ پیش آتا تھا آپ اُسے معاف کر دیتے اور بھول جاتے تھے۔ یہی اہل مکہ تھے جنھوں نے
کسی وقت میں برائی کی کوئی بات اٹھا نہ رکھی تھی آج عزیز صحابی اور ایسے رفیق بن گئے گویا کبھی کچھ ہوا ہی نہ تھا جس طرح
شرک و بت پرستی حرف غلط کی طرح ملیامیٹ ہو گئی اسی طرح پچھلی عداوت و مخالفت بھی الفت و محبت سے مبدل ہو کر
یک قلم زائل ہو گئی۔ آپ نے نہ چاہا کہ باشندگان مکہ دوسرے مفتوحہ ممالک اور مقبوضہ بلاد کی طرح غلام باندی بنائے جائیں
اور فاتح مسلمانوں کے استعمال میں آئیں آپ نے اپنے اوپر ہر طرح کے ظلم کرنیوالوں اور دشمن جان قریشی بھائیوں کو آزاد
کر دیا اور کسی کی مقبوضہ جائداد یا ان کے تصرف مال میں مداخلت نہیں کی۔ اگر کوئی کسی عالی حوصلہ بادشاہ یا باہمت
و عالی ظرف سلطان کی کوئی نظیر پیش کر سکے تو لائیے ہم دیکھنے کیلئے منتظر ہیں یا کسی بردبار و متحمل کی ایسی قابل یادگار
برداشت پیش کر سکے کہ سپاہی ظلم کے ہزارہا دروازے کھولنے والوں پر عفو و رحمت کے بیشمار دروازے کھولے گئے ہوں
تو پیش کرے ہم سننے کے امیدوار ہیں۔ آپ نہایت امانت دار اور امانت کے حقدار تک پہنچانیکو بدرجہ اولیٰ دوست

رکھنے والے تھے۔ مکہ فتح ہوئے پیچھے ایک مرتبہ جبکہ آپ نے بیت اللہ میں داخل ہونے کیلئے حضرت عثمانؓ بن طلحہ سے کنجی منگائی اور دروازہ کھولکر اندر تشریف لیگئے تو آپ کے چچا حضرت عباسؓ نے درخواست کی کہ حجاج کا سقایہ میرے متعلق ہے اگر کعبہ کی کنجی بھی مجھے عنایت ہو تو بہت اچھا ہو مگر آپ نے گوارا نہ فرمایا اور واپس آکر مفتاح کعبہ جو آپ کے پاس امانت تھی اسکی حقدار یعنی عثمان ہی کو مرحمت فرمائی بلکہ یوں ارشاد کیا کہ "اے عثمان یہ کنجی ظالم کے سوائے کوئی منصف شخص کبھی تمہارے ہاتھ سے نہ چھینے گا" چنانچہ ابتک اس سچی پیشین گوئی کے مطابق یہ مقدس امانت اسی خاندان کے ہاتھ میں ہے۔ صاحب مفتاح حضرت عثمانؓ بن طلحہ کے چونکہ کوئی صلبی بیٹا نہ تھا اس لئے مفتاح کعبہ بوقت وفات اپنے بھائی شیبہؓ کے حوالہ کرگئے اور انکے بعد نسلاً بعد نسل اولاد شیبہ ہی اسکے وارث ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ صاحب مفتاح شیبی کہلاتا ہے اور جملہ حکام وقت یا سلاطین ارض بیت اللہ کی داخلی کے وقت اسی مقدس خاندان کے محتاج بنتے ہیں۔ آپ باوجود دنیاوی سیاست انتظام اور اسقدر اہم بالشان فرائض کی پابندی کے بھی اپنے ایک خدا کی عبادت اور شاقہ ریاضت سے لحظہ بھر غافل نہ تھے جس طرح آپ کی ملکی سیاست اور تدبیر حکومت آنیوالے سلاطین اور سطح زمین کے فرمانروایان با اقتدار یا دشاہوں کیلئے عمدہ سبق ہے اسی طرح آپ کا زہد و توکل صبر و قناعت مجاہدہ و ریاضت خواہشات نفسانیہ پر قبضہ اور نفس کی مغلوبیت بھی روحی مملکت پر سلطنت کرنیوالے پاکباز بندوں کیلئے وہ نمونہ موجود ہے جسکی بدولت آخرت کی زندگی میں امن و عافیت نصیب ہوتی ہے۔ آپ نے نماز میں کھڑے کھڑے رات گذاروی اور سچے معبود کی پیشی میں رو رو کر دست بستہ اتنی التجائیں کی ہیں کہ پائے مبارک سوج گئے ہیں۔ خوف قیامت اور محشر کے ہولناک واقعات کے باعث آپ قبل از وقت بوڑھے ہوگئے تھے جسکو ریش مبارک کے چند سفید بالوں نے ظاہر کیا۔ آپ کی جفاکشی اور اس تھوڑی عمر میں دینی اور دنیوی دونوں نظم و نسق کے اسقدر قوانین جن پر عالم کے چاروں کنارے پر رہنے والی مخلوق کو مساوی ہدایت نصیب ہوتی ہے انسانی عقل چکرائے دیتے ہیں تجربہ شاہد ہے کہ دنیاوی سیاست میں مشہور قوم عموماً دینی خدمت سے غافل اور اخروی ترقی سے حرماں نصیب رہتی ہے مگر یہ اسلامی قوانین کو فخر حاصل ہوا کہ بلا ترمیم قیامت تک کی مدید مدت کیلئے کافی اور ظاہر و باطن جسم و روح یا دنیا و آخرت دونوں سنبھالنے کے لئے موزوں اور وافی ہیں۔ شریعت محمدیہ کا مستحکم قانون تعزیرات ہند کی طرح کسی ملک کیساتھ مخصوص یا دفعات میں سالانہ ترمیم و تنسیخ کی محتاج ثابت نہیں ہوا اور اپنے قدرتی استحکام و احتوا کی حیثیت سے جملہ اقوام میں مسلم اور اس قابل مانا گیا ہے کہ انتخاب و تجویز میں معین و مددگار بنایا جائے اور مفاسد انسانی عافیت و امن میں نقصان ڈالنے والے قابل نفرت معاملات کے انسداد اور ناشائستہ حرکات کے مرتکب یعنی جرائم پیشہ قصورواروں کی سزائیں ان خدائی قوانین سے استنباط کیا جائے جنکو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیکر عرب کے ریگستانی خطہ میں آترے تھے۔ مکہ فتح ہونے پر حبیب سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اب میں اپنا کام کرچکا میری رسالت کا دنیاوی زمانہ اب قریب اختتام ہے تو آپ نے اپنی

خاص خاص صحابیوں کو ہر طرف روانہ فرمایا کہ ریگستانی بدوؤں اور حجازی اقوام کو اسلام کی دعوت کریں اور جبتک مسلمان نہ ہو جائیں اس وقت تک سعی و کوشش کا بڑھا ہوا ہاتھ نہ کھینچیں چنانچہ انیس یوم آپ نے مکہ میں قیام فرمایا اور روزانہ حوالی و اطراف مکہ میں سریات یعنی مہمات لشکر اور حسب ضرورت فوجی سپاہ اپنے اپنے مقرر کردہ امیر کی ماتحتی میں ادھر ادھر روانہ فرماتے رہے۔ انھیں میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تین سو پچاس مہاجرین و انصار کے سردار بنکر قبیلہ بنی جذیمہ پر حملہ آور ہوئے۔ شوال کا مہینہ تھا اور مکہ کے اسلامی قبضہ میں آجانیکی وجہ سے ہر کہ و مہ پر اسلامی سکہ بیٹھ چکا تھا کیونکہ گردونواح مکہ کے ناسمجھ اور اصولوں پر غور کرنے سے ناقابل قبیلوں نے اسلام کی حقانیت کا اظہار فتح مکہ ہی پر محمول کر رکھا تھا یعنی یوں سمجھ رکھا تھا کہ اگر یہ نیا مذہب مکہ میں رائج اور قریش کی زبان پر جاری ہو گیا تو بیشک سچا ہوگا ورنہ ایک خیال خام ہے جس کا نتیجہ نکلتا نظر نہیں آتا اسلئے اب ہر شخص اسلامی صداقت از شمشیر سے مرعوب اور مقدس کلمہ ایمان کے پُرجلال ہونیکا معترف ہو چکا تھا چنانچہ قوم بنی جذیمہ نے خالد کی تلوار دیکھتے ہی اپنے آبائی مذہب سے بیزاری و انحراف کا اظہار کیا اور اس سے پہلے کہ تلوار اپنا کام کرے "صبأنا صبأنا" پکار اٹھے یعنی ہم نے نیا مذہب اختیار کیا۔ صبا کے معنی عربی لغت میں اپنے قدیم مذہب سے پھرنے اور نئے طریقہ کے اختیار کر لینے کے ہیں اور بنی جذیمہ کے ان پڑھ بدوؤں کا اس لفظ سے یہی مطلب تھا کہ ہم بت پرستی کے آبائی دین سے بیزار ہو کر توحید و اسلام کے نئے طریقہ میں داخل ہوئے مگر افسوس کہ اس محتمل لفظ کے اظہار اور خالص اسلام و ایمان کا پاک صریح کلمہ اختیار نہ کرنیکی وجہ سے حضرت خالد نے تلوار کو نیام میں بند نہ کیا اور قتل و گرفتاری کا بازار گرم کر دیا۔ بہتیرے مارے گئے اور جو ہزیمت خوردہ بھاگے وہ زندہ گرفتار کرنے کے بعد لشکری سپاہیوں پر ایک ایک کر کے بانٹ دیئے گئے تاکہ حکم ثانی کے انتظار اپنے قیدی کی شب بھر کیلئے حراست میں مستعد رہیں چنانچہ صبح ہوتے جبکہ ہر لشکری سپاہی نے اپنے قیدی کو حاضر کیا تو حضرت خالدؓ نے حکم دیدیا کہ ہر شخص اپنے گرفتار بدو کو قتل کر ڈالے۔ بنی جذیمہ کے بدو درحقیقت مسلمان ہو چکے تھے مگر اپنی زبان کی رکاکت اور مافی الضمیر کے صاف لفظوں سے ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے ایمان و انقیاد کے اظہار سے مجبور تھے اور یہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطا اور خیال کی غلطی تھی کہ باوجود "صبأنا" کے انکا قتال حلال سمجھا مگر چونکہ حضرت عبد اللہؓ بن عمر جو اسی لشکر کے سپاہی تھے بات کی تہ کو پہنچ گئے اور یہ مسئلہ جانتے ہوئے تھے کہ شرعی غلطی پر امیر لشکر کی اطاعت ضرور نہیں اسلئے خالد کا حکم سنکر بولے کہ "نہیں نہیں ہرگز نہیں نہ میں اپنے قیدی کو مارونگا نہ کسی دوسرے سپاہی کو مارنے دونگا اور اس مسئلہ میں میرا تمہارا تصفیہ خاص نبوی عدالت یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشی میں ہوگا"

معاملہ رفع دفع ہو گیا اور بنی جذیمہ کے قیدی مسلمان ہو جانیکی وجہ سے رہا کر دیئے گئے البتہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خالد کی یہ غلطی نہایت ناگوار گذری یہاں تک کہ جس وقت اس قتل و خونریزی

کی خبر آپ کو پہنچی اسی وقت آپ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دو مرتبہ یہ الفاظ فرمائے کہ "اے اللہ جو کچھ خالد نے کیا ہے میں اس سے بری ہوں"۔

حضرت خالد بن ولید کی چونکہ اجتہادی خطا تھی اس لئے قصاص و دیت کا مواخذہ نہیں کیا گیا البتہ بعض تواریخ میں لکھا ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بنی جذیمہ کے پاس روانہ کیا کہ ان کے جن جن آدمیوں پر ظلم کیا گیا ہے سب کو ان کے مقتولین کا خون بہا دیں چنانچہ حضرت علی رضی جذیمہ کے پاس آئے اور جس کا جتنا حق تھا دیا۔ جب آپ دیت کا روپیہ حق داروں کو دے چکے اور کچھ روپیہ آپ کے پاس بچے تو آپ نے نہایت سخاوت کے ساتھ ان بقیہ روپیوں کو بھی انھیں باقی ماندہ داروں میں بانٹ دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اس کارروائی سے سب لوگ خوش ہوئے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تعریف فرمائی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

باب ششم (۸)

اسلام کی آٹھویں جنگ حنین۔ ہوازن و ثقیف کے بدوؤں اور دوسرے فرقوں نے جو مکہ کے پاس بھیڑ بکریاں اور اونٹ چرایا کرتے تھے اور جن میں سے بعض کے پاس طائف کی طرح مضبوط قلعے تھے مسلمانوں کی مخالف ہو کر یہ ارادہ کیا کہ سب ملکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس سے پہلے ہی حملہ کر دیں کہ اسلامی لشکر اس جانب متوجہ ہو چنانچہ چار ہزار کفار کی جماعت حنین میں جمع ہوئی جو مکہ سے براہ عرفات طائف کے قریب دس میل سے کچھ زیادہ فاصلہ پر ذو المجاز کے پہلو میں ایک مشہور وادی ہے۔ اس جماعت کا سردار مالک بن عوف نصری تھا اور قوم ثقیف کے کچھ بدو بھی اس کے ہمخیال ہو گئے تھے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں مسافرانہ حیثیت سے قیام گزیں تھے اور اسی خیال پر کہ کل واپس یعنی آج واپس ہوں انیس دن گذر لئے تھے مگر چونکہ یہ انیس روز قیام ابتدائی نیت یا قصد اقامت کی بنا پر نہ تھا بلکہ ضروری امورات کے انتظام اور ان فوجی سریات کے ادھر ادھر بھیجنے میں مشغولیت کے باعث تھا جو دور دراز اسلامی دعوت کو نیکو اطراف مکہ میں بھیجے جاتے اور نمایاں فتح لیکر واپس آتے تھے اسلئے آپ اور آپ کے ہمراہی مہاجرین و انصار برابر مسافرانہ انداز پر قصر نماز پڑھتے رہے اور آخر کار جب باغی و سرکش ہوازن و ثقیف کے وادی حنین میں جمع ہونے کی خبر آپ کو ملی تو جنگ کا عزم فرما کر دس ہزار اہل مدینہ اور دو ہزار طلقاء یعنی نو مسلم اصحاب کو ہمراہ لیکر ۶ شوال ۸ھ کو حنین کی جانب روانہ ہوئے جہاں دشمنوں کی جماعت اپنے سامان عیش و طرب کو نیز مویشی اور اپنی ساری جائداد یعنی بھیڑ بکریوں کے گلے گھیرے ہوئے پڑی تھی۔

بارہ ہزار شجاعان عرب کا اسلامی لشکر اپنی تکثیر جماعت اور زیادتی تعداد پر ناز کرتا ہوا کہ ہم پر کون غالب آسکتا

انسانی و اسلامی دونوں کمال کے خلاف بعض مسلمانوں کو اپنی جمعیت پر اعتماد و وثوق اور کثرت پر ناز و گھمنڈ پیدا
ہوا جسکو قادر مطلق خدا کی بے نیاز ذات نے کبھی پسند نہیں فرمایا کسی مسلمان کی زبان سے یہ بڑا بول بھی نکلا کہ "ہماری اسلامی
جماعت نے اپنے کسی گونہ دشمنوں کے آگے کبھی پیٹھ نہیں پھیری اور آج تو بارہ ہزار مسلمانوں کا صرف چار ہزار کافروں سے
مقابلہ ہے" بڑے بول کا سر نیچا" یہ غرور اللہ پاک کو پسند نہ آیا اور انجام کار مسلمانوں کو ہزیمت کا برا وقت دیکھنا پڑا۔
مسلمانوں کو حنین تک پہنچنے کے لئے ایک تنگ گھاٹی سے نکلنا تھا اس سے نکل میدان میں پڑے ہوئے دشمنوں
کو قطار در قطار نکلنے والے مسلمانوں پر تیر برسانے کا اچھا موقع ہاتھ آیا پھر بھی باہمت مسلمان ہراول و تقیعہ
کی یکجا جمع ہوئی فوج میں انتشار ڈالتے ہوئے بڑھے چلے گئے مگر افسوس کہ دشمن کے اس عارضی انتشار کو
ہزیمت و فرار سمجھکر جلد باز مسلمانوں نے مال غنیمت لوٹنا شروع کردیا اور دشمنوں کے پیادے لٹیروں کے
ادھر ادھر پڑے ہوئے مال پر قبضہ کرنے کے درپے ہوگئے۔

اس تھوڑی سی جماعت کفار میں ہوازن کے وہ مشہور تیر انداز زیادہ تھے جنکو نشانہ لگانے پر ناز اور درحقیقت
فن تیر اندازی میں یک خاص کمال تھا اسلئے اسلامی لشکر کا اپنے ذخیرہ غنیمت کو چھوڑ کر بالکل پیچھے پڑنا تھا کہ تیروں کی بوچھار ساون کے
موسلا دھار مینہ کی طرح پڑنی شروع ہوئی اور جو بھی تیر کا نشانہ بنایا گیا وہ بیجان ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اگرچہ اس تیر اندازی کے بگولے میں زیادہ جانیں ضائع نہیں ہوئیں مگر ثابت قدم قوم کے پاؤں اکھڑ گئے
اور اسلامی لشکر میں بھگی پڑگئی گویا مسلمانوں کو شکست ہوگئی کیونکہ اسوقت سپہ سالار لشکر یعنی رسول مقبول
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سوائے چار اصحاب کے کوئی بھی باقی نہیں رہا تھا جن میں تین حضرات ہاشمی النسل یعنی علی رض
و عباس رض آگے اور ابوسفیان رض اس خچر شہباء کی باگ تھامے ہوئے تھے جس پر حضرت سوار تھے اور چوتھے صحابی
حضرت ابن مسعود رض بائیں جانب محافظ و سپر بنے ہوئے کھڑے تھے۔

مسلمانوں کے اس بے سروسامانی کی حالت میں ایسے پاؤں اکھڑے کہ جینا مشکل پڑ گیا یہانتک کہ ان
ضعیف الاسلام نو مسلم اشخاص کو بھی اپنی خباثت نفس کے اظہار کا موقع ملا جن کا ایمان ابھی تک کامل
نہیں ہوا تھا اور سینوں میں حسد و کینہ کی تاریک گھٹائیں امنڈ رہی تھیں کسی نے کہا کہ "آج ایسے بھاگے ہیں
کہ دریا سے ورے رکنے کا نام نہ لیں گے" اور کوئی بولا کہ "آج سحر و ساحری کے باطل و ملیامیٹ ہونے کا
دن آپہنچا" غرض جس نے جو چاہا کہا مگر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بات کی کچھ پرواہ نہ کی اور اس
کس مپرسی کے ہنگامہ میں آپ نے ثابت کردیا کہ شجاعت و استقلال اور جواں مردی و بہادرانہ ثابت قدمی
جیسی کہ نبی میں ہونی چاہیئے وہ آپ کے ہاشمی خون میں بھرپور شامل کردی گئی ہے چنانچہ آپ ایسی حالت میں جبکہ
بہادر سے بہادر بھی بھاگنا مصلحت پر محمول کرکے جان بچانے کی فکر ضروری سمجھے مرکب سے نیچے اتر گئے اور نہایت بہادرانہ

انھیں رجز کے طور پر یوں ارشاد فرمایا "میں نبی ہوں جھوٹا نہیں ہوں۔ عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔"

چونکہ بیعت رضوان کی عزت پانے والے مسلمان (اصحاب سمرہ) بھی بھاگنے والے مسلمانوں میں شریک تھے جنھوں نے صلح حدیبیہ کے سفر میں کیکر کے درخت کے نیچے رسولؐ کے مبارک ہاتھوں پر یہ عہد و پیمان کیا تھا کہ جان دیدیں گے مگر پیٹھ نہ دیں گے" اس لئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے باآواز بلند اسی مبارک خطاب یعنی اصحاب سمرہ سے بھاگتے ہوئے مسلمانوں کو پکارا تاکہ وہ پیمان عہد یاد آجائے چنانچہ یہ آواز سنتے ہی مہاجرین و انصار پھر لوٹے اور جی توڑ کر کافروں سے لڑنا شروع کیا۔

اس جنگ میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی اجازت دیدی تھی کہ "جو مسلمان سپاہی کسی کافر کو قتل کرے اُس کا چھینا ہوا مال و اسباب اسی کا ہے" چنانچہ حضرت ابوقتادہؓ نے اس مقتول مشرک کا اسباب لیا جو ایک مسلمان سپاہی پر دھوکہ سے حملہ کرنا چاہتا تھا اور حضرت ابوقتادہؓ نے لپک کر ایسی تلوار ماری تھی جس سے زرہ کٹ گئی اور چند ہی لمحہ بعد اس کا ملکیہ عدم ہوا تھا۔

اسلامی لشکر کی یہ تھوڑی سی شکست بالکل عارضی اور محض حکم خداوندی کا اظہار تھا کیونکہ اپنے لشکر کی شوکت و کثرت پر گھمنڈ کرنا اور ان کے نئے اسلامی (؟) کی وجہ سے عزت بارگاہ خداوندی مقتضی امتحان ہوئی تھی اس لئے چار مسلمان شہید ہوئے اور باقی سب سنبھل کر اسی استقلال و استقامت کیساتھ جنگ میں مشغول ہوئے جو ان کے ابتدائی کارناموں میں عزت کی نظر سے دیکھی جاتی ہے چنانچہ میدان کارزار کا رخ پھر گیا اور اب اس میدان میں کافر بھاگتے نظر آئے جہاں مسلمانوں کو بھاگنا پڑا تھا اور چونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی خاک لشکر کفار کی طرف پھینک کر یہ الفاظ ارشاد فرمائے تھے کہ "یہ منہ ذلیل و خوار ہوں" اسلئے ہوازن و ثقیف کے ہزیمت خوردہ بدوؤں کے جماؤ کی کوئی صورت نہ رہی اور بالآخر چند ہی لمحہ بعد کافروں نے سترہ جانوں کا تلف ہوتے ہی نہایت نقصان کے ساتھ شکست پائی۔

کفار کے چھوٹے ہوئے مال و اسباب اور کثیر التعداد مویشی مسلمانوں کے قبضہ میں آئے جن میں ایک جنگل بھرا ہوا صفوان بن امیہ کو عطا ہوا اور وہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دریادلی دیکھکر ایمان لے آئے تھے۔ بھاگے ہوئے ہوازن میں ایک جماعت گرفتار ہوئی اور کچھ لوگ جن میں زیادہ قوم ثقیف کے بدو تھے اپنے سردار لشکر یعنی عوف بن مالک کے ساتھ طائف کے اُس قلعہ میں پناہ گیر ہوئے جہاں کھانے پینے کی سال بھر کے لئے کافی مقدار رسد پہلے سے جمع کر رکھی تھی اور باقی جو بچے وہ اوطاس کے مستحکم درہ میں جا چھپے یا نخلہ کی جانب روپوش ہوگئے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین سے فارغ ہوکر حضرت ابوموسیٰ اشعری کے چچا حضرت ابوعامر

کو جن کا نام عبید بن سلیم ہے مفرور ہوازن کی گرفتاری اور سزائے بغاوت کے لئے صحابہ کی ایک جماعت کا امیر
بناکر اوطاس کی جانب روانہ فرمایا اور خود باقی اصحاب کو لیکر مستحکم قلعہ میں پناہ گیر ہزیمت خوردہ فوج کی
کافی سزادہی کے لئے طائف کی جانب مراجعت فرمائی۔

باب (۸۵)

غزوۂ طائف و غزوۂ اوطاس۔ حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ ہزیمت خوردہ ہوازن کی گرفتاری
کے لئے اوطاس کی جانب روانہ ہوئے اور بہادرانہ حملہ سے پناہ گزیں جماعت میں انتشار پیدا کردیا مثل مشہور ہے
کہ "مرتا کیا نہیں کرتا" ہزیمت خوردہ ہوازن نے کسی جانب مفر نہ دیکھکر جدال اور مصاف مزاج مسلمانوں کے ہاتھوں
میں گرفتار ہونا غنیمت سمجھا مگر اس پر بھی بعض باغی و سرکش کافر اپنی شرارت سے باز نہ آئے اور حارث کے بیٹے
علاء حبشی نے اسلامی امیر الجیش حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کے گھٹنے میں ایسا تیر مارا کہ اندر پیوست ہوتا چلا گیا۔
ہوازن کے تیر انداز مشہور ہیں اس لئے یہ بات کچھ عجیب اور قابل حیرت نہیں سمجھی جاتی کہ درحقیقت اس تیر نے
سردار لشکر کا پاؤں ہی صرف بیکار نہیں کیا بلکہ شربت شہادت کا مبارک پیالہ لا سامنے رکھا۔

حضرت ابو عامر رضی کے بھتیجے حضرت ابو موسیٰ رضی بھی اسی فوج کے سپاہی تھے اس لئے چچا کو زخمی پاکر پاس آئے
اور دریافت کیا کہ "یہ تیر آپ کے کس جفاکار نے مارا ہے مجھے جلد بتائیے کہ میں اس سے انتقام لوں" چنانچہ حضرت
ابو عامر نے اشارہ سے اپنے قاتل کو بتایا اور خاموش ہو رہے۔

حضرت ابو موسیٰ رضی سفاک و بے رحم تیر انداز کے تعاقب میں لپکے چونکہ حبشی بھی بہادر سپاہی کو اپنی طرف آتا
ہوا دیکھ کر جان بچانے کے لئے بھاگ اٹھا تھا اس لئے للکارے اور کہا کہ "او بے حیا بزدل تجھے مقابلہ سے گریز کرتے
اور آمنے سامنے کی جنگ سے بھاگتے ہوئے شرم نہیں آتی او بیحیا ٹھیر اور مردانگی کے ساتھ جان دے" چنانچہ یہ
فقرہ سنکر حبشی کافر ٹھیر گیا اور دونوں میں تلوار کے وار شروع ہو گئے۔

حضرت ابو موسیٰ رضی کی تلوار صرف اسی کی منتظر تھی کہ حملہ کا رخ بالمواجہہ ہو جائے کیونکہ حبشی کی موت اس کے
سر پر تھرک رہی تھی اس لئے اسلامی جھلکدار شمشیر نے دشمن کو مہلت نہ لینے دی اور دوسری ہی ضرب میں
کام تمام کر دیا۔ ابو موسیٰ رضی اپنے مہربان چچا کے سخت دل قاتل کو جہنم میں پہنچا کر واپس ہوئے اور دیکھتے ہیں وہ پیوست
[illegible] تیر [illegible] اپنا کام کر چکا تھا کیونکہ حضرت ابو عامر رضی نے اپنے بھتیجے ابو موسیٰ کو اپنا جانشین بنایا اور صرف
[illegible] وصیت کرنے کے بعد کہ "اے ابو موسیٰ رض رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں میرا اسلام عرض کیجیو اور
درخواست کیجیو کہ میرے لئے دعائے مغفرت فرما دیں" شربت شہادت نوش فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت ابو موسیٰ رضی نے اسلامی نشان ہاتھ میں لیا اور یکدم اسلامی فوج کو للکار کر بہادرانہ حملہ کر دیا اسلامی لشکر

کا حملہ وہ حملہ نہ تھا جس کو ہوازن کے بدو روک سکتے اس لئے قوم کا سرغنہ درید بن صمہ حضرت ربیعہ بن رفیع رضؓ کے ہاتھ سے قتل ہوا اور اس کے جمع کئے ہوئے لشکر نے بے سروسامانی کے ساتھ بھاگنا شروع کیا۔ کئی ہزار ہوازن بچے بوڑھے اور عورت و مرد گرفتار ہوئے چالیس ہزار سے زیادہ بکریاں چوبیس ہزار اونٹ اور چار ہزار اوقیہ چاندی جو مال غنیمت میں ہاتھ آیا مع گرفتار قیدیوں کے حضرت ابو موسیٰ رضؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا رکھا اور اپنے مرحوم چچا ابو عامر شہید کی درخواست پیش کی اسوقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر بستر بوریئے پر استراحت فرمارہے تھے ابو عامر کا حال سنکر اُٹھ بیٹھے اور وضو فرمانے کے بعد دونوں ہاتھ اٹھا کر اس طرح دعا فرمائی "بار الٰہا ابو عامر کی مغفرت فرما اور اس مرحوم کو قیامت کے دن اپنی بہتیری مخلوق سے بالا درجہ نصیب کر۔"

ابو موسیٰ رضؓ نے یہ حالت دیکھکر کہ رسالتمآب خاص توجہ کے ساتھ دعا فرمارہے ہیں عرض کیا کہ رسول اللہ اپنے غلام ابو موسیٰ رضؓ کے لئے بھی دعا فرما دیجئے چنانچہ اسی مجلس میں آپ نے ان کیلئے بھی ان الفاظ سے دعا فرمائی کہ "الٰہی عبد اللہ بن قیس (ابو موسیٰ رضؓ) کی مغفرت کر اور قیامت کے دن کرامت والا مقام نصیب فرما۔"

انھیں گرفتار مصیبت قیدیوں میں جنکو حضرت ابو موسیٰ گرفتار کرکے لائے تھے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن سیما بنت الحارث بھی تھیں جن کو آپنے لطیب خاطر رہا فرما دیا اور نہایت اکرام کے ساتھ ان کے اہل و عیال کی جانب واپس بھیجدیا۔

ادھر حضرت ابو عامر شہید اوطاس کی جانب روانہ کئے گئے اور اُدھر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قلعۂ طائف کا جا محاصرہ کیا جس میں عوف بن مالک اپنے مشرک رفقاء و حنین کے ہزیمت خوردہ ثقیفی جماعت کو ہمراہ لیکر پناہ گزیں ہوا تھا۔ اور کامل اٹھارہ دن محاصرہ میں محصور رکھا مگر چونکہ قلعہ کی دیوار کے اوپر سے پھینکے ہوئے تیر نیچے پڑے ہوئے اسلامی لشکر میں اپنا کام اچھی طرح کر سکتے تھے اور مسلمانوں کو دشمن کے جواب دینے کا موقع ملنا دشوار تھا اس لئے مراجعت مناسب معلوم ہوئی البتہ یہ منادی کرا دی گئی کہ جو شخص قلعہ سے باہر آجائیگا وہ آزاد کردیا جائیگا چنانچہ تئیس ۲۳ آدمی باہر نکل آئے جن میں تئیسویں حضرت ابو بکرہ رضؓ بھی ہیں جو قلعہ کے پھاٹک کھولنے اور دروازہ کے راستہ باہر نکلنے سے اپنے آپ کو عاجز پاکر قلعہ کی اونچی فصیل پر کھڑے ہوکر نیچے لٹک پڑے تھے بالآخر چونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ چکے تھے کہ طائف کے لوگ آپ سے آپ بلا جنگ خونریزی چند روز میں تابع ہوجائینگے اس لئے اٹھارویں دن محاصرہ اٹھا لیا گیا۔ البتہ بارہ صحابی جو اسی غزوہ میں شربت شہادت نوش فرما چکے تھے وہیں دفن کر دیئے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف سے بغیر اتمام فتح اور نصرت تام مراجعت فرما کر مقام جعرانہ

احرام باندھا اور چھٹی ذیقعدہ کو عمرہ لائے۔ اسی مقام پر غنائم حنین کو اسلامی لشکر میں تقسیم کیا اور کافروں سے لوٹا ہوا مال و اسباب لونڈی غلام سب کچھ فوجی سپاہیوں کو بانٹ دیا مگر نو مسلم اور ان ضعیف الایمان مسلمانوں کو تالیف قلوب کے ارادہ اور اس خیال سے کہ مال کے لالچ سے ان کا اسلام مستحکم و مضبوط ہو انصار رضی اللہ عنہم پر ترجیح دی گئی جیسا کہ ابو سفیان بن حرب سہیل بن عمرو حویطب بن عبد العزیٰ حکیم بن حزام صفوان بن امیہ عبد الرحمٰن بن یربوع وغیرہ کچھ اوپر چالیس طلقاء مکہ کے نام مورخین اسلام نے لکھے ہیں۔

مخلص و عقیدت مند انصار اور اہل مدینہ جیسے رسول کے جان نثار اصحاب تو اس تالیف قلوب اور ترجیح اہل مکہ کو محمول حسن انتظام مصلحت و حکمت پر محمول کیا مگر بعض انصار نے اس کو حق تلفی سمجھکر یہ الفاظ بھی زبان سے نکالے کہ کس قدر بے انصافی ہے اہل مکہ غنیمت حنین سے مالا مال ہوں اور ہم حالانکہ ہماری خون آلود تلواریں ہماری محنت و جفاکشی کا اظہار کر رہی ہیں محروم رہیں۔ اس لئے جب یہ خبر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے ان سبھوں کو جمع کیا اور ایک بڑے چرمی خیمے میں جبکہ انصار کے سوا کوئی نہ تھا اس طرح خطاب فرمایا کہ "اے گروہ انصار کیا باتیں ہیں جو تم آپس میں کرتے ہو"؟

انصار رضی اللہ عنہم کی حسن عقیدت اور ادب و لحاظ نے اگرچہ قصہ کے اظہار سے روکا مگر پھر بھی سوال کا جواب دینا ضروری سمجھکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ قومی سرداروں اور عقلمند و مخلص اصحاب نے تو کچھ بھی نہیں کہا البتہ بعض کم عقل و ناسمجھ انصار اور نوعمر و کم سن جوان طلقائے مکہ کی ترجیح کو اپنی حق تلفی سمجھتے ہیں"۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے میرے انصار کیا تم اس زمانہ کو بھول گئے جب میں تم لوگوں کے پاس پہنچا تھا تم لوگ سب کے سب تاریکی کے میدان میں بھٹک رہے تھے خدا نے تمھیں میرے ذریعہ سے ہدایت دی تم لوگ مصیبت میں مبتلا تھے خدا نے تمھیں میرے ذریعہ سے خوش کیا تم لوگ ایک دوسرے کے دشمن تھے خدا نے میری وساطت سے تمھارے دلوں کو محبت و اتفاق سے بھر دیا کہو کیا یہ بات صحیح نہیں ہے؟

ان لوگوں نے جواب دیا کہ بیشک صحیح ہے اللہ اور اس کے سچے رسول کے ہم سب احسان مند ہیں۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں اے گروہ انصار اگر تم یوں کہو تو بیشک صحیح کہو کہ اے محمد تم جھوٹے اور دروغگو مشہور ہوکر ہم لوگوں کے پاس آئے اور ہم تم پر ایمان لائے تم بے یار و مددگار تھے ہم نے تمھاری مدد کی تم کو سب نے چھوڑ دیا تھا ہم نے تمھاری غمخواری کی تم غریب و بیکس تھے ہم نے تمھیں پناہ دی تم بےچین تھے ہم نے تمھیں تسلی دی۔ اے میرے پیارے انصار تم کیوں اپنے دلوں کو دنیا کے لئے پریشان کرتے ہو کیا تم اس پر راضی نہیں ہوگے کہ لوگ بھیڑ بکریاں لیکر جائیں اور تم مجھ کو؟ قسم ہے خدا کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں تم لوگوں کو کبھی نہیں چھوڑوں گا اگر کل جہان کے آدمی ایک طرف ہو جائیں اور تم انصار ایک طرف تو میں انصار ہی

کی طرف ہوگا۔ خدا اُن پر مہربان ہو اور ان پر اپنی برکت نازل فرمائے انکی اولاد پر فضل کرے اور انکی اولاد کی اولاد پر
اے میرے پیارے انصار دنیا اور دنیا کا مال و متاع کوئی وقعت کے قابل چیز نہیں ہے سب ایک دن فنا او
ختم ہو جانیوالا ہے میں سچ کہتا ہوں کہ تمھارا وہ بھرپور اجر و ثواب جو تم کو اللہ کے رسول کی اعانت کے عوض ملنے والا
ہے اور وہ اخروی لازوال نعمت جو تمھارے پروردگار کے پاس تمھارے لئے تیار ہو چکی ہے دنیا کی سلطنت سے ہزار ہا
درجہ بہتر ہے یہ لوگ میری قوم کے قریش اور بنو علون اہل مکہ نو مسلم اور ضعیف الایمان ہیں ان کی عمر کے زیادہ
حصے شرک و کفر میں گذرے اب ان پر تم نے فتح پائی ان کے مال و اسباب لٹ گئے ان کی مقبوضہ املاک و جائداد
ان کے ہاتھوں سے نکل گئی جن کی آزادانہ زندگی نے رخ بدل ڈالا میں نے چاہا کہ ان کے نقصان کی تلافی کردوں
اور ان کو دنیا کا مال و متاع جس پر وہ ریجھے ہوئے تھے ذلیل و حقیر سمجھ کر دو مٹھی بھر بھر کر دیدوں تا کہ ان کے
ایمانوں میں تزلزل پیدا نہ ہو اور تم لوگ چونکہ میری موت و حیات کے شریک ہو اس لئے تم کو مال کے دینے میں
میں نے چشم پوشی کی میں تمھارا ہوں اور تم میرے۔ اگر دنیا بھر ایک راستہ سے چلے اور تم ایک راستہ سے تو میں
تمھارے ہی ساتھ چلوں گا۔"

مؤرخ لکھتا ہے کہ انصار رضی اللہ عنہم ان باتوں کو سنکر اتنا روئے کہ ان کی ڈاڑھیاں تر ہو گئیں
سب لوگوں نے متفق اللفظ کہا کہ "یا رسول اللہ ہم لوگ اپنے اپنے حصوں پر راضی ہیں" بالآخر وہ لوگ خوش
خوش اللہ پر اللہ پر بھروسہ کرکے اپنے گھر گئے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عتاب بن اسید
اور معاذ رضی اللہ عنہما کو مکہ کا حاکم اور اپنا نائب خلیفہ مقرر فرما کر پیارے انصار و مہاجرین کے ساتھ
مدینہ کی جانب مراجعت فرمائی۔

غزوہ حنین و اطاس کے مال غنیمت کی تقسیم اور گرفتاران ہوازن کے اسلامی لشکر میں بانٹ دینے
کے بعد طائف کے مشرکوں و بت پرستوں نے پناہ لینے والے ثقیف و ہوازن باہر نکلے اور چونکہ اسلامی شان و شوکت
دیکھ چکے اور دیگر ریگستانی اقوام کی طرح یہ بات اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ لات و عزیٰ کی مورتیں بیکار محض اور صرف
خیالی ڈھکوسلے ہیں اس لئے ہوازنی بدو تائب ہو کر حاضر خدمت ہوئے اور اسلام لے آئے تھے مگر چونکہ
ان نو مسلم بدوؤں کے قریبی رشتہ دار اور برادری کے اکثر افراد مسلمانوں کے لونڈی غلام بنے نظر آتے تھے
اس لئے سائلانہ طور پر مستدعی ہوئے کہ خاندان ہوازن کے کل قیدی رہا کر دیئے جائیں۔ اور لوٹا ہوا مال واپس
کر دیا جائے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیران ہوازن کی تقسیم اسی انتظار میں کہ شاید خاندان
مسلمان ہو کر اپنے قیدیوں کی رہائی کا خواستگار ہو ملتوی رکھی اور کچھ اوپر دس دن تک مؤخر کر دی تھی
اور اب جو واپسی کا وقت قریب آجانے کی وجہ سے حصہ لگا چکے اور تقسیم فرما چکے تھے اس لئے جواب دیا کہ

"تم دیکھتے ہو میرے ساتھ کون لوگ ہیں بھلا مسلمان اپنی محنت کو کیونکر رائیگاں ہونے دینگے" ہاں اگر تم چاہتے ہو کہ اپنے بال بچوں کو لیجاؤ تو مال سے دست بردار ہونا پڑیگا" چنانچہ خاندان ہوازن کو جب یقین ہو گیا اور سمجھ گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاندانی قیدی اور مسلوبہ مال میں صرف ایک کو واپس دیسکتے ہیں تو انھوں نے اس شرط کو منظور کیا اور کہا کہ ہم لوگ عرض کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں سے اور مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کریں کہ ہمارے بال بچے اور بھائی برادر چھوڑ دیئے جائیں"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر خطبہ پڑھا اور اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ "پیارے مسلمانو تمھارے قومی بھائی ہوازن تائب ہو کر تمھارے پاس آئے اور ایک درخواست لائے ہیں جس کا پورا کرنا نہ کرنا تمھارے اختیار میں ہے میں سائل کا سوال رد کرنا پسند نہیں کرتا اپنے حصہ کے قیدی اور بنی مطلب کے حصوں کے بھی یوں ہی مفت یعنی بغیر کچھ مال لئے چھوڑے دیتا ہوں اگر تم بھی اس پر راضی ہو تو بہا ورنہ میں ذمہ لیتا ہوں کہ سب سے پہلے حاصل ہونے والے مال غنیمت میں سے اس حصہ کی تلافی دنیا کے زر و مال سے کر دوں گا جو تم کو نقصان پہنچے گا" چنانچہ سب نے رضامندی کا اظہار کیا مگر چونکہ فرداً فرداً ہر متنفس کی رضامندی معلوم نہ ہوئی اس لئے آپ نے اس پر بھی اکتفا نہیں کیا بلکہ یوں ارشاد فرمایا کہ "پیارے مسلمانو مجھے نہیں معلوم ہوا کہ تم میں کون راضی ہے اور کون ناراض اس لئے ہر ہر محلہ کا سربرآوردہ شخص کھڑا ہو کر جدا جدا اپنے ہم محلہ اور واقف کار مسلمانوں کی رضا و خوشنودی سے مجھ کو مطلع کرے تو بہتر ہے" چنانچہ جملہ سربرآوردہ اصحاب نے جن کو عربی لغت میں عرفاء قوم کہا جاتا ہے اپنے اپنے لوگوں سے دریافت کرنے کے بعد عرض کیا کہ یا رسول اللہ تمام خدام بلا معاوضہ اپنے قیدی رہا کرنے کے لئے بخوشی رضامند ہیں غرضکہ اس طرح پر چھ ہزار قیدی آزاد کر دیئے گئے اور اس عالی حوصلگی و حاتمانہ سخاوت کا ایسا عام اثر ہوا کہ بہتیرے ثقیف بھی مسلمان ہو گئے۔

ہوازن کے سردار مالک بن عوف نے بھی بعد میں اسلام قبول کیا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سراپا رشاد سے طائف کے باقاعدہ حاکم مقرر کئے گئے۔ مالک بن عوف کو ایک سو اونٹ انعام میں بھی دیئے گئے اور نیز اہل و عیال جو میدانِ جنگ کے مفرور ہزیمت خوردہ لوگوں میں پکڑے گئے واپس کر دیئے گئے۔

الحمد للہ کہ حصہ سوم ختم ہوا۔ باقی حالات یعنی تا وصالِ نبوی اسلام کے سچے واقعات اگر خدا نے توفیق دی تو چوتھے حصہ میں تمام ہوں گے۔ ورنہ اللہ بس باقی ہوس۔